aazzamm@yahoo.com

فرض کیجئے،
میر جمشید عالم کی جگہ آپ ہوتے!

امبریل

جلد دوم

انوار صدیقی

فرزانہ لائبریری ویڈیو اینڈ ریکارڈنگ سنٹر
گول چکر کوٹ ساہیوال

ناشر:-
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار، لاہور-۲

Scanned
By
Ali and Azam

Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

aazzamm@yahoo.com

عزا فتہ لائبریری وڈیو اینڈ ریڈیو ڈیک سنٹر
محمود چک ساہیوال

میں نے سوچا' سب کچھ صاف صاف بتا دوں۔ کہہ دوں کہ میرا نام میر جمشید عالم ہے۔ میں ایک مسلمان ہوں جنہیں بہت سے ہندو پسند نہیں کرتے۔ میں ایک قاتل ہوں جسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں ایک مظلوم اور غریب آدمی ہوں جو پرکاش بھون کے اونچے لوگوں میں بیٹھنے کا اہل نہیں ہے۔ میں نے اس کے بھائی مہیش چندر کو قتل کیا ہے' اس کے باپ پرکاش چندر کی موت کا سبب بھی میں ہوں۔ اس کی بہن شکنتلا سے میری آشنائی ہے۔ اس کی نوجوان سوتیلی ماں پارو کے شباب کا رس میں نے چرایا ہے۔ اس کی حسین بہن شاردا میرے لیے اور میں اس کے لیے اپنے دل میں گہرے جذبات رکھتے ہیں۔ میں نے سوچا' سب کچھ کہہ دوں اور اس کا پستول واپس کر دوں کہ لو' اس سے مجھے ختم کر دو' میں تمہاری اتنی محبتوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میں یہ بھی کہہ دوں کہ کسی پراسرار عورت کا سایہ گاہے بگاہے آ کے میری مدد کرتا ہے اور پتہ نہیں اس کا مقصد کیا ہے؟ میرے پیچھے ایک سادھو پڑا ہوا ہے جو میرے بارے میں تقریباً سب کچھ جانتا ہے۔ ایک پنڈت ہے جو مجھے پریشان کرتا رہتا ہے مگر میں اسے کچھ نہیں بتا سکا کیونکہ میں اتنی ہولناک باتیں سنا کے اس کا اعتبار شکستہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے اندر اتنی جرات نہیں تھی۔ مجھ سے کچھ نہ بن پڑا تو عورتوں کی طرح میرے آنسو بہنے لگے۔

دنیش نے فوراً موضوع بدل دیا۔ ''پروفیسر موہن!'' اس نے شوخی سے کہا۔ ''ازراہِ کرم ہمیں معاف کیجئے' ہماری توبہ جو ہم آپ سے آئندہ کچھ کہیں۔ یہ بتائیے آپ نے آج کی شب کے ہنگامے سے کیا نتیجہ اخذ کیا؟''

''دنیش بابو! آپ نے ایک بہت کمتر آدمی کو سر چڑھا لیا ہے۔'' میں نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ''دوستی کے لیے کچھ قدریں ضرور مشترک ہوتی ہیں' یہاں تو کچھ بھی نہیں ملتا۔''

''تم پاگل پنے کی باتیں کر رہے ہو۔ سب سے بڑی مشترک قدر یہ ہے کہ

Scanned
By
Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار اول ـــــــــ 2001ء
ناشر ـــــــــ محمد علی قریشی
مطبع ـــــــــ نیر اسد پریس لاہور
پروف ریڈر ـــــــــ حبیب اللہ صدیقی
سرورق ـــــــــ ذاکر
قیمت ـــــــــ -/250 روپے

aazzamm@yahoo.com

ہم دونوں ایک دوسرے کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ رہا غریبی! میرے اقتدار اور محکومی کا فرق تو یہ سب حماقت کی باتیں ہیں۔ تم بھول رہے ہو کہ میں نے یورپ میں تعلیم حاصل کی ہے۔"

"آپ بہت بڑے آدمی ہیں۔" میں نے احسان مندانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"دوسرے بڑے آدمی تم ہو۔" وہ تیزی سے بولا۔ "سنو موہن! میں بظاہر ایک راجکمار کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہوں۔ پرکاش بھون کی دولت کی کنجیاں میرے پاس رہتی ہیں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے۔" اس نے کچھ جھجک کر کہا۔ "کہ تم کسی مرحلے پر مجھ سے غیریت مت برتنا۔ جو ضرورت پڑے، وہ مجھ سے چابیاں لے کے خود اٹھا لینا۔"

"مجھے دولت نہیں، آپ کی دوستی کی امان چاہیے۔ دولت کا میں کیا کروں گا دنیش بابو؟ کون بیٹھا ہے جسے خوش کروں گا؟ سب مارے گئے، ایک بڑا بھائی تھا، وہ پاگل ہو گیا ہے۔ پتہ نہیں زندہ بھی ہے یا مر گیا؟"

"میں تم سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ کل سے میں بھون میں باقاعدہ تمہیں اپنے دوست کی حیثیت سے پیش کروں گا۔ تم یہیں میرے ساتھ رہو گے۔ مجھ سے اب یہ برداشت نہیں ہوگا کہ میرے سامنے تمہیں لوگ ذلت سے مخاطب کریں۔ اس طرح میں ان بے ہودہ لوگوں کو یہ بھی بتا سکوں گا کہ میں تنہا نہیں ہوں، میرا دوست میرے ساتھ ہے۔" دنیش نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

"آپ بار بار یہی کہتے ہیں اور اس کے نتائج پر غور نہیں کرتے۔ اگر آپ میری وجہ سے ایسا کہتے ہیں تو سمجھ لیجیے کہ مجھے اس بات کی فکر نہیں ہے کہ یہاں کے لوگ کس طرح مجھ سے مخاطب ہوتے ہیں۔ یہ ایک عارضی توہین ہے۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ حالات نارمل نہیں ہیں، بہت خراب ہیں۔ میں آپ سے پھر یہ کہوں گا کہ فی الحال میری موجودہ صورت ہی آپ کے اور میرے لیے مفید ہے۔"

دنیش کچھ سوچنے لگا اور آخر میرا ہمنوا بن گیا۔ میں نے اسے متعدد دلیلیں دے کے سمجھایا کہ اس جذباتی اعلان میں ہمارے لیے کون کون سے اندیشے موجود ہیں؟ "اب آپ یہ بتائیے جناب! آج کی پارٹی کے بعد کے اثرات سے کیسے نمٹیں گے آپ؟"

"ہاں یہ بتاؤ کیسا مزہ رہا؟" وہ بے قراری سے بولا۔

"مزہ تو بہت رہا مگر آپ نے کچھ سوچا بھی ہے؟ ممکن ہے کرنل ہارڈنگ کی صاحبزادی ریتا کل کسی وقت مجھے تلاش کرتی ہوئی ادھر آ جائیں۔ خود کرنل ہارڈنگ کسی وقت فون پر رابطہ قائم کر سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، وہ مجھے آسانی سے نہیں بھولیں گے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے اور یہ کوئی ناخوشگوار بات نہیں ہے۔"

"مگر میں ان کے سامنے یہاں کس طرح پیش ہوں گا۔ کیا مجھے پھر سے میک اپ کرنا ہوگا؟ راجکماری کنول بھی کسی وقت آ سکتی ہے۔ مہاراجہ بھی فون کر کے بلا سکتے ہیں۔ آپ کیا عذر پیش کریں گے؟"

"ہاں، یہ تو ایک مسئلہ ہے۔ اس سے نمٹنے کی بہترین صورت یہی ہے کہ میں ان سب سے یہ کہہ دوں گا کہ پروفیسر کے کسی عزیز کا بمبئی سے تار آ گیا ہے، وہ صبح ہی راجے پور سے رخصت ہو گئے۔ جلد واپس آ جائیں گے۔"

"اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ حالانکہ میری اچانک واپسی ان کے لیے خاصی مخدوش اور مشکوک بات ہوگی۔ وہ تانے بانے ضرور ملائیں گے۔"

"اور ریتا بیچاری کا کیا ہوگا؟"

"اسے میرا انتظار کرنا ہوگا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "انتظار سے اس کے ہاں اور شدت پیدا ہو جائے گی۔"

"کرنل ہارڈنگ کے متعلق تم نے کیا رائے قائم کی ہے؟"

"وہ ایک سچا انگریز ہے، ہندوستانیوں کا دشمن۔ مجھے صدمہ ہوا کہ مہاراجہ امرناتھ ان چھوٹے چھوٹے انگریزوں کی خاطر مدارات میں لگے ہوئے تھے۔ اقتدار کے لیے کیسا بے غیرت بننا پڑتا ہے۔ سرِ دست کوئی بڑا خطرہ نظر نہیں آتا مگر انگریز کا اصول ہے کہ وہ آپس کے انتشار کا بہانہ کر کے قبضہ جما لیتا ہے۔ ہندوستان میں ہر جگہ اس نے یہی کیا ہے۔ پر راجکمار جگدیپ کو کون سمجھائے؟ انگریز مزید رعایتیں حاصل کرنے کے لیے اقتدار بخشتے رہتے ہیں۔ وہ اب آپ کی طرف رجوع ہوں گے۔ ادھر جگدیپ کو بھی ہوا دیں گے۔ اگر آپ راجے پور کی گدی سے اپنی دلچسپی ظاہر نہیں کریں گے تو جگدیپ فائدہ اٹھا لے گا۔ ایک بات اور بتا دوں دنیش بابو!" میں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ "راجکماری کنول بھی خطرے سے باہر نہیں ہیں۔"

aazzamm@yahoo.com

”تم مجھے کنفیوز کر رہے ہو۔“

”میں آپ کو حقائق بتا رہا ہوں۔“ میں نے سنگدلی سے کہا۔

”تو پھر میں کیا کروں؟ میری عقل تو کچھ کام نہیں کر رہی ہے۔“

”سازش کا جواب سازش سے دنیش بابو! ہمیں کچھ بے رحم بننا ہوگا۔ چھٹائی کرنی ہوگی۔ ہمیں زندہ رہنا ہے تو پتھر اپنے ہاتھ میں رکھنے ہوں گے ورنہ کوئی سر پھوڑ جائے گا اور پتہ بھی نہیں چلے گا۔“

”دیکھو' تمہارا وہاں جانا کتنا ضروری تھا۔ میں راجکماری کنول کے سامنے بالکل آدھا رہ جاتا۔ کسی اور طرف دھیان ہی نہیں جاتا۔“

”اس سلسلے میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص ان کے سامنے اپنے ہوش میں نہیں رہ سکتا۔“

ساری رات انہیں باتوں میں گزر گئی۔ دنیش کا خیال تھا کہ وہ مہمان خانے سے ترنم کو طلب کرے گا لیکن رات باقی ہی نہیں بچی۔ میں دنیش کو خواب گاہ میں بمشکل دھکیل کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ خیریت گزری کہ ڈالی کی آنکھ لگ گئی تھی۔ مجھے سونے کا نہیں تو کچھ سوچنے کا موقع ضرور مل گیا۔ سوچیں جو زبان و بیان' تکلف اور لحاظ سے آزاد ہوتی ہیں' میں نے اپنی فکر کا گھوڑا بے لگام چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ کبھی ادھر کبھی ادھر مٹرگشت کرتا رہا۔ اس آوارگی میں مجھے نیند نہیں آئی۔ راجکماری کنول کا حسین سراپا۔ ریتا کا سرخ رنگ بدن۔ کرنل ہارڈنگ کی تیز اور اندر دھنسی ہوئی آنکھیں' انگریزوں کے ہوس ناک چہرے' مہاراجہ کی پیشانی کی شکنیں اور کیچو کا پراسرار سایہ۔ سادھو کی رخنہ اندازی' پرکاش بھون' شاردا' پارو' پریت۔ نہ جانے کون کون۔ میرے سامنے شطرنج کی بساط بچھی ہوئی تھی اور گھوڑا اس پر پھدک رہا تھا اور کانوں میں گولیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ٹھائیں۔ ٹھائیں۔ ٹھوں' اُف ہائے۔ رام نام ست ہے۔

سورج کی پہلی کرن نے مجھے چین نہیں لینے دیا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا۔ چپکے سے صحن میں جا کے دو تین چھپاکے مارے اور بستر کی چادر سے منہ پونچھ کر جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔ بند گلے کا کوٹ اور پتلون۔ پھر میں نے پستول چیک کیا۔ دنیش اور پارو کے دونوں پستول لبالب بھرے تھے۔ سوتے میں ڈالی کے لہنگے کا کپڑا بے ترتیب ہو گیا تھا۔ کسی آہٹ کے بغیر میں نے اسے درست کیا اور گدّے کا بوسہ

لے کر رینگتا ہوا آہستہ سے کنڈی کھول کے اور دروازہ بھیڑ کے باہر آ گیا۔ راستے میں گوالوں اور مہتروں کے سلام لیتا ہوا میں تیز رفتاری سے صدر دروازے تک آ گیا۔ صدر دروازے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ دربان نے مجھے دور سے دیکھ کر پوچھا۔ ”موہن بابو! خیر تو ہے' آج سویرے سویرے کہاں جانا ہوگا؟“

”کچھ نہیں بھیا رام پرشاد! ایک ضروری کام ہے۔“ میں نے سرسری طور پر کہا اور پرکاش بھون کا دروازہ پھلانگ گیا جو ایک زمانے میں مجھ پر بند تھا۔ پرکاش بھون سے باہر راجے پور کی صبح بڑی دلنواز تھی۔ سبزہ شبنم سے تر تھا۔ ہر طرف ہریالی کی کنواری خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے چند لمبی لمبی سانسیں کھینچیں اور تازہ ہوا خوب پھیپھڑوں میں بھر لی۔ پھر میرے قدم تیزی سے اس ٹیلے کی طرف اٹھنے لگے جہاں وہ حرامزادہ سادھو بیٹھا تھا۔ جس نے آنجہانی مہیش چندر کے سامنے میرا ماضی عریاں کیا تھا۔ یہاں وہی ایک مردم آزار شخص تھا جو اس حقیقت سے واقف تھا کہ میں ایک قاتل اور مفرور شخص ہوں۔ وہ کسی دن بھی بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہو کے دنیش چندر سے بھی میرا کچا چٹھا بیان کر سکتا تھا۔ گزشتہ رات دنیش چندر کی کار کے سامنے اس کا اچانک آ جانا ایک طرح کی دھمکی تھی۔ میں نے بہت سوچنے سمجھنے کے بعد ہمیشہ کے لیے یہ معاملہ نمٹانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میرے پاس دو پستول تھے۔ ضروری نہیں تھا کہ مجھے اسی وقت اسے شوٹ کرنے کے مواقع میسر آ جاتے۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ مجھے بروقت تنہا مل جاتا۔ سب سے اہم بات سادھو کے استھان کے محل وقوع کا جائزہ لینا تھا اور یہ دیکھنا تھا کہ اس کے قتل کا بہترین موقع کون سا ہوگا اور اس سے یہ پوچھنا تھا کہ اسے آخر میرا انتظار کیوں ہے؟ اتنے قتل ان آنکھوں نے دیکھے تھے تو ایک اور قتل کرنے میں کیا مضائقہ تھا؟ ادھر کیچو کی طرف سے اطمینان تھا' اس نے اس مردود کے ذکر پر کسی اچھے ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔

جب تک وہ زندہ رہتا' میرے گلے پر اس کی چھری لٹکتی رہتی۔ اس کے پاس میرا سکون قید تھا۔ میں اپنا سکون اس سے آزاد کرانا چاہتا تھا۔ دنیش چندر اگر اتنی رفاقت کا اظہار نہ کرتا تو ممکن تھا کہ میں یہ کارنامہ سرانجام دینے کی ہمت نہ کر پاتا۔ یہ خدشہ بھی پوری طرح موجود تھا کہ سادھو کو چونکہ بہت سی باتوں کا علم اپنی پراسرار ماورائی طاقتوں کے سبب ہو جاتا ہے' چنانچہ وہ اس امر سے کیسے ناواقف رہے گا کہ میں ایک برے ارادے سے اس کے پاس آیا ہوں لیکن میری جیب میں دو پستول دھرے تھے

aazzamm@yahoo.com

اور پستول جب، جوش میں آجاتے ہیں تو کچھ نہیں دیکھتے۔ میری رفتار تیز تھی اور ذہن میں کوئی الجھن نہیں تھی۔

میں کوئی ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد اس ٹیلے پر پہنچ گیا جہاں سادھو اپنے گیان دھیان کا میلا لگاتا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا سرسبز پہاڑ تھا۔ میں نے دور کھڑے ہو کے پہلے اس جگہ کا جائزہ لیا۔ مجھے فوراً اندازہ ہو گیا کہ رات کے سناٹے میں سادھو کو آسانی سے نرکھ میں پہنچایا جا سکتا ہے۔ وہاں سادھو کے چند چیلے نظر آرہے تھے' سادھو موجود نہیں تھا۔ میں نے سوچا' وہ یقیناً اس کٹیا میں ہوگا جو چھوٹے سے مندر کے برابر بنی ہوئی ہے یا مندر میں ہوگا۔ میں نے آگے قدم بڑھا دیے۔ ''پرنام مہاراج!'' میں نے ایک نوجوان سادھو کو آواز دی۔

''پرنام۔'' اس نے مجھے سرتاپا گھورتے ہوئے کہا۔

''سیوک کو سادھو مہاراج سے ملنا ہے۔'' میں نے انکسار سے کہا۔ ''وہ اس سمے کہاں ہیں؟''

''اپنی کٹیا میں ہیں۔ پر تمہیں ان سے کیا کام آپڑا ہے؟''

''انہوں نے مجھے بلایا تھا۔ تم جا کے یہ کہہ دو کہ موہن داس آیا ہے۔'' میں نے عقیدت سے کہا۔ ''وہ مجھے اندر بلا لیں گے۔''

نوجوان سادھو کچھ دیر سوچتا رہا' پھر مجھے وہیں ٹھہرنے کے لیے کہہ کے کٹیا کے اندر چلا گیا اور فوراً واپس آ گیا۔ ''مہاراج کٹی کے اندر تو نہیں ہیں؟'' اس نے مجھ سے کہا۔ ''ٹھہرو! میں مندر میں دیکھتا ہوں۔'' وہ ادھر مندر گیا تو میں نے لپک کر احتیاطاً کٹیا میں جھانک کے دیکھ لیا۔ سادھو واقعی وہاں نہیں تھا۔ میں مندر کی مختصر عمارت کا جغرافیہ نظر میں رکھنے کے لیے سیڑھیاں چڑھ کے خود مندر میں داخل ہو گیا۔ مندر میں مورتی اور نوجوان سادھو کے سوا کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ ''معلوم نہیں' مہاراج کہاں گئے؟ ابھی ابھی تو میں نے انہیں دیکھا تھا۔'' وہ حیرانی سے بولا۔

''یہیں کہیں ہوں گے۔'' میں نے اردگرد ساری پہاڑی پر طائرانہ نظر ڈال کے کہا۔ ہم دونوں قریب قریب کی جگہوں پر بوڑھے سادھو کو تلاش کرتے رہے۔ اس کے دوسرے ساتھیوں سے بھی پوچھا مگر انہوں نے اسے صبح سے کہیں جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ انہیں خود اس بات پر حیرت تھی کہ سادھو نے آج اپنا معمول کیوں بدل دیا ہے جبکہ وہ صبح سویرے کٹیا میں دھیان گیان میں لگا رہتا ہے۔ میں کچھ دیر تک وہیں

بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہا۔ جب سورج کی چمک تیز ہونے لگی تو میں نے چار و ناچار واپس جانے کا قصد کیا۔ سادھو کو اگر میرے آنے کی خبر پہلے سے ہو گئی ہے اور وہ اس طرح خود کو روپوش کر سکتا ہے تو میں کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکوں گا۔ میں دنیش چندر کی نظروں میں ذلیل ہونے کے خیال ہی سے لرز گیا۔ آدمی سوچتا کچھ ہے' ہو کچھ جاتا ہے۔ بچپن میں کیا تصور باندھے تھے اور پیش کیا کچھ آرہا تھا۔ زندگی میں آدمی کے پیچھے کوئی نہ کوئی آزار لگا ہی رہتا ہے کرچھے والا پنڈت اور سادھو مجھ جیسے بے ضرر شخص کا تعاقب کسی بڑے مفاد کی خاطر کر رہے تھے جیسے میرے پاس کوئی خزانہ چھپا ہو۔ وہ خزانہ کیچو کے وجود کے سوا کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے میرے اردگرد یہ پراسرار سایہ سونگھ لیا تھا' ورنہ میری طرف توجہ دینے کی انہیں کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟ میری حیثیت ہی کیا تھی اور کیچو کون تھی؟ کاش میں اپنی یہ الجھن دور کر سکتا۔

سادھو کے علاقے سے راجے پور کے مکانوں تک ایک طویل سنسان راستہ درمیان میں پڑتا تھا جہاں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں اور کسانوں نے' جہاں ذرا سا میدان ملا تھا' وہاں کاشت شروع کر دی تھی۔ عام راستے کے بجائے میں انہی کھیتوں سے گزر کے آرہا تھا۔ ذہن پر سادھو اور کیچو کا خیال جونک کی طرح چمٹ گیا تھا۔ یکایک میں نے بھاگتے ہوئے گھوڑوں کی آوازیں سنیں۔ وہ آوازیں دم بہ دم قریب آرہی تھیں۔ انہوں نے اتنی تیزی سے میرے گرد حصار قائم کر لیا کہ مجھے کچھ سوچنے اور جیب سے پستول نکالنے کی مہلت بھی نہیں ملی۔ یہ کوئی دس آدمی تھے جو راجے پور کے روایتی لباس میں گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان سب کے ہاتھوں میں بندوقیں تھیں۔ میں نے بھاگنے اور پستول نکالنے کی کوشش بھی کی لیکن میرے چاروں طرف بندوقیں تن گئیں۔ ایک ذرا سی غلطی میرا دراز جسم چھلنی کر دیتی۔ ''اپنا پستول پھینک دو۔'' اچانک ایک بھاری آواز نے حکم دیا۔

میں نے خاموشی سے پارو کا پستول زمین پر پھینک دیا اور ہاتھ اٹھا لیے۔ ایک گھڑسوار نے گھوڑے سے اتر کر پستول اپنے قابو میں کیا اور میری دوسری جیب میں ہاتھ ڈال کر دنیش چندر کا پستول بھی حاصل کر لیا۔ ساتھ ہی اس نے میرے گال پر ایک زناٹے کا تھپڑ رسید کیا۔ میں ایسے تھپڑ کھانے کا عادی ہو چکا تھا۔ کوئی تاثر دیے بغیر میں نے اسے قبول کر لیا۔ ''چلو۔'' انہوں نے بندوق کی نال سے ایک گھوڑے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے بے چون و چرا ان کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک شخص نے مجھے

aazzamm@yahoo.com

وحشت سے گھوڑے پر کھینچ کے اپنے آگے بٹھا لیا۔ تین سوار ایک طرف' تین دوسری طرف' دو آگے' ایک ہمارے گھوڑے کے پیچھے ہو کے' آبادی سے کٹ کے' پہاڑوں کی جانب چلنے لگے۔ صرف ان کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ جسم گھوڑوں کی طرح فربہ تھے۔ ان کے دہشت ناک انداز سے کسی رعایت کی امید نہیں تھی۔ میں نے چند ہی ثانیوں میں خود کو اپنے انجام پر آمادہ کر لیا۔ میرے لیے ویسے بھی پھانسی کی سزا تجویز ہوتی جو برابر ٹل رہی تھی۔ کون دیکھتا کہ میں نے کن مجبوریوں میں خنجر چلایا تھا؟ اس آمادگی سے ذہنی تشفی ہوئی۔ میں نے خود سے کہا۔ ''میر جمشید عالم! دار پر جانا ہے تو شان و شوکت کے ساتھ مر جاؤ۔ مردوں کی طرح اپنا انجام قبول کرو۔''

ان کی رفتار پہاڑوں سے اترنے کے بعد کچھ تیز ہوئی۔ میں نے سوچا' آگے جا کے بھیانک موت مرنے سے بہتر ہے کہ کچھ ہنگامہ کر کے مرو تا کہ لوگ یاد تو رکھیں کہ کسی جی دار سے پالا پڑا تھا۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ موت کے خوف سے میں ایک معمولی جنبش بھی نہیں کروں گا۔ ان کے سمجھنے میں یہی کوتاہی ہو گئی۔ چلتے چلتے میں نے ادھر ادھر دیکھا' گھوڑوں کی ترتیب بگڑ گئی تھی مگر وہ سب مجھ سے قریب تھے۔ ایک مقام پر میں نے اپنے گھوڑے کے جسم میں زور سے چٹکی بھری' وہ اچھلا تو میں نے موقع دیکھ کے چپکے سے ایک اور چٹکی لے لی۔ گھوڑا یہ مذاق برداشت نہیں کر سکا' اشتعال میں آ گیا اور ایسا ناراض ہوا کہ اس کے ساتھی گھوڑے دیکھتے رہ گئے۔ وہ بندوق اٹھا کے میرا نشانہ بھی نہیں لے سکتے تھے کیونکہ گھوڑا کسی ایک جگہ ٹھہر نہیں رہا تھا' پارے کے مانند تھرک رہا تھا۔ جتنی اسے دھمکیاں دی گئیں' وہ اتنا ہی منہ زور اور برہم ہوتا گیا۔ ادھر میں اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص سے کوئی تعاون نہیں کر رہا تھا۔ نتیجے میں ہم دونوں ایک ڈھلان پر گر پڑے اور کچھ اس طرح گرے کہ بندوق میرے ہاتھ میں آ گئی اور میں نے اس کا کھٹکا دبانے میں کوئی تاخیر نہیں کی' وہ مجھے اپنے آقاؤں کی خدمت میں زندہ پیش کرنا چاہتے تھے' اس لیے گولی چلانے سے ڈر رہے تھے جبکہ مجھے خود اپنے آپ کو جواب دینا تھا۔ انہیں یہ بھی اعتماد حاصل تھا کہ ان کی تعداد دس ہے اور وہ اسلحہ سے لیس ہیں' میں نے ایک کو وہیں ٹھنڈا کر دیا۔ یہ دیکھ کے ان سب نے اپنے گھوڑوں کا رخ میری جانب کر دیا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں بندوق کا کندا تیزی سے گھما کے دو چار مزید گھوڑے بے قابو کر دوں۔ زندگی موت سے ہم آغوش ہونے کی منتظر تھی۔ صرف ایک آدمی کو مار کے مر جانے میں مجھے اپنی توہین

محسوس ہوئی۔ میں نے بے دریغ اپنے اوپر چڑھتے ہوئے ایک گھوڑے کے جسم میں بندوق مار دی۔ اس نے اپنے ساتھ کے دو چار گھوڑے بھی لپیٹ میں لے لئے۔ ان کے سوار اس اچانک افتاد پر اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکے۔ ان میں وہ شخص بھی شامل تھا جس نے مجھ سے دنیش اور پارو کے پستول چھینے تھے۔ میں پہلے اسی پر جھپٹا۔ میں نے اپنے جوتے کی ٹھوکر سے اس کے پیٹ کو نشانہ بنایا' وہ وہیں دہرا ہو گیا۔ میں نے دنیش چندر کا پستول اچکنے میں اپنا وقت سب سے بہتر استعمال کیا۔ جیسے ہی پستول ہاتھ میں آیا' موت مجھ سے دور ہونے لگی۔ پھر جو بھی میرے سامنے پڑا' میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے اسے شوٹ کر دیا۔ چار آدمیوں کے کپڑے آناً فاناً سرخ ہو گئے اور وہ زمین پر لوٹنے لگے لیکن پانچویں گولی بے اثر ثابت ہوئی۔ دل کی حسرت دل میں رہ گئی۔ کسی سرشور نے پیچھے سے آ کے اتنی زور سے میرے کاندھے پر بندوق کا کندا مارا کہ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور ہوش و حواس نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔

جب میری آنکھوں میں دوبارہ روشنی آئی تو میں نے دیکھا کہ اوپر لکڑیوں کی ایک سیاہ چھت ہے۔ دیواریں بھی کالی اور پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔ ایک چھوٹا سا روشن دان تھا۔ یہ روشنی اور ہوا کا واحد ذریعہ تھا۔ کوٹھڑی بہت مختصر تھی۔ سارے جسم سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ درد و کرب سے کروٹ بھی نہیں لی جا رہی تھی۔ پھر بھی میں نے دروازہ دیکھنے کے لیے کروٹ بدلنے کی ہمت کی۔ لکڑی کا ایک مضبوط دروازہ دیواروں میں نصب تھا اور باہر سے انسانی قدموں کی ہلکی ہلکی چاپ اندر آ رہی تھی۔ ویسے ہر سمت سکون چھایا ہوا تھا۔ ایک طرف پانی کا گھڑا اور کلھڑ رکھا ہوا تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو میری چیخ نکل گئی۔ رگ رگ میں درد اٹھنے لگا۔ میں وہیں ڈھیر ہو لیا۔ کچھ دیر بعد میں نے زمین پر پڑے پڑے رینگ رینگ کے گھڑے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بڑی مشکل سے دیوار سے سر ٹکا کے بیٹھنے میں کامیاب ہوا۔ آدھا پانی زمین پر گرا' آدھا کلھڑ میں آیا مگر میں نے اس جاں کنی کے عالم میں اتنا پانی ضرور بچا لیا کہ حواس کا مرجھایا ہوا پودا دوبارہ سوچنے کے قابل ہو سکے۔ اتنی دیر میں نیم تاریکی سے آنکھیں مانوس ہونے لگی تھیں۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ موت ابھی دور کھڑی ہے۔

یہ جگہ یقیناً آبادی سے باہر تھی۔ سب سے پہلے میرا خیال جگدیپ کی طرف گیا۔ دربان نے بھون سے میرے نکلنے کے بعد فوراً یہ خبر جگدیپ کے گرگوں کو پہنچائی ہو گی۔ وہ ویسے تو مجھے شکست نہیں دے سکے مگر انہوں نے مجھے دنیش چندر کی پاسبانی

aazzamm@yahoo.com

سے ہٹانے کے لیے یہ حربہ اختیار کیا تھا۔ مجھے زندہ رکھنے کی بات بھی سمجھ میں آتی تھی کہ وہ جگدیپ کی اس کے گھر واپسی کے بعد مجھے اس کے سامنے پیش کرکے انعام حاصل کرنا چاہتے ہوں گے۔ ریاستوں میں ایسی خونریزیاں روز کا معمول تھیں۔ جگدیپ میرا سر طشتری میں رکھ کے دنیش چندر کی خدمت میں بھیجنے کے لیے مضطرب ہوگا۔ ریس کے میدان میں میں نے ایک راجکمار کی توہین کر دی تھی۔ ممکن ہے' پارو بھی اپنی اہانت کا بدلہ لینے پر اتر آئی ہو۔ جہاں تک انگریزوں کا سوال تھا' ان سے ابھی میری ایسی شناسائی نہیں ہوئی تھی کہ وہ اتنی جلدی یہ جارحانہ قدم اٹھانے کی حماقت کرتے۔ دس مسلح گھڑ سواروں کے ایک ساتھ حملہ آور ہونے سے یہ بات صاف ظاہر تھی کہ میرا دشمن میری طاقت سے خوفزدہ ہے اور وہ جگدیپ یا پارو کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں کے چہرے ذہن کے پردے پر ابھرے۔ میرے خون نے کھولنا شروع کردیا' میں پھر اپنی توانائیاں یکجا کرکے دروازے پر گیا اور میں نے دروازہ زور زور سے پیٹنا اور چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

کسی نے خبر نہیں لی لیکن میں نے چیخنا چلانا بند نہیں کیا۔ نتیجتاً باہر سے کنڈی کھلنے کی آواز آئی' پھر زور سے دروازے کو دھکا دیا گیا۔ دروازے کا پٹ اچانک میرے سر پر پڑا۔ میں لڑھکتا اور کراہتا ہوا فرش پر گر گیا۔ ڈھاٹا بندھا ہوا ایک شخص ہاتھ میں پستول لیے تیزی سے اندر داخل ہوا۔ ''کیا بات ہے؟'' اس نے گرج کر پوچھا۔

''تم مجھے کن گناہوں کی سزا دے رہے ہو؟'' میں نے کرب سے کہا۔ ''تم کون ہو اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟''

''کچھ دیر زبان اور بند رکھو' ہم جلد ہی تمہاری لاش کا بندوبست کر دیں گے۔'' اس نے درشتی سے جواب دیا۔

''تمہیں بعد میں افسوس ہوگا۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''میری آج تک کسی سے لڑائی نہیں ہوئی۔ تم نے مجھے کسی اور کے دھوکے میں اٹھا لیا ہے۔''

''بکواس بند کرو اور زیادہ چترائی مت دکھاؤ۔ جیون کی ان آخری گھڑیوں میں بھگوان کو یاد کرو۔''

''میں اپنے دشمن کا نام جاننا چاہتا ہوں۔'' میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

''تمہاری یہ حسرت بھی جلد پوری کر دی جائے گی۔''

''تم مجھے کرائے کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔'' میں نے کھل کر بات کرنے کی ٹھانی۔ ''مجھے اغوا کرنے کے لیے تمہیں جتنی رقم دی گئی ہے' میں اس سے دگنی دے سکتا ہوں۔''

''زبان بند کرلو ورنہ میں تمہارا بھیجا اڑادوں گا۔ اگر تمہیں میری بات پر وشواس نہیں تو اب زبان کھول کے دیکھو۔''

میں نے اپنے ہونٹ سی لیے' میرے اور اس بے رحم شخص کے درمیان تقریباً آٹھ قدم کا فاصلہ تھا۔ اس لیے میں اس پر چھلانگ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔ وہ کمینہ مجھے گالیاں دے کر باہر چلا گیا۔ رات کے وقت دروازہ ایک بار اور کھلا' اس وقت دو آدمی آئے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں چراغ اور پتے پر کھانا رکھا تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں پستول تھا۔ کھانا زمین پر رکھ کے دوبارہ دروازہ بند کر دیا گیا۔ کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ کل رات مہاراجہ امرناتھ کی دعوت میں جو کچھ کھایا تھا' اس کے بعد سے ایک کھیل بھی اُڑ کے منہ میں نہیں گئی تھی' بھوک ویسے بھی موقوف تھی۔ گزشتہ کئی راتوں سے مسلسل کوئی نہ کوئی ہنگامہ ہو رہا تھا۔ نیند نہیں آئی۔ میں نے ابھرے ہوئے پتھروں پر چڑھ کے روشندان سے باہر جھانکنے کی کوشش کی' اس طرف کامل سکوت اور اندھیرا طاری تھا۔ روشندان بھی پتھر کی اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ رات بہت گزر گئی مگر میری آنکھ ایک پل کے لیے بھی بند نہیں ہوئی۔

دنیش کیا سوچ رہا ہوگا؟ یہ سوچ رہا ہوگا کہ میں بھاگ گیا۔ پرکاش بھون میں ہر جگہ میری تلاش ہو رہی ہوگی۔ دنیش کے ذہن میں کئی اور اندیشے بھی پل رہے ہوں گے اور اسے کسی پہلو قرار نہیں ہوگا۔ ڈالی نے دن بھر کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا اور شاردا نے میرے بارے میں کوئی خبر سننے کے لیے آج سارا دن دنیش کے ساتھ گزارا ہوگا اور دنیش' شاردا' ڈالی کو خبر بھی نہیں ہوگی کہ میں کہاں غائب ہو گیا؟ میری لاش پہاڑیوں کے اس پار پھینک دی جائے گی جہاں گدھ میری ہڈیاں تک چاب جائیں گے۔ کوئی صورت نہیں' لکڑی کا مضبوط دروازہ' پتھر کی دیواریں' باہر مسلح پہریدار۔ ایسے عالم میں ذہانت کیا کام کر سکتی ہے؟ یہ کوئی مہاراجہ امرناتھ کی دعوت نہیں تھی۔ میں رات بھر اس پنجرے میں پھڑ پھڑاتا رہا۔ آخر شب اس طوطے کی طرح ایک طرف منہ ڈال کے پڑ گیا جو بار بار پنجرے کی سلاخوں پر منہ مارتا ہے مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو گردن کے ڈال دیتا ہے' دروازے کے باہر کوئی آواز' کوئی چھکار نہیں تھی۔ پہریدار اپنے قیدی سے

aazzamm@yahoo.com

بے پروا اطمینان کے ساتھ سو رہے تھے۔ صبح ہوتے ہی وہ پھر جاگ جائیں گے۔ ایسے نازک وقت میں آدمی آسمان ہی کی طرف دیکھتا ہے۔ دل میں کئی بار کیچو کا خیال آیا تھا۔ اس کے پراسرار سائے نے مختلف موقعوں پر میری مدد کی تھی۔ اس نے اب تک ادھر کا رخ کیوں نہیں کیا؟ کیا وہ کیچو جو کلکتے کے دریائے ہگلی کے کنارے راجے پور کے پرکاش بھون اور کل رات راج بھون میں آئی تھی' جو کہیں بھی آنے پر قادر تھی' وہ یہاں آنے سے قاصر ہے؟ شاید وہ بھی مجھ سے ناراض ہو گئی ہے؟ اس نے بھی رشتہ توڑ لیا ہے؟ برا وقت آتا ہے تو ہر چیز پرائی ہو جاتی ہے۔ میں نے کیچو کے متعلق ہر قسم کی بدگمانی کی۔ وہ کہتی تھی کہ آنے والے دنوں میں مجھے کوئی کام سپرد کرے گی۔ شاید اس نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے؟ ایک دن میں کیا سے کیا ہوگیا؟ میں کیچو کے خیال میں غلطاں تھا کہ دفعتاً میری آنکھیں بے یقینی کی کیفیت میں تڑپنے لگیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ کیچو کا پراسرار سایہ میرے نزدیک موجود ہے۔ اس بار میں نے اسے مختلف شکل میں دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ایک مجسم عورت سامنے کھڑی ہے۔ اندھیرا گہرا ہونے کی وجہ سے میں اس کی شکل واضح نہیں دیکھ سکا۔ وہ قامت میں اونچی تھی اور اس کے چھریرے بدن سے ایک ناقابل بیان خوشبو آ رہی تھی۔ میری شریانوں میں جیسے کسی نے تازہ خون بھر دیا۔ ''کیچو!'' میں نے والہانہ انداز میں اسے پکارا۔

''جمشید! ہاں' یہ میں ہوں۔'' اس کی آواز کا نغمہ گونجا۔

''میری مدد کرو کیچو! مجھے اس پنجرے سے باہر نکالو۔'' میں نے مضطرب ہو کے کہا۔

''میں تمہاری مدد کے بغیر آزاد نہیں ہو سکتا۔''

''تم نے پھر ہمت ہار دی جمشید؟'' وہ آہستہ سے بولی۔

''انہوں نے مجھے اس کوٹھڑی میں بند کر دیا ہے۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''مجھ میں پتھر ہٹانے کی طاقت نہیں ہے۔''

''تم میں بہت بڑی طاقت ہے۔''

''لیکن میں اس طاقت کے بل بوتے پر پتھروں کی دیواروں سے نہیں لڑ سکتا۔'' میں نے شدتِ کرب سے کہا۔

''تم نے یہ دروازہ توڑنے کی کوشش کی؟''

''نہیں' باہر وہ لوگ موجود ہیں جن کے ہاتھوں میں پستول اور کاندھوں پر

گول چکر ساہیوال

بندوقیں ہیں۔''

''لیکن وہ تو سو رہے ہیں۔''

''کیا؟'' میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا میں لکڑی کا یہ مضبوط دروازہ توڑ سکتا ہوں؟''

''اگر آزاد ہونے کی خواہش شدید ہے تو تم ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟''

''شاید تم میری بے بسی کا مذاق اڑانے آئی ہو۔ وہ صرف سو رہے ہیں' مر نہیں گئے۔'' میں نے تلملا کر کہا۔

''میں جو تمہارے قریب ہوں۔'' اس نے فریفتگی سے جواب دیا۔

میں کہنا چاہتا تھا کہ اس وقت تم کہاں تھی جب وہ مجھ پر حملہ آور ہوئے تھے اور مجھے مارا پیٹا جا رہا تھا؟ دوپہر سے اب تک تم کہاں روپوش رہیں؟ کیا میری مصیبتوں کا تماشا دیکھ رہی تھیں؟ مگر میں نے اس سے کچھ نہیں پوچھا' مبادا وہ ناراض ہو جائے۔ یہ وقت بحث مباحثے میں پڑنے کا نہیں تھا۔ میرے جسم کا ہر حصہ دکھ رہا تھا۔ نقاہت کے باعث بات بھی نہیں کی جا رہی تھی۔ کیچو کے آنے کے بعد زخم اور اُبھر آئے۔ میں نے سوچا تھا' کیچو اگر مدد کے لیے آئے گی تو میں خاموش بیٹھا رہوں گا اور باہر جانے سے انکار کروں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ اس پر کیا ردعمل ہوتا ہے؟ وہ مجھ پر کتنی مہربان ہے؟ اس طرح شاید وہ اپنے چہرے سے نقاب اٹھانے پر مجبور ہو جائے اور میں آخر کچھ تو جان سکوں کہ اس کے التفات میں کون سا مقصد پوشیدہ ہے؟ لیکن جب وہ حسب سابق پراسرار انداز میں وارد ہوئی تو میں اپنے تمام حوصلے بھول بیٹھا اور میں نے ان الجھنوں اور پیچیدگیوں کے حل پر اپنی رہائی کو اولیت دی کیونکہ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا۔ مجھے اس قبر سے باہر نکلنا تھا' جس میں مجھے زندہ دفن کر دیا گیا تھا اور پھر میں کیچو کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا تو اس سے غیر معمولی توقعات کیسے وابستہ کر لیتا؟ اس جاں کنی میں اس کی آمد اور پرسش ہی بڑی غنیمت تھی۔ ''تم کچھ جاننے کے لیے بے تاب ہو؟'' مجھے خاموش دیکھ کے اس نے پوچھا۔

''ہاں۔'' میں نے اداسی سے کہا۔ ''میں بہت کچھ جاننے کے لیے بے تاب ہوں لیکن یہ تم پر منحصر ہے کہ تم کیا بتانا ضروری سمجھتی ہو اور کیا بتانا غیر ضروری۔ تمہارے سامنے میری حیثیت ایک معمول کی سی ہے۔'' یہ بات نہ کہنے کے ارادے کے باوجود میں نے کہہ دی۔

aazzamm@yahoo.com

وہ میرے کسی قدر نزدیک آ گئی۔ اس کے بدن کی خوشبو سے مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اسے دیکھنے کی کوشش کی لیکن میری نگاہ اس کے نظارے کی تاب نہ لا سکی۔ اس نے چند لمحوں کے لیے مجھے معطل کر دیا تھا۔ اگر وہ فوراً مجھ سے دور نہ ہو جاتی تو میں اس کے سحر آ گیں قرب سے پاگل ہو جاتا۔ ''جاؤ'' اس نے اپنی غنائی آواز میں کہا۔ ''اپنے آپ پر قابو پاؤ جمشید! اپنے اندر جھانک کر دیکھو۔ تمہیں بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔''

میں دم بخود کھڑا تھا۔ بہت سے سوال تھے جو پوچھے نہیں جا سکے۔ پھر جب مجھے یہ محسوس ہوا کہ اب وہ میرے سامنے نہیں ہے' اس وقت مجھے اپنی خبر ہوئی۔ میں نے کوٹھڑی میں ہر طرف دیکھا۔ وہ جا چکی تھی' پہلے کی طرح۔ ہوا کے جھونکے کے مانند۔ اس بار وہ ایک سائے کے روپ میں نہیں آئی تھی بلکہ ایک مکمل اور مجسم عورت کے روپ میں آئی تھی۔ میں بتا نہیں سکتا کہ میں نے ایک لمحے میں کیا دیکھا تھا؟

وہ مجھے تنہا چھوڑ کے چلی گئی تھی اور وہ خوشبو چھوڑ گئی تھی جس نے اس غلیظ کوٹھڑی کی ہوائیں معطر کر دی تھیں۔ رات کا آخری پہر تھا۔ کیچو کا اشارہ بہت صاف تھا۔ اب مجھے خود حوصلہ پیدا کرنا تھا۔ میں نے دروازے سے کان لگا کے باہر کی سن گن لینے کی کوشش کی۔ پہریدار اپنے آقاؤں سے نمک حرامی کر رہے تھے۔ کسی بھی لمحے چڑیوں کی چہکار ان کی نیندیں اچاٹ کر سکتی تھی۔ میں نے آہستہ سے دروازہ پکڑ کے دیکھا۔ وہ ایک بھاری دروازہ تھا لیکن کیچو کی آمد کے بعد میرا اعتماد اس سے زیادہ بھاری ہو گیا تھا۔ پھر بھی میں دروازے کے پاس کھڑا سوچتا رہا اور کوئی آواز پیدا کیے بغیر دروازے کی مضبوطی کا اندازہ لگاتا رہا۔ پھر میں نے فیصلہ کر لیا اور مقابل کی دیوار سے طوفان کی طرح بھاگتا ہوا اس سے جا ٹکرایا' وہ ضرب اتنی شدید' اتنی وزنی اور کاری تھی کہ دروازہ چیڑ کی کمزور لکڑی کی طرح چرر کی آواز کے ساتھ چوکھٹ سے جدا ہو گیا۔ دونوں پٹ پہریداروں پر جا کے گرے اور وہ اپنے حواس کھو بیٹھے۔ ابھی وہ کچھ سمجھنے کی کوشش میں تھے کہ میں نے ان اونگھتے ہوئے نیم جانوں کے سر دیوار سے ٹکرا دیئے اور بندوق ان سے چھین کر کندے سے ان کے سر پاش پاش کر دیئے۔ رات کے سناٹے میں پہاڑوں میں دور تک ان کی بھیانک چیخیں گونج اٹھیں۔ وہاں تین کوٹھڑیاں اور بنی ہوئی تھیں۔ درمیان میں کنواں تھا۔ کنویں کے ساتھ ہی گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ پھر مجھے دنیش چندر کے پستول کا خیال آیا۔ میں نے ان کی لاشوں

کی تلاشی لی تو ایک کی پیٹی سے وہ برآمد ہو گیا۔ بارود کا پستول ان کے پاس نہیں تھا' میرے ہاتھ خون میں سن گئے۔ جی چاہا کہ کوٹھڑیوں میں گھس کے باقی غنڈوں کو بھی ٹھکانے لگا دوں مگر یہ جذباتیت کا محل نہیں تھا۔ وہ چیخیں سن کے خودکسی وقت بھی باہر آ سکتے تھے۔

میں نے گھوڑے پر سوار ہو کے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ پھر فوراً یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ اندھیرے اور اجنبی راستوں اور نامانوس گھوڑوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے سمت کا اندازہ بھی نہیں تھا لیکن پستول' بندوق اور کارتوس کی بیلٹ کی وجہ سے دل غنی تھا کہ راستہ محفوظ ہوگا۔ میں راجے پور کی روشنیاں دیکھنے کے لیے ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ بستی پہاڑوں کی اوٹ میں چھپی ہوئی تھی۔ وہ مجھے بے ہوشی میں یہاں لائے تھے' امکان یہی تھا کہ یہ جگہ راجے پور سے بہت زیادہ فاصلے پر نہیں ہوگی۔ مجھے جلد از جلد اس مکان سے دور ہو جانا چاہیے تھا' خواہ سمت کوئی بھی ہو مگر ٹانگوں میں دم نہیں تھا۔ باہر نکل کے بھوک اور پیاس نے بھی ستانا شروع کر دیا لیکن میں اونچی اونچی پہاڑیوں پر بھاگتا اور ہانپتا رہا۔ جب سورج کے سر ابھارنے کے آثار ہویدا ہوئے تو میں کئی میل تک چلا آیا تھا۔ گہری دھند چھائی ہوئی تھی۔ میں نے سفر جاری رکھا۔ میرا ہر قدم مجھے زندگی سے قریب کر رہا تھا۔ سورج کی کرنیں تیزی سے اندھیرے پر غالب آنے لگیں۔ میں راجے پور کے نشانات' مسجدوں کے مینار اور مندروں کے کلس دیکھنے کے لیے پھر ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ شاید میں غلط سمت میں آ گیا تھا۔ ہر طرف سبز پوش پہاڑ تھے۔ صبح سویرے پہاڑوں کے دامن میں کاشت کرتے والے کچھ کسان نظر آئے۔ میں دوڑتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔ ان سے میں نے راجے پور کی بستی کا پتہ پوچھا۔ معلوم ہوا کہ میں راجے پور سے کوئی پندرہ میل دور ہوں۔ ایک کسان نے مجھے زخمی اور بدحال دیکھا تو ہل چلانے کے بجائے مجھے ایک طرف بٹھا کے رہٹ کے پانی سے میرے زخم دھوئے اور مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرنے لگا۔ مجھ میں مزید سفر کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ کسان کو مجھ پر رحم آ گیا۔ وہ مجھے اپنی جھونپڑی میں لے گیا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے میرے اردگرد جمع ہو گئے اور اس کی بیوی نے میرے آگے گرم دودھ کا گلاس رکھ دیا۔ اس نیک دل کسان کا نام راجہ تھا۔ اس نے مجھے اپنے کپڑے بھی پہننے کے لیے دیے۔ ''موہن داس جی! یہ جھونپڑی اپنا ہی گھر سمجھو۔ ذرا جی ٹھیک ہو تو چلے جانا'' اس نے میرے پیر دباتے ہوئے کہا۔ میں نے اس کے سلوک کا شکریہ ادا کیا

aazzamm@yahoo.com

اور اس سے وعدہ کیا کہ میں اس سے ملنے جلد آؤں گا۔ پھر بھی راجہ نے مجھے جانے نہیں دیا۔ دن کے کوئی گیارہ بجے میں اس کی چارپائی سے اٹھا۔ اب میں میلوں پیدل سفر کر سکتا تھا کیونکہ میرے معدے میں پراٹھے تھے اور دودھ بھرا ہوا تھا۔ میرے پاس اس کے بچوں کو دینے کے لیے جیب میں ایک پائی بھی نہیں تھی۔ راجہ مجھے ٹیلے پر پہنچانے آیا۔ راستہ اب بھی پرخطر تھا۔ مرنے والے غنڈوں کے ساتھی میری تلاش میں نکل آئے ہوں گے۔ میں بہت محتاط انداز میں نپے تلے قدم اٹھا رہا تھا اور بار بار ادھر ادھر مڑ کے دیکھ لیتا تھا۔ میلی دھوتی اور کرتے میں مجھے دور سے دیکھنے والا شخص کوئی مقامی کسان ہی سمجھتا۔ دو بجے کے قریب راجے پور کے آثار نظر آئے۔ میری رفتار تیز ہو گئی۔ آدھے گھنٹے کی مزید مسافت طے کر کے میں بستی کی حدود میں داخل ہو گیا۔ اب میں ذہنی طور پر پرکاش بھون کے اندر تھا اور بہت سے لوگوں کے سامنے میں اپنی اچانک غیر حاضری کے عذر پیش کر رہا تھا۔ دشمنوں کے لیے میری واپسی کوئی اچھی خبر نہیں ہوگی لیکن ان پر میری طاقت اور غیر معمولی پن کی دھاک ضرور بیٹھ جائے گی۔ اگلہ حملہ مزید خطرناک ہونے کا امکان بھی رد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ میں ڈالی اور شاردا کو لے کر چپکے سے فرار ہو جاؤں۔ اس زندگی میں قدم قدم پر خطرے تھے۔ کہیں سادھو تھا' کہیں کرچھے والا پنڈت۔ دنیش چندر اپنے مسائل سے خود نمٹے گا۔ میں کب تک دربان بنا رہوں گا؟ ڈالی کے پاس اتنے پیسے ضرور ہو گئے تھے کہ ہم کسی دور افتادہ مقام پر اپنا گھر بنا سکیں اور پولیس کو ہماری خبر نہ ہو۔

ابھی میں ریاست کی چوڑی سیاہ اور بے داغ سڑک پر پہنچا تھا کہ پرکاش بھون کی ایک گاڑی زن سے میرے قریب سے گزر گئی۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ ساڑھی میں کوئی لڑکی اسے ڈرائیو کر رہی تھی۔ گاڑی آگے جا کے رک گئی اور تیزی سے پیچھے آنے لگی۔ میں ٹھہر گیا۔ وہ پارو تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے چشمہ اتارتے ہوئے گھور کے مجھے دیکھا۔ ''موہن داس تم؟'' وہ حیرت سے بولی۔ ''تم کہاں غائب تھے؟''

میرے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ چھا گئی۔ ''آپ کو نہیں معلوم؟''

''کیا مطلب؟'' وہ ناراضگی سے بولی۔ ''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''آپ سے میری مصروفیات کب پوشیدہ ہیں؟'' میں نے اپنا غصہ دبانے کی

کوشش کی لیکن پھر مجھے خیال آیا۔ ممکن ہے اس سازش میں پارو کا کوئی ہاتھ نہ ہو۔

وہ برہم ہو گئی۔ ''بھون میں سب تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔''

''ہونہہ۔'' مجھے ہنسی آ گئی۔ ''حیرت ہے' وہاں ملازموں کی کیا کمی ہے' ایک نہیں' دوسرا آ گیا۔''

''کیا تم پر پھر کوئی مصیبت پڑی ہے؟ یہ نشانات' یہ بندوق' تمہارا یہ لباس۔ موہن داس مجھے بتاؤ' تم کہاں سے آ رہے ہو؟'' وہ پریشانی سے بولی۔ ''کیا تم اب بھی مجھ پر اعتماد نہیں کرتے؟ میں نے پرسوں رات تمہیں تلاش کیا تھا کیونکہ دنیش باہر گیا ہوا تھا مگر تم بھی نظر نہیں آئے۔ پھر کل رات بھی میں تمہیں دیکھتی رہی۔''

''پارو رانی! بھگوان کے لیے یہ کھیل ختم کیجیے۔ میں نے بہت برداشت کیا ہے۔ اگر آئندہ یہ کھیل کھیلا گیا تو میں ایک ایک کر کے سب کو گولی سے اڑا دوں گا۔'' میں نے طیش میں کہا۔

''تم بہت پریشان معلوم ہوتے ہو موہن!'' وہ پیار سے بولی۔ ''میں اب کبھی تم سے دھوکہ نہیں کر سکتی۔ آؤ میری گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں بھون تک پہنچا دوں۔''

''شکریہ پارو رانی! آپ کا راستہ کھوٹا ہوگا۔ میں محفوظ چلا جاؤں گا۔'' میں نے بندوق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''آؤ آؤ بیٹھو۔'' اس نے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ ''پاگل نہیں بنتے۔ میں جانتی ہوں کہ تم ایک ملازم نہیں ہو اور اب تم میرے ہو۔'' آخری جملہ اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ اس پر کسی کافر کو بھی یقین آ جاتا۔ مجھ سے اس کا اصرار رد نہیں کیا گیا۔ میں بندوق سنبھال کے پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ ''سچ سچ بتاؤ کہاں تھے؟'' وہ محبت بھرے لہجے میں بولی۔

''لمبی داستان ہے لیکن میں نے ان کے چہرے دیکھ لیے ہیں۔ شاید وہ دوبارہ جرات نہ کر سکیں۔''

''کون تھے وہ؟'' اس نے پیچھے مڑ کے حیرت سے پوچھا۔

''کرائے کے چند آدمی۔ حرامزادے نہیں جانتے تھے کہ ان کا واسطہ کس شخص سے پڑا ہے۔''

''پوری بات بتاؤ۔'' وہ اسٹیرنگ گھماتے ہوئے بولی۔

aazzamm@yahoo.com

"پارو رانی! یہ بتایئے اگر میں مر جاتا تو آپ کیا محسوس کرتیں؟"

"میں۔" اس نے سر کو جھٹکا دے کے اپنی زلفیں درست کیں۔ "اس بات کا جواب تمہیں خود کسی دن معلوم ہو جائے گا۔"

"دیکھیں' یہ گنہگار آنکھیں اور کیسے کیسے مناظر دکھاتی ہیں۔"

"تم نے بات نہیں بتائی۔" وہ تشویش سے بولی۔

"کسی وقت تفصیل سے سنیئے گا۔" میں نے ٹالتے ہوئے کہا۔

"رات کو آؤ گے؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"دیکھئے۔ میں تو ہر رات آپ کے ساتھ ہی گزارنا چاہتا ہوں۔"

"کاش ایسا ہوتا۔" وہ سرگوشی میں بولی۔

میں نے اس سے کہا بھی کہ وہ مجھے پرکاش بھون کے صدر دروازے کے پاس چھوڑ دے مگر وہ نہیں مانی۔ دربانوں نے اس کی کار دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا۔ ان میں رام پرشاد دربان بھی تھا۔ میں نے اسے زہریلی نظروں سے دیکھا۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کے پہلے مجھے بعد میں پارو کو نمسکار کیا۔ بندوق میرے ہاتھ میں تھی۔ میں گھوڑا دباتے دباتے رہ گیا۔ میں نے اسے زندگی کے چند دن اور ادھار دے دیئے۔ "کہاں اترو گے؟" پارو نے اندر داخل ہو کے مجھ سے پوچھا۔

"کہیں بھی اتار دیجئے۔ آگے کا راستہ میں جانتا ہوں۔"

اس نے مہمان خانے کے قریب گاڑی روک دی۔ جیسے ہی میں نے موٹر سے باہر قدم نکالا' میری ٹانگیں مفلوج سی ہو گئیں۔ مہمان خانے کی چہار دیواری کے باہر وہی سادھو کھڑا تھا جس کی تلاش میں کل صبح میں اس کے استھان پر گیا تھا اور جہاں سے واپسی پر میں نے اپنی زندگی کا ایک ہولناک دن گزارا تھا۔ اس کے تیور کچھ کم جارحانہ نہیں تھے۔ اس نے اپنی سرخ آنکھوں سے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا۔ میرا ماتھا ٹھنکا کہ کہیں اس نے دنیش چندر کو میرے بارے میں سب کچھ بتا نہ دیا ہو۔ جو دن میں اس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ پر اندھوں کی طرح اعتماد کیا جاتا تھا۔ بندوق پر میرے ہاتھ کی گرفت سخت ہو گئی۔ "بالک! مجھے تلاش کرنے گیا تھا؟" سادھو نے میرے مقابل آ کے سرد آواز میں کہا۔

میں نے سوچا کہ اس کے اس سوال کا جواب بندوق کی گولی سے دوں۔ اس سے بہتر نشانہ ممکن نہیں تھا لیکن میرے ہاتھ کانپ کے رہ گئے۔ میں نے اس کے لہجے

کی سردی اپنے جسم میں محسوس کی۔ "ہاں مہاراج!" میں نے تذبذب سے کہا۔ "میں نے سوچا۔ آج تم سے نمٹ آؤں۔ تمہارے چرن چھونے گیا تھا۔ سیوکوں نے بتایا کہ تم ابھی ابھی موجود تھے' نہ جانے اچانک کہاں چلے گئے۔ میں نے بہت انتظار کیا' پھر تھک کے چلا آیا۔" میں نے بتدریج اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کی۔

اس کی آنکھوں میں آگ جلنے لگی۔ "میں نے تیری مشکل آسان کر دی' خود یہاں چلا آیا۔"

میرے رگ و پے میں سنسناہٹ سی دوڑی ہوئی تھی۔ "مہاراج!" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "تم ہی نے تو بلایا تھا۔"

وہ مسکرانے لگا۔ "سادھو سنتوں سے دل لگی کرنا چھوڑ دے بالک! من اجلا کر لے۔" سادھو نے سپاٹ آواز میں کہا۔

گویا اسے معلوم تھا کہ میں کس ارادے سے گیا تھا؟ میں نے ایک ایسے شخص کی طرح نظریں چرا لیں جو چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا جائے۔ "اگر تم سب کچھ جانتے ہو تو تمہیں وجہ بھی معلوم ہو گی۔"

وہ سر ہلانے لگا۔ "سادھوؤں کو اپنے گز سے مت ناپ۔ تیرے اندر بڑی شکتی ہے۔ پر ایسا مورکھ بھی مت بن۔"

"میری انگلی پکڑ لو مہاراج!" میں نے لہجہ بدل کے عاجزی سے کہا۔

"پہلے اپنے آپ کو پہچان لے۔ کچھ دن اور کھیل لے۔ پر دیکھ سنبھل سنبھل کے قدم بڑھانا۔ اسے نراش مت کرنا' اسے کھو مت دینا۔" میری عاجزی کا اثر یہ ہوا کہ سادھو کا لہجہ بھی نرم پڑ گیا۔

"مجھے شما کر دو مہاراج!" میں نے اس کے چرن چھوتے ہوئے کہا۔ "یہ اندھیرا دور کر دو۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اب تک جو کچھ ہوا ہے' اس میں میری مرضی کو دخل نہیں تھا۔"

"مجھے کیا بتاتا ہے؟" وہ برہمی سے بولا۔ "سن رے' ایک بات کان کھول کے سن لے۔ اگر تو نے اسے کھو دیا تو تجھ سے بڑا ابھاگی کوئی نہ ہو گا۔"

"تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

وہ تیزی سے مالا جپنے لگا۔ "دیکھ رے' جب تیرا جی اس سنسار سے بھر جائے۔" اس نے بھون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تو میری طرف آ جانا لیکن

aazzamm@yahoo.com

شرط یہی ہے کہ پھر ہردے میں کوئی کھوٹ نہ ہو۔ کھوٹ رہی تو تو جانے اور وہ جانے۔ پتہ نہیں' اس کے من میں کیا ہے؟'' وہ پرخیال انداز میں بولا۔

''پنڈت ایشوری لال بھی یہی کہتا ہے۔'' میں نے جزبز ہو کے کہا۔

''کون ایشوری لال؟'' سادھو نے تجسس سے پوچھا۔

''وہی کرچھے والا پنڈت۔ نہ جانے وہ کیا چاہتا ہے؟ میرے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ ایک دن تو میں نے اسے گھر سے نکال دیا۔'' میں نے اسے ٹٹولنے کے لئے کہا۔

''کسی چکر میں مت پڑ جانا۔'' وہ ناراضگی سے بولا۔ پنڈت کے ذکر پر اس کے طمطراق کا وہ عالم نہیں رہا جو پہلے تھا۔ ''جتنی جلدی ہو' اس مایا جال سے نکل کے میرے پاس آ جانا۔'' اس نے اپنے لہجے پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''میں تجھے بتاؤں گا کہ تجھے کیا ہونا چاہیے؟''

''مہاراج ذرا کھل کے بتایئے۔'' میں نے اپنی طرف اس کی رغبت دیکھ کے اپنائیت سے کہا۔ ''آخر تم مجھے کیا بتانا چاہتے ہو اور تمہیں کس سے کا انتظار ہے؟ میں تمہارے ساتھ ابھی چلنے کو تیار ہوں۔''

''تو چل' میرے ساتھ چل۔'' اس نے تیزی سے کہا۔

''کہاں؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔

''پہاڑوں میں' یہاں سے دور' بہت دور۔''

''واپسی کب ہوگی؟'' میں نے معصومیت سے پوچھا۔

''واپسی کا خیال دل سے نکال دے' وہاں جائے گا تو تجھے واپس آنے کا ہوش بھی نہیں رہے گا۔''

''پھر کیا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''پھر۔ تیرے چرن چھونے کے لیے منش دور دور سے آیا کریں گے۔ تیرا ہردے ایک مندر ہوگا۔ گلاب کے پھول کی طرح نازک۔ اوس کی طرح شیتل۔''

''یہ سب کچھ کہاں اور میں کہاں؟'' میں نے ہنس کر ٹالتے ہوئے کہا۔

''اپنے بھاگیہ ایسے کہاں مہاراج؟ اس کے لیے من مارنا پڑتا ہے اور میرے من پہ بڑا بوجھ ہے۔''

''سے آ سکتا ہے۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''پہاڑی پر آیا کر اور جب تیرا من اوب جائے تو کسی سے آ جانا۔ تیرا من ضرور اوب جائے گا۔ سنسار میں بڑے

کانٹے ہیں۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ خوب کھل کھیل لے اور جب کوئی راستہ نہ ملے تو ادھر آ جانا۔ پر درمیان میں ایسا نہ ہو کہ وہ ناراض ہو جائے۔ جلدی آنے کی کوشش کرنا۔''

''تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟'' میں نے نیازمندی سے پوچھا۔

''تجھ سے کون ناراض ہو سکتا ہے؟'' وہ مسکرا کے بولا۔

''مہاراج! میں تمہارے پاس ضرور آؤں گا۔ ابھی مجھے سنسار ہی کے کچھ جھگڑے بھگتانے ہیں۔ جب تک میں انہیں بھگتا نہیں لوں گا' میرا من شانت نہیں ہوگا۔'' سادھو کے پاس کھڑے کھڑے مجھے الجھن ہونے لگی تھی اور کم از کم اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ اس نے کسی سے میرے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔ اس سے گفتگو کے بعد میرے ذہن میں بہت سے اندھیرے چھٹ رہے تھے۔ میں اس کے سامنے زیادہ دیر کھڑے ہو کے مروت میں کوئی عہد کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ کرچھے والے پنڈت کے ذکر پر اس کی آنکھوں میں جو سرخی' ماتھے پر جو شکن اور انداز میں جو برہمی آئی تھی' اس نے مجھے خاصا پرامید اور پراعتماد کر دیا تھا۔ کچھ یقیناً کوئی ایسی ہستی تھی جس کی کشش انہیں میری طرف کھینچتی تھی۔ انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ وہ مجھ سے چھن نہ جائے۔ دونوں بار بار اس خدشے کا اظہار کرتے تھے۔ سادھو سے میرا خوف بڑی حد تک کم ہو گیا۔ پھر بھی وہ ایک بڑا سادھو تھا جو ارادے پہچان لیتا تھا اور جسے اپنے غیاب میں ہونے والی باتوں کا علم ہو جایا کرتا تھا۔ ''مہاراج!'' میں نے اس کے ہاتھ پکڑ کے بوسہ دیا۔ ''بس تمہاری طرف سے یہ سہارا چاہیے کہ تم مجھے راستہ دکھانے کے لیے موجود ہو۔'' میں نے انکسار سے کہا۔

سادھو نے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور مسکراتے ہوئے پرانا جملہ دہرایا۔ ''میں تیرا انتظار کروں گا۔''

مجھے سب سے زیادہ فکر ڈالی اور شاردا کی تھی لیکن میں اپنے اس حلیے میں سب سے پہلے دنیش چندر سے ملنا چاہتا تھا۔ گھر جانے کے بجائے میں سیدھا دنیش چندر کے محل کی طرف بڑھنے لگا۔ راہداری کے پاس بیٹھا ہوا دربان مجھے دیکھ کے چونک پڑا اور اٹھ کے میری خیریت پوچھنے لگا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دنیش چندر کے سیکرٹری نے مجھے بتایا کہ راجکمار کل سے متعدد بار مجھے پوچھ چکے ہیں۔ ''اندر کون ہے؟'' میں نے تحکمانہ انداز سے پوچھا۔

aazzamm@yahoo.com

"راجکمار راجکماریوں اور چند مہمانوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اندر جانے کا ارادہ بدل دیا۔ "فون پر اطلاع دے دو کہ موہن داس واپس آ گیا ہے اور تھوڑی دیر میں لباس تبدیل کر کے حاضر ہوتا ہے۔"

سیکرٹری کے ریسیور اٹھانے سے پہلے میں اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ ڈالی دروازے کے باہر دھوپ میں میرا انتظار کر رہی تھی۔ منہ زرد پڑا ہوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کے وحشت زدہ انداز میں میری طرف دوڑی۔ دوسرے ملازم اس کی بے قراری حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سب میری خیریت پوچھنے میرے گرد جمع ہو گئے۔ "کہاں تھے بھیا موہن داس! ڈالی سے تو کہہ کر جاتے' رو رو کے اس نے یہ حال کر لیا ہے۔"

"چل اندر چل۔" میں نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور گڈے کو گود میں لے لیا۔ دونوں بری طرح رو رہے تھے۔ اندر جا کے ڈالی سسکنے لگی۔ کچھ بات ہی نہیں کرتی تھی۔ بس آنسو بہائے جاتی تھی۔ میں نے دروازہ بند کر کے اسے سینے سے لگا لیا۔ "ڈالی! تو نے یہ تو پوچھا نہیں کہ میں کہاں مر گیا تھا' بس ٹسوے بہانے بیٹھ گئی۔"

اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ "تیرے لیے......" وہ منہ بسور کے بولی۔ اس کے منہ سے الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔ "تجھے کل سے دیوانوں کی طرح جگہ جگہ تلاش کر رہی ہوں۔ مجھے بتائے بغیر کہاں چلا گیا؟ اگر تو آج واپس نہ آتا تو میں چوڑیاں پیس کے کھا لیتی۔"

"پاگل' تھڑ دلی۔" میں نے اس کے رخسار پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔ "میں ایک جگہ پھنس گیا تھا۔ بس سمجھ لے زندہ واپس آ گیا اور تو خوش ہونے کے بجائے رو رہی ہے جیسے میں مر گیا ہوں۔"

"کہاں تھا تو؟" وہ بگڑ کے بولی۔

"میں ایک کام سے گیا تھا۔ راستے میں غنڈوں نے حملہ کر دیا۔ خوب زور م زور لڑائی ہوئی۔ میں نے سالوں سے یہ بندوق چھین لی۔ شاید کبھی کام آ جائے' بس اتنی سی بات ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اتنی سی بات ہے؟ کیوں اترا رہا ہے رے' کسی دن ٹیں ہو جائے گا۔ یہ بندوق وندوق کا کھیل اچھا نہیں ہے موہن! خدا کے لیے باز آ جا۔"

"بس اب کچھ دنوں کی بات اور ہے۔ میں تجھے یہاں سے لے چلوں گا۔"

میں نے اس کا باقی لیکچر سننے سے پہلے پیش بندی کر دی۔

"تو نہیں جائے گا۔ تیرے منہ کو خون لگ گیا ہے۔ یہاں سے میرا جنازہ ہی اٹھے گا۔ ٹھیک ہے' تو نے سوچ لیا ہے تو یہی سہی۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"اچھا یہ بتا' کچھ کھانے پینے کو ہے؟"

"کل سے کچھ کھایا ہی نہیں۔" وہ پھر رونے لگی۔ "تو گڈے کو سنبھال۔ میں تیرے لیے گھی کی روٹی پکاتی ہوں۔"

مجھے ڈالی سے خوف آنے لگا۔ حالانکہ لباس تبدیل کر کے مجھے جلد از جلد دنیش چندر کے پاس پہنچنا تھا لیکن مجھ سے ڈالی کے سامنے کسی ضروری کام سے باہر جانے کا عذر نہیں کیا گیا۔ جب سے دنیش چندر کی معاملت بڑھی تھی' ڈالی مجھ سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ ڈالی میرا اخلاق تھی' وہ میرا احسان تھی' ڈالی میری رشتے دار تھی۔ وہ نہ جانے کیا کیا تھی۔ غالباً وہ سب کچھ تھی۔ میں نے سوچا' میں کل کسی وقت اسے راجے پور کا بازار دکھانے لے جاؤں گا۔ یہ کام تو مجھے بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔ اگر دنیش چندر کے لیے میں پستولوں' خنجروں اور بندوقوں سے کھیل سکتا تھا تو کیا ڈالی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا؟ کل اسے بازار لے جا کے زیورات اور کپڑوں سے لاد دوں گا اور اس سے کہوں گا کہ تو کام کرنا بند کر دے۔ اب تیرا موہن' راجکمار کا سب سے قریبی آدمی ہے۔ تو راجکماریوں کی طرح زندگی بسر کر۔ تو بھی ایک راجکماری ہے کیونکہ تو موہن داس کے ساتھ رہتی ہے۔ میں نے اس کی حیثیت بڑھانے کے لیے بہت سے فیصلے کیے لیکن جب میں کپڑے پہن کے باہر نکلا تو پرشکوہ عمارتیں دیکھ کے مجھے واپس آنا پڑا۔ ڈالی کے لیے تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اسے راجکماری نہیں بنا سکتا۔ جب تک ہم یہاں موجود ہیں' یہ عمارتیں ہمیں ہماری اوقات کا احساس دلاتی رہیں گی۔ ڈالی عمدہ لباس اور قیمتی زیورات پہن کے بھی ملازم رہے گی۔ ہمارا یہی مکان رہے گا۔ اس کا ماضی بھی اس کے ساتھ رہے گا۔ وہ کبھی حکم نہیں چلا سکتی۔

دنیش چندر نے غالباً میری آمد کی اطلاع سن کے سب مہمانوں اور بہنوں سے نجات حاصل کر لی تھی۔ اندر پہنچا تو وہ اضطراب سے ٹہل رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی لپٹ گیا۔ "موہن!" اس نے وفورِ جذبات میں مجھے بھینچ لیا۔ "موہن! میری جان خیریت تو ہے؟ تمہارے ہاتھ میں یہ بندوق' چہرے پر یہ زخم کیسے ہیں؟ تم کہاں تھے؟"

aazzamm@yahoo.com

"یہ بندوق دیکھ رہے ہیں آپ؟ یہ میں آپ کو بطور تحفہ پیش کرنے کے لیے لایا ہوں۔ یہ ہمارے دشمن کی نشانی ہے۔ اس سے وہ آپ کے دوست کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ نہ جانے کون سی نیکی کام آ گئی۔" میں نے متحکم لہجے میں کہا۔

"پھر کوئی جھگڑا؟ مجھے یہی خطرہ تھا۔ میں نے تمہاری تلاش میں اپنے آدمی جگہ جگہ دوڑائے تھے۔ تفصیل سے بتاؤ موہن کہ کیا حادثہ ہوا؟" وہ بے قراری سے بولا۔

"دنیش بابو! میں چھ سات دشمنوں کو قتل کر کے آ رہا ہوں۔ شہر سے دس بارہ میل کے فاصلے پر زمین اب بھی خون سے سرخ ہوگی۔ اگر وہ بے وقوف ہوں گے تو پولیس کو اطلاع دیں گے۔ آپ کے پستول کی چار پانچ گولیاں بھی کام آ گئیں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اف یہ کیا ہو رہا ہے؟ تمہیں اور کہاں زخم آئے ہیں؟" میں نے کوٹ اور قمیض اتار کے اسے اپنا جسم دکھایا۔ "ارے؟ انہوں نے تمہیں کوڑوں سے مارا ہے۔"

"لیکن یہ سب کام انہوں نے میری بے ہوشی میں کر لیا۔ پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں نے ان کے دو آدمی اور مار دیئے۔ اب ان زخموں سے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو رہی ہے بلکہ ایک طرح کی لذت مل رہی ہے۔"

"موہن! پورا واقعہ سناؤ۔ کون تھے وہ؟" وہ غصے سے بولا۔ "میں ان سب بدمعاشوں کو دیکھ لوں گا۔"

"میں صبح اس سادھو سے ملنے جا رہا تھا جو گزشتہ رات گاڑی کے سامنے آ گیا تھا۔ واپسی میں انہوں نے مجھے گھیر لیا۔" میں نے کپچو کے ذکر کے سوا پوری تفصیل اسے سنا دی۔ جیسے جیسے وہ یہ روداد سنتا گیا' اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوتا گیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے' وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟"

"وہ تو کرائے کے آدمی تھے' یہ پوچھیے' ان کے پیچھے کون ہے؟"

"کون ہے؟ تم نے کوئی سن گن لی؟"

"ظاہر ہے وہ آپ کے دشمن تھے۔ وہ نہیں چاہتے کہ میں آپ سے اتنا قریب رہوں۔"

"ہوں۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کے بولا۔ "مگر جگدیپ تو بیمار پڑا ہے۔"

"کیا وہ بستر سے احکام جاری کرنے سے بھی معذور ہے۔ یہاں اس کے

دوستوں کی کیا کمی ہے؟ دربان نے اپنے سے کسی بڑے بدمعاش کو اطلاع دی' بدمعاش آپ کی کسی بہن کے پاس گیا' بہن جگدیپ کے پاس اور پھر......"

"ہمیں اس کا جواب دینا ہوگا۔ یہ بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔"

"نہ صرف جواب دینا ہوگا بلکہ کچھ سوال بھی کرنے ہوں گے۔"

"مجھے افسوس ہے موہن!" دنیش گھمبیر آواز میں بولا۔ "کہ دوستی نبھانے کا موقع صرف تمہی کو مل رہا ہے۔ میں یہاں عورتوں کی طرح بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہوں۔"

"یہی کیا کم ہے کہ آپ مجھ سے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"موہن! اس پورے بھون میں آگ لگا دینے کو جی چاہتا ہے۔"

"یہی وہ بھی چاہتے ہیں۔ اس طرح تو ان کا مسئلہ خودبخود حل ہو جائے گا۔ ذرا صبر سے کام لیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں چند ناپسندیدہ کام کر سکوں۔" میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اجازت لینے کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟ کیا تمہیں شک ہے کہ میں تمہارا کوئی عمل ناپسندیدگی سے دیکھوں گا؟"

"نہیں مگر میں کچھ فیصلے اپنے طور پر کرنے کی اجازت مانگتا ہوں۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔" میں نے مسکرا کے کہا۔

"تم میرا اعتماد ہو۔" وہ جوش سے بولا۔ "یقین کرو' میں کل دن بھر بے چین رہا۔ آج صبح مہاراجہ تمہیں پوچھ رہے تھے۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ تم اچانک اپنا دورہ مختصر کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ جلد ہی واپس آ ؤ گے۔"

"اور ان کا فون؟" میں نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"کنول نے بھی بات کی تھی۔" وہ مسکرا پڑا۔ "یہ سب تمہارا کرشمہ ہے۔ آج اس نے مجھے پہلی بار فون کیا ہے۔"

"آگے آگے دیکھئے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"آگے تو مجھے بہت جنجال نظر آتا ہے موہن!" وہ اداسی سے بولا۔

"اور کہیے۔" میں نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے کہا۔ "ترنم سے ملاقات ہوئی؟ آج پروگرام رکھیں گے؟"

"یاد آ رہی ہے۔" وہ تیکھے لہجے میں بولا۔

aazzamm@yahoo.com

"ہاں کچھ کچھ۔"

"رات کو پھر ہنگامہ رہے گا مگر تم کتنی راتوں سے نہیں سوئے ہو' ذرا آرام کر لو۔ کل رات اسے بلائیں گے اور بھی لوگ ہیں' تم کہو گے تو یہاں انبار لگا دیا جائے گا۔"

"رات کو مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔ شب و روز سوچنے اور جاگنے ہی سے ہم اپنے دشمنوں پر قابو پائیں گے۔ اس پستول میں گولیاں بھر دیجیے۔"

"کیا؟ تم بھون سے باہر جانا چاہتے ہو؟ کیا ارادہ ہے؟ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" وہ مچل کے بولا۔

"نہیں۔ میں رات بھون ہی میں گزاروں گا۔ شاید مجھے دو ایک آدمیوں کا خون کرنا پڑے۔" میں نے غیر جذباتی لہجے میں کہا۔

"اجازت ہے۔ تمہیں خون بہانے کی مکمل اجازت ہے۔" اپنی زندگی محفوظ کرنے کے لیے یہ درندگی لازم ہے۔"

"میں رات کو دیر سے آؤں گا۔ اتنے اہم کام کرنے کے بعد یقیناً کچھ آرام کرنے کو جی تڑپے گا۔ آپ ترنم کو بلا کے اس سے لطف لیجیے گا۔ ادھر میں اپنے کام نمٹا کے آؤں گا۔ آج رات مجھے کچھ زیادہ سرگرم رہنا پڑے گا۔ اس دہشت سے کچھ دن کے لیے سکون ہو جائے گا۔"

"میں احتیاطاً تمہیں دوسرا پستول دے دیتا ہوں۔"

اسی وقت سیکرٹری نے فون کے ذریعے اطلاع دی کہ آفیسر ان کمانڈ کی صاحبزادی ریتا ہارڈنگ ملاقات کی متمنی ہیں۔ وہ آفتِ جاں ایسے وقت پر آئی جب میں اسے اپنا چہرہ نہیں دکھا سکتا تھا۔ چار و ناچار مجھے دوسرے کمرے میں جانا پڑا۔ کوئی اور ہوتا تو دنیش اسے منع کروا دیتا مگر وہ اس کے آقا کی لڑکی تھی۔ یہ بھی کچھ کم اعزاز کی بات نہیں تھی کہ اس نے ادھر کا رخ کر لیا تھا۔ بڑے بڑے فیصلے کرانے میں یہ چھوٹے چھوٹے تعلق بہت کام آتے ہیں۔ انگریز کی خوشنودی باعثِ سعادت تھی۔ میں دوسرے کمرے میں پردے کی اوٹ لے کے کھڑا ہو گیا اور ریتا کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بہت خوبصورت لباس میں آئی تھی۔ دنیش نے بڑھ کے اس کا استقبال کیا اور دربان کو حکم دیا کہ وہ شاردا کو بھیج دے۔ شاردا کے نام سے میرے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ ریتا حسب توقع پروفیسر سے ملنے آئی تھی۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ پروفیسر اچانک

راجے پور سے رخصت ہو گیا ہے تو اچھی خاصی اداس ہو گئی اور کہنے لگی۔ "میں تھی' وہ اس آدمی کو اپنا ہاتھ دکھانے آئی تھی۔" کی دلچسپی کا

دنیش نے اس سے پنڈت ایشوری لال کا تذکرہ کیا اور سیکرٹری کو حکم دیا کہ وہ مہمان خانے کے مندر یا بڑے مندر سے پنڈت ایشوری لال کو فی الفور یہاں لانے کا انتظام کرے۔ ریتا' پنڈت ایشوری لال اور شاردا کی بیک وقت آمد کا اعلان سن کے میرے جسم میں کچھ زیادہ ہی حدت پیدا ہو گئی لیکن میں اپنی جگہ کھڑا باہر کا منظر دیکھتا رہا۔ شاردا آئی تو چہرہ ستا ہوا تھا جیسے وہ رات بھر جاگی ہو۔ لباس بھی اس نے ہلکا سا پہن رکھا تھا۔ میں اسے دیکھ کے مضطرب ہو گیا۔ دنیش نے ریتا سے اپنی بہن کا تعارف کرایا' میں ان کی باتیں سنتا رہا۔ مشرق و مغرب کے حسن و جمال کا ایک دلکش منظر میرے سامنے تھا۔ ریتا نے اس سے پرسوں رات والے پروفیسر کی ہمہ جہت شخصیت کا ذکر کیا تو شاردا' دنیش سے اس کے متعلق پوچھنے لگی۔ دنیش نے شاید اس پہلو پر نہیں سوچا تھا' وہ ٹپٹا گیا۔ ریتا کی موجودگی میں ہندوستانی میں اسے جواب دینا بے ادبی تھی۔ آقا کی لڑکی ناراض ہو جاتی' اس نے ٹالنے کی کوشش کی کہ "تم نے پروفیسر زاہدی کو نہیں دیکھا؟"

"نہیں۔" شاردا متعجب ہو کے بولی۔ "وہ ہمارے مہمان تھے۔"

"ہاں۔" دنیش نے جھنجلا کے کہا۔ "کوئی چار دن رہے۔"

"کیا ان کا موضوع مشرق کی طلسمی داستانیں تھا؟"

"ہاں۔" دنیش نے بے دلی سے کہا۔

"تم نے مجھے نہیں ملوایا ان سے؟ وہ کس وقت آئے تھے؟ تعجب ہے۔ حالانکہ میں پرسوں رات بھی یہاں بیٹھی تھی۔ تم اب بہت گم ہوتے جا رہے ہو۔" وہ شکوہ کرنے لگی۔ پھر اسے اچانک میرا خیال آیا۔ "سنا ہے موہن داس واپس آ گیا؟"

"ہاں۔ وہ اندر موجود ہے۔" دنیش کے منہ سے نکل گیا۔

"اچھا۔" شاردا کے لہجے میں مسرت پھوٹنے لگی۔ "وہ کہاں گیا تھا؟"

"بتاؤں گا۔" دنیش نے گھبرا کے کہا اور ریتا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "کیسے مس ریتا! آپ نے یہاں شکار بھی کھیلا؟"

"نہیں' ابھی کہاں؟ سنا ہے راجے پور میں شیر بھی ہیں؟"

"کیوں نہیں؟ ہم آپ کو شکار کرائیں گے۔"

aazzamm@yahoo.com

''سچ یہ تو بہت دلچسپ بات ہوگی مگر شکار کا لطف پروفیسر کے بغیر کہاں آئے
، وہ آ جائیں' اس وقت پروگرام بنایئے گا۔''

اتنی دیر میں کرچھے والا پنڈت بھی اندر آ گیا۔ دنیش نے ریتا سے اس کا
رف کرایا اور ایشوری لال سے ادب کے ساتھ درخواست کی کہ وہ ریتا کا ہاتھ دیکھ کر
کچھ پیش گوئیاں کرے۔

انگریزوں کو متاثر کرنے کے لیے اس سے اچھا طریقہ ہندوستانیوں کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی مشینوں' اوزار اور مادیت سے متاثر کرتے ہیں تو مشرق والے اس کی ضد سے۔ پنڈت ایشوری لال نے اپنا دھواں دیتا ہوا کرچھا ریتا کے گرد گھمایا اور آنکھیں بند کیں۔ وہ کوئی چھوٹا موٹا پنڈت تو بہرحال نہیں تھا۔ اس نے کہا۔ ''پتری! تیرا دل ایک منش میں پڑا ہے اور وہ اسی دھرتی کا آدمی ہے۔''

دنیش نے اس کا ترجمہ کیا تو ریتا شرما گئی۔ ''اس زمین کا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

پنڈت نے جواب دیا۔ ''ہاں اسی دھرتی کا۔''

لیکن دنیش نے اس کے ترجمے میں ترمیم کر دی۔ ''مشرق کا۔''

''اوہ۔'' ریتا کھل اٹھی۔ پوچھنے لگی۔ ''کیا وہ بھی؟'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

دنیش نے پنڈت سے پوچھا۔ ''کیا وہ بھی ان سے متاثر ہے؟''

پنڈت کچھ سوچنے لگا۔ ''وہ بڑا آدمی ہے۔ اس کی شکتی بڑی ہے۔ اسے اپنی طرف لانے کے لیے پتری کو بہت تیاگ دینا ہوگا۔''

دنیش نے فصیح انگریزی میں ترجمہ کر دیا۔

''میں کیا کروں؟'' ریتا جھجکتے ہوئے بولی۔

''بھگوان سے لو لگا۔ وہ تیرا ہو جائے گا۔ اسے تلاش کر۔''

پنڈت ایشوری لال ریتا کو چونکا دینے والی باتیں بتاتا رہا اور ادھر مجھے متاثر کرتا رہا لیکن میں زیادہ نہ سن سکا کیونکہ شاردا معذرت طلب کرکے اندر کے کمرے میں آ رہی تھی جہاں میں کھڑا تھا۔ اسے آتا دیکھ کے میں کام میں مصروف ہو گیا۔

''موہن!'' وہ اندر آ کے سرگوشی میں بولی۔

''جی دیدی جی!'' میں نے مڑ کے دیکھا۔ وہ اداس کھڑی تھی۔

''تم کہاں تھے؟'' اس نے میرے قریب آ کے شکایتی انداز میں پوچھا۔

اس لیے کہا کہ پنڈت نے ریتا سے جس پروفیسر کے بارے میں پیشگوئی کی تھی' وہ اس نے سن لی تھی۔ اگر اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ پروفیسر میں ہی تھا تو وہ ریتا کی دلچسپی کا بھی یقین کر لیتی۔

''میں باہر جاتی ہوں اور تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے' میں آ رہا ہوں۔'' میں نے گردن اکڑا کے کہا۔

میں تھوڑی دیر بعد سہما ہوا باہر نکلا۔ دنیش مجھے کمرے میں دیکھ کے ششدر رہ گیا۔ ریتا پنڈت کی سحر انگیز باتوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ پنڈت ایشوری لال کمبخت مجھے سونگھ کر خاموش نہ رہ سکا۔ دونوں ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا۔

''مہاراج!'' وہ میرے پاؤں چھونے کے لیے آگے بڑھا۔

''پنڈت ایشوری لال!'' میں نے ناراض ہو کے کہا۔ ''یہ کیا مذاق ہے؟''

میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔

''مہاراج! شما کر دو۔ بھول ہو گئی۔'' اسے اچانک خیال آ گیا اور وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ میرا جی چاہا اسے اٹھا کے باہر پھینک دوں۔ دنیش' شاردا اور ریتا حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ پنڈت ایشوری لال جیسا بڑا پنڈت مجھ سے جس انداز میں مخاطب ہوا تھا۔ وہ سب کے لیے چونکا دینے والا تھا۔ اس رات دنیش کی موجودگی میں سادھو سامنے آ گیا تھا۔ پنڈت نے پشیمانی سے گردن جھکا لی تھی۔

''یہ کون شخص ہے؟'' ریتا نے مجھے سرتاپا گھورتے ہوئے کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے پروفیسر......''

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ دنیش چندر نے ہنستے ہوئے اس کا جملہ اُچک لیا۔

''یہ ہمارا خاص ملازم موہن داس ہے۔''

''اچ چھا۔'' اسے یقین نہیں آیا تھا۔ وہ تذبذب سے بولی۔ ''یہ تو پنڈت اسے دیکھ کے اس طرح کیسے کھڑے ہو گئے؟ کیا یہ کوئی اہم آدمی ہے؟''

''نہیں۔ عبادت گزار زیادہ ہے' پوجا پاٹ میں لگا رہتا ہے۔ اس لیے پنڈت سادھو اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔''

''حالانکہ یہ بیچارہ جاہل ہے۔'' شاردا نے مجھے دیکھ کے دنیش کو سہارا دیا۔

میں نے محسوس کیا کہ ریتا بار بار مجھے دیکھ رہی ہے۔ کافی پینے کے دوران میں بھی اس کی نگاہیں میری طرف سے نہیں ہٹیں۔ پنڈت ایشوری لال اب بالکل

aazzamm@yahoo.com

خاموش ہو گیا تھا۔

''کیا آپ مجھے پروفیسر کا پتہ دے سکتے ہیں؟''

''وہ سیلانی آدمی ہے' اس کا کیا پتہ ٹھکانا۔ آج یہاں' کل وہاں۔'' دنیش نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اگر اس کا فون آیا تو میں ضرور معلوم کرے کہ آپ کو فون کر دوں گا۔''

''آپ کا یہ ملازم بھی شاندار شخصیت کا مالک ہے۔'' ریتا نے مجھے کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں ڈیڈی سے کہوں گی کہ وہ اسے آپ سے مانگ لیں۔''

''یہ تو زیادہ تر مندر میں رہتا ہے۔ یہ یہاں سے نہیں جائے گا۔ عجب بے فکرا اور مست آدمی ہے۔''

''تک چڑھا' بدزبان اور اکھڑ بھی۔ آپ کے لیے اور اچھے ملازم فراہم کر دیئے جائیں گے۔'' شاردا نے کہا۔

وہ ایک انگریز لڑکی تھی۔ انہیں پریشان کرتی رہی اور میری طرف دیکھ دیکھ کے مسکراتی رہی۔ میں نظریں بچاتا رہا۔ آخر کسی طرح وہ مغرب کے وقت ٹلی تو شاردا اور دنیش اسے چھوڑنے گئے۔ جیسے ہی وہ گئے' پنڈت میرے پیروں پر گر پڑا۔ وہ شاید اسی انتظار میں بیٹھا تھا۔ ''مجھے شما کر دو مہاراج!'' اس نے گڑگڑا کر کہا۔ ''سیوک کو کوئی کام دو۔''

''تم بالکل گدھے آدمی ہو۔'' میں نے اسے ڈانٹ کر کہا۔ میں شاید اسے اور برا بھلا کہتا مگر اسی وقت شاردا اور دنیش اندر داخل ہو گئے۔ پنڈت پھر سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا بات ہے مہاراج؟ تم موہن داس پر اتنے مہربان کیوں ہو؟'' دنیش نے آتے ہی پوچھا۔

پنڈت سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ ''راجکمار!'' وہ اٹک اٹک کے بولا۔ ''مجھے اس کے ماتھے پر اوتاروں کی لکیریں نظر آتی ہیں۔''

''یقیناً یقیناً۔'' دنیش چندر الجھتے ہوئے بولا۔ ''اس کے ماتھے پر لکیروں کا بہت بڑا جال ہے۔ کبھی ہم بھی دیکھتے ہیں تو حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔''

''پرنام' پرنام۔'' پنڈت سب کو سلام کرتا اور مجھے گھورتا ہوا باہر جانے لگا۔ اس کے لیے سب سے بہتر طریقہ یہی تھا کہ یہاں سے چپکے سے نکل لے لیکن وہ

کمبخت مجھے مصیبت میں چھوڑ گیا۔ اس کے جانے کے بعد شاردا اور دنیش کچھ دیر تو گم سم رہے' وہ کیا سوچ رہے ہیں؟ یہ مجھے معلوم تھا۔ اس لیے میں نے خاموشی کے ساتھ وہاں سے کھسکنے ہی میں عافیت سمجھی۔

مجھے احساس تھا کہ میں کسی دن ضرور عیاں ہو جاؤں گا' پھر کیا ہوگا؟ یہ پنڈت' سادھو اور کچھ مجھے کہیں کا نہ رکھیں گے۔ شاردا کا راز بھی کھل جائے گا۔ میں نے سوچا' دنیش چندر کو جا کے سب کچھ بتا دوں۔ اس نے مجھ سے اتنے بڑے عہد کیے ہیں تو یہ اس کی آزمائش کا بہترین موقع ہوگا لیکن میرے اندر خود کو منکشف کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ شاید میں نے بہت جھوٹ بولے تھے۔ دنیش چندر سے نیا پستول لینے کی بات رہ گئی۔ میں نے اپنا پروگرام نہیں بدلا۔ ایک پستول تو میرے ساتھ تھا' رات کو میں یونہی گھومتا گھامتا رام پرشاد کو تلاش کرتا ہوا صدر دروازے پر گیا۔ وہ وہاں نظر نہیں آیا تو میں نے اس کے کوارٹر کی راہ لی اور ادھر ادھر تاک کے چپکے سے دستک دی۔ جیسے ہی وہ باہر آیا' میں نے پستول تان لیا۔ ''میرے ساتھ باغ تک چلو۔'' میں نے حکم دیا' وہ سکتے میں رہ گیا۔ پھر گھگھیانے لگا۔ ''بکواس بند کرو ورنہ یہ گولی تمہارے سینے سے پار ہو جائے گی' چپ چاپ چلے چلو۔''

رام پرشاد نے اپنے گھر کی طرف مڑ کے بھی نہیں دیکھا۔ وہ نیپالی نقش و نگار کا شخص تھا۔ میں نے پستول جیب میں رکھ لیا اور اسے باغ کے سنسان علاقے میں لے آیا۔ ''رام پرشاد!'' میں نے اس کے گال پر ایک زبردست تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا۔ ''تم نے میرے بارے میں کل کسے بتایا تھا؟''

''کسی کو بھی نہیں۔'' وہ لرزتا ہوا بولا۔

میں نے دو تین طمانچے اور جڑ دیئے۔ وہ دور جا کے گرا۔ میں نے پھر پستول تان لیا۔ ''بتاؤ ورنہ میں تمہیں ختم کر دوں گا۔''

''بتاتا ہوں' بتاتا ہوں۔ مجھے مت مارو' مت مارو۔'' وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں نے تیواری کو بتایا تھا۔''

''وہی تیواری جو بھون کے محافظوں کا نگران ہے؟''

''ہاں۔'' اس نے روتے ہوئے کہا اور مجھے ساری بات بتا دی۔ تیواری کا حکم تھا کہ جب بھی میں باہر نکلوں' اسے فوراً مطلع کیا جائے۔ میں نے رام پرشاد کو مارنے کا خیال ترک کر دیا اور اس کے ساتھ تیواری کے کوارٹر کا رخ کیا۔ میں رام

aazzamm@yahoo.com

پرشاد کا نشانہ لیے دور کھڑا رہا۔ رام پرشاد کی دستک پر تیواری آیا۔ شاید رام پرشاد نے یہ کہا ہوگا کہ وہ اس کے لیے اہم خبر لایا ہے۔ تیواری نے اپنے کوارٹر کا دروازہ بند کیا اور رام پرشاد کے ساتھ باغ میں آ گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ باغ میں ایک جگہ جا کے تیواری اس سے پوچھ رہا تھا۔ ''بتاتا کیوں نہیں حرامزادے! یہاں کیوں لے آیا؟''

''میں بتاتا ہوں الو کے پٹھے۔'' میں نے پیچھے سے گرج کر کہا۔ تیواری معقول تن و توش کا آدمی تھا لیکن پستول ایسی کمینی شے ہے کہ اسے دیکھتے ہی آدمی کا رنگ بدل جاتا ہے۔ ''تیواری! جو میں پوچھوں' سچ سچ بتانا۔ تو نے کل رام پرشاد کی اس رپورٹ سے کسے مطلع کیا تھا کہ میں باہر جا رہا ہوں؟''

''کسی کو بھی نہیں۔'' تیواری کی حالت رام پرشاد کی حالت سے مختلف نہیں تھی۔

''تو تو جلد مرنا چاہتا ہے' دیکھ رہا ہے میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اور میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔ سمجھا۔''

''میں نے کماری پریت سے کہا تھا۔ انہوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تمہارے بارے میں انہیں بتاتا رہوں۔ میں تو حکم کا غلام ہوں موہن داس بابو!''

''تم ہی تمام حکم کے غلاموں نے سارا کام خراب کیا ہوا ہے۔ جب تک تم جیسے نمک حرام چن چن کر ختم نہیں ہو جائیں گے' یہی حال رہے گا۔ مجھے افسوس ہے تیواری! تیرے دن ختم ہو گئے ہیں۔ تو نے مجھے قتل کرانے کی کوشش کی اور چھ سات آدمیوں کا خون کرایا۔ یہ صرف تیری اطلاع پر ہوا۔ میں تجھے شوٹ کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کے میں نے گولی چلا دی' تیواری وہیں گر گیا۔ رام پرشاد دہشت سے بے ہوش ہو گیا۔ میں نے ان دونوں کو اٹھا کے حوض میں ڈال دیا۔ رام پرشاد کچھ اچھلا کودا مگر پانی سے باہر نہیں آ سکا۔ میرے پستول میں صرف ایک گولی تھی ورنہ میں اسے اس اذیت ناک موت سے بچا لیتا۔ بہرحال پریت دیدی اور جگ دیپ بہادر اور ان کے گرگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ جواب اس طرح دیا جاتا ہے۔

اس کام سے نمٹ کر میں دوبارہ دنیش چندر کے حصے کی طرف چلا گیا۔ سب سے پہلے میں جگدیپ کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے لبوں پر میرے دیدار سے ایک لرزاہٹ پیدا ہوئی اور اس کی آنکھوں میں سارے جہاں کی نفرت سمٹ آئی۔

''راجکمار کی طبیعت کیسی ہے؟'' میں نے سعادت مندی سے پوچھا۔

''بہتر ہوں۔'' اس نے مضبوط آواز میں جواب دیا۔ غصہ اس میں شامل تھا۔

''تم کیسے ہو؟''

''زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں۔ روز موت کا انتظار کرتا ہوں۔ پر موت ادھر پھٹکتی ہی نہیں' کسی اور طرف نکل جاتی ہے۔''

''طبیعت ٹھیک ہونے کے بعد تم سے بات ہوگی موہن داس!''

''میں راجکمار کے حکم کا منتظر رہوں گا۔ ابھی راستے میں ایک سادھو ملا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ تیری قسمت میں بڑے راج لکھے ہیں۔ لمبی عمر پائے گا' سارے دشمن ختم ہو جائیں گے۔ پتہ نہیں اور کیا کیا کہتا تھا۔ شاید آپ کے ساتھ بندھ کر قسمت بدل جائے۔''

''اب تم جا سکتے ہو۔'' جگدیپ نے اشتعال انگیز لہجے میں کہا۔

''میں سرکار کے مزاج پوچھنے آیا تھا۔'' میں نے سرخم کر کے کہا۔ ''بھگوان کرے' سرکار جلد ٹھیک ہو جائیں۔ بڑے کام ادھورے پڑے ہوں گے۔''

خوش اطوار نرس نے مجھے مزید بات کرنے سے منع کر دیا۔ آج میرا ارادہ ایک مصروف رات گزارنے کا تھا۔ ابھی رات کے دس بج رہے تھے۔ زنان خانے میں پریت کی طرف جانے میں خطرے تھے اور میرا دل اس ماہ وش سے چار باتیں کرنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ تصور میں اس کا نقشہ عجب ابھرتا تھا۔ یہ رات آنے والی راتوں سے مختلف نہ ہوتی اور آج موقع نہ ملتا تو آئندہ کی کیا ضمانت تھی۔ میں زنان خانے کی طرف جانے والے راستے پر گامزن ہو گیا۔ جگدیپ کی بیماری کی وجہ سے بھون کے ہنگاموں کا بازار مندا پڑا تھا۔ میں یونہی باندیوں کو چھیڑتا' ادھر ادھر گھوم کر وقت کاٹتا رہا۔ رات کے گیارہ بجے کچھ اور روشنیاں بجھ گئیں۔ پھر بھی پریت جیسی طرح دار' تیز و طرار' چھیل چھبیلی' شوخ و شنگ لڑکی کا اس وقت تنہا مل جانا قسمت کی بات تھی۔ پریت کو ریس کے میدان میں شہ سواری کے لباس میں دیکھا تھا اور اس کی تلخ ترش کٹیلی باتیں سنی تھیں۔ اس کی گالیوں کا رس کانوں میں انڈیلا تھا اور اس کے ستم دیکھے تھے۔ میں سوچتا تھا کہ اس پھول جیسی نازک بدن لڑکی کے سر میں کیسا شریر دماغ موجود ہے۔ ادھر جانے میں ناکام واپس ہونے کا اندیشہ نہیں ہے کیونکہ اگر پریت سے ملاقات نہ ہو سکی تو اس کی ماں بنیارانی کی شکایت دور کر دوں گا۔ میں راجکماریوں اور رانیوں کے

aazzamm@yahoo.com

چھوٹے بڑے محلات سے گزرتا ہوا پریت کے محل تک پہنچ گیا۔ وہاں رات چھا چکی تھی۔ اکا دکا ملازم نظر آ جاتے تھے۔ پریت اور رانی کے کمرے مجھے پہلے سے معلوم تھے۔ کمرے روشن تھے۔ میں نے کچھ سوچ کر پہلے بنیا رانی کے کمرے کا رخ کیا۔ ہلکی سی دستک کے جواب میں ایک باندی نے سر ابھارا۔ ''کون ہے؟''

''موہن داس! بنیارانی نے بلایا تھا۔ کہو سیوک آیا ہے۔ کوئی کام ہو تو بتائیں۔''

اندر سے آواز آئی۔ ''آ جاؤ۔ اندر آ جاؤ۔''

میں سر جھکا کے اندر داخل ہو گیا۔ ''تمہیں فرصت مل گئی موہن داس؟'' بنیارانی اٹھ کر بولی۔ وہ اپنے ریشمیں پلنگ پر بکھری ہوئی کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ میں نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ میرے سامنے خمیری میدہ پڑا تھا۔ وہ بھرے ہوئے بدن کی ایک ناقابل برداشت عورت تھی۔ پریت اور اس میں بس یہ فرق تھا کہ وہ دونوں ماں بیٹی کے تعلق سے پہچانی جاتی تھیں۔ مجھے تو یہ ایک بہت بڑا جھوٹ معلوم ہوتا تھا۔ پریت کا بدن ہلکا اور آنکھیں شوخ تھیں۔ بنیارانی گداز بدن اور ہوسناک آنکھوں کا مرقع تھی۔ اس نے لال دوشالہ ایک طرف کیا' شب خوابی کے لباس میں اس کا رنگ چھلکنے لگا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ بنیارانی نے کس وقت باندی کو اشارہ کیا؟ جیسے ہی وہ گئی' بنیارانی نے میری بہادری اور وجاہت کی تعریفیں شروع کر دیں۔ ''تم نے اس دن گھوڑا کیسے اٹھا لیا تھا؟''

''بس جی اٹھا لیا۔ وزن نہ اٹھاؤ تو پوچھتا کون ہے؟ اس دنیا میں جو زیادہ وزن اٹھاتا ہے' اسی کی پوچھ ہوتی ہے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ میرا تجربہ تھا کہ رانیوں کو یہ سادگی بہت پسند آتی ہے۔

''باتیں بہت اچھی کرتے ہو۔ کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھ جاؤ۔ ادھر بیٹھو۔'' اس نے پلنگ کے قریب رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہم نے تمہاری طرف نظر ہی نہیں کی تھی۔ اس دن تمہیں دیکھا تو پتہ چلا' ہم بھون سے کتنے بے خبر رہتے ہیں۔''

مجھے وہاں سے جلدی رخصت ہونا تھا کیونکہ اور کام نمٹانے تھے۔ یہاں آنے کا مقصد یہ تھا کہ پریت کے کمرے کی سن گن لی جائے۔ ادھر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ گویا یہ پریت سے ملاقات کا بہترین وقت تھا۔ اس لیے میں نے اسے مزید زحمتوں سے بچا لیا۔ ''ایک بات کہوں بنیارانی؟'' میں نے شرما کے کہا۔

فرزانہ لائبریری' وڈیو اینڈ ریکارڈنگ سنٹر
گول چکر ساہیوال

''کہو۔'' اس نے میری طرف اشتیاق سے دیکھ کر کہا۔

''بات یہ ہے۔ اس دن میں نے بھی آپ کو پہلی بار غور سے دیکھا۔ جب آپ نے مجھے آنے کے لیے کہا تو میں آنے کے لیے بے چین تھا' فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ پریت کی ماں ہیں تو مجھے یقین نہیں آیا۔ سچ بتایئے' یہ سچ ہے؟''

''چھوڑو بھی۔ تو تم بھی بے چین تھے؟'' وہ مسکرا کے بولی۔ ''موہن داس! بھون میں تو خوب جی لگتا ہوگا۔ یہاں تو بڑی دلچسپیاں ہیں۔''

''ہیں تو ضرور مگر میری عادت ذرا مختلف ہے۔ مجھے ادھر ادھر بھٹکنے کی بجائے ایک ہی جگہ رہنا پسند ہے۔''

''ہمیں بھی ایسے آدمی پسند ہیں۔ اس دن ہم نے تمہاری بہادری کے لیے انعام رکھا تھا' یہ لو۔'' اس نے اپنے ہاتھ کی انگوٹھی اتار کے مجھے دے دی اور پوچھا۔ ''بھون میں اور کس کس کے ہاں خدمت کی؟''

''اسے جانے دیجئے' یہ راز کی باتیں ہیں۔ میں اس سلسلے میں بڑا بااعتماد ملازم ہوں۔''

''یہ بات تو اچھی ہے' دور کیوں بیٹھے ہو' ادھر آ جاؤ۔''

''شکریہ۔'' میں نے شوخی سے کہا اور اس کے برابر پلنگ پر بیٹھ گیا۔

''تمہارے ہاتھ دیکھیں' کتنے سخت ہیں؟'' اس نے میرے ہاتھ زور سے دبا کے کہا۔ ''تم فولادی آدمی ہو۔'' بنیارانی دیر تک اسی قسم کی باتیں کرتی رہی۔ مجھے خیال آیا' دنیش چندر نے ترنم کو بلا لیا ہوگا۔ پریت سے ملنے کے بعد اس کے پاس پہنچوں گا تو دیر ہو جائے گی مگر بنیارانی ایک پختہ کار عورت کی طرح دلنشین باتیں کرتی رہی۔ وہ کچھ جھجک بھی رہی تھی۔

''اب میں چلتا ہوں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اسے اس عجلت کی توقع نہیں تھی۔ ''اتنی جلدی تھی تو آئے کیوں تھے؟'' وہ خفا ہونے کے انداز میں بولی۔ ''بیٹھو' ایسی بھی کیا جلدی ہے؟''

''پھر آؤں گا۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا ہے کہ آپ مجھ پر مہربان ہیں۔'' میں اٹھنے لگا تو اس نے میری آستین پکڑ لی۔ اگر وقت کا خیال نہ ہوتا تو تمام رات اس کے پاس بیٹھا رہتا اور بولتے وقت اس کے چمکدار دانت دیکھتا رہتا۔ وہ دانت [illegible]

aazzamm@yahoo.com

سامنے کی سلائی بنانے کو جی چاہتا تھا۔ ''آپ۔ آپ......؟'' میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''ہاں موہن داس! ہم تمہیں پسند کرتے ہیں۔''

میں نے مزید حجت مناسب نہیں سمجھی۔ اپنے دونوں ہاتھ دراز کیے اور کولی بھر کے اسے اٹھا لیا۔ پھر میں اسے اٹھائے ہوئے دروازے تک آیا۔ ''میں کسی دن' ممکن ہے کل رات ہی آؤں بنیا رانی!'' میں نے اس کے لبوں کی سرخی چرا کے کہا۔

''نہیں نہیں۔ میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔'' اس نے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ ''اب تم میرے سیوک ہو۔''

ٹھیک اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی' وہ میری آغوش میں مچلنے لگی۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ بہ اکراہ فون کی طرف بڑھی۔ ''ہیلو۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کا رنگ بدل گیا۔ ''کیا کہا؟ دنیش چندر زخمی ہو گئے۔ وہ کہاں ہیں؟ اچ چھا۔ میں بھی آتی ہوں۔''

''کیا ہوا بنیارانی؟'' میں نے وحشت سے پوچھا۔

''دنیش چندر زخمی ہو گئے۔'' وہ جھنجلاہٹ سے بولی۔

میں نے دوسرا لفظ نہیں سنا۔ میں دروازہ کھول کر باہر بھاگنا ہی چاہتا تھا کہ بنیارانی کی تحکمانہ آواز آئی۔

''ٹھہرو۔ تھوڑی دیر میں ہم بھی ادھر جائیں گے۔''

''نہیں۔ میں اب یہاں ایک لمحے بھی نہیں رک سکتا۔''

اس نے تکیے کے نیچے سے پستول نکالنے میں بڑی پھرتی دکھائی۔ ''موہن داس! ہمارے قریب آؤ۔ اس وقت ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔''

میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ ''بنیارانی!'' میں نے غصے سے جھپٹ کر پستول اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور اسے بستر پر دھکیل کر برق رفتاری سے باہر آ گیا۔

میں بپھرے ہوئے شیر کی طرح چبوترے' دالان اور راہداریاں پھلانگتا ہوا دنیش چندر' اپنے دوست کے محل کی جانب بڑھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

دنیش چندر کے زخمی ہونے کی اطلاع نے مجھے پاگل کر دیا۔ میں بپھرے ہوئے درندے کے مانند بینا رانی کی خواب گاہ سے باہر نکلا اور وحشیانہ انداز سے دنیش کے محل کی جانب دوڑنے لگا۔ کئی جگہ چکنے فرش پر میرے پیر پھسلے، گرا، گھٹنوں میں چوٹیں آئیں لیکن میں اٹھ اٹھ کر تیزی سے بھاگتا رہا۔ اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے میرا ذہن بھاگ رہا تھا۔ کل انہوں نے مجھ پر موت کا جال پھینکا، آج ناکام ہو کے دنیش چندر پر حملہ کر دیا۔ وہ سانس لینے کے لیے ایک لمحے کی مہلت بھی دینا نہیں چاہتے تھے۔ بنیا رانی کا پستول میرے ہاتھ میں سختی سے دبا ہوا تھا اور میری انگلیاں کسی کا نشانہ لینے کے لیے تڑپ رہی تھیں۔ میں اشتعال انگیز حالت میں قلانچیں بھرتا اور چھلانگیں مارتا ہوا جب دنیش چندر کے محل کے نزدیک پہنچا تو وہاں ایک سوگوار فضا چھائی ہوئی تھی۔ ملازموں کے چہرے لٹکے ہوئے تھے اور راج کماریاں اندر کی طرف لپک رہی تھیں۔ اندر سے دبی دبی سسکیوں اور ہلکی ہلکی چیخوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میرا دل ڈوبنے لگا، قدم لڑکھڑا گئے۔ آنکھوں میں خون اتر آیا اور میں نے فیصلہ کیا، اگر دنیش کو کچھ ہو گیا تو میں بینا رانی کے پستول سے آج رات خون کی ہولی کھیلوں گا۔ دھڑکتے دل اور لرزتے قدموں سے اندر داخل ہوا۔ ملاقاتی کمرے میں سب سے پہلے میری نظر دنیش چندر کی نوخیز بھانجی سندھیا پر پڑی۔ اس نے سسکتے ہوئے مجھے خواب گاہ کی طرف اشارہ کیا۔ میں کوئی بری خبر سننے کو تیار نہیں تھا۔ اس لیے اس سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں جھپٹ کر اندر پہنچا تو میری چیخ حلق میں گھٹ کے رہ گئی۔ دنیش مسہری پر بے ہوش پڑا ہوا تھا اور اس کے کپڑے خون میں لت پت تھے۔ وہاں شاردا، پارو، ہیما اور دوسری راج کماریاں، رانیاں اور سریش پہلے سے موجود تھے۔ مجھے آتا دیکھ کر پارو اور شاردا اپنی چیخیں نہ روک سکیں۔ ''موہن داس! ذرا دنیش کو دیکھنا۔'' وہ بلکتی ہوئی بولیں۔

aazzamm@yahoo.com

"ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے؟" میں نے ڈگمگاتی آواز میں پوچھا۔ انہوں نے ہچکیوں کے ساتھ اثبات میں گردن ہلائی۔ پارو کے زانو پر دنیش کا سر رکھا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ چند لمحوں کے لیے میں سن ہو گیا۔ دنیش چندر کے جسم سے لپٹ کر چیخ چیخ کر رونے کو جی چاہتا تھا مگر دوسروں کی نظروں میں اپنی حیثیت کا خیال دامن گیر تھا۔ میں اپنے دوست کو جھنجوڑ کر اپنی موجودگی کا سہارا بھی نہیں دے سکتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرح اپنے جذبات کا اظہار کروں؟ میں نے مصلحت طاق پر رکھی اور خود کو سنبھالتا ہوا دنیش کی مسہری کے قریب پہنچا۔ اس کی ٹانگیں سیدھی کیں، اس کا بایاں شانہ خون میں نہایا ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنی گود میں بٹھا کے قمیص اتاری اور اپنی آستین سے خون پونچھ کے پارو کے سر کا رومال زخم پر باندھ دیا۔ بظاہر دنیش کو دو گولیاں لگی تھیں۔

بائیں شانے کی کھال ادھڑ گئی تھی اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کا پورا گولی نے اڑا دیا تھا۔ اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔

"خیریت تو ہے موہن؟" شاردا نے میرا بازو جھنجوڑتے ہوئے اس طرح پوچھا جیسے میں کوئی ڈاکٹر ہوں۔

"سب ٹھیک ہے، جلدی سے ڈاکٹر کو بلائیے"۔ میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا اور پوچھا۔ "یہ کیسے ہو گیا؟"

"پتہ نہیں۔" شاردا آنسوؤں کے درمیان بولی۔ "اس وقت رات کو اسے تنہا موٹر میں جانے کا شوق کیوں اٹھا تھا۔"

"کیا یہ حادثہ موٹر میں پیش آیا تھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں" شاردا نے روتے ہوئے جواب دیا۔ "ڈرائیور بے چارہ مارا گیا۔ ب اس حالت میں نہ جانے کس ہمت سے گاڑی چلاتے ہوئے لایا اور یہاں خاص دروازے پر ہوش کھو بیٹھا۔ وہاں سے اسے بے ہوشی کی حالت میں یہاں لایا گیا۔"

دنیش چندر سے تو میرا پروگرام یہ طے ہوا تھا کہ وہ مہمان خانے سے ترنم کو طلب کر کے میرا انتظار کریگا اور ہم ایک خوبصورت رات منائیں گے۔ پھر وہ اتنی رات گئے اچانک کیسے باہر نکل گیا؟ اس نے میرا انتظار بھی نہیں کیا؟ کاش میں اس کے پاس ہی رہتا اور گولی مجھے لگ جاتی۔ مجھے خود تسلی کی ضرورت تھی۔ میں سب کو صبر و شکر کی تلقین کر رہا تھا۔ ڈاکٹر نے آنے میں دیر لگا دی۔ خواب گاہ میں آنجہانی پرکاش چندر کی

بیویوں، بیٹیوں اور بیٹوں کی بھیڑ لگ گئی تھی۔ بینارانی اور پریت بھی بلکتی اور تڑپتی ہوئی اس سوگوار مجمع میں شامل ہو گئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر بینارانی کی آنکھوں میں بے چینی سی پیدا ہوئی۔ ادھر پریت نے نفرت انگیز لہجے میں پارو کو انگریزی میں مخاطب کیا۔ "اس مجھ کو یہاں سے دور ہٹاؤ۔ یہ ناپسندیدہ طور پر ہمارے ذاتی معاملوں میں شامل ہوتا جا رہا ہے۔" اس کا اشارہ میری طرف تھا۔

مجھے کوئی تاثر تو نہیں دینا چاہئے تھا لیکن برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ میں اس انگریز بچی کو اس کی مادری زبان میں مادر زاد سناتے سناتے رہ گیا۔ وہ میری قہر آلود نظروں کی تاب نہیں لا سکی۔ اگر وہ اپنی زبان قابو میں نہ رکھتی تو میں سب کے سامنے اس کی زبان کھینچ لیتا۔ "پریت" پارو نے اسے ڈانٹنے والے انداز میں سمجھایا۔ "یہ وقت غصے اور نفرت کے اظہار کا نہیں، وہ دنیش چندر کے بہت قریب ہے۔"

"دنیش تمہارا بھائی زخمی ہے۔" شاردا نے تاسف سے کہا۔

"میں دیکھ رہی ہوں"۔ پریت نے نخوت سے جواب دیا۔

میرے زبان کھولنے سے پہلے ڈاکٹر آ گیا اور اس بھیڑ میں کھلبلی سی مچ گئی۔ ڈاکٹر نے معذرت خواہانہ انداز میں سب سے باہر نکلنے کی درخواست کی۔ شاردا، پارو، بینارانی، سریش اور میرے سوا سب باہر نکل گئے۔ ابھی ڈاکٹر نے معائنہ شروع ہی کیا تھا کہ دوسرا ڈاکٹر آ گیا، پھر تیسرا اور اس کے ساتھ نرسوں کا ایک غول بھی اندر داخل ہوا۔ تھوڑی دیر، میں خواب گاہ آپریشن تھیٹر کا منظر پیش کرنے لگی۔ شاردا، بینا رانی اور پارو کو بھی باہر نکال دیا گیا۔ میں نے جانے سے انکار کر دیا، پارو میری سفارش میں پیش قدمی نہ کرتی تو ڈاکٹروں کو سب سے پہلے مجھ سے نمٹنا پڑتا۔

"حادثے کے وقت تم کہاں تھے موہن داس؟" دنیش کے چھوٹے بھائی سریش نے مجھ سے آہستگی سے پوچھا۔ اس کے لہجے میں تحکم تھا۔

"میں بینا رانی کے کمرے میں تھا۔" میں نے سوچے سمجھے بغیر جواب دیا۔

"وہاں کیوں گئے تھے؟"

مجھے سریش کا یہ انداز تخاطب پسند نہیں آیا، میں نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "انہوں نے مجھے طلب کیا تھا۔"

"تمہیں راج کمار کے پاس رہنا چاہئے تھا۔ تم راج کمار کے ملازم ہو یا بینا رانی کے؟" وہ غصے سے بولا۔

aazzamm@yahoo.com

"میں ہر شخص کا ملازم ہوں، آپ کوئی حکم دیں گے تو کیا منع کر دوں گا؟" میں نے جھنجلا کے کہا۔

"لیکن تمہیں راج کمار کے حکم کو ترجیح دینی چاہیے تھی۔"

"راجکمار نے مجھے تھوڑی دیر کے لیے چھٹی دے دی تھی۔" میں نے اس نادان چھوکرے کے غیرضروری سوالوں سے عاجز آ کے کہا۔ اس کا دل میری طرف سے صاف نہیں تھا۔ یقیناً دشمنوں نے اسے میرے خلاف بھرا ہو گا۔ میں خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔ ڈاکٹر پوری تندہی سے دنیش کا جسم ٹٹول رہے تھے اور میں ان کی طرف سے کوئی امیدافزا خبر سننے کا منتظر تھا۔ اس وقت میں نے شدید تنہائی محسوس کی، مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ دنیش چندر مجھ سے کس قدر قریب آ گیا تھا اور میں اپنے آپ سے کتنا دور ہو گیا تھا۔ میرے کان ڈاکٹروں کی سرگوشیوں کی طرف لگے ہوئے تھے۔ ان کی سنجیدہ صورتیں دیکھ کر ہول آتا تھا کہ پتہ نہیں، وہ کیا خبر سنا دیں؟ ممکن ہے، یہ بھی دنیش چندر کے دشمنوں میں سے ہوں؟ ہو سکتا ہے، انہیں بھی خرید لیا گیا ہو؟

"سریش بابو!" میں نے اداسی سے کہا۔ "ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟"

وہ چڑ سا گیا۔ "تم ہمیں کس طرح مخاطب کر رہے ہو؟ راج کمار کہو۔" وہ تکبر سے بولا۔ "ہم نے تمہارے متعلق صحیح سنا تھا کہ تم بہت زیادہ منہ چڑھ گئے ہو۔"

میں نے بمشکل تمام گردن جھکائی اور خاموشی سے ایک کونے میں جا کے کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے دنیش چندر کے جسم سے سر ابھارے تو میں بے چینی سے آگے بڑھا۔ "راج کمار سریش!" ایک ڈاکٹر کی آواز آئی۔ خون کافی نکل گیا ہے۔ بہرحال گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اب وہ خطرے سے باہر ہیں۔"

"ڈاکٹر!" سریش نے جذباتی انداز میں کہا۔ "کیا انہیں خون کی ضرورت ہے؟ وہ ٹھیک تو ہو جائیں گے؟"

"انہیں مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے، یہ کچھ دیر بعد ہوش میں آ جائیں گے، لیکن ان سے زیادہ باتیں نہ کیجئے گا۔ اگر یہ ہماری توقع کے مطابق ہوش میں آ گئے، تو پھر خون کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ڈاکٹر نے سریش کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ ڈاکٹر! تمہاری اس توجہ کا شکریہ۔ راج کمار دنیش اس ریاست کا سب سے ذہین اور بہادر نوجوان ہے، ہمارے لیے اس کی زندگی بہت قیمتی ہے۔" خوشی

محمد اسلم لائبریری ویڈیو اینڈ ریکارڈنگ سنٹر

سریش کی آواز لرز رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں۔" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "خود مہاراجہ امرناتھ راج کمار دنیش چندر کا ذکر مجھ سے کئی بار کر چکے ہیں۔"

"ہماری زندگی بڑی ارزاں ہے، یہاں روز ایک حادثہ ہوتا ہے۔ موت کی دیوی اس بھون پر مہربان ہو گئی ہے، پہلے مہاراج پرکاش چندر گئے، پھر مہیش چندر، اب وہ دنیش چندر کے پیچھے پڑی ہے۔ درمیان میں بہت سے ملازم بھی مارے جا چکے ہیں۔" سریش رقت انگیز لہجے میں بولا۔

"موت اور زندگی بھگوان کے ہاتھ میں ہے راج کمار سریش!" ڈاکٹر نے سرد آہ بھر کے کہا۔ "حوصلہ رکھئے چھوٹے راج کمار!"

اسی وقت باہر ایک شور گونجا۔ کسی نرس نے جا کے یہ خبر سنادی تھی کہ دنیش چندر کی حالت خطرے سے باہر ہے، ایک ریلے نے اندر آنے کی کوشش کی مگر ڈاکٹروں نے دروازہ بند کر دیا۔ سریش بھی باہر چلا گیا۔ "تم نہیں جاؤ گے؟" ڈاکٹر نے مجھے دیکھ کر بلند آواز میں پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب!" میں نے عاجزی سے کہا "میں انہیں اس حالت میں نہیں چھوڑ سکتا، میرے خون کی ضرورت ہو تو جتنا جی چاہے نکال لیجئے۔"

"تمہیں پرنس کا بہت خیال ہے؟" ڈاکٹر نے بزرگانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے ڈاکٹر!" میں نے گردن ڈال کے کہا۔

"تمہاری وجہ سے؟" ڈاکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں اگر میں ان کے ساتھ ہوتا تو شاید ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔ تین چار گولیاں تو میں آگے آ کے خود اپنے اوپر لے لیتا۔"

"اوہ" اس نے میری پیٹھ تھپ تھپاتے ہوئے کہا۔ "ایسے ملازم کہاں ملتے ہیں جو اپنے آقاؤں سے اتنی محبت کریں۔"

"اور ایسے آقا کہاں ملتے ہیں جو راج کمار جیسے ہوں۔"

"تمہیں دیکھ کے کوئی کہہ نہیں سکتا کہ تم ایک ملازم ہو؟"

"یہ تو قسمت کی بات ہے ڈاکٹر صاحب! شکل و صورت میں کیا رکھا ہے۔"

"تم بہت ترقی کر سکتے ہو، فوج میں چلے جاؤ۔ وہاں تم جیسے خوبصورت نوجوانوں کی بڑی قدر ہے، اس ملازمت میں تم کیا ترقی کر سکتے ہو، اسمارٹ، لانبے

aazzamm@yahoo.com

اور دل کش۔''

والد مرحوم کا بھی یہی خیال تھا۔ میں ان کی بات مان لیتا تو ترقی کرتا ہوا کم ازکم کیپٹن کے عہدے تک تو ضرور پہنچ جاتا۔ ڈاکٹر مجھ سے خواہ مخواہ متاثر ہو گیا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ میرے ساتھ کیسی عجیب داستان وابستہ ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ اب بھی میں ایک سپاہی کا کام کر رہا ہوں، یہاں کوئی عہدہ، کوئی تمغہ تو نہیں ہے مگر یہ ایک کھلا محاذ جنگ ہے۔ فوج میں، میں انگریزوں کے حق میں ان کے دشمنوں سے لڑتا، یہاں میں دنیش چندر کے لیے اس کے دشمنوں سے نبرد آزما تھا۔''ڈاکٹر صاحب!'' میں نے زہرخند سے جواب دیا۔''راج کمار دنیش چندر کی ترقی میری ترقی ہے۔ میں نے اس کے کھونٹے سے اپنے آپ کو باندھ دیا ہے اور اپنے متعلق سوچنا چھوڑ دیا ہے۔''

''تم بہت دکھی معلوم ہوتے ہو۔'' اس نے ملائم نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ شاید راجے پور کا وہ بڑا ڈاکٹر مجھے کچھ اور عزت بخشتا کہ نرس نے اس کی توجہ مبذول کر لی۔ ڈاکٹر دوبارہ دنیش چندر کے معائنے کے لیے چلا گیا۔ پھر اس نے جلد ہی ہاتھ اٹھا کے اعلان کیا کہ راج کمار کو دیکھنے کے لیے باہر منتظر لوگوں کو یکے بعد دیگرے اندر آنے دیا جائے اور اس دوران میں مکمل خاموشی اختیار کی جائے، کمرے سے اسسٹنٹ اور نرسوں کی بھیڑ چھٹ گئی تھی۔ میں دور کھڑا باہر سے آنے والے سوگوار چہرے دیکھ رہا تھا۔ بظاہر سب کے سب دل گرفتہ نظر آ رہے تھے۔ یہ میرے لیے ایک عبرت انگیز منظر تھا۔ میں نے پارو کا چہرہ دیکھا اور اس کے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ پارو کے چہرے پر ایک خوف زدہ حزن چھایا ہوا تھا۔ میں نے بینا رانی کا چہرہ دیکھا اور مجھے ہنسی آ گئی، اس نے اپنی آنکھیں جھکا کے سارا تاثر چھپا لیا تھا۔ میں نے پریت کا چہرہ دیکھا جو برگشتہ اور کبیدہ تھا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے ہیما' شاردا' سندھیا اور شکنتلا کو دیکھا سچے جھوٹے چہرے، بھیگی آنکھیں، بجھے ہوئے چہرے۔ یہاں راجے پور کے بعض امراء بھی موجود تھے، ہر شخص ٹوٹا اور بکھرا ہوا نظر آتا تھا۔ وہ ایک نظر دنیش کو دیکھتے اور سسکیاں بھرتے ہوئے جاتے رہے، شاردا اور پارو وہاں ٹھہر گئیں۔ شاردا کی حسرت بھری آنکھوں میں ایسی فریاد تھی جس نے مجھے مضطرب کر دیا۔ جیسے وہ کہہ رہی ہو، تم نے دیکھ لیا؟

میں نے نگاہیں چرا لیں اور گھٹنوں میں سر دے کے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

لوگ آتے جاتے رہے، میں اپنے بھیانک خیالوں میں ڈوبا رہا۔ دنیش چندر اگر مجھ سے بے وفائی کر لیتا تو اپنا کہاں ٹھکانا ہوتا؟ وہ ایک لمحے کے لیے مجھے برداشت نہ کرتے۔ بینا رانی کے پستول کی چھ گولیاں کب تک میرا ساتھ دیتیں؟ ''موہن!'' پارو کی ہلکی آواز مجھے میرے خیالوں سے واپس لے آئی، وہ مجھ سے بہت قریب کھڑی تھی اور آہستگی سے کہہ رہی تھی۔''سنو! تم اپنے گھر جا کے آرام کرو۔'' میں نے سر اٹھا کے دیکھا، وہ اشاروں اشاروں میں مجھ سے بہت سی باتیں کہہ رہی تھی۔''میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

''کیا میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا؟'' میں نے اداسی سے پوچھا۔

''پاگل نہیں بنتے۔'' وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔''چلو، میرا نرم گرم بستر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ میں تم سے چند ضروری باتیں بھی کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے جھجک کر اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

میرے انکار پر پارو بے بسی سے مجھے دیکھنے لگی اور شش و پنج میں پڑ گئی۔ شاردا کے نزدیک آنے پر اس کے اپنائیت کے انداز میں مغائرت کا رنگ آ گیا۔ ''موہن!'' شاردا نے نرمی سے کہا۔''یہاں دنیش کی دیکھ بھال کے لیے نرسیں اور ڈاکٹر موجود ہیں۔ دنیش کو نیند کا انجکشن دے دیا گیا ہے۔ اسے آرام کی ضرورت ہے۔''

''میں انہیں بے آرام نہیں کروں گا، میں یہیں فرش پر پڑا رہوں گا۔''

پارو اور شاردا جزبز ہو کے وہاں سے رخصت ہو گئیں۔ کمرے میں، میں اور چند نرسیں رہ گئیں۔ پھر میں اٹھا، دنیش کی مسہری کے قریب جا کے میں نے بے اختیار اس کی پیشانی کو بوسہ دیا، اس کے گال تھپ تھپائے اس کے بالوں کی لٹ درست کی' نرسیں اس سے میری وارفتگی غور سے دیکھتی رہیں۔ اس کی چادر ہر طرف سے درست کر کے میں ایک کرسی کھینچ کر مسہری کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ تکتے تکتے دیر ہو گئی تو ایک تیز و طرار نرس نے میری محویت توڑنے کی کوشش کی۔''یہ تمہارے کون لگتے ہیں؟'' وہ مدھم سروں میں بولی۔

میں جواب دینا چاہتا تھا، یہ میرا محبوب ہے، یہ میرا شوہر ہے، یہ میری بہن، میری بیوی ہے، لیکن میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کی تلقین کی۔ وہ مسکرا کے بولی۔''راج کمار گہری نیند سو رہے ہیں تم ہلکی آواز میں بات کر سکتے ہو۔ رات ابھی خاصی پڑی ہے۔'' [illegible] نے معنی خیز نظروں سے دوسری

aazzamm@yahoo.com

نرس کو دیکھا جو تمام تر انہماک سے میرا جائزہ لے رہی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کوئی حسین لڑکی ہوں جس کے اردگرد یہ تین مرد بیٹھے اسے اشتیاق سے گھور رہے ہیں۔

''میں کوئی بات کرنا پسند نہیں کرتا۔'' میں نے برہمی سے کہا۔

وہ ناک چڑھا کے بولی۔ ''تمہاری مرضی۔'' میں نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ وہ اکتا کے خواب گاہ کی نیم عریاں پینٹنگز اور نوادر دیکھنے میں مصروف ہوگئیں۔ یہ خواب گاہ ان کے لیے ایک عجائب خانے کی حیثیت رکھتی تھی، ایک بار میرے جی میں آیا کہ میں ان تینوں نرسوں کو شوٹ کرکے اور انکی لاشیں خواب گاہ سے نکلنے والی اندھی سرنگ میں پھینک کر دنیش چندر کو اٹھا لے جاؤں تاکہ وہ پرکاش بھون کے بھیڑیوں سے نجات حاصل کر لے۔ ذہن کی مشین الٹی سیدھی چل رہی تھی۔ بھون کے بہت سے لوگوں کو زندہ جلا دینے کے منصوبے ذہن کی بھٹی میں پک رہے تھے۔ میں بے قراری سے پہلو بدلتا اور ساری رات جاگتا رہا یہاں تک کہ نرسیں بھی اونگھنے لگیں۔ دنیش گہری نیند سویا ہوا تھا یا ابھی تک اس پر بے ہوشی کا غلبہ تھا۔ اس نے کروٹ بھی نہیں بدلی۔ میں بار بار اٹھ کے اس کے سینے کا زیروبم دیکھتا رہا۔ اس طرح بیٹھے بیٹھے صبح ہوگئی۔ ایک اور بے آرام رات گزر گئی تھی۔ کئی راتوں سے ویسے بھی نیند حرام ہو چکی تھی۔ گزشتہ رات میں اندھیری کوٹھری میں جاں کنی کی کیفیت سے دوچار تھا، آج بھی صورت مختلف نہیں تھی۔

صبح ہوگئی اور دنیش نے آنکھ نہیں کھولی۔ صبح کے وقت پھر مجھے اس کی مسہری سے در و دیوار کے سہارے کھڑے ہونا پڑا کیونکہ اب دنیش کی مزاج پرسی کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھ گیا تھا۔ نرسوں نے انہیں میرے بارے میں بتایا کہ میں نے ساری رات ایک پل کے لیے آنکھ نہیں میچی ہے، یہ خبر سن کے کسی کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی، کسی نے سرسری نظر ڈال کر مجھے دیکھا۔ شاردا اور پارو کے سوا کسی نے میرے آگے دانہ نہیں ڈالا۔ ان لوگوں کی آمد سے مجھے خیال آیا کہ راجے پور کا ہر شخص دنیش کی عیادت کے لیے آئے گا۔ ان میں مہاراجہ امرناتھ بھی ہوں گے اور راج کماری کنول، کرنل ہارڈنگ بھی اور وہ انگریز بھی جو اس دن دعوت میں شریک تھے۔ میں ان سب کے سامنے کس طرح پیش ہوں گا؟ کرنل ہارڈنگ کی دوربین نظریں یقیناً مجھے پہچان جائیں گی۔ وہ منہ پھٹ سب کے سامنے مجھے عریاں کر دیگا۔ مہاراجہ بھی حیرانی

عزیزانہ لائبریری ویڈیو بُک ریکارڈنگ
گول چوک

سے میرا چہرہ دیکھیں گے اور کوئی یہ یقین نہیں کرے گا کہ دنیش چندر کے دوست پروفیسر زاہدی اور اس کے ملازم موہن داس میں یہ حیرت انگیز مشابہت محض اتفاق ہے، میرے بارے میں ان کے سوالات اور بھون کے لوگوں کے جوابات سے اچھے نتائج برآمد ہونے کی توقع نہیں ہے۔ مجھے دنیش چندر کی صحت یابی تک خود کو اپنے مکان میں روپوش کر لینا چاہیے۔ میں خود اپنی بیماری کا بہانا بنا سکتا ہوں لیکن کیا ایسے نازک وقت جب دنیش چندر ہر طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا زخمی ہو اور اپنے سرہانے اسے میرے سہارے کی ضرورت ہو، مجھے اسے چھوڑ کے مصلحتوں کے تقاضے پورے کرنے چاہئیں؟ میں کب تک خود کو چھپاؤں گا؟ مجھے مہاراجہ امرناتھ اور کماری کنول کے سامنے کسی خدشے کے بغیر آ جانا چاہیے۔ پھر مجھے دنیش چندر پر تازہ حملے کے مجرموں کا سراغ بھی لگانا ہے، ابھی ابھی خبر آئے گی کہ حوض سے رام پرشاد اور تیواری کی لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ میری عدم موجودگی میں دشمن خطرناک منصوبے بنا سکتے ہیں، اب دنیش کو میرا دفاع کرنے کا بھی ہوش نہیں ہے۔ ان سب مصائب کا تو پہلے سے اندازہ تھا۔ پھر بھون میں مزید قیام کو کیوں ترجیح دی تھی؟ شاردا اور ڈالی کو لے کر چپ چاپ یہاں سے نکلنے میں پس و پیش کیوں کیا تھا؟ کیا حساب چکانے اور قرضے بھگتانے کے عزائم تھے؟ یہ تو ایک کھلی ہوئی جنگ ہے۔ کبھی فتح، کبھی شکست، کبھی دوستوں کا پلا بھاری ہے، کبھی دشمنوں کا۔ میدان جنگ سے فرار کیسا؟ فرار، اپنی روح کے سامنے ہمیشہ کے لیے پشیمانی، میری پسپائی' بھون کے ان شریف اور معصوم لوگوں کی پسپائی' جنھوں نے دنیش چندر سے اور مجھ سے امیدیں وابستہ کرنے کی نادانی کی تھی۔ میں نے اور دنیش نے کل رات تک کیسے کیسے منصوبے بنائے تھے؟ میں اندھیری کوٹھری سے، دس خونخوار آدمیوں کو مارتا، کاٹتا نکل آیا تھا، رات میں کیا سوچ رہا تھا؟ کیا بینارانی اور پریت کی خواب گاہ کی طرف جانے کی جرأت کا کوئی انعام وصول نہ کیا جائے؟ رات میں نے پریت کے دو آدمیوں کو جہنم رسید کر کے اسے قائل کرنا چاہا تھا کہ جواب اس طرح دیا جاتا ہے یا ابھی پریت نے اپنے نمک خواروں رام پرشاد اور تیواری کی موت کی دل خراش اطلاع نہیں سنی تھی۔

دنیش کی مسہری کے قریب کھڑے ہوئے لوگوں میں اچانک ایک اضطراب سا پیدا ہوا۔ کسی نے ڈاکٹر کو آواز دی۔ ''ڈاکٹر! دیکھو، اسے ہوش آ رہا ہے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔''

aazzamm@yahoo.com

کسی نے میرے جسم میں بجلی کا تار لگا دیا، میں ہڑبڑا کے اٹھا۔ بھون لی معزز عورتیں درمیان میں آ گئیں، میں انہیں اپنے سامنے سے ہٹانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اس لیے ٹھٹک کر رک گیا۔ ''وہ کیا کہہ رہا ہے؟ دیکھو، وہ بولنا چاہتا ہے۔'' پارو کی آواز آئی۔ ''وہ کسے پکار رہا ہے؟ ڈاکٹر! ڈاکٹر! تم نے سنا؟ خاموش، شور نہ مچاؤ، ہوا مت گھیرو۔ اس نے آنکھیں کھول دی ہیں وہ کسے تلاش کر رہا ہے؟ ہے بھگوان! ہمارے بھائی کو ٹھیک کر دے''۔ مختلف آوازیں میرے کانوں میں رس ٹپکا رہی تھیں۔

ڈاکٹر نے سب کو بمشکل تمام خاموش کیا۔ ''راج کمار دنیش! کہیے کیسے مزاج ہیں؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔ کچھ دیر تک دنیش کی آواز نہیں آئی۔ ڈاکٹر نے پھر مودب اورشگفتہ لہجے میں اس کا حال پوچھا۔ ''جی جی'' اس نے دنیش چندر کے منہ سے نکلنے والے لفظوں کی تشریح چاہی۔ ''موہن! موہن! '' ڈاکٹر نے تکرار کی اور سر اٹھاکے پوچھا۔ ''موہن ! کون صاحب ہیں؟''

ایک ساتھ بہت سی آوازیں گونجیں۔ ''موہن! موہن! '' تلخ، شیریں، ترش آوازیں۔ میں نے شرم سے سر جھکا لیا۔ شاردا بھاگی ہوئی میرے پاس آئی۔ ''موہن! '' اس نے وفورِ مسرت سے کہا ''وہ تمہیں پکار رہا ہے۔''

ڈاکٹر میرا بازو پکڑ کے مسہری تک لے گیا۔ مجھے آتا دیکھ کر حیرت زدہ انداز میں راج کماریاں اور رانیاں پیچھے ہٹ گئیں، ان میں پریت اور بینارانی بھی تھیں۔ دنیش چندر سے جب میری نظریں ملیں تو اس کے لبوں پر ایک لطیف تبسم ابھرا۔ ''موہن!'' اس نے اپنی کمزور آواز میں مجھے مخاطب کیا۔

''راج کمار!'' میں نے بیتابی سے جواب دیا۔ ''میں یہاں موجود ہوں۔''

دنیش کی آنکھوں میں ایک تغیر سا پیدا ہوا۔ ایک لمحے کے لیے وہ بجھ سا گیا۔ پھر مسکرانے لگا۔ شاید اسے خیال آ گیا تھا کہ میں اپنی بے قراری کا اظہار کرنے میں کیوں جھجک رہا ہوں۔ ''موہن'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''جی راجکمار! '' میں نے مستعدی سے کہا۔

''کتنی گولیاں لگیں؟'' وہ ہمت کر کے بولا۔

''شاید دو۔'' میں نے ڈاکٹر کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''حملہ کرنے والے اناڑی تھے موہن! '' وہ مسکراتے اور چاروں طرف نظریں گھماتے ہوئے بولا۔ ''گولی اچٹتی ہوئی لگی۔ بیچارہ ڈرائیور فضول میں مارا گیا۔''

''آپ نے تو بڑی ہمت کا ثبوت دیا۔ خودگاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے لائے، اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟''

''کسی قدر کمزور مگر اب بھی میں دوتین کو نشانہ بنا سکتا ہوں۔''

''پلیز۔ آپ زیادہ باتیں نہ کیجئے راج کمار!'' ڈاکٹر نے درمیان میں دخل دیا۔ میں نے بھی اسے کم بولنے کا مشورہ دیا مگر اس نے کسی کی نہیں سنی۔

''میں بیٹھنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کسمسا کے کہا۔

ڈاکٹر نے پس و پیش کیا مگر وہ مسہری پر بیٹھے بغیر نہیں مانا۔ اس کا بایاں شانہ اور ہاتھ پٹیوں سے بندھا ہوا تھا۔ اس نے زخمی ہاتھ اٹھا کے ایک سرسری جائزہ لیا۔ سب لوگ دم بخود کھڑے تھے۔ دنیش چندر ان سب لوگوں کی موجودگی میں صرف مجھے مخاطب کرکے میرے حق میں کوئی اچھا کام نہیں کر رہا تھا۔ ''کیا ہو گیا تھا؟'' میں اس وقت پوچھنا نہیں چاہتا تھا لیکن منہ سے نکل گیا کیونکہ اس سوال نے مجھے رات بھر بے چین رکھا تھا۔

''رات ہم سے چوک ہوگئی موہن! '' دنیش اپنا شانہ سہلاتے ہوئے بولا۔

''آپ نے میرا انتظار تو کر لیا ہوتا'' میں نے شکایتاً کہا۔

''اس وقت بڑی جلدی تھی، مہاراجہ امرناتھ کے سیکرٹری کی طرف سے اطلاع دی گئی تھی کہ مہاراجہ کے مزاج اچانک ناساز ہو گئے ہیں، دشمن نے شب خون مارا۔'' وہ ہنسنے لگا۔ میں نے اس فون پر یقین کرلیا اور تمہارا انتظار کیے بغیر روانہ ہوگیا۔ راستے میں انہوں نے چاروں طرف سے گاڑی گھیر لی۔ اندھیرے میں وہ یہ شناخت نہیں کر سکے کہ میں آگے اسٹیرنگ پر بیٹھا ہوں۔ انکے تمام نشانے پیچھے بیٹھے ہوئے ڈرائیور پر ضائع گئے، پستول میں نے بھی چلایا، لیکن زیادہ جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملا۔''

''کاش میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا۔'' میں نے مچلتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہوا تم ساتھ نہیں تھے۔ میں تمہاری زندگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''

دنیش چندر اپنا اور میرا تعلق بتدریج سب پر عیاں کر رہا تھا۔ میں نے گھبرا کر راج کماریوں کی طرف دیکھا۔ وہ حیرانی سے ہماری گفتگو سن رہی تھیں۔

''آپ نے کسی کو پہچانا؟'' میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''نہیں، دل میں حسرت ہی رہ گئی۔''

''خیر کوئی بات نہیں۔'' میں نے جوش میں کہا۔ ''میں ان سے نمٹ لوں گا۔''

aazzamm@yahoo.com

یہ بات میں نے سب کے سامنے دانستہ کہی تھی۔ اب اس میں کوئی کلام نہیں تھا کہ دنیش چندر سے میرا ربط ضبط کس قدر گہرا ہو چکا ہے، تمام احتیاطیں ہاتھ سے نکلی جا رہی تھیں، حالات ہی کچھ اس انداز میں پیش آ رہے تھے۔ چنانچہ میں نے بھی مزید کوئی احتیاط روا رکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ''راج کمار!'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''نشانہ میرا بھی برا نہیں ہے اور میں دشمنوں کو پہچاننے والی آنکھیں بھی رکھتا ہوں۔ اگر انہوں نے تیور نہ بدلے تو اب میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتوں گا۔''

''دنیش!'' شاردا نے تنبیہی آواز میں کہا۔ ''پہلے تم اپنی صحت کی طرف توجہ دو اور نقارہ بجوا دو کہ پرکاش بھون کے لوگ راجے پور کی گدی کے لالچی نہیں ہیں۔''

''شاردا'' دنیش نے بگڑ کے کہا۔ ''کون کہتا ہے کہ ہمیں اس کی تمنا ہے؟ ہمارے کس عمل سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ہم راجے پور کی گدی کے خواب دیکھ رہے ہیں؟ مہاراجہ امرناتھ کی موجودگی میں ایسا سوچنا بھی گناہ ہے، بھگوان کرے وہ لمبی عمر پائیں۔ میں تمہاری خاطر یہ اعلان کر رہا ہوں کہ ہمیں راجے پور کے محل سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ بھون ہماری ریاست ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ ہم اپنے دشمنوں سے رحم کی بھیک مانگ رہے ہیں، یا ہم بزدل ہیں۔ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتے ہیں۔ وہ ہاتھ قلم کر دیئے جائیں گے جو ہمارے بھون کے کسی شخص پر اٹھنے کی گستاخی کریں گے۔ ہم خاموش نہیں بیٹھیں گے۔''

''بس بس۔'' بزرگ مہارانی مایا دیوی نے بگڑے تیوروں سے کہا۔ ''بہت ہو چکا۔ دنیش کو آرام کی ضرورت ہے۔ اور تم سب اسے گھیرے ہوئے ہو۔''

''ہم لوگ بھی یہاں کھڑے ہیں۔'' پریت نے طنزیہ کہا۔

''ہاں۔'' دنیش نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ ''کہو پریت، کیسی ہو؟''

''اپنی بتاؤ۔'' ہیما ناراضی سے بولی۔ ''شاید ہم پر توجہ نہیں دو گے۔ بھون میں انقلاب آ چکا ہے۔ پرولتاریا نے حکومت سنبھال لی ہے۔''

''ابھی تک تو نہیں لیکن بورژواؤں کے یہی طور طریق رہے تو پرولتاریا یقیناً سر ابھاریں گے۔'' دنیش کے بجائے شاردا نے تیزی سے جواب دیا۔

''شاید ہمیں دوبارہ وضاحت کرنی چاہئے۔'' دنیش چندر نے بلند آواز میں کہا ''کہ موہن داس ہمارا سب سے قریبی آدمی ہے۔ بھون کے لوگوں کو ہمارے فیصلے کا

احترام کرنا چاہئے کیونکہ ہم یہاں کے مکینوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ موہن داس ایک وفادار، جانثار، ذہین اور جرأت مند نوجوان ہے۔ اس نے اپنی خوبیوں ہی سے ہمارے دل میں یہ مقام پیدا کیا ہے۔'' دنیش نے بے پروائی سے کہا۔

''لیکن ہم ایسی فیاضیوں کے عادی نہیں۔'' پہلی بار بینارانی بولی۔ ''ہمارے تجربہ کار پرکھوں کا قول ہے کہ جوتیوں کی سب سے موزوں جگہ پیر ہیں۔''

غصے کے بجائے دنیش کے چہرے پر ایک لطیف مسکراہٹ نے قبضہ کر لیا۔ اس نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔ ''بے شک، بے شک۔ آپ سچ کہتی ہیں مگر ہمارے پرکھ جوتی شناس ہونے کے ساتھ ساتھ جوہر شناس بھی تھے۔ وہ ہیرے پرکھ کے نہایت شوق اور شان سے اپنی پگڑیوں میں سجاتے تھے۔''

ممکن تھا، یہ گفتگو تلخ نتائج سے دوچار ہو جاتی کہ شکنتلا نے خوبصورتی سے دنیش کی توجہ رات کے واقعے کی طرف مبذول کر کے سبھی لوگوں کو ممنون کیا۔ میں اس وقت ساری نظروں کا ہدف بنا ہوا تھا۔ جیسے میں کوئی محیرالعقول شے ہوں۔ پرکاش بھون میں آج تک کسی ملازم نے یہ حیثیت اختیار نہیں کی تھی۔ اب تک کی تمام گفتگو کا مرکز و محور میری ذات تھی اور مجھے پوری طرح احساس تھا کہ بدلتے ہوئے حالات میں مختلف لوگ میرے بارے میں کس طرح سوچیں گے؟ دنیش چندر کو ٹوکنے اور سمجھانے کا موقع نہیں تھا۔ وہ پہلے بھی کئی بار کہہ چکا تھا کہ وہ بھون میں سب کے سامنے اپنی اور میری دوستی کا اعلان کر دے گا۔ اس کی طرف سے یہ ایک غیر رسمی اعلان کیا گیا تھا۔ راج کماریوں اور رانیوں کی نشتر نگاہوں سے بچنے کے لیے میں نے گردن جھکا لی۔ یہ کشمکش اس وقت ختم ہوئی جب ان ناک چڑھے لوگوں کو ڈاکٹر نے سخت لہجے میں مخاطب کیا اور مزید بات چیت کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت متذبذب شاردا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے اشارہ کیا کہ میں بھی باہر آ جاؤں۔ میں نے اس کی بات مان لی۔ باہر آ کے مجھے بڑے دل آزار جملوں اور رویوں کا نشانہ بننا پڑا۔ میرے بارے میں ملاقاتی کمرے اور راہداری میں تبصرے ہو رہے تھے، جی میں آئی کہ میں ان بدزبان عورتوں کی زبانیں کاٹ لوں اور ان پھدکتی لڑکیوں کو بتا دوں کہ خون، رنگ اور نسل کا اعلیٰ نمونہ کیا ہوتا ہے؟ لیکن میں خاموشی سے باہر آنے لگا۔ دروازے پر بینا رانی کی درشت آواز نے میرے قدم روک لیے۔ ''موہن!'' اس نے طنطنے سے کہا۔ ''ہمیں کسی وقت تمہاری ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

aazzamm@yahoo.com

"جی مہارانی!" میں نے ادب سے کہا۔ "میں آپ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں گا۔"

"اور سنو!" پریت نے آواز دی۔ "یہ دیکھو ذرا ہمارا سینڈل باندھتے جاؤ۔"

"پریت!" شاردا کی کانپتی ہوئی آواز ابھری۔ وہ غصے سے لرز رہی تھی۔ "تم سب ....." کہتے کہتے رک گئی۔

"تم سب؟" پریت نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "تم کہنا کیا چاہتی ہو شاردا؟"

"میں کچھ کہنا نہیں چاہتی....." اس کے ہونٹ لرزنے لگے اور وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں دروازے میں الجھا کھڑا رہا۔ یہ میری زندگی کے بے حد مشکل لمحے تھے۔ وہ عورتیں طرح طرح میرا مذاق اڑا رہی تھیں۔ اگر میں کسی منفی ردعمل کا اظہار کرتا تو بات کا بتنگڑ بنا کے وہ میرے خلاف محاذ قائم کر لیتیں اور بستر پر لیٹا ہوا۔ دنیش چندر دیکھتا رہ جاتا۔ ہیما کہہ رہی تھی۔ "موہن داس تم ایک گھوڑے کی طرح مضبوط ہو۔" ادھر مالتی کا ارشاد تھا کہ میں ایک کتے کی تمام خصلتیں رکھتا ہوں، پریت اپنا پاؤں آگے کیے میری منتظر تھی تاکہ میں آ کے اس کا تسمہ باندھوں، پارو یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے چند قدم آگے بڑھائے تاکہ پریت کے سینڈل کا تسمہ باندھ دوں لیکن میں ارادے کے باوجود آگے نہیں بڑھ سکا۔ ایک لمحے میں غصے اور غضب کی کتنی لہریں آ کے گزر گئیں؟ پھر میں نے مستحکم آواز میں کہا۔ "راج کماری پریت! آپ مجھے سمجھنے میں غلطی کر رہی ہیں۔ اگر میرا امتحان ہی مقصود ہے تو کوئی بڑا حکم صادر کیجیے۔" میں کہنا تو بہت کچھ چاہتا تھا، لیکن ناقابل برداشت طور پر میں نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ قریب تھا کہ میں پریت کے پاس جا کے اس کے رخسار پر ایک طمانچہ رسید کر دیتا، اس وقت کچھ بھی ممکن تھا، اس وقت میں قتل بھی کر سکتا تھا، شاید دوسرے لوگوں نے میرے تیور محسوس کر لیے۔ بینا رانی ایک جہاں دیدہ عورت تھی۔ وہ بھانپ گئی کہ ایک صحت مند اور غریب نوجوان جوش میں آتا ہے تو کیا کچھ کر گزرتا ہے؟

"پریت! تم نے سنا کہ کل رات بھون میں دو اور ملازموں کا خون ہو گیا ہے۔ رام پرشاد اور تیواری۔"

"کیا۔" وہ حیرت سے اچھل پڑی۔

"ان کی لاشیں باغ کے حوض سے برآمد ہوئی ہیں۔"

پریت کی نظریں بے اختیار میری جانب اٹھ گئیں۔ بھون کی دوسری عورتیں جو دنیش کے حادثے پر تشویش کا اظہار کر رہی تھیں۔ یہ خبر سن کے متوحش ہو گئیں۔

"انہیں کس نے مارا؟" پریت نے بے ساختہ کہا۔

"کون جانے۔" ہیما نے شانے اچکا کر جواب دیا۔ "کون جواب دے سکتا ہے۔"

"اوہ، اوہ۔" پریت تلملا کے بولی۔ "یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔"

میرے ٹھہرنے کی وہاں ضرورت نہیں تھی لیکن میں پریت کی برہمی اور اشتعال کے دلچسپ منظر سے لطف اندوز ہونے کے لیے وہاں ٹھہر گیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ خبر کن لوگوں کے لیے تازیانہ ثابت ہوئی ہے؟ عجیب اتفاق ہے پریت کو بروقت یہ خبر سنائی گئی۔ عین اس وقت جب وہ میری ذلت کے درپے تھی۔ دفعتاً ملاقاتی کمرے میں ایک انتشار سا برپا ہوا۔ سب کی نگاہیں دروازے کی طرف مرکوز ہو گئیں، میں نے مڑ کے دیکھا، بوڑھا سادھو اندر داخل ہو رہا تھا۔ میں نے نمستے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ غیر متوقع طور پر اس نے اپنا ہاتھ میرے کاندھے پر رکھ دیا اور بھون کی تمام عورتوں کے ہاتھ پرنام کے لیے جڑ گئے۔ وہ عقیدت و احترام سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ سادھو کے لبوں پر ایک بزرگانہ مسکراہٹ تھی۔ ان سب کے لیے یہ بات بڑی حیرت انگیز تھی کہ سادھو نے بے تکلفی سے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا ہے، لال پیلے رخسار اور دمک اٹھے، ساڑھیوں میں ایک ارتعاش سا پیدا ہوا۔ میں اپنے اندر کچھ زیادہ اعتماد محسوس کرنے لگا اور پہلی مرتبہ مجھے یہ منظر دلچسپ اور دلکش لگا۔ ان میں بے حد حسین عورتیں تھیں۔ پرکاش بھون کے آسودہ، شرارتی، شوخ اور لہریں مارتے ہوئے بدن۔

"مہاراج!" بزرگ مایا دیوی سادھو کے چرن چھوتے ہوئے بولی۔ "بھگوان سے ہم لوگوں کو شرن دینے کے لیے پرارتھنا کرو۔"

"سب مایا جال ہے۔" سادھو نے اپنا پرانا نعرہ بلند کیا۔ "دان پن کرو بھگوان کو یاد کرو۔" سادھو ایک ہاتھ میرے کاندھے پر رکھے دوسرا ہاتھ سادھوؤں کے روایتی انداز میں اٹھائے آگے بڑھتا رہا اس کے احترام میں سب پیچھے ہٹ گئے۔ "سن رے!" وہ تمام لوگوں سے بے نیاز ہو کے مجھ سے بولا۔ "ہر وقت اس خیال میں مت پڑا رہ، کبھی دیوی کی اور بھی دھیان دیا کر۔"

aazzamm@yahoo.com

کل سہ پہر ہی سادھو سے میری تفصیلی گفتگو ہوئی تھی، اس لیے میں خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ ''مہاراج! ہم سے کون سا پاپ ہو گیا ہے؟ کون لوگ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں؟ دنیش پر حملہ کس نے کیا ہے؟ رات بھی بھون میں دو نوکر مارے گئے۔ مہاراج کچھ بتاؤ ہم کیا کریں؟'' رانی مایا دیوی ہاتھ جوڑتی ہوئی عاجزی سے بولی۔

''جس لکڑی پر بسیرا ہے، اسی کو کاٹا جا رہا ہے، جب تک لکڑی کٹ نہیں جائے گی یہی ہوتا رہے گا۔ یہی ہوتا رہے گا۔'' سادھو مسکراتے ہوئے بولا۔ ''کدھر ہے راج کمار۔''

''اس کمرے میں۔'' ایک ساتھ بہت سی آوازیں آئیں۔

سادھو نے دنیش کی خواب گاہ میں داخل ہو کے ایک نظر مسہری پر ڈالی۔ دنیش کے چہرے پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ وہ کچھ دیر وہیں ٹھہرا رہا اور بدبداتا رہا۔ ''چل بھئی! واپس چل۔ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔'' سادھو نے واپس ہوتے ہوئے کہا۔

''کوئی خطرناک بات تو نہیں ہے؟ '' مایا دیوی نے دبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''بچ گیا۔ بچ گیا۔'' اس نے بے نیازی سے کہا اور مجھ سے بلند آواز میں بولا۔ ''خیال رکھیو۔''

یہ بات سبھی نے سنی تھی۔ سادھو ملاقاتی کمرے میں ایک طائرانہ نظر ڈالتا ہوا باہر جانے لگا اور جاتے جاتے اچانک ٹھہر گیا۔ ''تاریو! '' وہ بزرگانہ لہجے میں بولا۔ '' کالا اور سفید پہچانو۔ کیوں اپنا گلا خود کاٹ رہی ہو۔ اپنی آنکھوں سے میل نکالو، اپنا دل صاف کرو۔ نہیں تو دیوی کو غصہ آ جائے گا۔ کیوں رے؟'' اس نے مجھ سے پوچھا۔

''دیوی ناراض ہو جائے گی تو کیا ہو جائے گا، انہیں سمجھا دے۔''

''کوئی نہیں سمجھتا۔'' میں نے افسردگی سے جواب دیا۔'' سب نشے میں ہیں، سب نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔'' موقع غنیمت دیکھ کے میں نے پرزور آواز میں کہا۔

''تو پھر بھگوان جانے۔ تو کن چکروں میں پڑ گیا؟ آ میرے ساتھ۔''

''ضرور آؤں گا، ضرور آؤں گا۔ بس کچھ دن رہ گئے ہیں۔''

جب میں سادھو کو راہداری میں چھوڑنے آیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ بھون میں افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ سراسیمہ چہروں نے بڑھ کر میرا استقبال کیا۔ ''راج کمار کیسے ہیں؟'' بہت سے ملازموں نے مجھے گھیر کے پوچھا۔ میں نے انہیں تسلی دی۔ حالانکہ ان میں سے بہت سوں کے لیے یہ خبر دہشت کا سبب بن گئی ہو گی۔ راج کمار دنیش۔ بھون کی امیدوں کا مرکز تھا اور پھر کوئی اور راج کمار اتنا ذہین، ایسا فطین نہیں تھا جو بھون کے معاملات میں نگراں کی حیثیت سے قبول کیا جائے۔ سریش چھوٹا تھا، نریش چند اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر گئے ہوئے تھے، پرکاش چندر کے بعد مہیش چندر، پھر دنیش چندر، بھون میں ہر طرف خوف چھایا ہوا تھا۔ ہر شخص اپنا راگ الاپ رہا تھا، کوئی کہتا تھا، یہ مہاراج امرناتھ کی شرارت ہے کیونکہ انگریز راج کمار دنیش کو گدی دینا چاہتے تھے، کسی کا خیال تھا کوئی بدروح اس بھون میں آ گئی ہے۔ کوئی جگدیپ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ ان سب کا خیال تھا کہ میں کوئی نئی بات بتاؤں گا۔ راستے میں مجھے ڈالی مل گئی، اس کا چہرہ گندا، میلا اور زرد ہو رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا' بس ایک ٹک دیکھا کی۔ اس بار روئی بھی نہیں۔ میرے کپڑے دنیش کے خون سے آلودہ تھے، میں اپنی خوفزدہ ہرنی ڈالی کی پشت پر ہاتھ رکھے اسے کوارٹر تک لے آیا۔ ڈالی نے برابر کے کوارٹر سے گڈے کو وصول کیا۔ میں رات بھر غائب رہا تھا اور گزشتہ کئی راتوں سے یہ سلسلہ جاری تھا۔ اب کہنے سننے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کیا کہے گی؟ اور اسے معلوم تھا کہ میرا جواب کیا ہو گا؟ اس لیے اس نے کوئی سوال نہ کر کے مجھے جواب کی زحمت سے بچا لیا۔ تھکن سے بدن چور چور تھا۔ گھر جا کے تھکن کا احساس شدید ہو گیا۔ میں چارپائی پر کسی شرابی کی طرح گرا اور ڈھیر ہو گیا۔ چند لمحوں کے لیے تو سدھ بدھ بھی نہیں رہی۔ پھر ایسی آنکھ لگی جیسے میں مر گیا ہوں مگر جلد ہی مجھے دوبارہ زندہ ہونا پڑا، جیسے تیسے جسم پر ایک گھڑا پانی کا ڈالا۔ ڈالی نے کپڑے دھو رکھے تھے۔ میں وردی پہن کے پھر میدان جنگ کی طرف چلا۔ ڈالی نے صرف اتنا پوچھا۔ '' کچھ کھائے گا شیرو؟ ''

'' تجھے کھاؤں گا۔'' میں نے ایک بے تکا سا جواب دیا۔

'' کھاتا جا پتہ نہیں واپس آنا ہو نہ آنا ہو۔''

''سچ کہتی ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کے کہا۔ ''جو کچھ موجود ہے، جلدی لے آ، ناز نخرے مت کرنا دیر ہو رہی ہے۔''

''ناز نخرے کس پر کروں گی؟'' وہ اداسی سے بولی اور ڈلیا میں رکھی ہوئی روٹیاں اس نے میرے سامنے پیش کر دیں۔ میں نے بہ عجلت تمام انہیں زہر مار کیا۔ کھا

aazzamm@yahoo.com

پل کے میں نے جھینپ مٹانے کے لیے گڈے کو گدگدایا۔ ''روتی کیوں ہے ری؟'' میں نے اس کی پیشانی کا اچٹتا ہوا بوسہ لیا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔

جیسے ہی میں باہر آیا، میں نے دیکھا کہ دو آدمی بھاگتے ہوئے میری طرف آ رہے ہیں۔ مجھے کپکپی سی آ گئی۔ ''کیا بات ہے بھیا؟'' میں نے ان کے قریب جا کے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''راج کمار تمہیں بلا رہے ہیں موہن داس جی!'' انہوں نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''کیوں خیریت تو ہے؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''پتہ نہیں موہن داس جی! ہمیں تو اندر سے یہ اطلاع دی گئی تھی کہ تمہیں بلا لائیں بھگوان جانے کیا بات ہے؟''

''میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔'' میں نے الجھتے ہوئے کہا۔ بھون میں کئی اجنبی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ دنیش چندر نے مجھے کیوں یاد کیا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ کیا مجھے فوراً جانا چاہیے، ایک مرتبہ اسی طرح بلا کے مجھے پولیس کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا میں نے اپنی رفتار سست کر دی۔ ممکن ہے، دنیش کی آنکھ کھلی ہو اور اس نے مجھے وہاں نہ پا کے اضطراب محسوس کیا ہو؟ یقیناً اسے یہ خیال ہو گا کہ اس کی بیماری میری زندگی کے لیے بہت سے خطروں کا باعث ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ میں نے اس کے بارے میں سوچا تھا۔ وہ چاہتا ہو گا کہ میں ہر لمحے اس کے سامنے رہوں کیونکہ اس طرح میں زیادہ محفوظ رہ سکتا ہوں۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ بھون میں اس سب سے بڑا، سب سے جگری دوست میں ہوں۔ اس قیاس آرائی سے میرے بیمار ذہن کو شفا ملی لیکن اگر ایسا نہیں ہوا اور مجھے پولیس کے حوالے کر دیا گیا تو؟ پولیس جس کے نام سے ہی میری روح لرز جاتی تھی۔ بظاہر میری گرفت کا کوئی امکان نہیں تھا۔ کوئی ایسا نشان نہیں تھا جس سے یہ ثابت ہوتا کہ گزشتہ رات رام پرشاد اور تیواری کی ہولناک اموات میرے ہاتھوں انجام پائی ہیں۔ دنیش کے پستول سے گولیاں چلیں کس نے چلائیں؟ کیا وہ پستول بھون میں صرف دنیش کے پاس تھا؟ میں حادثے کے وقت کہاں تھا؟ بینارانی کے کمرے میں مگر بینارانی انکاری ہو گئی..... تو کیا ہو گا؟ دنیش چندر کی علالت میں اور کچھ نہیں تو مجھے پریشان کرنے کے لیے پولیس کا تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پھر کون میری پشت پناہی کے لیے یہاں بیٹھا ہے؟ شاردا ایک کمزور

لڑکی ہے، پارو کی ہمدردیاں مشکوک ہیں۔ ایک بار پولیس سے تعلق خاطر پیدا ہو جانے کی صورت میں میرے ماضی کی لاش خود بخود برآمد ہو سکتی تھی اور پولیس سے دور دور کھنچے کھنچے رہنے میں اس کی نفرت کا ڈر تھا۔ کسی گوشے میں امان نہیں تھی۔ دنیش چندر نے بیمار ہو کے مجھے لنگڑا کر دیا تھا، میں بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ کلکتہ کی پولیس ایک گمنام قاتل کی تلاش میں تھی۔ راجے پور کی پولیس میں اپنے نام کا اندراج اور ہو جاتا تو زندگی کی رہی سہی امید بھی ختم ہو جاتی۔ صدر دروازہ دور سے کھلا ہوا نظر آتا تھا، بھاگ جاؤں؟ میں نے خود کو آمادہ کیا۔ بھاگ جاؤں تو اپنے جرائم کا خود ثبوت فراہم کروں گا اور شکاری کتوں کو پیچھے لگا لوں گا۔ کوارٹر میں روپوش ہو جاؤں گا تو دنیش چندر کو اکیلا چھوڑ دوں گا۔ مر جاؤں گا تو ڈالی اور گڈے کے قتل کا سبب بنوں گا۔ شاردا کو دق میں مبتلا کروں گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بات کی جائے۔ مہاراج آئیں تو ان سے ملا جائے، کنول آئے تو اس کی خدمت کی جائے، کرنل ہارڈنگ حیرت انگیز نظروں سے دیکھے تو اسے دیکھنے دیا جائے، ٹھیک ہے، پولیس آئے گی، آنے دو' پکڑے گی، پکڑنے دو' راز کھل جائے گا، کھلنے دو، میں بدلتے ہوئے حالات کا پہیہ بدلنے کی قوت نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ مجھے ہر نئے حادثے کے لیے مستعد رہنا چاہیے۔ ممکن ہے، کوئی معجزہ رونما ہو جائے۔ کئی بار ایسا ہو چکا ہے اور کیچو؟ میں اسے بھول ہی جاتا ہوں۔ کیچو کا پراسرار وجود بھی تو میری دوستی کا دم بھرتا ہے، سادھو اور پنڈت مجھ پر مہربان ہیں، یہ سب بے وجہ نہیں ہے۔ میر جمشید عالم! آگے بڑھو، اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ایک بار فیصلہ کر لو بار بار کیوں سوچتے اور جھجکتے ہو۔

میر جمشید عالم نے خود کو ایک کھلونا بنایا ہوا تھا، چابی بھر دو تو گھر گھر چلنے لگتا تھا۔ کسی سمت، کسی دیوار کا خیال نہیں کرتا تھا۔ ہر شے سے ٹکرا جاتا تھا، چابی ختم ہو جائے تو ڈوبا رہتا تھا۔ زندگی بھی ایک کھلونا ہے، اس کی چابیاں نظر نہیں آتیں لیکن ہر شخص کو چابی کی ضرورت پڑتی ہے۔ بھون میں آ کے کئی چابیاں مجھے زندہ رکھے ہوئے تھیں۔ کبھی شاردا کا حسن و جمال اور التفات' کبھی دنیش چندر کی دوستی کی چابی، کبھی پریت، ہیما، بینارانی اور جگدیپ الٹی چابی بھر دیتے تھے۔ ان سب سے بڑی چابی کیچو کی تھی، جب میری زندگی کی موٹر کسی دیوار سے ٹکرا کے رکنے لگتی تھی تو کیچو اس کا رخ موڑ دیتی تھی اور جب کچھ نہیں ہوتا تھا تو میں خود اپنے اندر چابی بھرنے لگتا تھا۔ بہت سے لوگوں کو اپنے آپ کو چابی لگانا نہیں آتی۔ یہ خاصا مشکل کام ہے لیکن جسے یہ ہنر آ

aazzamm@yahoo.com

جاتا ہے، وہ زندگی پر قبضہ کر لیتا ہے۔

میں نے اندر قدم رکھا تو کئی شناسا چہرے نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ راجے پور کے رئیس ابن رئیس اپنے ہم جنس کے سلسلے میں بڑے متفکر تھے۔ پولیس نہیں آئی تھی۔ خوش اطوار اور خوش ذوق مرد و زن راہداری میں پرکاش بھون کے حسین و جمیل لوگوں سے محو گفتگو تھے۔ میں جب اندر پہنچا تو کئی نگاہوں نے میرا طواف کیا۔ کسی نے کسی سے پوچھا، یہ اونٹ گردن اونچی کیے کہاں سے آ رہا ہے؟ جو جواب دیا گیا ہو گا، وہ میں نے نہیں سنا۔ لباس اس وقت میرا بھی برا نہیں تھا، لیکن اس پر ملازموں کی چھاپ پڑی ہوئی تھی۔ برا ماننے کی بات نہیں تھی۔ میں بہرحال یہاں ایک ملازم تھا۔ دنیش چندر، بھون اور راجے پور میں آنجہانی پرکاش چندر کی پھیلی ہوئی دولت کا بلاشرکت غیرے مختار نہیں تھا، نگران ضرور تھا۔ ملاقاتی کمرے میں بھی مہمان موجود تھے۔ نرسیں ادھر سے ادھر تھرک رہی تھیں۔ ملازم مستعدی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ خوش رنگ داسیاں اڑی اڑی پھر رہی تھیں۔ مہارانی مایا دیوی احکام صادر کر رہی تھیں۔ دنیش چندر کے محل کا یہ حصہ پہلے بھی بھون کا دارالحکومت تھا۔ اس وقت دارالحکومت زبردست سرگرمی دکھائی دے رہی تھی۔ میری حالت پہلے سے بہت مختلف تھی۔ غسل کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ذہن کا میل چھٹ گیا ہو۔ غسل نہ کیا جائے تو آدمی ... ہو جائے۔ دنیش کی یتیم و یسیر بھانجی نوخیز سندھیا ابھی جوانی کی دھیا اچک اچک چھونے کی فکر میں تھی۔ وہ میرے پاس بجلی کی طرح تڑپتی ہوئی آئی۔ وہ ابھی جوانی کے رنگ ترنگ میں نہیں بہی تھی۔ اس منزل میں تھی جہاں آنکھیں حیرت سے چیزیں دیکھتی ہیں، کچی کلی۔ میرے شہر الہ آباد کا کوئی اَدھ پکا امرود، جس پر سرخ دانے ہوتے ہیں اور جو اندر سے لال ہوتا ہے۔ "وہ تمہیں برابر پوچھ رہے ہیں۔" اسے نے ... سے کہا۔

"سندھیا جی! آپ ہمارا بڑا خیال رکھتی ہیں" میں نے مستی میں کہا۔

"تم مجھے برے آدمی نہیں لگتے۔"

"میں آپ کو کیسا لگتا ہوں؟ سچ سچ بتایئے۔"

"اچھے" وہ شرما کے بولی۔ "کیا میری تمہاری عمر میں بہت بڑا فرق ہے"

"نہیں، ایسا بھی نہیں۔ دو ایک سال بعد تو بالکل معلوم نہیں ہو گا لیکن ... بہت بڑا فرق ہو جائے گا۔"

فرزانہ لائبریری، وڈیو اینڈ ریکارڈنگ سنٹر

"کیا فرق ہو جائے گا؟"

"پھر آپ ہم سے اس طرح بات نہیں کریں گی، شرمائیں گی۔" وہ آنکھیں پٹ پٹانے لگی۔ میں اسے شرماتی ہوئی چھوڑ کے دنیش چندر کے کمرے میں وارد ہو گیا یہاں کرسیوں پر معززین بیٹھے ہوئے تھے۔ دنیش چندر کی حالت پہلے سے بہت بہتر نظر آ رہی تھی۔ وہ مسہری کے تکیے سے لگا بیٹھا تھا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟" اس نے غیررسمی انداز میں پوچھا۔

"یہیں ذرا ایک کام سے۔" میں نے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اب تم یہیں میرے پاس رہو گے کہیں جاؤ گے نہیں۔"

"بہتر ہے۔" میں نے اختصار سے کہا اور دور پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کارنر میز پر یورپین رسالے پڑے تھے میں ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔ دنیش پھر مہمانوں سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد مہمان چلے گئے تو اور آ گئے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک ڈاکٹر نے دوبارہ اختیارات نہیں سنبھال لیے۔ نرسوں کے سوا کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ کمرہ خالی ہو گیا اور صرف نرسیں رہ گئیں۔ دنیش نے انہیں چند لمحوں کے لیے باہر جانے کا حکم دیا۔ پھر میں اور دنیش اکیلے رہ گئے۔

"ادھر آؤ موہن!" دنیش نے کہا۔

میں لپکا ہوا اس کے پاس پہنچا۔ "دنیش بابو آپ جلدی صحت یاب ہونا نہیں چاہتے؟" میں نے ناگواری سے کہا۔

"میں تم سے بات کرنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔"

"میرا بھی یہی حال ہے۔" میں نے اس کا بازو دباتے ہوئے کہا۔

"وقت کم ہے اور ڈاکٹر خاصا نامعقول شخص ہے۔ میں تم سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ میری علالت سے فائدہ اٹھا کے تمہیں نشانہ بنائیں گے اور تمہیں ہر حال میں اس وقت تک یہاں خود کو محفوظ رکھنا ہے جب تک میں ٹھیک نہ ہو جاؤں۔ مجھے یقین ہے کہ میں جلد اچھا ہو جاؤں گا۔"

"میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا تھا لیکن میں رات کو تھوڑی دیر کے لیے باہر جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

"نہیں سب کو ایک ساتھ دیکھ لیں گے تم یہاں نہیں ہو گے تو مجھے بے چینی رہے گی۔"

"میں احتیاط سے جاؤں گا۔"

"اتنی عجلت مت کرو یہ لو چابیاں سامنے والی پینٹنگز ہٹاؤ گئے تو ایک الماری نظر آئے گی اس میں جدید ترین پستول رکھے ہیں ان میں سے کوئی اپنے لیے منتخب کر لو، سمجھے؟"

"آپ نے کل رات کسی شخص کو نہیں پہچانا؟ وہ کون لوگ تھے؟"

"میں نے ان میں سے دو ایک کی شکلیں دیکھی تھیں لیکن جب تک میں انہیں دوبارہ نہ دیکھوں، کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے، یہ حملہ کس طرف سے ہوا ہو گا؟"

"سنو، معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ کے ہاں بھی کچھ حرامزادے موجود ہیں۔ انگریزوں کی سازش تو نہیں معلوم ہوتی کسی نے ہمارے دشمنوں کو بتایا ہے کہ مہاراجہ نے مجھے اپنی خاص دعوت میں مدعو کیا تھا، انگریزوں کے ذریعے بھی یہ خبر پہنچائی جا سکتی ہے، ادھر مہاراجہ اپنے قریبی حلقے میں یہ کہتے ہوئے سنے گئے ہیں کہ وہ راج پاٹ چھوڑنا چاہتے ہیں اور جب تک حالات درست نہیں ہو جاتے سوئٹزرلینڈ میں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے قتل و خون کی ان سرگرمیوں میں تیزی آ گئی ہے۔ حالانکہ مہاراجہ کا راج پاٹ چھوڑنا بعید از قیاس ہے۔ ممکن ہے، مہاراجہ اس طرح کا اظہار کر کے اپنی مقبولیت کا تخمینہ لگانا چاہتے ہوں؟" دنیش نے سرگوشیوں میں کہا۔ "ممکن ہے، یہ کوئی سیاسی قلندری ہو، سمجھ رہے ہو؟"

"میں ایسا نہیں سمجھتا مہاراجہ ایک زیرک آدمی ہیں اور پڑھے لکھے بھی ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ انگریزوں نے ہندوستان کی متعدد ریاستوں پر کس ڈھٹائی سے قبضہ جمایا ہے، ان کی غیرمعمولی بصیرت نے تاڑ لیا ہے کہ اب زیادہ دنوں تک موجودہ حالات میں ریاست کا کاروبار نہیں چل سکتا لہٰذا وہ اپنی عزت و آبرو بچانے کی فکر میں ہوں گے اور واقعی تخت و تاج چھوڑنے میں سنجیدہ ہوں گے۔"

"ممکن ہے ایسا ہو لیکن پھر راج گدی پر کون براجمان ہو گا؟ موہن! ہمارے لیے بہت اہم بات ہے، اہم اس لیے کہ اس سے ہماری عزت و آبرو وابسطہ ہے۔ ہم نہ آئے بلکہ ہمارا کوئی حریف آیا تو وہ ہمارا وجود کسی طور پر برداشت

نہیں کرے گا چاہے ہم کتنا ہی اعلان کرتے پھریں کہ ہمیں راج پاٹ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے مگر ہمارا کانٹا ہمیشہ اس کی آنکھوں میں کھٹکتا رہے گا۔"

"گویا آپ بھی میرے خیالات کی تائید کر رہے ہیں، آپ نے اب اس طرح محسوس کرنا شروع کر دیا ہے جس طرح میں نے پہلے سوچا تھا۔ ہمیں کنارہ کش ہونے کے بجائے انہیں حالات میں عزت اور بقا کی جنگ کرنی ہو گی۔ ہرچند کہ ہم بہت کمزور پوزیشن میں ہیں۔"

"میں رات کے حادثے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں کچھ زیادہ ہی بے حس، بے غیرت اور ظالم بننا ہو گا۔"

"ہاں یہ شاعری، موسیقی، خوش لباسی اور شیریں گفتاری نہیں چلے گی۔ خیر کچھ لوگ میری نظر میں ہیں میں ان سے ضرور تعلق بڑھاؤں گا اس حد تک کہ آپ کو شکایت نہیں ہو گی۔"

"یقین کرو میں نے یہ فیصلے صرف تمہاری وجہ سے کیے ہیں۔"

"اب ہمیں ان جملوں سے بلند ہو جانا چاہئے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "یہ ابتدائی باتیں ہیں۔ اگر آپ بیمار نہ ہوتے تو میں آپ سے لڑ پڑتا۔"

"تو میں بیمار رہوں گا موہن! مجھے تیرے حوصلے پر رشک آتا ہے۔ دیکھ آج میں نے سب کے سامنے اس کا اظہار کر دیا ہے کہ تیرا میرا تعلق کس قسم کا ہے؟ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔"

"آپ نے برا کیا، میرے دشمنوں میں اضافہ کر دیا۔"

"میں تو اور بہت کچھ کہنے والا تھا......" وہ چپ ہو گیا۔

"اب آئندہ محتاط رہئے گا رفتہ رفتہ خود سب پر ہمارے تعلقات منکشف ہو جائیں گے۔ یہ اتنی اہم بات نہیں ہے کہ دوسرے کیا سمجھتے ہیں؟ اہم بات یہ ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے متعلق کیا سوچتے ہیں؟"

"موہن میرے پاس لفظ نہیں کہ میں......"

وہ جذباتی ہو رہا تھا، میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وقت کم ہے نرسیں باہر گھول رہی ہوں گی اب کیا پروگرام ہے؟"

"موہن داس! بھون کے چند اعتماد کے آدمیوں کو بلا کے جگدیپ کے ہاں اس قسم کا کوئی نمونہ پیش کرو جو بھون میں ہمارے خلاف ہو رہا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"میں سمجھ گیا، آپ اطمینان رکھیے۔"

"آفیسر ان کمانڈ......"

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ میں نے درمیان میں دخل دیا۔ "آپ آرام کیجئے میں سمجھ رہا ہوں، جو آپ سوچ رہے ہیں۔ ذہن پر زور مت ڈالیے۔"

وہ حیرت سے میرا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔ "تو میں مطمئن رہوں؟"

"ہاں، مجھے کچھ رقم اور پستولوں کی ضرورت ہے۔"

"چابیاں تکیے کے نیچے پڑی ہیں۔"

میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ ہمہ وقت میرے یہاں موجود رہنے سے مہاراجہ، کرنل ہارڈنگ اور کنول کی نظر مجھ پر ضرور پڑے گی، اگر انہوں نے مجھے پہچان لیا تو؟ لیکن میں نے دنیش سے اس مسئلے پر کوئی استفسار نہیں کیا۔ میں نے تکیے کے نیچے سے چابیاں اٹھائیں، اس کی ہدایت پر سیف سے نوٹ نکالے، دوسری الماری سے ایک اعلیٰ قسم کا پستول جیب میں رکھا اور ملاقاتی کمرے میں آ گیا۔ مجھے باہر آتا دیکھ کے نرسیں مضطرب ہو کے اندر کی طرف دوڑیں، دن کے بارہ بجے تھے، میری جیبوں میں دونوں طرح کا بارود تھا۔ میں بھاگا بھاگا ڈالی کی تلاش میں گیا وہ گھر پر موجود نہیں تھی، چنانچہ میں شاردا کی طرف نکل گیا۔ اتفاق سے وہ مجھے اپنے کمرے میں تنہا مل گئی۔ میں نے جاتے ہی اسے اٹھا لیا اس کا بند ٹوٹ گیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ رونے کے فن میں اس قدر ماہر ہے۔ میں خود غیرمتوازن ہو گیا۔ ورنہ میں اس کی خوبصورت آنکھوں سے بہتا ہوا یہ زہر چلوؤں سے پیتا۔ مجھ سے کچھ نہ بنا تو میں نے اس کے رخسار پر بے تابانہ اپنی زبان رکھ دی، یہ نمکین اور گرم آنسو میرے حلق میں اترے تو جسم ٹوٹنے لگا۔ "شاردا!" میں نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اس طرح مت پیش آؤ، میرے ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے۔"

"موہن!" وہ چیختی ہوئی بولی۔ مجھے بے ہوش کر دو، گہری نیند سلا دو، جب تمہارا من اپنی توہین اور بے عزتیوں سے بھر جائے تو مجھے اٹھا دینا۔

"پاگل!" میں نے چمکار کر کہا۔ "اتنی معمولی باتوں سے پریشان ہو گئیں؟ ابھی سے سانس اکھڑ گئی؟ اتنی حساس ہو گئی تو زندگی کیسے گزارو گی؟ یہ توہین عارضی ہے تم ذرا صبر کر کے دیکھتی رہو کہ آئندہ کیا ہوتا ہے؟"

"یہ حماقت اور نادانی ہے موہن!" وہ تڑپ کے بولی۔ "میں بڑی ابھاگن

ہوں تمہیں اس حد تک متاثر بھی نہیں کر سکی کہ تم میری خاطر کسی بڑے ایثار پر آمادہ ہو جاؤ۔"

"میں تمہارے لیے جان بھی دے سکتا ہوں، دیکھو نہ شاردا!" میں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "میری جان! میری زندگی! ہم غیرمناسب وقت میں تو یہاں سے نکل نہیں سکتے۔ ہمیں اس کے لیے صحیح وقت کا انتخاب کرنا ہو گا۔"

"یہ تو میں بھی جانتی ہوں، میں تو صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم اس آگ سے خود کو علیحدہ رکھو جو دنیش کے گرد اس بھون میں جل رہی ہے۔"

"ہاں" میں نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "یہ صحیح ہے' میں نے علیحدہ رہنے کی کوشش کی تھی مگر تمہارے بھائی دنیش چندر نے مجھے اس آگ کے قریب گھسیٹ لیا، اس کے بعد حالات کچھ اس تیزی اور کچھ ایسے انداز سے پیش آئے کہ میں ہر معاملے میں ملوث ہوتا گیا۔ اب میرے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ میں خاموش بیٹھا رہوں، یا روپوش ہو جاؤں۔ وہ میری روپوشی اور خاموشی بھی کسی سازش پر محمول کریں گے۔ وہ میری زندگی کے پیچھے پڑے ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں کہ کئی حملے مجھ پر ہو چکے ہیں اور کئی دنیش پر۔ یہ واقعات بھون کے لوگوں کو نہیں بتائے گئے۔ دنیش چندر کے گلاس میں زہر دیا گیا، اس کی خواب گاہ میں ایک خطرناک سانپ چھوڑا گیا۔ مجھے راجے پور کی بستی میں دس غنڈوں نے گھیر کے ایک اندھیری کوٹھری میں بند کر دیا تھا۔ میں ان سے جنگ کرتا ہوا کسی طرح بچ کر نکل آیا۔ میں نے تمہیں یہ ساری باتیں اس لیے نہیں بتائی تھیں کہ تم پریشان ہو گی۔ تمہاری بہنیں دشمنوں کی پشت پناہ ہیں۔ وہ دنیش چندر کو ناپسند کرتی ہیں، صرف حسد کی بنیاد پر۔ چنانچہ وہ جگدیپ اور اس کے خاندان کی معاون بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے کئی انگریز کی ایجنٹ ہیں۔ تم ابھی کچھ نہیں جانتیں دنیش اور میں تنہا ان سے جنگ کر رہے ہیں۔"

وہ حیرانی سے میرا چہرہ دیکھنے لگی۔ "میں بہت کچھ جانتی ہوں مگر اتنی سرگرمیوں کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ تم نے مجھ سے بہت کچھ چھپایا۔"

"صرف اس لیے چھپایا کہ تم سے اتنے صدمے برداشت نہیں ہوں گے۔ تم پر پرکاش بھون کی سنگدلی کا رنگ نہیں چڑھا ہے۔ تم نے کتابیں پڑھی ہیں اور انسانوں کے دکھ درد سمجھے ہیں۔ تم ہی بتاؤ کہ کیا ایسے حالات میں، جبکہ دنیش چندر، تمہارا بھائی دشمنوں میں گھرا ہوا ہے، اس کی طرف سنگینیں تنی ہوئی ہیں، مجھے وہ نشانے پر لیے

aazzamm@yahoo.com

ہوئے ہیں' کیا میں چھپ کر بیٹھ سکتا ہوں؟ یا تمہیں یہاں سے لے جانے کا انتظا[م]
قدم اٹھا سکتا ہوں؟''

''تم نے آج پہلی بار مجھ سے کھل کے گفتگو کی ہے مجھے بڑی خوشی ہو رہ[ی] ہے کہ تم نے مجھے اپنے آپ میں شامل سمجھا۔ میں نے تو اپنی زندگی تم سے باندھ د[ی] ہے، سو یہ رازداری، یہ پردہ داری کیوں؟ مجھے سب کچھ بتاتے رہو اور میں اگر تم دونو[ں] کے کچھ کام آ سکتی ہوں تو مجھے کوئی کام بھی سونپو۔'' اس کی آواز میں لرزیدگی تھی۔ ''دو... جنگ مت کرو۔''

''میں تمہیں اس گندگی سے دور ہی رکھنا چاہتا ہوں لیکن ایک کام تم ضرور ک[ر] سکتی ہو۔ تم اپنی بہنوں اور ان سے ملنے والے لوگوں کی سرگرمی پر نظر رکھ سکتی ہو۔''

''ضرور میں تمہارے اور دنیش کے لیے یہ ناپسندیدہ کام ضرور کروں گی۔'' شاردا نے پرعزم لہجے میں کہا۔

''تو تم ہمارے لیے ایک بہترین ہتھیار کا کام دو گی۔''

''تم بہت خوفناک باتیں کر رہے ہو میں تو سہمی جا رہی ہوں۔''

میں نے اسے بے تحاشا سینے سے لگایا میرے پاس وقت کم تھا حالانکہ ش... کے پاس سکون کی چند گھڑیاں گزارنے کا بہترین موقع تھا۔ زنان خانے کی آبادی ... رخ دنیش چندر کے محل کی جانب تھا، جہاں عیادت کرنے والوں کی نمائش لگی ہوئی ... ایسے موقعوں پر یہاں کی لڑکیاں خوش رنگ ملبوسات پہنتی تھیں اور خوب ہار سنگھار ک... تھیں۔ تاکہ راجے پور کے امراء ان کے حسن کی گرمی سے جھلس جائیں۔ شاردا کے ... سبھی وہاں موجود تھیں۔ میں اسے یہ بتا کے بھاگا ہوا وہاں سے چلا آیا کہ اب دنیش ... صحت یابی تک میرا قیام اسی کے محل میں رہے گا۔ ہجوم میں مجھے ڈالی بھی نظر آ گئی ... ان دنوں پارو اور اس کے قریب رہنے والی خواتین کے احکام کی تعمیل کر رہی تھی۔ ... نے اسے اشارہ کیا تو وہ نامراد دوڑتی ہوئی آئی ''ڈالی'' میں نے غیرضروری باتیں حذ[ف] کرتے ہوئے کہا۔ ''ذرا بینا رانی، پریت اور جگدیپ کی طرف اپنا رخ موڑ دے، ... گئی؟'' اس نے اداسی کے ساتھ گردن ہلائی، میں نے اسے کوئی اور بات کرنے ... موقع نہیں دیا، اور میں آگے بڑھ گیا ڈالی کھڑی دیکھتی رہ گئی۔ میں اپنے چند ... دوستوں سے رابطے قائم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر میں نے ایک دن کے لیے یہ ا... ملتوی کر دیا اور چپ چاپ دنیش چندر کی خواب گاہ میں آ کے بیٹھ گیا۔ دنیش آرام ...

...تھا اسے میرے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ ابھی مجھے آئے ہوئے چند منٹ گزرے ...ں گے کہ ڈاکٹر دوڑا ہوا آیا۔ ''مہاراجہ امرناتھ پدھار رہے ہیں۔'' اس نے بلند ...از میں کہا

دنیش کی آنکھ کھل گئی' ساتھ ہی بھون کے باہر تیز سیٹیوں کی آوازیں آئیں۔ اس بات کا اعلان تھا کہ مہاراجہ کی سواری بھون میں داخل ہو چکی ہے۔ تمام نرسیں ...دب کھڑی ہو گئیں۔ دنیش چندر دوبارہ مسہری کے تکیے سے کمر ٹکا کے بیٹھ گیا۔ ...اقاتی کمرے سے آنے والی آوازیں یکسر معدوم ہو گئیں۔ مہارانی مایا دیوی، پارو، ...یش اور بینارانی کی معیت میں مہاراجہ امرناتھ' گلبدن کنول کے ساتھ دنیش کی خواب ...گاہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ میرا دل بے قابو ہونے لگا۔ سفید شیروانی میں مہاراجہ مسہری کے سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھنے کے بجائے دنیش کے پہلو میں بیٹھ گئے اور بہت قربت کے انداز میں اس سے کل کے واقعے کی تفصیل پوچھنے لگے۔ خواب گاہ میں اس وقت غیر معمولی پن کا احساس ہو رہا تھا۔ راج کماری کنول' مہذب اور پراشتیاق نظروں سے دنیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دنیش نے گزشتہ رات پیش آنے والا واقعہ تمام تر نفاست ...ر اختصار سے دہرایا، باتیں کرنے کے ہنر میں وہ بھی طاق تھا۔ مہاراجہ ہمہ تن گوش سنتے ...ور سر ہلاتے رہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ کسی گمبھیر تاثر کا اظہار کریں گے مگر انہوں نے حیرت انگیز طور پر خاموشی اختیار کی، کچھ دیر سوچتے رہے پھر بردباری سے بولے۔ ''اس واقعہ کی بڑے پیمانے پر تحقیقات کرائی جائے گی۔ تمہیں آئندہ احتیاط کرنی چاہئے دنیش؟ بے فکر رہو ہم خود اس معاملے میں دلچسپی لیں گے۔''

''اب آپ کیا محسوس کر رہے ہیں دنیش؟'' پہلی بار کنول کی آواز کا جلترنگ بجا۔ ''زیادہ دیر آرام کرنے کا ارادہ تو نہیں ہے؟''

''اب میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا، مہاراج آئے ہیں، آپ تشریف لائی ہیں۔ اب تو روز گولیاں کھانے اور بیمار پڑنے کو جی چاہے گا۔''

''تمہاری شگفتگی نہیں گئی۔'' مہاراجہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''یہ بہت شریر ہیں۔'' کنول کے لبوں سے گلاب کی پتیاں جھڑنے لگیں۔

میں تو ...ں کو دیکھ رہا تھا۔ سفید ساڑھی میں ملبوس کہیں کہیں سے اس کے بدن کا رنگ چمک ...ا تھا۔ وہ رنگ جو تمام رنگوں سے دلکش ہوتا ہے۔ اس کے ترشے ہوئے خدوخال ...کا نظارہ میری آنکھیں جلائے دے رہا تھا۔ وہ حسن و جمال کا مثالیہ تھی۔ اسے

aazzamm@yahoo.com

دیکھ کے دنیش کی طبیعت میں جولانی آ گئی تھی۔ وہ شگوفے چھوڑ رہا تھا اور کنول اس کی لطیف باتوں پر زیرلب مسکرا رہی تھی۔ جب نظریں اٹھاتی تھی، دنیش کے جسم میں رعشہ سا پیدا ہو جاتا تھا۔ میں اس کی کیفیت دور سے محسوس کر رہا تھا۔ دنیش نے شراب پی لی تھی' بہک بہک جاتا تھا، ان دونوں کے درمیان دلچسپ نوک جھونک ہوتی رہی، مہاراجہ ہنستے رہے اور مہارانی مایا دیوی کنول کی ذہانت اور حسن کی تعریف کرتی رہی۔ حسن و جمال میں پارو بھی کسی سے کم نہیں تھی۔'' مہاراجہ کو جلد ہی اس نے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ ''کہیے دنیش!'' راجکماری کنول نے اچانک پوچھا۔ ''وہ آپ کے پروفیسر زاہدی کا کوئی سراغ ملا؟''

بے اختیار دنیش کی نگاہیں میری جانب مرکوز ہو گئیں میں ہاتھ باندھے ایک کونے میں مودب کھڑا تھا۔ کنول نے دنیش کی نگاہوں کا تعاقب کیا اور تکنے لگی۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو گم سم سی رہ گئی۔

''دنیش بے چینی سے پہلو بدلنے لگا میں نظریں جھکانے کے بجائے کنول کی آنکھوں میں اتر رہا تھا۔ ''پروفیسر زاہدی کا کیا بھروسا؟'' دنیش کہہ رہا تھا۔ ''نہ جانے کس روپ میں کہاں بھٹک رہے ہوں؟''

پروفیسر زاہدی کے نام پر مہاراجہ بھی متوجہ ہو گئے اس کا استعجاب ابھی دور نہیں ہوا تھا، وہ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں باوقار انداز سے اپنی جگہ کھڑا تھا اور میری آنکھیں چمک رہی تھی۔ مجھے دیکھ کے مہاراجہ بھی کشمکش میں پڑ گئے۔ دنیش کی حالت بڑی دگرگوں تھی۔ وہ پارو، مہارانی مایا دیوی اور بینارانی کی موجودگی میں میرے بارے میں کوئی بات چھیڑنے سے گریز کر رہا تھا اور مہاراجہ کے سامنے کوئی بڑا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس دوران میں ٹرالی میں قسم قسم کے مشروبات آ گئے میں قریب کھڑا ہو گیا تا کہ مہارانی مایا دیوی کوئی حکم دیں تو تعمیل میں دیر نہ ہو۔ اور مہاراجہ نے کوئی تکلف کرنے سے پہلے ہی منع کر دیا تھا، تاہم اس رسم کی ادائی بغیر مہاراجہ کی آمد ادھوری رہ جاتی۔ ''دنیش! ہم پروفیسر زاہدی سے دوبارہ ملنے کے خواہشمند ہیں۔'' مہاراجہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یقیناً یقیناً۔'' دنیش نے جھک کر جواب دیا۔ میں ضرور اسے آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، پروفیسر ہنگاموں سے گھبراتا ہے۔ اس کے تعلقات بھی محدود ہیں لیکن وہ خود دوبارہ آپ سے ملنے کے لیے بے تاب تھا۔''

''ہم نے سنا تھا کہ آپ کے ایک ملازم نے ریس کے میدان میں ایک گھوڑا ...کے پھینک دیا تھا؟ اسے ہمیں دکھایئے۔'' کنول نے سرتاپا میرا جائزہ لیتے ہوئے ...

''وہ تو یہی ہے۔'' پارو نے جواب دیا۔ ''یہ موہن داس۔''

میں نے جھک کر دو سلام کیے۔ ''یہ نوجوان؟ اچھا، اچھا۔'' مہاراجہ نے پرخیال ...ز میں کہا۔ ''دنیش! ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ہم اسے پہلے دیکھ چکے ہیں۔'' مہاراجہ ...ل انگریزی میں کہا۔

''ضرور دیکھا ہو گا۔ یہ میرا خاص آدمی ہے، بہت ذہین، بہادر اور وفادار ...ے۔ میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔'' دنیش نے اٹکتے اٹکتے کہا۔

''ہوں بے شک۔'' مہاراجہ کچھ سوچتے ہوئے بولے اور پارو سے پوچھا۔ ''پارو! کیا تم نے پروفیسر زاہدی سے ملاقات کی تھی؟''

''میں انہیں نہیں جانتی۔ یہ کون صاحب ہیں؟'' پارو نے مہذب لہجے میں ...پوچھا۔

''یہ ایک شخص تھا جو راجے پور میں آیا تھا، اس نے ہمیں اور کنول کو بہت ...اثر کیا۔'' مہاراجہ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''پھر کہاں چلا گیا؟'' پارو نے تعجب سے پوچھا۔

''روپوش ہو گیا۔'' مہاراجہ نے چستی سے جواب دیا۔ ''عجب شخص تھا۔''

''یقیناً بہت ذہین ہو گا جو ایک مہاراجہ کی نظر انتخاب پر پورا اترا۔'' پارو نے ...گی سے کہا۔

''سب اسے یاد کرتے ہیں۔ اس کے مزاج میں شوخی، نظر میں گہرائی اور ...ں میں شیرینی تھی۔'' کنول نے کہا۔

''تو پھر مجھے اسے بلانا ہی پڑے گا۔ چاہے کنویں کھودنے پڑیں۔'' دنیش ...ت کا ثبوت دے رہا تھا۔ وہ کوئی ایسا کمزور جملہ ادا نہیں کر رہا تھا جو مہاراجہ اور کنول ...ان گزرے اور بعد میں جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑے۔

کوشش کے باوجود بار بار میری اور کنول کی نگاہیں چار ہو جاتی تھیں۔ جب ...اس عمل کی تکرار ہوتی تھی، کنول کی آنکھوں سے شرارے پھوٹتے تھے۔ میں ان ...یک بے چینی دیکھتا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پرسکون سی ہو گئی اور اس کے رخساروں پر

aazzamm@yahoo.com

سرخی جھلکنے لگی۔ ہونٹوں پر ایک دل نواز تبسم رقص کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے نکلنے والے پتنگوں نے میرا جسم کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ ایک ناقابل اظہار سا احساس ذہن و دل پر طاری تھا۔ جیسے مجھے سن کردیا گیا ہو، جیسے میرے جسم میں سوئیاں چبھ رہی ہوں۔ راج کماری کنول نے میری کیفیت شاید محسوس کر لی تھی اور میں نے دیکھا تھا کہ وہ کسی کل چین سے نہیں بیٹھتی ہے۔

''کیوں نہ آپ کچھ دنوں کے لیے راج محل میں منتقل ہو جائیں۔'' کنول نے دنیش سے کہا۔

''ہا آں، یہ بھی ممکن ہے۔'' دنیش نے سٹ پٹا کر جواب دیا۔ ''مگر میں...... تقریباً ٹھیک ہو گیا ہوں ۔ ایک معمولی زخم ہے جو چند دنوں میں اچھا ہوجائے گا۔ کوئی بڑی بیماری ہوئی تو ضرور وہاں منتقل ہوجاؤں گا۔''

''بھگوان نہ کرے۔ دنیش آپ بہت ظالمانہ باتیں کرتے ہیں۔'' کنول نے مسکرا کے کہا۔ ''میں سوچتی تھی ذرا ایک چینج ہوجائے گی۔''

''کرنل ہارڈنگ کی صاحب زادی ریتا بھی آئی تھی، میں نے اس کے ساتھ شکار کا پروگرام بنایا تھا مگر اب میں بیمار ہو گیا۔'' دنیش نے مہاراجہ اور کنول کی توجہ ہٹانے کے لیے کہا۔

''وہ بھی پروفیسر زاہدی کا ذکر کر رہی ہوگی؟ سچ تو یہ ہے کہ اس کے بغیر شکار میں کیا مزہ آئے گا؟''

مہاراجہ نے کہا۔ ''بہرحال تم تندرست ہوجاؤ۔ ممکن ہے، اس وقت تک پروفیسر بھی آ جائے۔''

یہ کہہ کے مہاراجہ اٹھ گئے اور جگدیپ کا حال پوچھنے لگے۔ وہ کنول کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے، لیکن کنول نے خوبصورتی سے انکار کردیا کہ وہ یہیں بیٹھی رہے گی، جب تک مہاراجہ جگدیپ کی عیادت کرکے واپس نہ آ جائیں۔ تینوں رانیوں کی رہبری میں مہاراجہ جگدیپ کی سمت روانہ ہو گئے۔ دنیش نے اشارہ کر کے نرسوں کو باہر بھیج دیا۔ میں کنول اور دنیش کمرے میں تنہا رہ گئے۔ تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی۔ ''کیا سوچ رہی ہیں آپ؟'' آخر دنیش نے جمود توڑنے کی کوشش کی۔

''کچھ نہیں۔'' کنول چونک کر بولی۔

''صبح ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ میرے جسم سے کافی خون نکل گیا ہے، وہ کمی

فرزانہ لائبریری، وڈیو اینڈ ریکارڈنگ سنٹر

دن بہت طویل ہو گیا تھا۔ رات آ کے ہی نہیں دیتی تھی۔ کل رات میرے جو فرائض ادھورے رہ گئے تھے، انہیں آج انجام دینے کے لیے خون کی گردش تیز ہوتی جا رہی تھی۔ درمیان میں یہ دنیش چندر والا واقعہ پیش آ گیا۔ چہرے اور کھل کے سامنے آ گئے۔ جیسے جیسے سورج ڈوب رہا تھا میری بے کلی بڑھتی جا رہی تھی۔ اندھیرا شاید اسی لیے پیدا کیا گیا ہے کہ مخلوق خدا وہ حسرتیں پوری کر سکے جو دن میں شرمندہ تعبیر نہیں ہو پاتیں۔ میرے صبر و ضبط کا ایک دن اور گزر رہا تھا، مجھے رات کا انتظار تھا۔ مہاراجہ اور کنول کے آ جانے سے ذہن پر کچھ اور فکریں غالب آ گئی تھیں۔ میں دنیش چندر کے پاس واپس گیا تو وہ بھی گہری فکر میں مستغرق نظر آتا تھا۔ مہاراجہ کی آمد، میرے بارے میں ان کے شکوک و شبہات اور ان کے معنی خیز جملوں کی تشریح اور ان پر تبصرے کا یہ محل نہیں تھا۔ دنیش چندر بار بار نرسوں کو باہر بھیج کے مجھ سے تبادلہ خیال کا طفلانہ پن کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اشاروں اشاروں میں اس سے اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ مجھے احساس تھا کہ وہ ابھی تک کنول سے نہ کہے جانے والے لفظوں پر تاسف کر رہا ہو گا اور سوچ رہا ہو گا کہ کیسی مجلتیں ہو گئیں؟ کون سا تاثر غلط پڑ گیا؟ فانوس میں روشنیاں جھلملانے لگی تھیں۔ دن بھر دنیش مصروف رہا تھا۔ اس لیے ڈاکٹروں نے اسے انجکشن دے کر بہ جبر سلا دیا۔ جب وہ سو گیا تو میں شاردا کو وہیں رہنے کی تاکید کر کے باہر نکل آیا۔ میں بھون کے ملازموں کے درمیان ایک گشت لگانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں ابھی ملازموں کے کوارٹر کی جانب چند ہی قدم بڑھا تھا کہ لوٹ آیا۔ بھون میں پولیس کی جیپیں آتی دکھائی دیں۔ میں کچھ دور ادھر چلا گیا اور ایک جگہ ٹھہر کے ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے لگا۔ پولیس افسر نے دربان سے کچھ پوچھا۔ اصولاً مجھے پولیس کے سامنے جانے سے کترانا نہیں چاہئے تھا لیکن کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ پولیس کی غیر جانبداری کا اندازہ گزشتہ واقعے سے ہو گیا تھا۔ اس سے قبل کہ میں

aazzamm@yahoo.com

ان کی نظروں میں آتا، چپکے سے زنان خانے کی طرف نکل آیا۔

☆......☆......☆

ابھی رات کی ابتدا تھی۔ میرا بس چلتا تو یہ لمحے سکیڑ دیتا۔ ذہن میں آرے چل رہے تھے۔ زنان خانے میں کئی باندیوں اورکماریوں نے مجھے دیکھا۔ کسی نے انگلی اٹھائی، کسی نے اشارہ کیا، میں سنی ان سنی کرتا ہوا گزر گیا۔ اس وقت مجھے پارو کا خیال آیا۔ پارو نے پرسوں اور کل رات مجھ سے اپنی طرف آنے کے لیے کہا تھا۔ راہداری میں خاصی چہل پہل تھی اور میں کسی کی نظر میں آئے بغیر پارو کی نشاط گاہ میں داخل ہونا مناسب سمجھتا تھا۔ بدقسمتی سے اس وقت ایسا کوئی موقع نظر نہیں آ رہا تھا۔ ادھر پولیس پرکاش بھون کے عام ملاقاتی کمرے میں بیٹھی ہو گی اور افسانے تراشنے والے میرے خلاف افسانے تخلیق کر رہے ہوں گے۔ حسب سابق تفتیش کے لیے مجھے بلایا جائے گا۔ کسی کو خبر بھی نہیں ہو گی۔ دنیش چندر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا ہے، شاردا اس کے پاس بیٹھی ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی مجھے پکارتا ہوا آئے، مجھے کسی محفوظ جگہ چھپ جانا چاہئے۔ پارو کی خواب گاہ سے بہتر کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں ادھر ادھر ٹہلتا رہا۔ اندر جانے کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اچانک ایک پرانی ترکیب میرے جوالا مکھی ذہن میں در آئی۔ جہاں راہداری کی روشنیوں کے سوئچ لگے ہوئے تھے وہاں پہنچ کے اور موقع دیکھ کے میں نے مین سوئچ آف کر دیا۔ ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ میں لپکتا ہوا پارو کے محل تک آیا اور کسی تکلیف کے بغیر اندر داخل ہو کے ایک پردے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ پارو تنہا نہیں تھی وہ شاید کسی باندی سے گفتگو کر رہی تھی۔

''موم بتیاں جلاؤ۔'' پارو نے گھبراہٹ سے باندی کو حکم دیا۔

اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آتا، اپنی بیٹری مجھے دیجئے۔'' باندی نے کہا۔

کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی۔ چند لمحوں میں بیٹری کی روشنی کمرے میں پھیل گئی۔ باندی نے موم بتیاں تلاش کرکے جلا دیں۔ ''باہر جا کے دیکھو، یہ روشنی اچانک کیوں چلی گئی؟'' پارو کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ ''ٹارچ لیتی جاؤ۔''

باندی خاموشی سے ٹارچ روشن کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں فوراً پردے کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔ ''پارو۔'' میں نے سرگوشی کی۔

''تم؟'' وہ وحشت سے بولی۔ ''خیر تو ہے؟''

''گھبراؤ نہیں۔ اس وقت تمہارے پاس آنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ میں

نے سوئچ آف کر دیا۔''

تم برابر کے کمرے میں چلے جاؤ۔ میں باندی کو ابھی رخصت کرتی ہوں۔ کیا تم نے کھانا کھا لیا ہے؟'' پارو نے اپنائیت سے پوچھا۔

''کھانے کا کسے ہوش ہے؟ سونے اور کھانے کا اب کوئی وقت مقرر نہیں رہا۔'' میں نے بے دلی سے کہا۔ ''تم نے کچھ کھایا؟''

''نہیں۔ میں باہر جانے والی تھی۔ اب میں یہیں منگوا لیتی ہوں۔ تم نے اچھا کیا کہ آ گئے مجھے تم سے بہت ضروری باتیں کرنی تھیں۔''

''بھون میں پولیس موجود ہے، میرے خلاف بیانات دیئے جا رہے ہوں گے۔ میں نے سب سے زیادہ بااعتماد تمہیں کو سمجھا ہے۔ تم مجھے اس وقت گرفتار کرا سکتی ہو۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھ پر اعتماد کیا۔ میں نے تمہیں گرفتار کر ہی لیا ہے، اب مزید گرفتاری کی ضرورت نہیں ہے۔ باتیں بعد میں ہوں گی۔ اس وقت تم چھپ جاؤ۔''

میں دوسرے کمرے میں گیا ہی تھا کہ روشنی ہوگئی۔ پارو باہر سے کنڈی بند کرکے مجھے پھنسوا سکتی تھی مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ ایسا نہیں کرے گی۔ باندی کو کھانے کا حکم دے کر وہ لپکتی ہوئی میرے پاس آ گئی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا اسے لباس پہننے اوراپنا بدن محفوظ کرنے کا سلیقہ آتا تھا۔ اس کے بدن کی عمر بہت کم اور ذہن کی عمر بہت زیادہ تھی۔ کشیدہ قامت کھنچی ہوئی، تپی تلی، سونے اورچاندی کی آمیزش کا سا اس کا رنگ تھا۔ رخساروں سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ذرا سے اشارے سے رس ٹپک پڑے گا۔ میں نے اسے کلیجے سے لگا لیا۔ ''پارو!'' میں نے آنکھیں بند کر کے کہا۔ ''تم ہمیشہ مجھے بہت متاثر کرتی ہو۔''

وہ تڑپ کر علیحدہ ہوگئی اور ڈانٹنے والے انداز میں بولی۔ ''بہت جلد باز ہو، ذرا دیر صبر نہیں ہوتا۔ کمرے میں بند رہو اور انتظار کرو، اچھی بری باتیں کرنے کا.....''

اس نے دروازہ بند کر دیا۔

میرے کپڑوں میں اس کے بدن کی خوشبو بس گئی تھی۔ میں وہیں پڑا سلگتا رہا۔ دیر تک پارو کی آواز نہیں آئی۔ مجھے خطرہ پیدا ہوا، دروازہ کھول کے باہر جھانکنے کی گنجائش بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ میں نے پستول نکال لیا اوردروازے کا نشانہ لے کر بیٹھ

aazzamm@yahoo.com

گیا۔ جیسے ہی دروازے پر آہٹ ہوئی، پارو کا چہرہ نظر آیا میں نے پستول اچھال دیا تاکہ پارو پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ میں اس کی طرف سے مشکوک ہو گیا تھا۔

''تم مشکوک ہو گئے تھے؟'' وہ مسکراتی ہوئی آنکھوں سے بولی۔

''ہاں بداعتمادی کی ایک لہر ضرور آئی تھی۔''

''یہی تو میری بدقسمتی ہے میں اب تک تم پر اپنا اعتماد قائم نہ کر سکی۔''

''تم دیکھ رہی ہو کہ اس بار میرے ہاتھ میں پستول نہیں تھا۔''

''اور تم نے کمرے میں بند ہونا بھی گوارا کر لیا۔ تم میرے پاس آئے۔ آہ، یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا ہے موہن! پہلے میرا خیال تھا کہ میں تم سے بہت سخت انتقام لوں گی۔ ایک چھوٹے آدمی نے میرے قریب آنے کی جرأت کی تھی۔ یقین کرو بہ جبر تم میرے جسم پر تو قبضہ حاصل کر سکتے تھے لیکن میرا ذہن تمہارے قابو میں کبھی نہ آتا۔ رفتہ رفتہ تمہاری ذات کی کھڑکیاں کھلیں اور مجھے احساس ہوا کہ میں ایک اہم اور خوبصورت آدمی کو مس کر رہی تھی۔''

''میں ایک بہت چھوٹا آدمی ہوں۔ تمہیں میرے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نہ کوئی گھر ہے، نہ در، نہ ٹھور نہ ٹھکانا۔ میں بہت بدنصیب آدمی ہوں۔''

''اب تم مجھ سے کچھ نہیں چھپا سکتے، مجھے معلوم ہے کہ تم کتنے گہرے آدمی ہو، ممکن ہے، تم دولت مند آدمی نہ ہو مگر تمہارے اندر ایک مکمل آدمی کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ اب مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔''

یہ تمہاری نظروں کا دھوکہ ہے۔ میں نے اسے بستر پر نیم دراز کر دیا۔

''نہیں موہن! تم ایک غیر معمولی آدمی ہو۔'' اس نے میرا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر کہا۔

''پارو! تم اتنی حسین اور ذہین کیوں ہو؟''

''مجھے خود پر بہت ناز تھا لیکن تم نے مجھے سر کر لیا اور مجھے بڑے کرب میں مبتلا کر دیا۔ میں نے ایسے جذبے پہلے کبھی محسوس نہیں کیے۔''

''مجھ سے بہت زیادہ توقعات قائم مت کرنا۔'' میں نے اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔ مجھے بہت سکون محسوس ہوا۔

اس نے اپنے بازو میرے گلے میں حمائل کر دیے۔ ''پروفیسر زاہدی! تم بہت عجیب آدمی ہو۔''

میں ہڑبڑا گیا۔ ''تم نے کیا کہا؟ کیا پاگل ہو گئی ہو؟''

''تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے۔ مہاراجہ کی خاص دعوت میں دنیش کے ساتھ جانے والے اس پروفیسر کا بڑا شہرہ ہے جس نے اپنی دل کش باتوں اور نشانے بازی سے سب کو محوِ حیرت کر دیا تھا اور دنیش کے ساتھ تمہارے سوا کوئی نہیں جا سکتا۔ آج مہاراجہ اور کنول بھی تمہاری طرف تعجب سے دیکھ رہے تھے۔'' پارو میرے سینے سے سر اٹھا کے بولی۔ ''پتہ نہیں دنیش کو یہ کیا شرارت سوجھی تھی۔''

میں انکار کرتا رہا مگر وہ شوخی سے میرا انکار رد کرتی رہی۔ ''تم نے مجھے کیوں بلایا تھا؟'' میں نے اس کی زلفیں چومتے ہوئے پوچھا۔

''تم بات بدل رہے ہو، ٹھیک ہے، مت بتاؤ۔ ہمیں سب معلوم ہے کہ تم کتنے چھپے رستم ہو۔''

''تم اور کیا کیا جانتی ہو؟'' میں نے اس کے کان کھینچتے ہوئے پوچھا۔

''میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہارا نام موہن داس نہیں ہے۔ تم اپنی کسی مجبوری یا کسی خاص مقصد کے لیے ملازم کے روپ میں یہاں موجود ہو۔ تم ایک بہادر آدمی ہو۔ سادھو دیوراج تمہارے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے بات کرتا ہے، تم راج محل کی خاص دعوت میں انگریزوں کو مرعوب کر دیتے ہو، تمہیں پستول چلانا اور گھوڑا اٹھانا خوب آتا ہے اور بتاؤں......؟'' وہ ٹھہر کر بولی۔

''بس بس، پارو! یہی بہت ہے، میرے پاس وقت کم ہے، آج رات مجھے بہت سے کام انجام دینے ہیں۔ میں تمہارے پاس ایک خاص مقصد سے آیا تھا۔''

''میں خود تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ تم اس وقت سخت خطرے میں ہو۔ یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ تم دنیش چندر کی ڈھال بنے ہوئے ہو۔ لوگ تمہارا کانٹا درمیان سے ہٹانا چاہتے ہیں اور تم سے خاصے خوفزدہ ہیں، تمہیں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔''

''مگر وہ کون لوگ ہیں؟ کیا تم ان کی نشاندہی کرنے میں میری مدد نہیں کرو گی پارو؟'' میں نے اسے اپنی آغوش میں بساتے ہوئے کہا۔ ''میری مدد کرو۔''

''ایک شرط پر۔'' اس کی آواز دب گئی تھی کیونکہ وہ میرے سینے میں پیوست تھی۔ ''ہر شرط منظور ہے۔'' میں نے اسے خود سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

''سوچ لو، کیا کہہ رہے ہو؟''

aazzamm@yahoo.com

"اچھی طرح سوچ لیا ہے؟" میں نے اس کی نازک انگلیاں چومتے ہوئے کہا۔

"وعدہ کرو کہ مجھے کبھی نہیں بھولو گے؟ میں نے تمہاری خاطر اپنی سوچ بدل لی ہے میں نے بہت سوچا ہے۔" وہ زور دے کے بولی۔ "اور خود کو تمہارے سپرد کر دیا ہے۔"

"پارو!" میں نے اداسی سے کہا۔ "تم ایک بے حد حسین لڑکی ہو، بہت خوبصورت، تمہاری قربت کا تصور ہی نشہ کر دیتا ہے، تم کسی بھی شخص کے لیے ایک آدرش ہو مگر میں تم سے اتنا بڑا وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گی۔ ان بلاؤں سے دور، پھر تم ہو گے اور میں ہوں گی۔ چاہے یہ ریشمی پردے ہوں یا نہ ہوں، یہ فرنیچر، یہ روشنیاں' یہ زیورات اور یہ غذائیں، کچھ بھی نہ ہو، صرف تم ہو، میں تمہاری حکومت میں رہوں گی۔ بولو، کیا تم انکار کر دو گے؟"

"کون انکار کر سکتا ہے، اتنی حسین لڑکی کی اس پیشکش پر، کون کافر انکار کر سکتا ہے؟ مگر پارو تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتیں، میں بہت مجبور اور بدنصیب آدمی ہوں۔"

"میں تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔ زندگی بھر کا انتظار مگر تم وعدہ کرو کہ جب تم سب کاموں سے نمٹ جاؤ گے تو صرف میرے پاس آؤ گے؟"

"میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تم اتنی جذباتی نکلو گی۔"

"موہن! بوڑھا سادھو سچ کہتا تھا۔ یہ مایا جال ہے، یہاں آدمی کی کوئی قدر نہیں۔ میں بھی عرصے تک اس جادونگری کے فریب میں رہی۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ سچی مسرت کہاں ہے۔ وہ تو ان محلوں سے دور ہے۔"

"تم مجھے کچھ بتا رہی تھیں؟" میں نے اسے جھنجوڑ کر کہا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ عہد و پیمان کرا کے' مشروط کر کے' رشتے استوار کیے جا سکتے ہیں؟ اس کے لیے ایثار کی ضرورت پڑتی ہے، گہرے نقش قائم کرنے پڑتے ہیں، ریاضت کرنی پڑتی ہے، شرطوں سے اسے نہیں جیتا جاتا، سمجھیں پاگل بچی؟"

"ہاں، ہاں۔" وہ اٹکتے اٹکتے بولی۔ "شاید میں نے بہت جلدی تم سے آگے

کی باتیں کہہ دی ہیں۔ تم سچ کہتے ہو۔ ابھی مجھے خود کو ظاہر کرنے کا موقع نہیں ملا ہے۔"

"پارو! میں اس وقت شدید الجھنوں میں گرفتار ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے اور میں تمہیں یہ بتانا چاہتی تھی کہ دنیش پر حملہ جگدیپ کے غنڈوں کی طرف سے ہوا ہے، اس کا سرغنہ ایک شخص پرشوتم ہے جو ہاتھی کی طرح پھیلا ہوا ہے اور جس کی عادتیں کسی درندے کی خصلتوں سے مشابہ ہیں۔ تم نے شاید اسے دیکھا ہو۔ وہ اپنی نیلی گاڑی میں یہاں آتا ہے اور رات کو عموماً جگدیپ کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ محل کے بعض ملازم بھی اس سے ملے ہوئے ہیں۔ وہ انگریزوں سے بھی روابط رکھتا ہے۔ جگدیپ کی حویلی کا عرصے سے نمک خوار ہے، راجے پور کے مقامی غنڈوں میں اس کا طوطی بولتا ہے۔ ادھر پریت، بینارانی، ہیما اور بھون کا ایک گروہ دنیش کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتا ہے، جگدیپ اور پریت میں ان دنوں خصوصی رشتے قائم ہیں اور تم خود جانتے ہو کہ یہ جنگ کیوں جاری ہے۔"

"مجھے محل کے نمک حرام ملازموں کے نام بتاؤ۔"

پارو نے مجھے ایک بڑی فہرست گنا دی، میں اسے اپنے ذہن کی تختی پر کندہ کرتا رہا۔

"سازش کے ڈانڈے بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ راج پاٹ اور گدی کے کھیل ہیں۔ انگریز اس تماشے سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ! پارو! کیا اب بھی انگریزوں سے تمہارا رابطہ ہے؟" وہ چپ رہ گئی۔ یہ سوال میں کر رہا ہوں پارو! اس کا جواب میرے سینے میں دفن ہو جائے گا۔ میں نے اصرار کیا۔

"وہ مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں مگر یہ امر میری مرضی پر ہے کہ میں اپنے دوستوں کو کس قسم کی اطلاعات فراہم کروں۔"

"تم یہ رابطہ قائم رکھنا۔ مجھے اب تم پر پورا اعتماد ہے، یقیناً اب تم میرے ساتھ کوئی فریب نہیں کر رہی ہو۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے تمہیں واقعی فتح کیا ہے، اپنی موجودہ سرگرمیوں میں تبدیلی نہ کرنا۔"

"اب ماضی کی تلخیوں کے بارے میں مجھ سے کوئی اور سوال مت کرنا۔"

"میں صرف ایک بات اور جاننا چاہوں گا تم مجھے جگدیپ کی حویلی اور اس

aazzamm@yahoo.com

کے خاندان کے افراد کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔"

پارو نے جگدیپ کے پتا کنور پردیپ کے شجرے، حویلی کے حالات اور آنجہانی پرکاش چندر سے قدیم خاندانی اختلافات کے متعلق ایک تفصیلی روداد میرے سامنے پیش کی۔ باتیں کرتے کرتے ہمیں دو ڈھائی گھنٹے گزر گئے۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اندھیرے کا یہ وقت میرے لیے بڑا قیمتی تھا۔ پارو مجھے رات بھر کے لیے روک رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ خواب گاہ میرے لیے سب سے محفوظ جگہ ہے۔ سب سے محفوظ ہونے کے علاوہ سب سے نشاط آگیں جگہ بھی یہی تھی' کیونکہ یہاں پارو تھی، یہاں پارو کے بدن کا دلکش پودا لہلہا رہا تھا اور اس کے پھولوں کی نشہ آور خوشبو ماحول میں بسی ہوئی تھی۔ وہ اندر خواب گاہ میں کھانا لے آئی۔ کھانا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ "لو کھاؤ۔" اس نے اپنے ہاتھ سے لقمہ بنا کے میرے منہ میں رکھ دیا۔ میں نے لقمہ اس کی انگلیوں سمیت چبانا شروع کر دیا۔ چند لقمے کھلانے کے بعد اس نے جگ سے پانی لوٹ کر مجھے دیا۔ میں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ "اب شیرینی کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔" میں نے کھانے کی ٹرے پر نظر ڈال کے کہا۔

"اور شیرینی موجود نہیں ہے۔ باندی کو معلوم ہے کہ میں کھانے میں میٹھا نہیں کھاتی۔" وہ سادگی سے بولی۔

"کیوں نہیں؟" میں نے اس کی کمر میں بازو حمائل کر دیے۔ "کھانے کے بعد گلابی لبوں کے رس سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہ قدرتی رس ہے اور قدرت نے تمہیں اس سے خوب نوازا ہے۔"

"تم بہت......" وہ میرے بارے میں کوئی کلمہ خیر ادا کرنے والی تھی کہ میں نے اس کے پیازی لب گویائی سے محروم کر دیے۔ میں اس کے نازک لبوں سے دیر تک رس کشید کرتا رہا۔ میرا حلق شہد سے تر ہو گیا۔

"تم جا کیوں رہے ہو؟" وہ مچل کے بولی۔

"جانے کو کس کا جی چاہتا ہے، کئی راتوں سے جاگ رہا ہوں، تمہاری زلفوں کی چھاؤں میں بڑا آرام مل رہا ہے۔ تمہارے گداز پہلو میں رات گزارنے سے بہتر کوئی اور تصور نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے اس کی ساڑھی کا پلو سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ "تم کتنی مشرقی لگتی ہو۔"

اسے اپنے بے ترتیب لباس کا خیال آ گیا۔ ساڑھی جگہ جگہ سے مسک گئی

تھی۔ "تو جا ہی رہے ہو؟" وہ اپنا لباس درست کرتے ہوئے یاسیت سے بولی۔

"ہاں جانا ہی ہو گا۔" میں نے اس کی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی "ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں۔"

"اب کب آؤ گے؟"

جلد ہی۔ کوئی اہم خبر ہو تو دنیش کی طرف آ جانا، ہو سکا تو کل رات فرصت سے تمہارے پاس آؤں گا۔"

"وعدہ رہا؟"

"پکا وعدہ۔" میں نے اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ "زندہ رہا تو ضرور آؤں گا۔"

"تم اچھے خاصے سیڈسٹ ہو۔ ایسی باتیں نہیں کرتے۔" اس نے دروازہ کھول کے باہر کی طرف دیکھا اور مجھے اشارہ کر دیا۔ میں پھرتی سے باہر آ گیا۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہلکی روشنیاں ٹمٹا رہی تھیں۔ پارو سے ملاقات کے بعد میں نے اپنے پروگرام میں بڑی تبدیلی کر دی تھی۔ صبح سے میں پریت کے خیال میں گم تھا۔ کل رات بھی اس کے پاس جاتے جاتے رہ گیا تھا۔ پریت' بھون کی ہری مرچ تھی۔ طرح دار، تیکھی، کونپل، شارپ۔ اس کا بدن' رام پور کے چاقو کی دھار، کچی انی۔ ببول کی لکڑی کی طرح اس کا بدن چٹخا جلتا رہتا تھا۔ رخسار پر ہمیشہ شفق کا منظر ہوتا تھا۔ دبلی پتلی' چھریری، سیماب صفت۔ میں اس کا غصہ دیکھنے کے لیے کئی دنوں سے بے تاب ہو رہا تھا۔ یہ وقت نہایت موزوں تھا مگر پارو نے پرشوتم کا ذکر کر کے لرزا دیا تھا۔ پارو کے بیان کے مطابق رات کے وقت جگدیپ کے کمرے میں پرشوتم عموماً قیام کرتا تھا۔ میں دنیش کے کمرے سے فون کر کے اس کی موجودگی کی تصدیق کر سکتا تھا لیکن میں نے یہ نہیں کیا بلکہ کل رات کی طرح چھپتا چھپاتا بینارانی کے کمرے تک پہنچ گیا۔ میں نے آہستگی سے دستک دی اور رومال سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ پستول میرے ہاتھ میں موجود تھا۔ میں پوری طرح مستعد کھڑا تھا۔ خیال تھا کہ باندی کا چہرہ جیسے ہی دروازے سے باہر آئے گا اپنی شناخت کے لیے اسے ایک لمحے کی مہلت بھی نہیں دی جائے گی لیکن اندر سے باندی نہیں نکلی بلکہ خود بینارانی کی آواز آئی۔ "کون ہے؟"

"میں۔ دروازہ کھولیے بینا رانی! میں ہوں، آپ کا سیوک۔"

aazzamm@yahoo.com

''اوہ۔'' وہ میری آواز پہچان گئی۔ ''موہن داس!''

''ہاں'' میں نے جواب دیا ہی تھا کہ دروازہ تیزی سے کھل گیا اور بینارانی کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا۔ وہ ایک لمبا گاؤن پہنے ہوئے تھی۔ اس کے سیاہ بال کھلے ہوئے تھے، آنکھوں میں خمار چھایا ہوا تھا، مجھے دیکھ کے وہ کھل اٹھی، وہ اتنی ہی حسین تھی جتنی کل رات۔

''مجھے یقین تھا، تم ضرور آؤ گے۔''

''صبح آپ نے کچھ باتیں ہی ایسی کر دی تھیں۔'' میں نے خواب گاہ پر ایک طائرانہ نظر ڈال کے کہا۔

''وہ'' وہ ہنس کر بولی۔ ''وہ تو وہاں کی باتیں تھیں۔''

''اسی لیے اب میں یہاں کی باتیں کرنے آ گیا۔''

''میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ کل رات تم مجھے پریشان کر کے چھوڑ گئے تھے۔ آج تو تمہیں فرصت ہے نا؟''

''ہاں بہت۔ اب کوئی آئے گا تو نہیں؟'' میں نے کسی قدر خوف زدہ ہو کے کہا۔

''نہیں، اب یہاں صرف تمہی ہو۔'' وہ سرشاری سے بولی اور اس نے چٹخنی چڑھا دی۔ پھر اس نے نیلی اور سرخ روشنیوں کے بلب جلا دیئے۔ ''آؤ ادھر بیٹھو۔ اب یہ حجابات چھوڑ دو، میرے قریب آؤ۔''

''سنو'' میں نے سختی سے کہا، اس نے پلٹ کے دیکھا۔ میرے ہاتھ میں پستول تنا ہوا تھا۔

اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا'' تم...... یہ کیا'' وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ ''کیا چاہتے ہو؟''

''بینارانی! اسے پہچانتی ہو؟ یہ پستول ہے ننھا منا چھوٹا سا، بے آواز آلہ۔ اس کے اوپر جو ایک خول چڑھا ہوا ہے یہ خول آواز اپنے اندر ہی گھونٹ لیتا ہے۔ میں زیادہ بات کرنا نہیں چاہتا۔ فون اٹھاؤ اور جگدیپ کے کمرے سے پرشوتم کو بلاؤ۔ اس سے کہنا کہ تمہارے پاس اس وقت ایک اہم خبر ہے۔''

''مگر...... مگر...... میں پرشوتم نام کے کسی شخص کو نہیں جانتی۔''

''بکواس بند کرو۔ جو میں کہتا ہوں، وہ کرو، فون اٹھاؤ۔'' میں نے گرج کر

کہا۔ ورنہ یہ پستول تمہارا خوبصورت بدن لہولہان کر دے گا۔''

اسے مجھ سے ایسی جرأت کا یقین نہ تھا۔ وہ کچھ دیر ششدر رہی۔ میں نے اس کے قریب جا کے اس کے رخسار پر ڈھیلے ہاتھ کا ایک طمانچہ رسید کیا۔ ''تم سب حرام زادیاں آدمی کو نہیں پہچانتیں۔'' میں نے اشتعال میں کہا۔ ''جلدی کرو۔'' اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے فون اٹھایا۔ ''خبردار۔ کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔'' میں نے حکم دیا۔

اس نے جلدی جلدی نمبر ملائے، جلد ہی کسی نے اٹھا لیا ''جگدیپ!'' وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ ''پرشوتم ہے؟'' میں نے پستول کی نال اس کے کان پر رکھ دی۔ دوسری طرف سے جواب اثبات میں ملنے پر اس نے کہا۔ ''اسے فوراً میرے کمرے میں بھیج دو۔'' کچھ تاخیر کے بعد وہ بولی۔ ''ہاں ضروری کام ہے، ایک خبر، کام ہی کی خبر ہے۔ فون پر نہیں بتا سکتی۔ جلدی جلدی۔'' میں نے ریسیور چھین کر کریڈل پر دھر دیا۔

''بینارانی! مجھے افسوس ہے کہ تمہاری زندگی بہت مختصر رہ گئی ہے۔ میں کوئی قدم اتفاق سے نہیں اٹھا رہا ہوں بلکہ کچھ فیصلہ کر کے یہاں آیا ہوں۔ تم جانتی ہو کہ وقت بہت کم ہے۔ پرشوتم اس طرف آنے کے لیے نکل پڑا ہو گا تم لوگ بار بار کی تنبیہ کے باوجود شرارتوں سے باز نہیں آئے۔ میں اپنے ضمیر کے مکمل اطمینان کے بعد یہ ناپسندیدہ قدم اٹھا رہا ہوں۔ تمہی لوگوں نے رات دنیش پر اور پرسوں مجھ پر دس آدمیوں سے حملہ کرایا۔ تمہاری فردِ جرم بڑی سیاہ ہے لیکن اب بازی پلٹ گئی ہے۔ فیصلہ سننے کے لیے دوسرے کمرے میں چلو۔''

میرے لہجے کی سردی سے وہ گھگھیانے لگی اور دھڑام سے میرے پیروں پر گر گئی۔ ''میں بے قصور ہوں، میں بے قصور ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔'' اسے اپنے گاؤن کی بے ترتیبی کا خیال بھی نہیں رہا تھا۔ اس کا نیم عریاں بدن میرے پیروں پر تڑپ رہا تھا۔

''کیا میں تمہیں نام گناؤں؟'' میں نے اسے ایک جھٹکے سے اٹھایا اور دوسرے کمرے میں دھکا دے دیا۔ ''خون کے بدلے خون۔''

''نہیں، نہیں۔'' دہشت سے اس کی آواز پھٹ گئی تھی۔

ابھی ابھی اس نے جگدیپ سے جس لہجے میں بات کی تھی، اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ان خونریز واقعات میں کس حد تک ملوث ہے، اس کی لرزہ خیز فریادوں

aazzamm@yahoo.com

سے میرا فیصلہ نہیں بدل سکتا تھا۔ یہ ایک اذیت ناک اور روح فرسا کام تھا، میرے ہاتھوں میں ارتعاش سا ہوا، لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے جلد سے جلد منظر بدلنے کے لیے اسے خاموش کردیا۔ وہ تیورا کر گری، ایک ہلکی سی چیخ بلند ہوئی۔ میں نے اسے مزید اذیتوں سے بچا لیا۔ بغلی کمرہ بند کر کے میں دوبارہ بڑے کمرے میں آ گیا اور چٹخنی کھول کے دروازے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے دروازہ ذرا سا کھول دیا۔ چند ثانیوں بعد کسی نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ پھر اندر جھانک کے دیکھا۔ ابھی وہ دروازے کے اندر آیا ہی تھا کہ میں نے پشت پر اسے ایک ضرب رسید کی، وہ اوندھے منہ ایک میز پر گرا اور اس کا پستول دور فرش پر جا پڑا۔ ''خاموش، حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا، میرے ہاتھوں میں تمہاری موت کا بٹن ہے۔ اندر بینارانی کی لاش پڑی ہے، ہاتھ اٹھا لو۔'' اس گرانڈیل نے پیچھے مڑ کے پستول دیکھنے کی جسارت ضرور کی مگر جھٹ دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے، میں اسے نشانے پر لیتا ہوا پھرتی سے اس کے پستول تک گیا اور اسے آسانی سے اٹھا کے جیب میں ڈال لیا۔ ''پرشوتم! میرے ساتھ باہر چلو۔''

وہ قوی ہیکل شخص چوڑائی اور لمبائی میں کسی ہاتھی کے مانند تھا لیکن دماغ آدمیوں کا رکھتا تھا، پستول کا اشارہ سمجھ گیا، میں اس کے پہلو میں چلنے لگا۔ ''ایک ذرا سی حرکت تمہارے اس سندر شریر کی بربادی کا سبب بن سکتی ہے۔ خاموشی سے چلتے رہو ادھر۔'' اس نے غور سے مجھے دیکھا اور اپنے دانت نکال دیے۔ اس کے تیور غیر سنجیدہ تھے۔ چنانچہ مجھے زیادہ سنجیدگی اختیار کرنی پڑ رہی تھی۔ کچھ دور تک ہم زنان خانے کی عام راہداری میں چلتے رہے۔ دور سے دیکھنے پر کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کون کس کے حکم پر آ رہا ہے؟ درمیان میں ایک جگہ باہر نکلنے کا راستہ تھا، میں نے اسے حکم دیا ''دروازہ کھولو۔'' اس نے چون و چرا کے بغیر تعمیل کی۔ باہر کھلی فضا میں آ کے اس کے دماغ کو ہوا لگی تو کچھ بدلنے لگا۔ ابھی اس نے پینترا بدلنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ میری ایک بھرپور ٹھوکر سے وہ دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ ''زندگی سے تنگ آ گئے ہو؟'' میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''مجھے تم سے اس حماقت کی امید نہیں تھی، دیکھ نہیں رہے، میرے ہاتھ میں موت کی دیوی موجود ہے۔''

''یہ کھلونا جیب میں رکھ کے دیکھو۔'' اس کی بھاری بھرکم آواز گونجی۔ اس کی آواز میں کتوں کی غراہٹ تھی۔

''تمہاری یہ حسرت بھی پوری کر دی جائے گی مگر اس کے لیے یہ جگہ موزوں

نہیں ہے۔ خاموشی سے اپنی گاڑی تک چلو، مجھ سے کسی رحم کی توقع مت کرنا۔ میرے بارے میں تم سن تو چکے ہو گے، میرا نام موہن داس ہے۔'' اس نے نفرت سے زمین پر تھوکا اور دنیش چندر کے محل سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی نیلی گاڑی تک پہنچ گیا اور اکڑ کے کھڑا ہو گیا۔ ''اگلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔'' ہم دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔ میں پچھلا دروازہ کھول کے پچھلی نشست پر بیٹھ گیا تھا۔ بیٹھتے ہی میں نے پستول اس کی گردن پر رکھ دیا۔ ''گاڑی چلاؤ!'' میں نے درشتی سے حکم دیا۔ اس نے گاڑی سٹارٹ کر دی تھی۔ صدر دروازے کے قریب میں نے اسے ہارن بجانے کا حکم دیا تاکہ دربان دور ہی سے اس کی گاڑی دیکھ کر دروازہ کھول دیں۔ یہی ہوا۔ میں نے احتیاطاً پچھلی نشست میں اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ میرا ہاتھ اس کی گردن تک دراز تھا۔ دربان کتوں کی طرح مانوس اور نامانوس بوئیں سونگھنے میں مشاق ہوتے ہیں۔ دروازہ مستعدی سے کھول دیا گیا اور پرشوتم گاڑی نکال کے سڑک پر لے آیا۔ ''ہاں اب تم ٹھیک طرح کام کر رہے ہو۔ گاڑی کا رخ اپنے آقاؤں کی حویلی تک جانے والی سڑک پر موڑ دو۔ خیال رہے، راستے میرے جانے پہچانے ہیں۔''

''تم چاہتے کیا ہو؟'' اس کی آواز میں جھجک تھی۔

''جو تم چاہتے ہو۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''شاید تم پوری طرح مجھے نہیں جانتے۔'' اس نے سرد مہری سے کہا۔

''تمہارے بارے میں بھی میرا یہی خیال ہے۔''

''میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں، تم غلطی کر رہے ہو۔''

''میری صلاحیتوں کا ابھی تمہیں علم بھی نہیں ہے۔'' وہ خاموش ہو گیا۔ گاڑی تیز رفتاری سے جگدیپ کی حویلی کی طرف بڑھ رہی تھی، باقی راستہ ہم نے خاموشی سے طے کیا۔ جب حویلی قریب آ گئی تو میں نے اسے ہارن بجانے کا حکم دیا۔ ''دیکھو پرشوتم! تمہیں معلوم ہے، میں بے ارادہ یہاں نہیں آیا ہوں۔ جس طرح اب تک تم میری ہدایت پر ایک نیک بچے کی طرح عمل کرتے رہے ہو، آئندہ بھی کرتے رہنا میں تمہیں زیادہ پریشان نہیں کروں گا۔''

اس نے بے پروائی سے سر ہلایا۔ ہارن کی آواز سن کے ایک دربان چھوٹے دروازے سے باہر آیا، ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی میں وہ گاڑی پہچان نہیں سکا۔ پرشوتم نے روشنیاں مدھم کر دیں اس نے وہیں کھڑے کھڑے سلام کیا اور اندر جا کے کچھ کہا۔

aazzamm@yahoo.com

دروازہ فوراً کھول دیا گیا۔ پرشوتم اندر داخل ہوگیا۔ ''گاڑی وہاں اندھیرے میں کھڑی کر دو۔'' کچھ دور جا کے میں نے ایک مناسب جگہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''اگر تم نے یہاں خون خرابے کی کوشش کی تو نتائج بہت ہولناک ہوں گے۔'' وہ سختی سے بولا۔

''چپ رہو۔ گاڑی سے اتر جاؤ۔ اس طرف چلو۔'' میں اسے اندھیرے میں لے جاتے ہوئے بولا۔ ''پرشوتم! تم سے دو بدو جنگ نہ ہونے کی ہمیشہ حسرت رہے گی۔ مجھے افسوس ہے، تمہیں مارنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اتنی درندگیوں کے بعد اب تمہیں سزا مل ہی جانی چاہیے۔''

''نہیں، نہیں۔'' اس کی آواز اچانک تھرتھرانے لگی۔

''مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔'' میں نے سرد آواز میں کہا۔

''موہن داس! ہم دونوں اپنے آقاؤں کے آلہ کار ہیں۔'' وہ پیل تن عاجزی سے بولا۔ ''ہم دونوں ایک دوسرے کے کام آ سکتے ہیں۔''

''تم مجھے ہنسا رہے ہو۔''

''میں تم سے سچ کہتا ہوں، ایک مرد کا وعدہ آزما لو۔''

''میں اپنے فیصلے سے نہیں پھرتا۔ تمہیں مار کے مجھے آگے جانا ہے اور راج کمار جگدیپ اور اس کے گرگوں کو یہ بتانا ہے کہ اب تک ہم صرف ان کے حوصلے دیکھ رہے تھے، یہ پہلا جواب ہے۔'' میں دانستہ تاخیر سے کام لے رہا تھا۔ پرشوتم نے مجھے طرح طرح منانے اور نرم کرنے کی کوشش کی۔ میں نے تنگ دلی سے اسے مسترد کر دیا۔ ''پرشوتم! تیار ہو جاؤ۔''

''نہیں، موہن داس! رحم کرو۔''

''رحم؟ تم پر؟ تم جیسے شخص پر؟ جس نے کبھی کسی پر رحم نہیں کیا۔ تم مردانگی سے اپنی موت قبول کرو۔''

''میں اپنے بھگوان، اپنی ماں کی قسم کھاتا ہوں، تم نے میرے ساتھ رعایت کر دی تو ہمیشہ تم سے وفادار رہوں گا۔'' وہ لرزتا ہوا بولا۔

''تم پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا۔'' میں نے کچھ نرمی اختیار کی۔ ''تم ایک بے اعتبار طوطے ہو۔'' وہ میرے ہاں ایک ذرا سی گنجائش دیکھ کے گڑگڑانے لگا۔ ''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں موہن داس! صرف ایک بار اعتبار کر کے دیکھو۔''

''تمہیں یاد ہے۔ تم نے کیا کیا ہے؟ تم نے اس وقت کچھ سوچا تھا؟''

''مجھے سب یاد ہے۔ میرا شریر خون سے رنگا ہوا ہے۔''

''اور یہ تم نے ان جاگیرداروں، رئیسوں اور حرامزادوں کی خاطر کیا، بے گناہ انسانوں کا خون بہایا۔'' اس وقت وہ میری ہر بات تسلیم کرنے پر آمادہ تھا۔ میں جو کچھ کہتا رہا، وہ اس پر نادم ہوتا اور معافیاں مانگتا رہا۔ وہ بار بار مجھ سے وفاداری کا وعدہ کرتا رہا۔ میں پہلے ہی اس معجز نما ایجاد پستول کا قائل تھا۔ پرشوتم جیسے پہاڑی شخص کی عاجزی دیکھ کے اس کے اہمیت کا کچھ اور اندازہ ہوا۔ دیکھنے میں یہ ایک معمولی سی شے ہے مگر ہے فتنہ۔ میرا خیال ہے اس سے اچھی چیز انسانوں نے ایجاد نہیں کی۔ اس کے مسلسل نظارے سے پرشوتم کا برا حال ہوگیا اور پستول کے اوپر جو ایک خول چڑھا ہوا تھا، اس نے مہمیز کا کام کیا۔

''تو پھر؟'' میں نے جھجک کر کہا۔ ''ایک شرط پر۔''

''کہو، کہو۔'' اس نے میرا جملہ اچک لیا۔

''مجھے کنور پردیپ کی خواب گاہ کا آسان راستہ بتاؤ۔''

''تم انہیں مارنا چاہتے ہو؟'' وہ وحشت سے بولا۔

''اپنی جان کے بدلے ان کی جان کا سودا کر لو۔''

''مجھے منظور ہے۔'' وہ تیزی سے بولا ''مگر.....''

''مگر کچھ نہیں، مجھے راستہ سمجھاؤ۔''

''میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''

''نہیں'' میں نے ڈانٹ کر کہا۔ ''اپنی طرف سے کوئی بات مت کرو۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے سانس لیے بغیر عمارت کے جغرافیے، کنور پردیپ کی قیام گاہ کی طرف جانے والے آسان ترین راستے اور میرے استفسار پر تمام ضروری سوالوں کے جوابات کسی مشین کی طرح دیئے اور میرے ساتھ چلنے کی پیش کش کرنے لگا، لیکن میں اس بدقماش کے ساتھ عمارت میں داخل ہونے کی نادانی کیسے کر سکتا تھا؟ وہ چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ کہیں اس نے میری غلط رہنمائی نہ کی ہو؟ تمام تفصیل نوٹ کرنے کے بعد میں نے گھڑی دیکھی ایک بج رہا تھا۔ عمارت پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ یہاں ہم دونوں کھڑے ہوئے تھے وہ ایک سنسان جگہ تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں اور سختی سے ہونٹ بھینچ کے پے درپے دو گولیاں چلائیں،

aazzamm@yahoo.com

پرشوتم کی ایک ہلکی کربناک آواز ابھری اور مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ اور جھینگروں کے شور
میں ڈوب گئی۔

مجھے احساس تھا کہ میں نے ایک انتہا پسندانہ قدم اٹھایا ہے۔ جگدیپ کی
اجنبی حویلی میں مجھ پر کسی بھی طرف سے کوئی بلا نازل ہو سکتی تھی، لیکن دل نے دماغ
کی ہر دلیل رد کر دی تھی۔ پرشوتم کا پہاڑ اڑ چکا تھا۔ مجھ پر خون سوار تھا۔ جہاں جہاں
اندھیرا تھا وہاں میرے قدم لپک رہے تھے اور پرشوتم کی معلومات کے مطابق میں ایک
سفید عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا جو شان و شکوہ میں دوسری عمارتوں سے مختلف نظر آتی
تھی۔ یہاں دو اونگھتے ہوئے دربان بیٹھے تھے، میں عمارت کے عقبی حصے کی طرف چلا
گیا۔ اندر کسی کسی کھڑکی سے روشنی آ رہی تھی۔ یہ دو منزلہ عمارت تھی۔ آسان طریقہ تو
یہ تھا کہ میں دربانوں کو ابدی نیند سلا کے اندر داخل ہو جاتا مگر میں نے پرشوتم کا بتایا
ہوا راستہ آزمانے کا ارادہ کیا۔ ابھی تک ہر چیز اس کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق
تھی۔ میں کوئی آواز، کوئی چہکار پیدا کیے بغیر دربانوں کی نظر سے بچتا' عمارت کے گرد
گھومتا رہا اور ایک پرنالے کی مضبوطی کا اندازہ کر کے عمارت کی چھت پر چڑھنے کی
کوشش کرنے لگا۔ پہلی منزل عبور کرنے کے بعد مجھے ایک منڈیر نظر آئی جس کے اوپر
ایک کھڑکی تھی اور جس کے دروازے میرے استقبال کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ میں
نے اپنی زندگی کی بہت سی خوش قسمتیوں میں اسے ایک سمجھا یا یہ ان دربانوں کی تقدیر
کی یاوری تھی کہ وہ اپنی زندگیاں صاف بچا گئے۔ منڈیر پر احتیاط سے قدم رکھنے کے
بعد میں کھڑکی کے راستے آسانی سے کمرے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا اور
مسالوں اور کھانوں کی بو میرے نتھنوں میں گھس گئی، کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔ یہ
باورچی خانہ تھا، زمین پر پڑے ہوئے برتن سے میرے پیر ٹکرائے اور شور اٹھا۔ پرشوتم
کے بیان کے مطابق کنور پردیپ مشرقی سمت کے گول کمرے میں آرام کرتا تھا۔ ظاہر
تھا وہ جگہ باورچی خانے سے خاصی دور ہو گی۔ میں نے دروازے سے جھانک کے
دیکھا اور مجھے یقین ہو گیا کنور پردیپ کی موت کے لیے آج ہی کی رات مقسوم ہو گئی
تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کے باہر کی روشنی بجھا دی۔ اندھیرے نے میری معاونت کی
اور میرا حوصلہ بڑھایا اور میں مشرق کی سمت اس گول کمرے کے باہر پہنچ گیا جو میں
پر کنور پردیپ کی آرام گاہ تھا اور پرشوتم کے نقشے کے مطابق جس کے سامنے شیشے

...ان تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس کے برابر کمروں کا ایک سلسلہ تھا۔ کمروں سے باہر بند جگہ
پر نرم قالین بچھا ہوا تھا تاکہ مجھ جیسے لوگ اندر داخل ہوں تو آواز پیدا نہ ہو سکے۔ ادھر
بیش قیمت فرنیچر اور گل دان رکھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر ازروئے روایت
تصویریں آویزاں تھیں۔ چھتوں سے فانوس لٹکے ہوئے تھے۔ یہاں ایک چھوٹی میز پر
فون رکھا ہوا تھا لیکن مجھے کنور کا نمبر معلوم نہیں تھا۔ اوپر کی پوری منزل کنور پردیپ کے
لیے مخصوص معلوم ہوتی تھی، نیچے سیکرٹری اور اس کا پرسنل سٹاف رہتا ہو گا۔ یہ لمحے بڑی
کشمکش کے تھے۔ میں نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ وہ بوڑھا نیند کی گولیوں
کے بغیر کیوں سویا ہو گا؟ خواب گاہ میں تازہ ہوا آنے کے لیے کھڑکیاں شاید باہر کی
سمت کھلتی تھیں۔ کنور نے اپنی حفاظت کے لیے اچھا کمرہ منتخب کیا تھا۔ شب کا پہلا پہر
تھا تو دستک پر کنور کے جاگنے کا امکان تھا۔ تنگ آ کے میں نے اپنی پشت سے
دروازے پر زور لگایا، دروازہ میرے جسم کی ضرب سے متحرک ضرور ہوا مگر اس سے کوئی
خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ پرسوں رات میں نے ایسا ہی ایک دروازہ توڑ کے نجات
حاصل کی تھی۔ مجھے کیچو کی یاد آئی، جس نے مجھے مشکل موقعوں پر عزم و ہمت کی تلقین
کی تھی۔ میں نے شدت سے خواہش کی کہ کاش اس وقت کیچو وارد ہو جائے۔ وہ تو کسی
بھی جگہ آنے پر قادر ہے اور اگر وہ نہ آئی تو کیا ہو گا؟ کیا مجھے اپنی جان بچانے کے
لیے واپس جانا ہو گا؟ جو فیصلہ کرنا ہے، خود مجھے کرنا ہے اور ابھی کرنا ہے۔ کیچو کی آمد
کے بغیر۔

میں نے پھر دروازے پر ہلکی ہلکی ضربیں لگانا شروع کر دیں۔ میرے گداز
اور بھاری جسم کی ضرب سے ہلکی آواز پیدا ہوئی تھی۔ دروازہ ہل ہل جاتا تھا، میں وہ
دروازہ آسانی سے توڑ سکتا تھا مگر میں اس سے پیدا ہونے والے شور کا متحمل نہیں ہو
سکتا تھا۔ ناکامی کے خیال سے مجھ پر جنونی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ جلد ہی مجھے یہ
باور کرنا پڑا کہ اس طریقے سے کچھ حاصل نہ ہو گا کم بخت بوڑھا گہری نیند سو رہا ہے یا
میرے مارنے سے پہلے مر چکا ہے یا پرشوتم نے کمرے کی غلط نشاندہی کی ہے۔ تھک
کے میں دروازے کے قریب رکھے ہوئے صوفے میں دھنس گیا اور میں نے دوبارہ
پرشوتم کی بیان کی ہوئی تفصیلات پر غور کرنا شروع کیا۔ کنور پردیپ اوپر کی منزل پر تنہا
نہیں ہو گا اور یہ بھی طے ہے کہ خواب گاہ کا دروازہ کسی دوسرے کمرے میں بھی کھلتا ہو

aazzamm@yahoo.com

گا اور وہ کمرہ خواب گاہ سے ملحق ہو گا۔ اب یہی ایک صورت ہے کہ قریب تر
دروازے پر دستک دی جائے۔ چار و ناچار میں نے ملحقہ دروازے پر دستک دی،
دیر بعد اندر روشنی ہوئی اور ساتھ ہی اندر سے ایک مردانہ آواز آئی۔ ''کون؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اندر سے پھر کسی نے پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''دروازہ کھولو۔'' میں نے ہلکی آواز میں کہا۔

''آتا ہوں۔'' جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا میں اس کے منہ پر ہاتھ رکھ
اسے اندر لے گیا۔ اس کی آنکھیں اس اچانک افتاد سے پھٹ گئی تھیں۔ وہ ایک
پتلا شخص تھا جو کنور پردیپ کا اٹینڈنٹ معلوم ہوتا تھا۔ پستول دیکھ کے تو اس کی آ
پتھرا گئیں۔ میں نے اس کے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ ''مجھے کنور پردیپ کے ک
میں لے چلو۔'' میں نے اس رعشہ براندام شخص کو حکم دیا۔ اس نے لرزتے ہوئے
سے بائیں جانب اشارہ کیا۔ ''دروازہ کھولو۔'' میں نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

اس نے دروازہ ہلکے انداز میں دبایا ہی تھا کہ وہ کھل گیا۔ میں ایک
سے سجے ہوئے کمرے میں موجود تھا۔ اس کی آرائش و زیبائش دیکھنے سے تعل
تھی۔ کونے میں ایک بڑا سا پلنگ موجود تھا۔ پلنگ کے پاس میز پر شراب کی بوتلیں
تھیں اور گلاس اوندھے پڑے تھے۔ کنور کے پہلو میں گدرائے ہوئے بدن کی
تروتازہ عورت پھیلی ہوئی تھی اسے ہوش نہیں تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کہاں
بکھرے ہوئے ہیں؟ دونوں بدمست، دنیا و مافیا سے بے نیاز عریاں حالت م
دوسرے سے گتھے ہوئے تھے۔ میرے ساتھ آیا ہوا شخص وہیں بے ہوش ہو گیا
اس نے میرا کام آسان کر دیا تھا۔ میں نے جیب میں پستول رکھ کے عورت کو
جسم سے علیحدہ کیا۔ ''کہاں؟'' اس کی نشے میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔ ''کہاں؟''

عورت کو اٹھا کے میں نے احتیاط سے فرش پر رکھ دیا۔ اسے اپنی سد
نہیں تھی۔ پھر میں نے پسول جیب سے نکال کے کنور کو آواز دی۔ وہ نہیں اٹھ
نے اس کا شانہ پکڑ کے جھنجوڑا۔ اس میں کسی قدر حرکت ہوئی وہ نشے اور نیند
میں گھڑکتے ہوئے بولا۔ ''کون بدتمیز ہے؟''

ایسی کیفیت میں اس سے کوئی بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ مجھے ڈر تھا ک
ہوش میں نہ آ جائے ورنہ کنور کے ساتھ اسے بھی ناحق اپنی زندگی سے ہاتھ دھو

کنور کے جسم پر جب پستول کی گولی چھٹی تو اس نے ایک ہلکی سی سسکی بھری اور اس
کی گردن ڈھلک گئی۔ بستر خون سے رنگین ہونے لگا۔ میں نے فوراً وہاں سے فرار
ہونے کا ارادہ کیا۔ واپس ہوتے ہوئے میں نے ایک بار مڑ کے دیکھا اور مجھے اپنے
کل پن کا احساس ہوا میں بے ہوش اٹینڈنٹ کو بھولا جا رہا تھا۔ اس کے دماغ میں
میرا چہرہ مرتسم ہو گیا ہو گا۔ میں نے بہ جبر خود کو آمادہ کیا۔ اس پر پستول اٹھاتے ہوئے
میرے ہاتھ کانپے اور دل دکھنے لگا لیکن اگر میں اسے چھوڑ دیتا تو ...... مجھے اندازہ تھا
کہ میرا کیا حشر ہوتا۔ چنانچہ مجھے اس کی عارضی بے ہوشی دائمی بے ہوشی میں تبدیل
کرنی پڑی اور میں نے اس کی روح سے صدق دل کے ساتھ معذرت طلب کی۔

باورچی خانے کے راستے سے نیچے آ کے مجھے حویلی سے باہر نکلنے کا سخت
مرحلہ در پیش تھا۔ پرشوتم کو مارنے سے پہلے میں اس پہلو پر غور کر چکا تھا۔ یہ بات
طے تھی کہ میں کسی فساد اور خون خرابے کے بغیر حویلی کے صدر دروازے سے باہر نہیں
جا سکتا۔ میں ٹھہر ٹھہر کے اندھیرے میں صدر دروازے کے قریب ہوتا رہا۔ میں نے
سوچا، وہ بڑا بلب شوٹ کر دوں جو صدر دروازے کے درمیان روشنی کیے ہوئے ہے۔
صدر دروازے پر صرف دو دربان نظر آ رہے تھے جو باقاعدہ جاگ رہے تھے۔ ان کے
کندھوں پر سنگینیں لٹک رہی تھیں۔ میں اونچی فصیل نما چہار دیواری کے سہارے رینگتا
ہوا بہرطور صدر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ چہار دیواری کے ساتھ چلتے ہوئے وہ کئی بار
میری نظروں سے اوجھل ہوئے تھے اور اب میں ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں ان کی نقل و
حرکت نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چہار دیواری دروازے کے ساتھ دونوں اطراف پھیل گئی تھی۔
سن گن لینے کے لیے دیر تک ایک کونے میں کھڑا رہا جب ان کی طرف سے کسی
قدم کی آواز نہیں آئی تو میں کوئی آہٹ پیدا کیے بغیر چیونٹی کی رفتار سے آہستہ آہستہ
آگے بڑھا۔ سر باہر نکال کے دیکھنے میں خطرہ تھا۔ دروازے پر معقول روشنی ہو رہی
تھی۔ یہی ایک ترکیب ذہن میں آئی کہ برق رفتاری سے بھاگ کر ان کے سروں پر
پہنچ جاؤں، اتنی تیزی اور پھرتی سے کہ انہیں سنگینیں سنبھالنے اور چیخنے کا موقع نہ ملے،
دیوار سے چپک کے کھڑا ہوا اپنے آپ کو آمادہ کرتا رہا اور ایک بار عزم کر کے بجلی
کی طرح صدر دروازے پر نمودار ہوا۔ وہ بری طرح بوکھلا گئے اور پستول دیکھ کر حواس

aazzamm@yahoo.com

باختہ ہو گئے، پھر بھی مجنونانہ انداز میں ان کے ہاتھ سنگینوں کی طرف بڑھے لیکن وہ میری
پھرتی اور مستعدی کی تاب نہ لا سکے اور اپنی سنگینوں کے ساتھ وہیں کھڑے کھڑے
زمین پر گر گئے۔ میں نے پیچھے مڑ کے نہیں دیکھا۔ چھوٹا دروازہ کھولا اور جتنی رفتار سے
بھاگ سکتا تھا، بھاگنے لگا۔ میرے پیروں میں جیسے پر لگ گئے تھے۔ سڑک پر باقاعدہ
روشنی تھی مگر میں سڑک سے کچھ دور درختوں کی آڑ میں بے تحاشا بھاگ رہا تھا۔ ایک
بڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا میرا تعاقب کسی نے نہیں کیا
تھا۔ اس کے باوجود میری رفتار میں کمی نہیں آئی۔ وہ میرے پیچھے اپنے گھوڑے یا
گاڑیاں دوڑا سکتے تھے۔ میں مخالف سمت میں بھاگ کر بھی اپنے آپ کو روپوش کر سکتا
تھا مگر مجھے ہر حالت میں صبح ہونے سے پہلے بھون پہنچنا تھا۔ وہیں مجھے زندگی کی نوید
مل سکتی تھی۔ میں خود کو بے وزن محسوس کر رہا تھا۔ میں بھاگتے بھاگتے ٹھوکر کھا کے گرا
ابھی دوبارہ اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ گھٹنے میں درد کی شدید لہر اٹھی۔ آنکھوں کے
سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ ایسی ناتوانی اور نقاہت کا احساس ہوا کہ اٹھنا دوبھر ہو گیا۔ پھر
بھی میں نے کھڑے ہونے کی کوشش کی اور چند قدم ہی چلا ہوں گا کہ ایک درخت
سے ٹکرا گیا جو اندھیرے میں مجھے نظر نہیں آ سکا تھا۔ میں ہانپتا ہوا اسی درخت کے
سہارے ٹک گیا۔ میری سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ اسی لمحے کسی نے میری کمر پر
ٹہوکا مارا، میری چیخ نکل گئی۔ میں نے ہیبت سے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ بوڑھا سادھو
دیوراج اس اندھیری رات میں میرے پیچھے کھڑا تھا۔ "مہاراج!" میں نے خوفزدہ
آواز میں کہا۔

"بہت تھک گیا ہے۔" وہ بزرگانہ لہجے میں بولا۔ "چل میرے کاندھے پر
ہاتھ رکھ دے پرنتو چلنا اپنے پیروں سے ہو گا۔"

"مہاراج! تم اس وقت؟"

اس نے شفقت سے میرے کندھے تھپکے۔ "آگے بڑھ۔ چل تجھے ٹھکانے
چھوڑ آؤں۔"

میری زبان گنگ سی ہو گئی۔ میں نے اس کے کندھوں پر اپنا بوجھ ڈال دیا۔ اس

سے کچھ کہا نہیں گیا۔ سادھو سبک خرامی سے آگے بڑھتا رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں
راستے میں سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا؟ وہ بیداری و خوابیدگی کی کوئی ملی جلی کیفیت تھی۔
جس وقت پرکاش بھون کے دروازے پر پہنچے، مرغ بانگ لگا رہے تھے لیکن ابھی ہر
طرف گہرا اندھیرا مسلط تھا۔ سادھو دیوراج کو دیکھ کے سنتریوں نے فوراً دروازہ کھول
دیا۔ مہمان خانے کے گیٹ پر اس نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ میں نے شاردا سے کہہ دیا
تھا کہ وہ باتھ روم کا عقبی دروازہ کھلا رکھے۔ میں عام راستے سے جانے کے بجائے گھوم
کے باتھ روم میں آیا اور میں نے ملاقاتی کمرے سے دنیش کی خواب گاہ میں جھانک کر
دیکھا۔ نرسیں کرسیوں پر سو رہی تھیں۔ شاردا ابھی تک جاگ رہی تھی اور کسی کتاب کے
مطالعے میں مصروف تھی۔ "شاردا!" میں نے ہلکی سی آواز دی۔ میری آواز اور آہٹ پر
وہ گھبرا سی گئی اور بے قراری سے میری طرف لپکی "موہن!" مجھے ڈگمگاتے دیکھ کر اس
نے سنبھالا دیا۔ میں اس کی آغوش میں جھولتا ہوا صوفے پر گر گیا۔ "تم کہاں سے آ
رہے ہو؟" وہ سراسیمگی سے بولی۔

"بعد میں پوچھنا۔ پہلے برابر کا کمرہ کھول کے مجھے وہاں لٹا دو۔ میں شدید
تھکن محسوس کر رہا ہوں۔"

اس نے وہی کمرہ کھول دیا جہاں میں نے چند راتوں پہلے پریم کے ساتھ
شب گزاری تھی۔ میں جاتے ہی تخت پر گر گیا۔ [illegible]
کرتے ہوئے بولی۔ "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

ہاں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں کوئی ایک ہفتے
سے مسلسل جاگ رہا ہوں۔ میرے کوٹ کی جیب میں پستول ہیں اور نقدی موجود ہے
یہ چیزیں کہیں حفاظت سے رکھ دو۔ صبح مجھے جلدی جگا دینا۔ شاید اس وقت تک میرے
حواس ٹھکانے آ جائیں۔

اس نے میرے جوتے اتارے اور سر کے نیچے تکیہ رکھ دیا اور جیبوں سے
تمام سامان برآمد کر لیا۔ میری آنکھیں جل رہی تھیں۔ وہ میرے قریب بیٹھی میرے
بالوں کی لٹیں درست کر رہی تھی اور سر دبا رہی تھی۔ میں نے غنودگی میں پوچھا۔

aazzamm@yahoo.com

"دنیش کیسے ہیں؟"

"ابھی اس کی آنکھ کھلی تھی، تمہیں پوچھ رہا تھا، پہلے بھی دو ایک بار تمہارے بارے میں پوچھ چکا ہے مگر تم آ کہاں سے رہے ہو؟ کپڑے کتنے گندے ہو رہے ہیں۔" اس نے میرے سینے پر سر رکھ دیا۔

ابھی میری آنکھ ہی لگی تھی کہ ہم دونوں دنیش کی آواز پر اچھل پڑے۔ شب خوابی کے لباس میں زخمی دنیش چندر ہمارے سامنے کھڑا تھا۔ "موہن داس!" اس کی آواز جیسے کسی کنوئیں سے برآمد ہوئی۔

☆......☆......☆

میری آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی۔

اس کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ شاردا کا چہرہ میرے سینے میں چھپا ہوا تھا۔ نیش کی آواز بجلی بن کے گری۔ ہم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور اسے اپنے سامنے دیکھ کے دم بخود رہ گئے۔ ہم دونوں کو جیسے کسی نے برف کے پانی میں ڈال دیا۔ آواز ہی نہیں نکلی' نکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ چند لمحوں میں بہت سی کیفیتیں گزر گئیں۔ میرا دوست اجکمار دنیش چندر سامنے کھڑا تھا اور میرے پہلو میں اس کی لائق' حسین اور عزیز بہن ہم دراز تھی۔ میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس لیے کہ پہلے جب بھی میں نے ایسی صورتحال کے بارے میں سوچا تھا' دماغ نے کام نہیں کیا تھا۔ اچانک ہاتھوں' پیروں یں اینٹھن ہونے لگی اور جسم میں پرانی بیماری کے آثار ابھرنے لگے۔ کمرے میں روشنی کم تھی۔ میں دنیش چندر کے چہرے پر چھائی ہوئی بے چینیاں نہ پڑھ سکا۔ اس سے پہلے کہ ہم کوئی جواز پیش کرتے' دنیش نے ہماری مشکل آسان کر دی۔ وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ ہم دونوں دیکھتے رہ گئے۔ شاردا نے لرزتی ہوئی پلکوں سے میرا چہرہ ٹٹولا جو اضطراب سے کھنچا ہوا تھا۔ اس نے دنیش کو اس وقت آواز دی جب وہ کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ وہ اپنی ساڑھی کا پلو درست کرتی ہوئی اٹھی اور مجھ سے کچھ کہے بغیر دنیش کے پیچھے لپکی۔ مجھ سے اپنا بوجھ نہیں اٹھایا جا سکا۔ میں بت بنا بیٹھا رہا۔ رگوں میں خون جم گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس موقع پر کیا کرنا اور کیا کہنا چاہیے تھا۔

میں چند لمحوں تک گم سم بیٹھا شاردا کی واپسی کا منتظر رہا۔ میری حالت پہلے ہی بڑی مخدوش تھی۔ میں نے ایک بے حد مصروف خونریز رات گزاری تھی۔ میلوں پیدل بھاگتا رہا تھا' کہاں کہاں سے زندگی بچاتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ سارا جسم لوتھڑا بنا ہوا تھا۔ یہاں آ کے یہ گولی لگی۔ اس کا زخم اتنا شدید تھا کہ رگ و پے پہ سناٹا طاری

aazzamm@yahoo.com

ہو گیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میں تھوک میں لتھڑا ہوا ہوں اور میرے گال طمانچوں س
سن ہو گئے ہیں۔ مجھے اپنے آپ سے چڑ ہونے لگی۔ اب یہاں خاموش بیٹھے ر
اور نتیجے کا انتظار کرنے کا کیا سوال تھا؟ میں باتھ روم کے عقبی دروازے سے گزر ک
دنیش چندر کے محل سے باہر آ گیا۔ صبح کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ ایک کالی صبح کی
روشنی میں کسی نہ کسی طرح اپنے حواس قائم رکھتا ہوا کوارٹر تک پہنچا۔ ڈالی نے درواز
کھولا۔ وہ مجھے سنبھالتی نہیں تو میں چوکھٹ میں اوندھے منہ گرتا۔ ڈالی کمبخت ایسے ہ
موقع پر آڑے آ جاتی تھی۔ ''کیوں رے! اب کیا پینے بھی لگا ہے؟''

''چپ ہو جا۔'' میں نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔ ''ہر وقت الٹی باتیں
کرتی رہتی ہے۔''

''تو کیسا ہے رے؟ گھڑی میں تولا گھڑی میں ماشا۔ کبھی قریب کرتا ہے' کبھی
دھکے دیتا ہے۔'' وہ زمین سے اٹھتے اور منہ صاف کرتے ہوئے بولی۔

''ڈالی!'' میں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے آپ کو چھڑاتے لگی
میں اس کشمکش میں فرش پر گر گیا تو ڈالی کو ہوش آیا۔ میں زمین پر پڑا ہوا ہانپ رہا تھا۔

''شیرو!'' اس کی کمزور آواز میرے شانوں کے قریب سے آئی۔ ''تیری
حالت تو بڑی خراب معلوم ہوتی ہے' اب تو تو جب بھی گھر آتا ہے' اسی حالت میں آ
ہے۔ تو کس گورکھ دھندے میں پڑ گیا ہے؟'' وہ میرا ماتھا چھوتے ہوئے بولی۔ ''سوچتی
ہوں' تجھ سے کبھی کوئی بات نہیں کہوں گی۔ پر میں کیا کروں؟ شیرو مجھے دق ہو جائے
گی۔''

''اس وقت کچھ مت کہہ' بس میرے قریب بیٹھی رہ۔'' میں نے عاجزی سے
کہا۔ ''میرا تمام جسم دکھ رہا ہے۔''

''ہر وقت تو میری زبان پر تالا لگا دیتا ہے۔'' اس کی آواز رندھ گئی اور و
میرے پیر دبانے لگی۔ ''آج کیا ہو گیا؟''

''ڈالی۔ اب ہمیں یہاں سے جانا ہی ہوگا۔'' میں نے نقاہت سے کہا۔ ''تم
کتنی دیر میں تیار ہو سکتی ہے؟''

''کیوں؟'' وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔ ''کیا ہو گیا؟''

''کچھ نہیں۔ بس اب یہاں سے ہمارا دانہ پانی اٹھ گیا ہے۔ ابھی سویرا ہے
ہم یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں۔ تو تمام کپڑے یہیں چھوڑ دے' صرف نقدی وغیرہ ساتھ

لے لے۔ میں تجھے باہر مل جاؤں گا۔ پھر ہم یہاں سے بہت دور چلے جائیں گے۔
کسی گاؤں یا قصبے میں......'' میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

''پہلے مجھے سچ سچ بتا۔ کیا بات ہو گئی ہے؟''

''تو بکواس بہت کرتی ہے۔ میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہے یا نہیں؟''
میں نے بگڑ کے کہا۔ ''بس جو تجھ سے کہا ہے' اس کا جواب دے۔''

وہ گنگ سی رہ گئی' رو کے کہنے لگی۔ ''مجھے یقین نہیں آتا کہ تو سچ کہہ رہا
ہے۔ تو بھلا اس چنڈال چوکڑی سے کہاں نکلے گا؟''

''یقین نہیں آتا تو یہیں پڑی مستاتی رہ' میں تو چلا۔'' میں نے اٹھنے کی
کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میری پیٹھ درد سے دوہری ہو گئی۔

''لیٹا رہ۔ ابھی لیٹا رہ۔ کیا کہیں سے پٹ کے آیا ہے شیرو؟''

''ہاں تو سچ کہتی ہے۔'' میری ڈوبتی ہوئی آواز ابھری۔

''وہ کون ظالم تیرے ہمدرد تھے جنہوں نے تجھے جیتا چھوڑ دیا؟''

''پہلے کے کچھ تعلقات تھے' کام آ گئے۔'' میں نے سرد آہ بھرتے ہوئے
جواب دیا۔ ''بعض دشمن بھی بڑے بامروت ہوتے ہیں۔''

''آخر ہار گیا؟'' وہ طنز سے بولی۔

''ہاں ہار گیا۔'' میں نے اداسی سے جواب دیا۔ ''چل تیار ہو جا۔''

''میں تو تیار ہو جاؤں گی۔ یہ سوچ لے کہ تو کیا کہہ رہا ہے؟''

''باتیں مت بنا گدڑے کو اٹھا کے چوک والے بس اسٹینڈ پر لے جا' میں
تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔ ہمیں جلد سے جلد راجے پور سے نکل جانا ہوگا' اب
یہاں نہیں رہا جائے گا۔''

''بہت دیر لگا دی پیارے!'' وہ میرے گال پر چپت لگاتے ہوئے بولی۔
''خیر اپنا کیا ہے؟ اپن تو تیرے یار ہیں' جہاں جی چاہے لے چل۔'' یہ کہتی ہوئی وہ
اندر چلی گئی۔ اندر سے کھڑکھڑ کی آواز آنے لگی۔ وہ اپنے مختصر سامان سے ضروری
چیزیں علیحدہ کر رہی ہوگی۔ ڈالی کے لیے اس سے بڑی خبر اور کیا ہو سکتی تھی کہ میں
پرکاش بھون سے باہر جانے اور راجے پور ترک کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا ہوں۔ میں
نے اسے فیصلہ سنا دیا اور وہ کسی پس و پیش کے بغیر میرے حکم کی تعمیل کا اہتمام کرنے
لگی لیکن میں یہ حکم دے کے اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ پرکاش بھون کے دروازے کھلے

aazzamm@yahoo.com

ہوئے تھے' بہت سی سواریاں بھی یہاں سے باہر لے جانے کے لیے ہمہ وقت تیار ملتی تھیں' ڈالی کے پاس معقول رقم بھی تھی' جس سے ہم کوئی اچھا کام ملنے تک اپنا گزارا کر سکتے تھے۔ ہر وقت خون خرابہ' گولیاں' لاشیں' ذلت' خوف' ان سب کا ایک ہی علاج تھا کہ پرکاش بھون کو بھلا کے کہیں دور چلا جائے۔ اب دنیش چندر کے سامنے جانے کی ہمت نہیں تھی۔ جو وقت گزرنا تھا' گزر گیا تھا۔ اچھا بھلا' برا باوَلا مگر میں دیر تک اپنے فیصلے پر قائم نہ رہ سکا۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ پرکاش بھون چھوڑنے کا خیال آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔ ابھی سے دل میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔

میرے جانے کے بعد شاردا کا کیا حال ہوگا اور شاردا کے بغیر مجھ پر کیا گزرے گی؟ پارو بھی بہت یاد آئے گی۔ میرے بغیر دنیش چندر کو کون سنبھالے گا؟ اس پر تو چاروں طرف سے آفتیں آئی ہوئی ہیں۔ اگر جانا ہی ہے تو شاردا کے ساتھ جایا جائے۔ برائی چھوٹی ہو یا بڑی' برابر ہے۔ اس سے جو عہد و پیمان کیے ہیں' ان کا کیا ہوگا؟

عہد و پیماں تو بانو سے بھی کیے تھے' جارج سے بھی کیے تھے' پارو بھی یہی کچھ کہہ رہی تھی۔ کس کس سے عہد نبھاؤ گے میر صاحب؟ موہن داس جی! مگر شاردا؟ اس بھون کی سب سے جدا لڑکی ہے جس نے میرے حوالے سے زندگی کے بڑے سہانے خواب دیکھ رکھے ہیں' کیا میں اسے مایوس کر جاؤں؟ کیا اسے یہ بتاؤں کہ اس نے ایک بزدل' خبطی اور جھوٹے شخص سے آس باندھی تھی اور بڑی غلطی کی تھی۔ پھر وہ اس بھون کے رنگ میں رنگ جائے گی اور پھر کوئی کسی پر اعتبار نہیں کرے گا۔ جو کچھ ہوا' وہ سرے سے غلط ہوا مگر جو ہو گیا' اسے چھوڑ کے اور غلطی کی جائے۔ میری جڑ بڑی کمزور تھی۔ شاردا نے اپنے جذبوں سے اس کی آبیاری کی' دنیش نے مجھے مضبوط بنانے کی کوشش کی' خود میں نے بھی اپنی شاخیں پھیلانے میں کون سی کسر اٹھا رکھی تھی؟ زمین ہی غلط تھی' میں نے اپنا پودا غلط جگہ لگایا۔ یہ تو نوشتۂ تقدیر تھا۔ کون یہ بات یہاں تسلیم کرتا کہ شاردا کبھی مجھ سے متعلق ہو جائے گی؟ ایک دن مجھے اسے باہر لے ہی جانا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ اس دن دنیش چندر مجھے کمینہ' ذلیل اور کم ظرف کہے گا۔ میں نے تو خود کو تماشہ بنا لیا تھا۔ میں اپنے دوست دنیش چندر کی پروا کروں کہ یہاں سے ہمیشہ کے لیے اپنا منہ کالا کر جاؤں؟ شاردا کو سینے سے کھرچ کے پھینک دوں یا شاردا کا خیال کروں اور دنیش چندر کو توڑ پھوڑ جاؤں؟ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں؟

ڈالی گڈے کو گود میں لے کے اور ایک تھیلا کاندھے پر ڈال کے صحن میں آ چکی تھی۔ میں اسی طرح فرش پر پڑا ہوا تھا۔ وہ میرے مزید حکم کا انتظار کرنے کے لیے ٹھہر گئی۔

''تو میں جاؤں؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

مجھے جواب دینے میں ہچکچاہٹ ہوئی۔ ڈالی کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ ابھر آئی۔ وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ ''ابھی کچھ دیر ٹھہر جا' میں سوچ رہا ہوں' یہ وقت مناسب ہے یا نہیں؟''

''مجھے معلوم تھا شیرو کہ بعد میں تو اسی نتیجے پر پہنچے گا۔ چل اب پلنگ پر جا کے لیٹ جا۔ تیرے مقدر ہی میں ٹھوکریں لکھی ہیں۔ تو یہاں سے کبھی نہیں جائے گا۔ بس مذاق کرتا رہے گا۔'' ڈالی زہر اگلنے لگی۔

میں نے چپ سادھ لی۔ تمام باتیں اپنی جگہ درست تھیں مگر میں نے ایک دوسرے پہلو پر غور تو کیا ہی نہیں تھا۔ اس وقت بھون سے جانا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ کچھ ہی دیر میں یہاں ایک سنسنی خیز خبر پھیلنے والی تھی کہ بینا رانی اپنی خوابگاہ میں قتل کر دی گئیں۔ اس کے بعد پرشوتم' کنور پردیپ' اس کے اٹینڈنٹ اور دو دربانوں کے قتل کی خبر ہر شخص کی زبان پر ہوگی۔ ریاست کی پولیس حرکت میں آ جائے گی اور یہاں سے باہر جانے والے ہر شخص پر کڑی نظر رکھی جائے گی۔ ایسے موقع پر بھون سے فرار ہونا خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرنا ہے۔ ایک رات میں چھ قتل؟ اس خیال سے مجھ میں کچھ ہمت عود کر آئی۔ میں ہی ان کا ذمہ دار ہوں۔ یہ ٹانک کسی کم ہمت شخص کے بس کا نہیں تھا۔ گولی کا جواب گولی' اینٹ کا جواب پتھر۔ دنیش چندر بھی کیا یاد کرے گا کہ کسی شخص سے دوستی ہوئی تھی۔ گو سب کیا کرایا خاک ہو گیا۔ تاہم میں نے اپنے ذہن میں اٹھنے والی پشیمانی کی لہریں رات کی محنت کے معاوضے کے طور پر ایڈجسٹ کرنا شروع کر دیں۔ صرف یہی تو گناہ تھا کہ دنیش کی بہن شاردا مجھ سے قریب تھی اور ایک بھائی نے اپنی بہن کو ایک دوست کے ساتھ دیکھ لیا تھا؟ یا یوں کہیے کہ ایک راجکمار نے اپنی راجکماری بہن کو اپنے ایک ملازم کے پہلو میں دیکھ لیا تھا مگر یہ کون سا بڑا گناہ ہے؟ کیا شاردا مجھ سے متاثر نہیں ہو سکتی تھی؟ دنیش چندر اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ میں ایک ادنیٰ ملازم کا بہروپ بھرے ہوئے ہوں اور حاکموں میں کرنل ہارڈنگ کی حسین و جمیل لڑکی ریتا مجھ سے متاثر ہو سکتی ہے۔ کوئی بھی کہیں کسی سے اثر لے سکتا ہے۔ کوئی بھی کسی کے قریب آ سکتا ہے۔ دنیش سے

aazzamm@yahoo.com

دوستی ہے تو اس کی بہن سے کیوں نہیں ہو سکتی؟ جب دنیش کمرے میں داخل ہوا تھا اور اس نے مجھے آواز دی تھی۔ مجھے اسی لمحے تمام باتوں کا اقرار کر لینا چاہیے تھا۔ اس وقت زبان پر فالج کیوں گر گیا تھا؟ چونکہ یہ بات رواداری' اقدار اور دوستی سے میل نہیں کھاتی تھی۔ دنیش خاموشی سے واپس چلا گیا مگر یہ کیوں قیاس کیا جائے کہ اسے یہ منظر دیکھ کے شدید صدمہ پہنچا ہوگا؟ اس کے لیے یہ نظارہ چونکا دینے والا ضرور ہوگا۔ جب اس نے میرے اور اپنے تعلق' میری جانثاری پر غور کیا ہوگا تو اپنی رائے بدل دی ہوگی۔ وہ معاملہ فہم' دوراندیش اور عالی ظرف نوجوان ہے۔ بھون میں ویسے بھی ایک آزاد معاشرہ قائم ہے۔ کیا بھون کی آزاد روی' اپنا بہنوں کی فیاضی اور رانیوں کی کشادہ دلی کے متعلق دنیش کو کچھ علم نہیں ہے؟ وہ سب کچھ جانتا ہے' اس نے انگلستان میں پڑھا لکھا ہے اور وہ جدید اقدار کا حامی ہے۔ مجھے وہیں ٹھہر کے اسے اعتماد سے اپنے اور شاردا کے تعلق کے متعلق بتانا چاہیے۔ میں ایک چور کی طرح وہاں سے بھاگ کے چلا آیا۔ دنیش نہ جانے کیا سوچ رہا ہوگا؟ میں نے شاردا کو بھی کمزور کیا۔ بہرحال اب بھی کچھ نہیں گیا۔ میں دنیش کے پاس جا کے شاردا سے اپنے خصوصی ربط ضبط کا اعلان کیے دیتا ہوں۔ پتہ نہیں شاردا نے اپنے بھائی سے اس بے تکلفی کا کیا عذر پیش کیا ہوگا؟ وہ بڑی بولڈ اور جواں ہمت لڑکی ہے۔ اس نے بے باکی سے اعتراف کیا ہوگا اور دنیش کو میرے سلسلے میں بہت قائل کیا ہوگا۔

ذہن میں خیالوں کی ریل چل رہی تھی اور کانوں میں تیز سیٹیاں سی بج رہی تھیں' اپنے آپ کو تسلی دینے اور قائل کر لینے سے بگڑی ہوئی بات کیسے درست ہو سکتی تھی؟ یہ سب تو دنیش چندر پر منحصر تھا کہ اس نے میرے بارے میں کیا فیصلہ صادر کیا ہے؟ انسان کا کوئی بھروسہ نہیں ہے' پل میں حاتم' پل میں ظالم بن جاتا ہے۔ آدمی کے باطن میں کنویں ہی کنویں ہوتے ہیں' اندھیرے اور گہرے کنویں۔ برسوں کی محنت ایک آوارہ لمحے میں ضائع ہو جاتی ہے۔ برسوں کی دوستی ایک جملے میں ختم ہو جاتی ہے۔ آدمی شیشے کا بنا ہوا ہے۔ چھوئی موئی کا پودا ہے اور آدمی نیم کا درخت ہے اور کھردگا بے حس چٹان ہے۔ اندیشے' وسوسے' گمان' قیاس آرائیاں' میں طرح طرح تاویلیں کر رہا تھا۔ دنیش چندر کے جملے یاد آ رہے تھے۔ وہ اس کا بار بار گلے لگانا' راز کی باتیں کرنا' پروفیسر زاہدی بنا کے راج بھون میں لے جانا۔ بھون کے خاص معاملات میں مشورت کرنا۔ شب بسری کے لیے ترنم کو بخش دینا' اپنے ہاتھوں سے میرے زخموں کی

مرہم پٹی کرنا' سیف کی چابیاں دے دینا' بھٹناگر کی لاش ضائع کرنے میں مدد کرنا۔ وہ اس کی یاری' دوست داری' وضع داری' کیا وہ سب رشتے ایک ناخوشگوار تماشے سے ہوا میں تحلیل ہو گئے؟ ایسا تو نہیں ہوتا۔ اگر میں دنیش کی جگہ ہوتا تو کیا کرتا؟

فرض کرو دنیش نے سب کچھ نظرانداز کر دیا مگر جس تعلق میں جھوٹ اور مصلحت کی آمیزش ہو' وہ ریت کی دیوار ہے۔ میں نے اس سے مسلسل جھوٹے بولے ہیں۔ اس مرتبہ یہ بات ٹل گئی تو کیا ہوا؟ آئندہ کسی بھی لمحے اسے پتہ چل سکتا ہے کہ میں ایک مفرور قاتل ہوں۔ اس کے باپ پرکاش چندر کی موت کا تھوڑا بہت سبب بھی میں ہوں' اس کے بڑے بھائی مہیش چندر کو میں نے ہلاک کیا تھا۔ میں پولیس سے چھپتا بھاگتا پھر رہا ہوں اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ میرا نام موہن داس کے بجائے جمشید عالم ہے۔ وہ کہاں تک درگزر کرتا رہے گا؟ جب میرے چہرے سے نقابیں اٹھیں گی اور میرا اصل رنگ نظر آئے گا تو میں اس کی نظروں میں کیسا نظر آؤں گا؟ اسے کیا جواب دوں گا کہ خطا اس پہلے جھوٹ کی ہے جو میں نے غلطی سے بول دیا تھا۔ ڈالی نقدی کا تھیلا اندر کسی جگہ محفوظ رکھ کے صحن میں آ گئی اور گڈے کو ایک طرف بٹھا کے چولہا جھونکنے لگی۔ وہ گیلی لکڑیوں میں پھونکیں مار رہی تھی اور سیاہ دھواں اس کے اردگرد اٹھ رہا تھا۔ میں بھی ایک گیلی لکڑی تھا جس میں کبھی کبھی آگ لگ جاتی تھی تو دھواں اٹھنے لگتا تھا۔ نہ خشک ہوتا تھا کہ پوری طرح جل جاؤں۔ میں بھی رفتہ رفتہ جل رہا تھا۔ ذہن کی عدالت کوئی فیصلہ کرنے میں ناکام ہو گئی۔ اس لیے کہ مقدمہ بڑا پیچیدہ تھا۔ نہ میں شاردا کو چھوڑ سکتا تھا' نہ زخمی دنیش سے اس عالم میں دور ہو سکتا تھا۔ نہ دنیش چندر کے سامنے آنکھیں اٹھانے کی طاقت تھی' نہ یہ موقع فرار ہونے کا تھا۔ ریاست کی پولیس کے کتوں کی زنجیریں کھولی جانے والی تھیں۔ آدمی شرمساری' ذلت اور بے غیرتی سے بچنے کی خاطر اگر کچھ دنوں کے لیے اپنا وجود جن بھوتوں کی طرح دوسروں کی نظروں میں معطل کرنے پر قادر ہوتا تو کتنے آزار سے بچ جاتا۔

فرش پر اسی طرح سوال و جواب کرتے' جلتے اور تڑپتے ہوئے دیر ہو گئی۔ ڈالی نے چائے تیار کر لی تھی۔ یونہی پڑے پڑے ٹھنڈی ہو گئی۔ ادھر گڈا رو رہا تھا۔ وہ بار بار میری طرف ہمکتا تھا اور میری سردمہری دیکھ کے رونے لگتا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ میری کیفیت اس سے مختلف نہیں ہے۔ گڈے کے پاس تو ڈالی ہے۔ اس کی ماں' میرے پاس کون ہے؟ شروع شروع میں تو ڈالی ادھر ادھر اکڑی' اینٹھی' مجھ سے کنارہ

aazzamm@yahoo.com

کش صحن میں پھرتی رہی۔ پھر اسے میری حالت پر ترس آ گیا۔ اس نے چائے کا ایک اور پیالہ بنا کے میرے سامنے رکھ دیا۔ مجھے دھپ مار کے اٹھایا۔ میں اٹھ کے تھم سے ٹک گیا۔ ڈالی ایک لوٹا پانی لے آئی اور چلو میں پانی بھر کے اس نے میرا منہ دھلایا۔ میری آنکھیں صاف کیں' ہاتھ صاف کیے اور اپنے پلو سے میرا منہ پونچھا۔ پھر اس نے ایک گلاس میں پانی دے کے مجھے کُلی کرنے کا اشارہ کیا۔ اندر سے کنگھا لا کے وہ میرے بال کاڑھنے لگی۔ اسے کچھ اور خیال آیا۔ میرا کوٹ' قمیص اور بنیان اتار کے اس نے دوسرا لباس پہنایا۔ جو لباس وہ مجھے نہیں پہنا سکتی تھی' اسے میرے سپرد کرتے ہوئے بولی۔ ''جا' اندر جا کے بدل لے۔''

جب میں لباس تبدیل کرکے آیا تو وہ مختصر سا ناشتہ فرش پر لگا چکی تھی جس پر گڈا ہاتھ مار رہا تھا۔ میں نے اسے گود میں بٹھا لیا۔ ڈالی کی خاطر چند لقمے تیز تیز زہر مار کیے۔ معدے نے چائے کے ایک پیالی اور چند لقموں کے عوض کچھ رعایت دی۔ کھنچی ہوئی رگیں ڈھیلی پڑنے لگیں۔ سوچتا رہا کہاں جاؤں' ممکن ہے دنیش چندر کی طرف سے میری برطرفی کا ہرکارہ آجائے؟ یا شاردا کی طرف سے کوئی پیغام موصول ہو؟ پتہ نہیں دنیش کی طبیعت اب کیسی ہے؟ رات وہ جاگ رہا ہوگا اور میری آمد کی آہٹ پا کے خیریت دریافت کرنے کے لیے بے چین ہو گیا ہوگا۔ اندر دیکھا تو یہ ناٹک جما ہوا تھا۔ ڈالی برتن دھونے کی ٹرے اٹھائے ہوئے تھی کہ دروازے پر دستک کی آواز آئی۔ ٹرے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس نے بے بسی سے مجھے دیکھا۔ میں اٹھ کے دروازے پر گیا۔ دنیش چندر کے سیکرٹری کا ایک ماتحت مکٹے سراسیمہ حالت میں کھڑا ہوا تھا۔ ''موہن داس جی!'' اس نے ہاتھ جوڑ کے ایک ہی سانس میں کہا۔ ''راجکمار دنیش نے آپ کو فوراً طلب کیا ہے۔''

''کیوں؟ کیا ہو گیا؟'' میں نے سرد مہری سے پوچھا۔

''کوئی غیر معمولی بات ہو گئی ہے موہن داس جی! راجکمار نے نرسوں اور ڈاکٹروں کو باہر نکال دیا ہے اور حکم پر حکم دے رہے ہیں۔ گہرا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔''

''اچ چھا۔'' میں نے مسکرا کے کہا۔ ''ان سے جا کے کہو کہ غلام حاضر ہوتا ہے۔''

''میرے ساتھ چلیے۔''

''کیا؟'' میری آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ گھبرا گیا اور مجھے پرنام کرتا ہوا

واپس چلا گیا۔

دنیش نے بلایا تھا' گالیاں دینے اور ذلیل کرنے کے لیے بلایا ہوگا؟ تھانہ سمجھ کے چلو۔ میں نے گڈے کو ڈالی کی گود میں رکھا۔ ''حوصلہ رکھ ری۔''

یہ کہہ کے میں خود ہی جھینپنے لگا۔ ڈالی کا چہرہ مجھ سے نہیں دیکھا گیا۔ میں نے اپنے آپ کو جلد ہی گھر سے نکال لیا۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ باندی بینارانی کے کمرے میں حسب معمولی خدمات انجام دینے گئی ہوگی اور اس نے بینارانی کا خون میں لت پت بدن دیکھا ہوگا۔ پھر وہ دوڑی دوڑی پریت کے پاس گئی ہوگی یا رات کو پرشوتم کے واپس نہ آنے پر جگدیپ نے بینارانی کو فون کیا ہوگا۔ وہاں سے کوئی جواب نہ ملنے پر اس نے پریت سے رابطہ قائم کیا ہوگا اور پریت سمجھ رہی ہوگی کہ اس کی ماں نے رات کو تنہائی دور کرنے کے لیے پرشوتم کو طلب کیا ہوگا۔ ادھر کنور پردیپ کا پرسنل اسٹاف کنور جی کو جگانے کے لیے اوپری منزل تک آیا ہوگا تو اٹینڈنٹ اور کنور کا خون دیکھ کے ان کی آنکھیں پھٹ گئی ہوں گی۔ جب صبح سویرے دونوں دربانوں کو حفاظتی عملے نے صدر دروازے پر بے حس و حرکت پڑے دیکھا ہوگا تو حویلی میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا ہوگا۔ پھر ہاتھی پرشوتم کی لاش دریافت کرنے والا سب سے پہلے خبر سنانے کے شوق میں اچھلتا ہوا متعلقہ لوگوں کے پاس پہنچا ہوگا۔ جگدیپ کو اطلاع دی گئی ہوگی کہ پتا جی بہادر پرلوک سدھار گئے یعنی انہیں جبراً پرلوک بھیج دیا گیا۔ راجے پور کے مہاراجا' راجکماری کنول' آفیسر ان کمانڈ کرنل ہارڈنگ راجے پور اور اس سے ملحق انگریز چھاؤنی میں جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پھیل جائے گی۔ جگدیپ سلسلے ملا رہا ہوگا۔ سلسلہ ملانا کوئی ایسی مشکل بات نہیں تھی۔ سامنے کی باتیں تھیں' رات کوئی بینا رانی کے کمرے میں داخل ہوا' اس نے بینا رانی سے پرشوتم کو بلوایا۔ درمیان میں اسے شوٹ کرکے پرشوتم کے ساتھ حویلی میں داخل ہوا اور جہاں جہاں اس نے ضرورت سمجھی' خون کر آیا۔ گویا قاتل پرکاش بھون سے روانہ ہوا۔ پرکاش بھون کا کوئی شخص مگر کون شخص؟ دربانوں کی موجودگی میں کون اندر داخل ہو گیا؟ موہن داس؟ وہ تو دنیش چندر کے ہاں موجود تھا۔ برابر کے کمرے میں شاردا تھی۔ وہ اس امر کی گواہ ہے' ہاں یہ اور بات ہے کہ دنیش چندر یا شاردا گواہی دینے سے انکار کر دیں؟

مجھے محسوس ہوا کہ بھون میں ایک سراسیمگی اور سنسنی دوڑی ہوئی ہے یا یہ میرے اندر کی اداسی اور لرزہ خیزی تھی کہ ہوائیں بدلی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ کچھ دور

aazzamm@yahoo.com

آگے جا کے ملازموں میں تیزی' تندہی اور گرمی نظر آئی۔ ہر صبح ایک تازہ واردات پرکاش بھون کے محکوموں اور حاکموں کے لیے ایک تازہ خبر' صبح کا ناشتہ۔ آگے بڑھتے بڑھتے مجھے اپنی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی مصنف اپنی کہانی کے تاثرات کے لیے قارئین کے چہرے تکتا رہتا ہے یا ناٹک کا ہدایتکار دروازے پر کھڑے ہوئے تماشائیوں کی کھلبلی اور بے چینی سے اپنے کام کی قدر و قیمت کا تخمینہ لگاتا ہے۔ مجھے بھی اپنے رات کے ناٹک کا ردعمل دیکھنے کی بے چینی تھی۔ میں نارمل انداز میں اپنے ہم پیشہ لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا دنیش کے محل میں داخل ہوگیا۔ دربان نے پرنام کرکے سب سے پہلے یہ خبر مجھے سنانے کا اعزاز حاصل کیا کہ بیمار رانی اپنے کمرے میں مردہ پائی گئی ہیں۔ میں نے حیرت اور افسوس کا اظہار کرکے اسے متوقع داد دی۔ راہداری میں غیر معمولی سرگرمی پائی جاتی تھی لیکن مجھے سردی لگنے لگی۔ میرے آئندہ دنوں کی خوشی و ناخوشی کا انحصار دنیش چندر کے موجودہ رویئے پر تھا اور اب وہ لمحہ قریب آ گیا تھا جو مجھے صبح سے شش و پنج میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔ میں نے طے کیا تھا کہ میں کوئی جواب نہیں دوں گا۔ جو دنیش کہے گا' خاموشی سے سنتا رہوں گا اور آخر میں درخواست کروں گا کہ وہ مجھے عزت کے ساتھ بری کر دے۔

آج تو سبھی سویرے سویرے جاگ گئے تھے۔ رانیاں' ان کی بیٹیاں' دنیش کے ملاقاتی کمرے میں غیر رسمی لباس میں ملبوس عورتوں کا اچھا خاصا مجمع ہو گیا۔ وہاں پارو بھی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا تو جیسے کسی نے اس کی آنکھوں کا بٹن دبا دیا۔ ان میں روشنی ہو گئی۔ وہ میری طرف لپک کے آنا چاہتی تھی مگر ٹھہر گئی۔ دوسری عورتوں نے سرسری طور پر مجھے دیکھا اور آپس میں گفتگو کرنے لگیں' وہ سب ٹکڑیوں میں ہی ہولے ہولے سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ دنیش کی خوابگاہ میں جاتے وقت میرے قدموں کو ہچکچاہٹ کا احساس ہوئی۔ ایک مجرم عدالت میں داخل ہو رہا تھا۔ ایک ملبوس شخص ننگا ہونے والا تھا۔ میں جیسے ہی اندر داخل ہوا' دنیش مجھے دیکھ کے اچھل پڑا۔ اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ سر سے پیر تک اس کی نظروں نے میرا احاطہ کیا۔ میں کسی نافرمان بچے کی طرح سعادت مندی سے کھڑا ہوگیا جس کا کوئی جرم پکڑ لیا گیا ہو۔ کمرے میں دو ایک نرسیں تھیں۔ مجھے ان کی موجودگی سے سہارا ملا۔ پھر دنیش کے لبوں پر ایک معنی خیز تبسم ابھرا۔ اس نے اشارے سے مجھے اپنے قریب بلایا۔ میں اس کے پلنگ پر گیا تو اس نے نرس سے چادر درست کرنے کے لیے کہا۔ نرسیں کچھ دور تھیں۔ ''تم صبح کہاں چلے

تھے؟'' اس نے اپنی روایتی اپنائیت سے کہا۔

میں نے اپنی نم آنکھوں سے ایک نظر اسے دیکھا' پھر میری نظریں خود بخود جھک گئیں۔ ''شاردا بھی پریشان تھی کہ تم اچانک کہاں چلے گئے؟ کہہ رہی تھی کہ تم بہت تھکے ہوئے آئے تھے اور نیم بے ہوشی کی حالت میں تھے۔''

''دنیش بابو!'' میں نے ندامت سے صرف اتنا کہا اور خاموش ہو گیا۔

''رات تو تم نے کمال کر دیا۔'' وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔

''دنیش بابو! کیا آپ نے مجھے میری رات کی کارکردگی کے معاوضے میں معاف کیا ہے؟'' میری آواز بھرا گئی۔

''بالکل پاگل ہو۔ بہرحال بات ہوگی۔ میں نے تو تم سے کچھ نہیں کہا تھا۔ خاموشی سے واپس چلا آیا تھا۔''

میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔ ''اس ہنگامے میں کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ میں تم سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ اسی لیے میں نے تمہیں بلا لیا' سب کام ٹھیک تو ہوا ہے؟''

''ہاں کوشش تو یہی کی ہے۔'' میں نے آہستگی سے جواب دیا۔

''تم نے پھر ایک رات جاگ کر گزار دی مگر یہ ممکن کیسے ہوا موہن؟ سمجھ میں نہیں آتا' تم تو کوئی جادوگر ہو۔''

چادریں درست کرکے میں اس کے پاس مستعد کھڑا ہو گیا کیونکہ پارو اندر آ گئی تھی۔ دنیش اس کے سامنے مجھے حکم دینے لگا۔ ''اب ادھر ادھر کہیں نہ جانا' مجھے تمہاری ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

''دنیش! تم نے سنا؟'' پارو نے آتے ہی کہا۔ ''تمہارا سیکرٹری کہتا ہے' ابھی ابھی خبر آئی ہے کہ راجے پور سے باہر جانے والے ہر راستے پر مسلح پولیس تعینات کر دی گئی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قاتل دربانوں کو مار کے حویلی سے باہر چلا گیا اور وہ اس وقت راجے پور ہی میں کہیں موجود ہوگا۔ کیسا سنسنی خیز واقع ہے۔'' پارو نے دنیش کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جہاں راج پاٹ کے چکر ہوں' وہاں ایسے واقعات معمولات میں شامل ہوتے ہیں۔ قاتل بھی کسی کا آلہ کار ہے۔ یقیناً اس کی کوئی ذاتی دشمنی کنور پردیپ سے نہیں ہوگی۔'' دنیش نے بے پروائی سے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

''مگر ایک ہی رات میں اتنے قتل؟'' پارو حیرانی سے بولی۔

''ان معاملوں میں گھنٹوں میں شہر کے شہر ختم ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اپنی طرف دیکھنا چاہیے۔ آج وہاں گولی چلی ہے' کل یہاں کا نمبر بھی آ سکتا ہے۔''

''یہاں کا نمبر تو پہلے ہی آ چکا ہے۔'' پارو مجھے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ پھر اچانک مجھ سے مخاطب ہوئی۔ ''موہن! تمہیں یہ خبر کس وقت معلوم ہوئی؟'' میں سٹپٹا گیا۔ پارو نے خلاف توقع دنیش کے سامنے مجھ سے بے تکلفی میں سوال کر کے شرارت کی تھی۔ ''جی' مجھے ابھی پتہ چلا ہے پارو رانی!''

''آہ بینا رانی! وہ تو تم پر خاصی مہربان تھیں۔''

''جی ہاں' بڑا خیال رکھتی تھیں۔ ان کا غصہ بھی پیارا لگتا تھا۔'' میں نے پارو کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔ دنیش کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ وہ میرے ساتھ پارو کے سوالوں پر کسمسا رہا تھا۔ پارو نے آنکھوں آنکھوں میں مجھے اشارہ کیا کہ آج میں اس کی طرف ضرور پہنچوں۔ میں نے اقرار میں پلکیں جھپکائیں۔ پارو اپنے حملوں سے باز آ گئی۔ پھر کوئی فون آ گیا۔ پارو غور سے دنیش کی گفتگو سننے لگی۔ یہ آفیسر ان کمانڈ کرنل ہارڈنگ کا فون تھا۔ وہ بینا رانی کے قتل کی تفصیلات پوچھ رہا تھا اور افسوس کا اظہار کر رہا تھا۔

دنیش چندر اپنی دوستی کے ایک بڑے امتحان میں صاف کامیاب ہو گیا۔ اس نے بڑی چابکدستی اور خوبصورتی سے آخرِ شب کے سنگین واقعے پر اپنی بے نیازی کا اظہار کر کے مجھے ایک بڑے عذاب سے بچا لیا۔ صبح سے مایوسی' خالی الذہنی اور ناتوانی تھی۔ اس وقت ایسا محسوس ہوا جیسے دنیش نے مجھے طاقت اور اعتماد کا انجکشن لگا دیا ہو۔ میرا جی چاہتا تھا' اس سے لپٹ کر آنسو بہاؤں لیکن میں ندامت اور ممنونیت کا اظہار بھی نہ کر سکا۔ میرے لیے دنیش چندر کے تمام رویوں میں یہ سب سے حیرت انگیز رویہ تھا۔ شاردا اس بھون کی عصمت تھی' عصمت کی علامت' راجے پور کے اس خاندان کی ناموس' سچی ناموس۔ اس کا دامن چاندنی کی طرح اجلا تھا۔ سب اس کی قدر کرتے تھے' مہاراجا امرناتھ کی رائے میں وہ اس بھون کی سب سے قیمتی لڑکی تھی مگر وہ اس بھون کے ایک سستے ملازم سے وابستہ تھی جس کے خاندان کا کچھ پتہ نہیں تھا اور جو بڑی مشکوک حیثیت رکھتا تھا۔ جانے کون تھا؟ کیا تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ شاردا اس سے متاثر تھی۔ راجکماری شاردا' مہذب' نفیس' حسین' تعلیم یافتہ۔ مجھے ایک خیال آیا کہ

چندر نے کہیں مجھ سے مفاہمت تو نہیں کی ہے؟ اس لیے کہ وہ چاروں طرف سے ...دوں میں گھرا ہوا ہے اور اسے میری ضرورت ہے۔ اس نے جان بوجھ کر درگزر تو ...ں کیا ہے؟ راجے' مہاراجے اقتدار کی امید میں اور اپنی زندگی کی ضمانت کے لیے ...ے بڑے سودے کر لیتے ہیں۔ راج محلوں میں' مہیش چندر کا تعلق اس عورت سے ...ہے جو اس کے باپ پرکاش کی زوجیت میں ہے۔ راجکماریاں اپنے بھائیوں سے ...ر ہیں اور سازشیں کرتی رہتی ہیں۔ دنیش بھی اسی مٹی کی پیداوار ہے۔ میں نے مختلف ...نوں پر ثابت کر دیا ہے کہ میں اس کے لیے کس قدر کارآمد آدمی ہوں۔ میں ایک ...ات میں چھ قتل کر سکتا ہوں۔ میں اس کی بہترین ڈھال ہوں' میرا پیادہ ایسے خانے ...ں رکھا ہوا ہے جس کے پیچھے بادشاہ پوری طرح محفوظ ہے۔ اگر یہی بات ہے تو یہ ...ے لیے سوہانِ روح ہے۔ دنیش بظاہر تو ایسا نظر نہیں آتا۔ اس کے سوا میرے پاس کیا چارہ ہے کہ جب تک حالات موافق نہ ہوں' میں بھی مفاہمت کا راستہ اختیار ...وں۔ دنیش نے کرنل ہارڈنگ کو تفصیل کے ساتھ گزشتہ رات کے واقعے سے مطلع کر ...تھا۔

اسی لمحے باہر سے رونے پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔ پارو بھاگی ہوئی باہر ...گئی۔ نرسیں بھی دروازے سے باہر جھانکنے لگیں۔ دنیش نے پھر مجھے اپنے قریب بلا ...''اب رات ہی کو تم سے بات ہو گی۔'' وہ تذبذب سے بولا۔ ''مجھے خدشہ ہے کہ ...تم پر شک کرتی ہے؟''

''وہ اب بے ضرر ہے۔ میں نے اس کا زہر نکال لیا ہے۔''

''ہائیں؟ کیا مطلب؟'' وہ تعجب سے بولا۔ ''یہ بھی ایک نئی خبر ہے' یعنی۔ ...جھجک کے بولا۔ ''اعتماد کیا جا سکتا ہے؟''

''بڑی حد تک۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

''کاش میں ان سب کو باہر نکال سکتا اور تم سے باتیں کرتا۔ باہر سے رونے ...کیسی آوازیں آ رہی ہیں جیسے انہیں بینا رانی کا شدید غم ہے۔ شاید پریت اندر آ گئی ...تھا؟''

''آپ اپنی طرف توجہ دیجیے۔ ابھی زخم بھرا نہیں ہو گا۔''

''ممکن ہے' کچھ دنوں کے لیے آرام میسر آ جائے۔''

''کاش ایسا ہو ورنہ پھر گنتی زیادہ ہو جائے گی۔''

aazzamm@yahoo.com

''بچپنا بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''مجھے اس کا اندازہ ہے۔ آپ کے جلد صحت یاب ہونے کا انتظار ہے۔ بہرحال اس موقع پر آپ کی زخمی حالت بھی کچھ ٹھیک ہی ہے۔ اتنی عجلت نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔''

''تمہارے ذہن میں کچھ بڑے منصوبے معلوم ہوتے ہیں۔''

''میں نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کے کیا تھا۔''

''اب کیا ارادہ ہے؟'' وہ رازداری سے بولا۔

''کریاکرم سے نمٹ لیجئے' رات کو بات ہوگی۔''

کچھ عورتیں روتی ہوئی داخل ہوئیں اور دنیش کا کمرہ اچھا خاصا ماتم کدہ بن گیا۔ میں پریت کو دیکھنے کے لیے بے قرار تھا۔ اس لیے موقع ملنے پر بلکتی ہوئی عورتوں کے درمیان پہنچ گیا۔ عجیب بات تھی کہ وہاں شاردا موجود نہیں تھی۔ پریت ہر طرف سے ماتم گساروں میں گھری ہوئی تھی۔ ایسے عالم میں کسی قاتل کا ردعمل کیا ہو سکتا ہے؟ مختلف لوگوں کا مختلف ہوگا۔ اصل میں یہ عام لوگوں کا نہیں قاتلوں کا معاملہ تھا۔ کبھی وزن اس طرف زیادہ ہو جاتا تھا' کبھی اس طرف۔ پریت کو کم سے کم یہ خیال کبھی نہ آیا ہوگا کہ اس کی ماں بھی نشانہ بن سکتی ہے یا جوابات اتنے شارپ اور براہِ راست طریقے سے دیئے جا سکتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے نمودار ہونے پر کئی آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوئی' نتھنے پھولے' اوپر کے ہونٹ نچلے ہونٹوں پر حاوی آنے لگے۔ میں بھی اداس اور دلگیر تھا۔ کسی نے آ کے کہا کہ دنیش' پریت کو اندر بلا رہا ہے۔ پھر کچھ ایسی آوازیں آئیں جیسے پریت اندر جانے سے انکاری ہو۔ خوب' مجھے پریت کی یہ ادا پسند آئی۔ اس میں ایک بانکپن ضرور تھا۔ گویا وہ جانتی تھی کہ ہدایت نامہ دنیش چندر کی جانب سے جاری ہوا ہوگا۔ بزرگ لوگوں نے بہ اصرار اسے اٹھایا۔ ایک کونے میں یہ ملازم سمٹا ہوا کھڑا تھا۔ پریت کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ دروازے کے قریب اس کی نظر مجھ پر پڑی' وہ حواس باختگی سے ایک قدم پیچھے ہٹی' پھر ٹھٹھک کے رک گئی۔ اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں۔ یقیناً میرے ردعمل سے اسے مایوسی ہوئی ہوگی۔ میں پلک جھپکائے بغیر اسے گھورتا رہا۔ اسے رونا آ گیا۔ یہ لمحوں کی بات تھی۔ ممکن ہے کسی نے بطور خاص توجہ دی ہو۔ عورتیں پریت کو سنبھالتی ہوئی دنیش کے پاس لے گئیں۔ میں باہر ٹھہرا رہا۔ پارو میرے قریب سے یہ کہتی ہوئی

گزر گئی کہ ''موہن! بھون سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔''

پارو نے مجھے چونکا دیا۔ کیا کل رات کسی نے مجھے دیکھ لیا تھا؟ دیکھنے کی کیا بات ہے۔ میں سامنے کا دیکھا بھالا شخص ہوں۔ دنیش بیمار ہے اور مجھ سے زیادہ کوئی اس کے قریب نہیں ہے۔ جس طرح میں نے پرشوتم کو درمیان سے ہٹایا ہے' اسی طرح مجھے ہٹا دیا جائے گا بلکہ یہ سبق میں نے انہیں سے حاصل کیا تھا۔ بس ایک بات سے طرح کانپتی تھی۔ پولیس کی مداخلت مجھے پسند نہیں تھی۔ پارو کا اشارہ واضح تھا۔ انہوں نے پولیس کے سامنے اپنے شک کے طور پر مبہم الفاظ میں میرا نام نامی لیا ہوگا۔ پولیس کس کی؟ ریاست کی۔ ریاست کس کی؟ جاگیرداروں کی۔ سیاہ و سفید کے مالکوں کی۔ مجھے اپنی جیبوں میں پستول کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔ ہتھیار تو چھوٹا سا ہے مگر اس سے بڑا سہارا رہتا ہے۔ رات تمام نقدی اور پستول میں نے شاردا کے حوالے کر دیئے تھے۔ جیسے جیسے دن چڑھتا گیا' بھون کی سوگوار فضا میں تیزی آ گئی۔ رونے والوں کا شور بڑھتا گیا اور تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ جگدیپ کو ادھوری صحت کی حالت میں ایک خصوصی ایمبولینس کے ذریعے اس کی حویلی بھیج دیا گیا۔ اٹھنے کے قابل ابھی وہ کہاں ہوگا۔ کرسی پر بیٹھ کر اپنے باپ کا آخری درشن ضرور کر سکتا تھا۔ جگدیپ کے قیام کی وجہ سے یہ جگہ سازشوں کا مرکز بن گئی تھی۔ ادھر وہ زخمی تھا' ادھر دنیش زخمی تھا۔ ادھر بینارانی کی ارتھی تیار پڑی تھی' ادھر کنور پردیپ بہادر کی۔ اب فریقین کو اصولاً اور اخلاقاً تھک جانا چاہیے تھا۔

دن کم' واقعات زیادہ ہو گئے تھے۔ گزشتہ چند دنوں میں بڑے تیز جوابی حملے ہوئے تھے لیکن آج کا واقعہ سب سے شدید تھا۔ ریاست راجے پور کی سیاست پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہونے کا امکان نظر آتا تھا' مجھے اندازہ تھا کہ بات کنور پردیپ کے قتل پر ختم نہیں ہو جائے گی۔ یہ تو ابتدا تھی۔ آنے والے دنوں کے مختلف نقشے میرے ذہن میں ابھر رہے تھے۔ میں اپنے سائے تک سے محتاط تھا۔ قسمت شروع سے نامہربان رہی تھی۔ میں نے اسے اور ناراض کر دیا تھا۔

بینارانی کی ارتھی بڑی دھوم سے اٹھی۔ پریت نے بڑی برداشت کا ثبوت دیا تھا۔ اس کے بعد عمداً میں اس پرکٹی' زخمی مچھلی کے سامنے نہیں گیا۔ راجے پور کے معززین کا ایک بڑا ہجوم ارتھی کے ساتھ تھا۔ لوگوں میں عجب چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ انگریزوں کی نمائندگی میجر رابرٹ کر رہا تھا۔ دنیش چندر بھی ایک کار میں ارتھی کے جلوس

aazzamm@yahoo.com

میں شامل تھا۔ طے یہ ہوا تھا کہ پہلے بینارانی کا کریاکرم کر دیا جائے' پھر کنور پردیپ کی حویلی سے ارتھیاں اٹھیں۔ ریاست کے ڈاکٹروں اور پولیس کے سراغ رسانوں کو لاشوں کی تحقیق و تفتیش کا خاصا وقت مل گیا تھا۔ تمام نشانات محفوظ کر لیے گئے تھے میرے کان ادھر ادھر کی خبریں سونگھ رہے تھے۔ بینارانی کو صندل کی لکڑی میں جلانے کے بعد بھون کے تقریباً سبھی افراد جگدیپ کی حویلی کی طرف چلے گئے۔ صرف بچے بوڑھے اور ملازم رہ گئے اور سوگوار پریت کے کمرے میں چند عورتیں رہ گئیں۔ بھون میں ہر طرف سے سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ دنیش کی نوخیز بھانجی نے میرے راستے میں حائل ہو کے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرلی۔ وہ چٹکنے کے مرحلے میں تھی' کچی کچی ناشپاتی' چھوٹی اور لمبی ہری مرچ کی طرح' مینا کی طرح وہ چہچہاتی تھی۔ مجھے دیکھا تو کھنچی ہوئی میرے پاس چلی آئی اور کہنے لگی۔ ''موہن داس! ہمیں ڈر لگ رہا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''آپ یہاں بیٹھ جائیے' میرے پاس۔''

''تم ہماری طرف کیوں نہیں آتے؟'' وہ ناراضگی سے بولی۔

''کیسے آئیں' آپ نے بلایا ہی نہیں۔'' میں نے شوخی سے کہا۔

''ہم......'' وہ لچک کے شرما کے بولی۔ ''ہم کیسے بلائیں؟''

''جس طرح بلایا جاتا ہے۔ ایک لڑکی ایک لڑکے کو جس طرح یاد کرتی ہے۔'' میں نے اس کی شوخ آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

''ہم نہیں جانتے' تمہی بتاؤ۔'' وہ ناز سے بولی۔

''دیکھیے۔'' میں نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''جب کوئی لڑکی کسی لڑکے سے یا لڑکا کسی لڑکی سے باتیں کرنے کا آرزومند ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے ہوں تو ان کی آنکھیں باتیں کرتی ہیں۔ ان کے جسم آپس میں باتیں کرتے ہیں مگر آپ ابھی......'' میں کہتے کہتے رک گیا۔

''بات پوری کرو' تمہارے بارے میں مشہور ہے کہ تم بہت اچھے لگتے ہو' بڑی اچھی باتیں کرتے ہو' مجھ سے باتیں کرو نا۔'' وہ شیدائیت سے بولی۔

''اچھا؟ کیا کہتے ہیں لوگ میرے بارے میں؟''

''کہتے ہیں' وہ ایک سندر آدمی ہے۔ بالکل پرنس لگتا ہے۔ بینا آنٹی جو گئیں۔ وہ بھی یہی کہتی تھیں۔''

''اور کیا کیا کہتے ہیں؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''پہلے تم بتاؤ' تم کیا کہہ رہے تھے؟'' وہ ضد کرنے لگی۔

''میں کہہ رہا تھا' آپ ابھی اور لوگوں سے چھوٹی ہیں نا۔ ابھی وقت ہے' بس تھوڑی سی دیر۔'' میں نے اِسے سرتاپا دیکھتے ہوئے کہا۔ ''پھر دیکھیے لوگ آپ کو کس طرح اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور آپ انکار کر دیں گی۔''

''میں کوئی بہت چھوٹی ہوں۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''ایسی بھی نہیں مگر دوسروں کے مقابلے میں۔''

''بس بس ٹھیک ہے' ہم جا رہے ہیں......''

''ارے کہاں؟'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''کیا آپ ناراض ہو گئیں؟ سنیے تو' میرے کہنے کا مطلب......''

''نہیں' تم گدھے ہو۔'' وہ اپنا ہاتھ چھڑا کے پیر پٹختی ہوئی چلی گئی اور مجھے حیرتوں میں ڈبو گئی۔

وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس ثابت ہوئی تھی۔ میں نے اس کے خطاب پر غور کرنا شروع کیا' اس سے پہلے بھی مجھے یہاں متعدد خطابات سے نوازا گیا تھا۔ بڑے لوگ خطابات عطا کرنے میں بڑے فیاض ہوتے ہیں۔ وہ مجھے مبہوت کر گئی۔ شام تک میں دنیش چندر کے ملاقاتی کمرے میں بیٹھا گھاس کھاتا رہا اور جگالی کرتا۔ روشنیاں جل گئیں تو میرے اعصاب بجھنے لگے۔ فون کی گھنٹی ٹرر ٹرر بجنے لگی۔ میں نے ٹیلی فون اٹھایا تو کسی نے سخت آواز میں پوچھا۔ ''موہن داس؟''

''ہاں' میں ہی ہوں۔ کون مہاشے بول رہے ہیں؟'' میں نے حیرت زدہ سادگی سے پوچھا۔ ''فرمائیے' کیا کام ہے؟''

''کام وام نہیں ہے۔'' آواز درشت ہو گئی۔ ''ایک بات کہنی تھی۔''

''حکم؟'' میں نے محتاط انداز میں کہا۔

''موہن داس! تیار رہ' اب تیرے برے دن آ گئے ہیں۔'' کوئی نفرت اور غصے سے بولا۔ ''تو نے راجے پور کے بلوانوں کو نہیں دیکھا' وہ بدلہ لینا جانتے ہیں۔''

''کیسا بدلہ؟ کس کا بدلہ؟'' میں نے الجھتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کون مہاپرش ہیں؟ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں موہن داس توپرکاش بھون کا سیوک ہوں۔ آپ کون سے موہن داس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟''

''حرامزادے۔'' اس کے بعد مغلظات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری

aazzamm@yahoo.com

ہو گیا۔ میں سنتا رہا۔
جب وہ تھک گیا تو میں نے پوچھا۔ ''کچھ اور رہ گئی ہیں؟''
''ہم تجھے دیکھ لیں گے۔''
''میں یہیں رہتا ہوں' کسی دن ضرور ادھر آؤ۔'' جواب میں چند اور تا
گالیاں سنائی گئیں جن میں میرے مرحوم والدین کا ذکر تھا۔
میں نے فون بند کر دیا تاکہ کہیں کوئی غلط بات زبان سے نہ نکل جائے
میرے جوابات استعمال کیے جا سکتے تھے۔ چنانچہ میں نے سننے اور خوف و حیرت کا
اظہار کرنے ہی پر اکتفا کیا۔
مجھے ہنسی آ گئی۔ خاصے نادان لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ بڑا بچپنا کر
ہیں۔ اس نادانی ہی سے ڈر لگتا تھا کہ اوٹ پٹانگ حرکتیں کریں گے۔ بھلا اس فون کی
کیا ضرورت تھی؟ میرا ارادہ تھا کہ بھون کے بعض سرفروش ملازموں کو اکٹھا کر
احتیاطاً چھوٹا موٹا گروہ تشکیل دے لوں گا اور خود اس کی نگرانی کرتا رہوں گا۔ معمو
کاموں کے لیے یہ پٹھے کام آ جائیں گے لیکن میں نے کسی سے رابطہ قائم کرنے کا
خیال ترک کر دیا کیونکہ ابھی اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ اس فون سے کم از
اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ پرشوتم کے باقی ماندہ لوگوں کی اوقات کا علم ہو گیا اور یہ بھی
چل گیا کہ زیادہ دنوں تک سکون سے رہنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ انہیں خا
عجلت معلوم ہوتی تھی۔
رات کو کوئی نو بجے بھون میں گاڑیوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ میں ا
نشست سے اٹھ گیا اور سب سے پہلے دنیش چندر کمرے میں داخل ہوا۔ وہ خاصا گھبر
ہوا معلوم ہوتا تھا۔ مجھے دیکھ کے اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔ اس مسکراہٹ میں
تصنع شامل تھا۔ وہ مجھ سے کوئی اہم بات کہنا چاہتا تھا مگر اس کے پیچھے پیچھے کچھ رانیاں
اور ہیما' شکنتلا اور پارو چلی آئیں۔ مجھے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آئے۔ ''دنیش! اب تم
آرام کرو۔'' بزرگ مہارانی مایا دیوی نے شفقت سے کہا۔ ''تم آج بہت تھک گئے
گے۔''
''ہاں' میں اب آرام کرنا چاہتا ہوں۔''
شعلہ رخسار پارو کے چہرے پر بھی زردی چھائی ہوئی تھی۔ وہ بے قرا
سے ادھر ادھر تھرک رہی تھی۔ اس نے چپکے سے مجھے اشارہ کیا۔ میں نے اقرار میں

یا' وہ بھی مجھے سنانے کے لیے بے چین تھی۔ آج کے بارے میں اپنے غم زدہ
تاثرات کا اظہار کرنے کے بعد اس نے مہارانی مایا دیوی سے ایک بے موقع سوال کیا۔
''کیا خیال ہے مایا جی؟'' اس نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''کیا قاتل پکڑا جائے
گا؟''
مایا دیوی نے بیزاری سے کاندھے اچکائے۔ ''ہا' مرنے والے اپنی جان سے
گئے۔ قاتل پکڑ بھی لیے جائیں تو وہ زندہ ہونے سے تو رہے۔''
''سنا ہے مہاراجہ بھی دلچسپی لے رہے ہیں؟ کرنل ہارڈنگ نے مہاراجا کو مجبور
کیا ہے کہ وہ ریاست میں امن و امان بحال رکھیں اور پولیس کا انتظام درست کریں۔
شہر کے گھر گھر کی تلاشی لی جا رہی ہے۔ صبح سے بہت لوگوں کو پکڑا گیا ہے۔ میرا خیال
ہے اب کے قاتلوں کا بچنا مشکل ہو جائے گا۔ یہ انتظامات تو پہلے سے ہونے چاہئیں
تھے۔''
''چھوڑو بھی پارو! کمر درد سے دہری ہوئی جا رہی ہے۔ سویرے سے رات
تک ایک ٹانگ پر کھڑے کھڑے وقت گزر گیا۔ مجھے بیچاری بینا بہت یاد آ رہی ہے'
کل تک کیسی ہنستی کھیلتی تھی' کسی کو کیا معلوم تھا......'' مایا دیوی نے کراہتے ہوئے کہا۔
دنیش چندر لباس تبدیل کرنے اندر چلا گیا تھا مگر قتل اور قاتلوں کا ذکر سن
کے واپس آ گیا۔ مایا دیوی نے اسے سرزنش کی کہ وہ آرام کرنے کے بجائے ادھر کیوں
آ گیا ہے؟ ''اب چلو۔ دنیش کو تنہا چھوڑ دو ورنہ یہ آرام نہیں کر پائے گا۔'' مایا دیوی نے
خود جانے میں پہل کی اور اپنے ساتھ سب کو لے گئی' صرف پارو رہ گئی۔ نرسیں دنیش
کے گرد گھیرا ڈال کے کھڑی ہو گئی تھیں۔
''نہیں' ہم انجکشن نہیں لیں گے۔'' دنیش نے جھنجلا کر کہا۔
''راجکمار! یہ ضروری ہے۔'' نرس نے مودبانہ درخواست کی۔
''تھوڑی دیر بعد لگا دینا۔'' پارو نے نرس کو حکم دیا۔
ابھی پارو نے یہ حکم صادر ہی کیا تھا کہ دنیش کے سیکرٹری نے اطلاع دی۔
''انسپکٹر جنرل پولیس چند پولیس افسروں کے ساتھ آ رہے ہیں۔'' مجھے دیوار سے ٹیک
لگانی پڑی۔
''رات کے۔'' دنیش نے گھڑی دیکھتے ہوئے تشویش سے کہا۔ ''ساڑھے نو
بجے؟''

aazzamm@yahoo.com

"جی راجکمار!" سیکرٹری نے مشینی انداز میں جواب دیا۔

"یہ کیسی بدتمیزی ہے۔ کیا یہ لوگ صبح نہیں آ سکتے تھے؟"

"انہیں دس منٹ بعد اندر بھیج دو۔" دنیش کے بجائے پارو نے سیکرٹری کو جواب دیا۔ دنیش کبھی پارو کو دیکھتا تھا' کبھی مجھے۔ "موہن داس! پولیس آ رہی ہے۔" پارو نے دنیش کی موجودگی میں جرات کی۔ "ممکن ہے' وہ تمہیں پکڑ کے لے جائیں کیونکہ بھون کے کسی فرد نے مخبری کر دی ہے۔ بھون کے اور بہت سے ملازم بھی پوچھ گچھ کے لیے کوتوالی لے جائے جا رہے ہیں۔ حالانکہ رات بھر تم دنیش کی خدمت میں رہے ہو۔ جیسا کہ دنیش نے مجھے بتایا ہے۔ ہم ان سے یہی کہیں گے کہ تم رات بھر یہیں رہے ہو' پھر بھی ممکن ہے کہ وہ خانہ پری کے لیے تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔ تم گھبرانا نہیں' کیا تمہارے پاس اپنی حفاظت کے لیے کوئی ہتھیار ہے؟"

"نہیں۔" میں نے تذبذب سے جواب دیا۔

"میں کہوں گا' میں مسلسل کہتا رہوں گا کہ تم رات بھر میری خدمت کرتے رہے تھے۔" دنیش اپنے لفظوں پر زور دے کے بولا۔ "شاردا بھی اس کی گواہ ہے کہ وہ برابر کے کمرے میں موجود تھے لیکن معاملہ اب عام پولیس کی بجائے اسپیشل پولیس کے ہاتھ میں پہنچ گیا ہے۔ پتہ نہیں' تمہارے کس دشمن نے تم پر شک ظاہر کیا ہے' اس نے پولیس سے درخواست کی ہے کہ وہ اس کا نام نہ بتائے۔ تم جانتے ہو' عام پولیس بھون میں ہماری اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتی مگر یہ کارروائی مہاراجا اور آفیسر ان کمانڈ کرنل ہارڈنگ کے خاص احکام کے تحت عمل میں لائی جا رہی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ غنڈوں اور شہدوں کے گروہ دونوں محلوں میں موجود ہیں۔ مسلسل قتل ہو رہے ہیں' اب ان کی روک تھام بے حد ضروری ہے۔ انہوں نے ہم سے گزارش کی ہے کہ ہم پولیس سے تعاون کریں اور اپنے قریبی ملازموں کو بھی تفتیش کے لیے پولیس اسٹیشن جانے دیں۔" دنیش کے لہجے میں تاسف تھا' گھبراہٹ اور جھجک تھی۔

میری زبان مشکل سے کھلی۔ "آپ پولیس سے ضرور تعاون کریں۔ میں ان کے ساتھ چلا جاؤں گا۔" میں نے کمزور آواز میں جواب دیا۔

"یہ کتنی بڑی زیادتی ہے' خاص ملازموں اور جانثاروں کو بھی پریشان کیا جا رہا ہے۔ اس سے بداعتمادی پھیلے گی۔" پارو نے تلملاتے ہوئے کہا۔ "مگر پولیس کو اپنی کارکردگی تو دکھانی ہی ہے۔"

"اس کے باوجود جانثاروں کی جانثاری' وفاداروں کی وفاداری میں کمی نہیں آئے گی۔" میں نے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ پارو کی موجودگی میں دنیش سے کھل کے بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ پارو اور دنیش بھی اپنی اپنی جگہ یہ محسوس کر رہے تھے۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ صاحب! یہ بھی اچھی رہی کہ پولیس کو کارکردگی دکھانے کا موقع ملا۔ آپ کی مصلحت ٹھہری' ہماری جان گئی۔ ریاست کا متوقع مہاراجا اپنے ایک خصوصی ملازم کو پولیس کی دست برد سے نہیں بچا سکتا کیونکہ اسے اپنے انگریز آقاؤں اور مہارانی کی ناراضگی کا ڈر ہے۔ ایک ہم ہیں کہ دوستی کی خاطر کہاں کہاں چلے گئے۔ ایک وہ ہیں کہ اپنی مجبوریاں ظاہر کر رہے ہیں۔ چلیے' یہ بھی کیا کم ہے کہ ملازموں کے سامنے انہیں وضاحتیں کرنی پڑ رہی ہیں۔ کم از کم اتنا تو خیال ہے۔ میں نے خود کو زمین میں دھنستا ہوا محسوس کیا۔ زمین قاتلوں کو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔

جیسے ہی انسپکٹر جنرل اندر داخل ہوا۔ میرا جسم سن ہو گیا۔ آخر پولیس آ گئی۔ وہ پولیس جس کی نظروں سے دور رہنے کے لیے میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں بھاگا بھاگا پھرتا رہا تھا اور اس چہاردیواری میں آ کے پناہ لی تھی مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ پولیس ہر جگہ موجود ہوتی ہے۔ انسپکٹر جنرل کا چہرہ سخت اور درشت تھا۔ گھنی مونچھوں سے وہ کچھ اور خوفناک ہو گیا تھا۔ شکل سے وہ کوئی شکاری معلوم ہوتا تھا۔ جانوروں کا نہیں' آدمیوں کا سہی۔ دنیش نے اس کا پرتپاک خیرمقدم کیا۔ رسمی جملوں کے بعد دنیش نے انگریزی میں کہا۔ "مہتا جی! ہمیں معلوم ہے کہ آپ ہمارے مفاد کے لیے کام کر رہے ہیں۔ آپ کی تفتیش اپنی جگہ درست اور ضروری ہے۔ بلاشبہ اب خونریز واقعات میں تشویشناک حد تک اضافہ ہو گیا ہے مگر ایک بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے' وہ یہ کہ جو ہمارے خاص ملازم ہیں اور جن پر ہم اندھوں اور بہروں کی طرح اعتماد کر سکتے ہیں' انہیں اس سراغ رسی سے صدمہ پہنچے گا۔ کم از کم انہیں تفتیش سے خارج کر دیا جائے۔ ہمیں خدشہ ہے' ان کے شیشے میں بال آ جائے گا۔ آپ ان کے دلوں میں ایک خلش پیدا کر دیں گے۔"

"بے شک راجکمار۔" انسپکٹر مہتا نے کہا۔ "مگر یہ ایک رسمی کارروائی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے ملازموں کے ساتھ انتہائی نرمی کا سلوک کیا جائے گا۔ انہیں عزت دی جائے گی اور اس وقت تک پریشان نہیں کیا جائے گا' جب تک ان پر شبہ ہی نہ ہو جائے۔ مجھے امید ہے کہ بہت سے ملازموں کو ابتدائی تفتیش

aazzamm@yahoo.com

کے بعد واپس کر دیا جائے گا۔ ظاہر ہے' ہمیں ان میں سے چند لوگوں کا سراغ لگانا جنہیں آپ نہیں جانتے۔ بہت ممکن ہے کہ جنہیں آپ بہت قریب سمجھتے ہیں' وہی ہوئے ہوں۔ عجیب عجیب تجرتے ہوتے ہیں صاحب! بہرحال پولیس ذرا سی جدوجہد کے بعد کالے اور سفید کی تمیز کر سکتی ہے۔ اس سلسلے میں بہت احتیاط کی جائے گی۔ غیر ضروری طور پر کسی کو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں روکا جائے گا۔"

"مہتا جی! کیا آپ تفتیش کا کام یہاں نہیں کر سکتے؟"

"راجکمار! مجھے خوشی ہے کہ آپ اپنے ملازموں کا اتنا خیال رکھتے ہیں۔ دراصل اس سلسلے میں چند ماہرین کی خدمات بھی حاصل کی گئی ہیں۔ کوتوالی کا اثر کچھ اور ہوتا ہے جناب! ہمیں انگلیوں کے نشانات حاصل کرنے ہیں اور ضروری سوالات کرنے ہیں۔ نفسیاتی اعتبار سے انہیں پولیس اسٹیشن لے جانا بعض اوقات ضروری ہوتا ہے۔ وہاں مختلف قسم کے آلات ہیں۔ اور بھی بہت سی چیزیں راز اگلوانے کے لئے موجود ہیں۔ کسی ایک شخص کا سراغ لگانا ہوتا تو یہیں حساب کر لیا جاتا۔ کنور پردیپ بہادر کی حویلی کے ملازموں' شہر کے مشہور غنڈوں اور آپ کے ملازموں کی ایک بڑی تعداد سے نمٹنا ہے۔ مجرم ضرور انہی میں سے کوئی ہے۔ ادھر مہاراجا نے سخت احکام نافذ کیے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ خود مہاراجا سے میری بات ہوئی تھی۔" دنیش نے تلخی سے کہا۔ "اب دیکھیے نا مہتا جی! یہ شخص جو آپ کے سامنے کھڑا ہے۔" دنیش نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے مضطرب ہو کے کہا۔ "اس کا نام موہن داس ہے۔ یہ ہمیں بہ بے حد عزیز ہے۔ اس نے کئی مرتبہ ہماری جان بچائی ہے۔ کل رات' ساری رات ہماری خدمت کرتا رہا ہے۔ پرسوں بھی یہ رات بھر جاگتا رہا ہے جب مجھے گولی لگی تھی۔ میں اسے پولیس اسٹیشن بھیج دوں؟ جبکہ مجھے اس پر پورا اعتماد ہے۔"

انسپکٹر جنرل اور دوسرے افسران کی نگاہیں مجھ پر مرکوز ہو گئیں جیسے کسی نے سرچ لائٹ پھینک دی ہو۔ میں نے مضبوطی سے کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن مجھے جھرجھری آ گئی۔

"یہ بہت اسمارٹ اور دلکش نوجوان ہے' ہم اس کا خیال رکھیں گے راجکمار!" انسپکٹر جنرل مہتا نے مجھے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "آپ کو معلوم ہے بینا رانی کے قتل کے سلسلے میں آپ کے بھون کے ایک شخص نے اس پر شک ظاہر کیا

ہے۔ پھر بھی مجھے یقین ہے' ہم اسے جلد ہی آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔"

آئی جی خاصا چالاک' باتونی اور تجربہ کار شخص معلوم ہوتا تھا۔ میں وہ گفتگو غور سے سن رہا تھا۔ دنیش اور پارو نے بہت کوشش کی کہ کم از کم میرے لیے وہ رعایت ضرور حاصل کر لیں کہ مجھے تفتیش سے بری الذمہ قرار دے دیا جائے مگر انسپکٹر جنرل یہ بات بہت خوبصورتی سے ٹال جاتا تھا اور یہی رٹ لگائے ہوئے تھا کہ "ہم اس سے بہت اچھا سلوک کریں گے۔ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ دیکھیے پرسوں آپ کو گولی لگی۔ پرسوں رات دو ملازم بھی مارے گئے۔ اس سے پہلے بھی ایسے سنگین واقعات پیش آ چکے ہیں۔ آپ کے بھائی مہیش چندر کو کسی نے چھرا مار دیا تھا۔"

جلد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ دنیش اور پارو بھی مجبور ہیں۔ انہوں نے اپنے طور پر بڑی کوشش کی لیکن وہ مجھ سے بہت زیادہ قربت کا اظہار کر کے معاملہ اور مشکوک بنانا نہیں چاہتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کا اصرار کمزور پڑنے لگا اور میرے جسم میں سرد لہریں اٹھنے لگیں۔ سارا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ لے بھئی اپنے انجام کو پہنچ۔ چل سوئے مقتل چل۔ جمشید صاحب! بوریا بسترا اٹھائیے' یہ سردی گرمی کیا ہے' پسینہ کیوں آ رہا ہے۔ ذرا کمر ہمت باندھیے۔ چلنا ہی ہے تو شان سے چلیے۔

انسپکٹر جنرل نے باقی افسروں کو اشارہ کیا کہ وہ بھون کے دوسرے ملازموں کو گاڑی میں بٹھا لیں۔ سیکرٹری نے ان سے تعاون کیا۔ اب یہ کام افسران پر تھا کہ وہ ان کثیر ملازموں میں سے کسے چھوڑ دیں' کسے ساتھ رکھیں؟ "آپ کی حفاظت کے لیے مسلح پولیس کا دستہ حاضر ہے' اسے اندر آنے کی اجازت دیجئے۔"

"ہم بھون میں مسلح پولیس کا داخلہ مناسب نہیں سمجھتے۔" دنیش نے بگڑے تیوروں سے کہا۔

"جی۔" انسپکٹر جنرل نے مہذب انداز میں سر ہلایا۔ "بہرحال بھون کے باہر پولیس موجود ہے۔ جب آپ ضرورت سمجھیں' اسے اپنی خدمت کے لیے طلب کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ۔" دنیش نے ترشی سے کہا۔ کچھ دیر میں مشروبات آ گئے۔ مہتا صاحب مجرموں کے بارے میں اپنے غیر معمولی تجربات کی تفصیل بتاتے رہے کہ ان میں کیسے کیسے لوگ ہوتے ہیں۔ صورت شکل سے فرشتے' اندر سے شیطان۔ دنیش بہت اداس بیٹھا بے دلی سے یہ بکواس سن رہا تھا۔ پارو بھی شکستہ سی نظر آ رہی تھی۔ ایک افسر

aazzamm@yahoo.com

نے اطلاع دی کہ تمام لوگ گاڑیوں میں بھر لیے گئے ہیں۔ ''ہم نے اس کام کے لیے رات کا وقت مناسب سمجھا۔ شہر میں غیر ضروری تشہیر سے بچنے کے لیے یہ قدم اٹھانا ضروری تھا۔'' انسپکٹر جنرل نے چلتے چلتے کہا۔ دنیش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ''آؤ موہن داس! ذرا ہمارے ساتھ چلو۔'' وہ میری طرف آتے ہوئے سرسری انداز میں بولا جیسے اس کے لیے یہ کوئی اہم بات نہ ہو۔

''ہاں موہن!'' دنیش نے کرب سے کہا۔ ''چلے جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ تم جلد واپس آ جاؤ گے۔ انہیں بھی کچھ نہ کچھ کارروائی ضرور کرنی پڑتی ہے۔ ان کے ساتھ تعاون کرنا۔''

''شکریہ راجکمار!'' انسپکٹر جنرل نے احترام سے کہا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ پارو سر جھکائے بیٹھی تھی' دنیش نے بھی منہ پھیر لیا تھا۔

بھون سے باہر آ کے مجھے اندازہ ہوا کہ انہوں نے بھون کے تیس چالیس آدمیوں کو پکڑ رکھا ہے۔ ان میں ہر قسم کے ملازم تھے۔ چاروں طرف پولیس تھی لیکن ان کا رویہ پولیس والوں کا نہیں تھا۔ بھون کے پرانے اور سادہ ملازم ایک دوسرے کو خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میرے شامل ہونے پر انہیں کچھ ڈھارس ہوئی ہوگی۔ انسپکٹر جنرل سب سے آگے تھے۔ جب وہ مہمان خانے کے قریب سے گزرا تو اچانک سادھو دیو راج اس کے سامنے آ گیا۔ مہتا شاید اسے جانتا تھا۔ اس لیے اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کے چرن چھوتے ہوئے بولا۔ ''مہاراج! آپ کے درشن ہوئے دن بیت گئے۔''

''یہ کیا دھماچوکڑی مچائی ہے؟'' سادھو گمبھیر آواز میں بولا۔ ''ان کوؤں کو کہاں لے جا رہا ہے؟''

''کچھ نہیں مہاراج! ذرا ضابطے کی کارروائی کرنی ہے۔''

''ان سے تجھے کیا ملے گا' ان کے تو پر ہی نہیں ہیں۔''

آئی جی متعجب سا ہوا۔ راجے پور میں سادھو کی بات کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ اس نے ملازموں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ مجھ پر اس کی نگاہ جم گئی۔ ''مہاراج! ممکن ہے انہی میں سے کوئی دوشی ہو۔''

''تو دوشی کو پہچان لے گا؟ دوشی تو محل میں چھپے بیٹھے ہیں۔'' وہ میری طرف

آ گیا اور میرا بازو تھام کے بولا۔ ''اسے بھی لے جا رہا ہے؟ مہاراج کو لے جا رہا ہے؟''

''مہاراج؟'' آئی جی نے حیرت سے کہا۔ ''یہ راجکمار دنیش کا خاص ملازم ہے۔ کیا آپ اسے جانتے ہیں؟''

''جو آنکھیں رکھتے ہیں' وہ سب اسے جانتے ہیں۔ پر یہ خود اپنے کو نہیں جانتا۔ کیوں رے؟'' وہ مجھ سے مخاطب ہو کے بولا۔ ''تو نے انہیں بتایا نہیں' تو کون ہے۔''

''کون ہے یہ؟'' میرے بجائے آئی جی درمیان میں بولا۔

''اسے مت لے جا۔'' سادھو نے بھاری آواز میں کہا۔

''مہاراج! میں مجبور ہوں۔ میں قانون کا پابند ہوں۔''

''قانون؟ شکتی کا قانون۔'' سادھو بگڑ گیا۔

''مہاراجا کا حکم ہے اور آپ جانتے ہی......''

سادھو نے اس کی بات اچک لی۔ ''مہاراجا کا حکم ہے' فرنگی کا حکم ہے۔ پھر پورے دیس کو پکڑ لے۔ ناچ کون رہا ہے' نچا کون رہا ہے؟ تو ان کی بات ضرور مان اور نوکری پکی کر۔ جا اسے لے جا' موہن! جا بھئی۔ چلا جا۔''

''کیا یہ کوئی خاص آدمی ہے مہاراج؟''

''ایک بڑے آدمی کو پکڑ کے لے جا رہا ہے؟ بڑا آدمی کہاں پکڑا جاتا ہے۔ قانون چھوٹے لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔ کم شکتی والوں کے لیے۔ کیول ایک شکتی وان پر ہاتھ ڈال کے تو اپنی بات بگاڑتا ہے۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ تو۔ یہ تو......''

''دیر ہو رہی ہے۔ اسے جلدی آنا بھی ہے۔ موہن!'' سادھو نے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''جا اس کی تسلی کر آ۔''

''مہاراج۔'' میں نے لرزتے ہونٹوں سے کہا۔

لیکن سادھو میری پیٹھ ٹھونکتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ انسپکٹر جنرل اور اعلیٰ افسران نے کچھ توقف کیا۔ کارواں چند لمحوں کے لیے ساکت ہو گیا۔ پھر افسروں نے تیزی دکھائی۔ حکم دیا کہ سب کو گاڑیوں میں سوار کیا جائے۔ بھون کا بڑا دروازہ کھول دیا گیا۔ باہر ہر طرف پولیس کی گاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ جنگ کا سا منظر تھا۔

aazzamm@yahoo.com

سادھو کے آنے کے بعد مجھے اپنی حالت کچھ بدلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ رات بھی اندھیرے میں میرے سر پر وارد ہو گیا تھا۔ جب میں کنور پردیپ کا کام تم کر کے بھاگا ہوا آ رہا تھا اور ٹھوکر کھا کے گر گیا تھا۔ میں سختی سے ان ماورائی اور پرا باتوں کی تردید کرتا تھا لیکن کرچھے والا پنڈت' سادھو دیو راج اور کچھو بار بار یہ احسا دلاتے تھے کہ میں کوئی علیحدہ شخص ہوں۔ سادھو کی جادوگری پر اب شبہ کرنے کا سوا ہی نہیں تھا۔ مجھ میں اس کی یہ غیر معمولی دلچسپی بے سبب نہیں تھی۔ گاڑیاں راجے پور صاف و شفاف سڑکوں پر دندناتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں اور میں اپنی سوچوں میں گ تھا۔ ایک ہی چیز سے خوف آتا تھا' پولیس سے۔ سو وہ مرحلہ بھی آ گیا۔ اب شرما جھجکنے اور نادم ہونے کی کیا ضرورت تھی؟

گاڑیاں سرخ رنگ کی ایک شاہانہ عمارت میں داخل ہو گئیں۔ عمارت کا دبدب دیدنی تھا۔ ہم بکروں کو بحفاظت تمام اتارا گیا۔ اعلیٰ افسران نے ایک دوسرے سے کچھ گفتگو کی۔ آئی جی صاحب کچھ غیر متعلق اور متفکر سے نظر آ رہے تھے۔ سنگین بردار ہمارے اردگرد ستونوں کی طرح کھڑے ہو گئے اور ہمیں مختلف کمروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ جس کمرے میں مجھے لایا گیا' وہاں پہلے سے اور لوگ بھی موجود تھے۔ چہرے مہروں سے اچھے خاصے لگتے تھے۔ حالت البتہ سب کی خراب تھی' کوئی سہما ہوا' کوئی دبکا ہوا' کسی کی آنکھوں میں آنسو تھے' کسی کا چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا۔ مجھے ان پر ترس آیا۔ ہمارے ہاتھوں کے نقش اور نشانات محفوظ کرنے کا کام سب سے پہلے ہوا۔ پھر پولیس کے فوٹوگرافروں نے دو دو بار ہمارے فوٹو کھینچے' یہ کام پھرتی سے ہو گئے۔ پھر پولیس کے کارندے کاغذات لے کے ہمارے سامنے آ گئے۔ ایک پولیس والے نے کاغذ پھیلا کر نرم لہجے میں مجھ سے پوچھا۔ ''نام؟''

''موہن داس۔''

''پتا کا نام؟''

مجھے بتانے میں تامل ہوا۔ اس لیے کہ میں نے اپنے پتا کا نام رکھنے کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ پولیس والے نے میری طرف گھور کے دیکھا اور زور سے بولا۔ ''پتا کا نام؟''

''تلسی داس۔'' میں نے گھبرا کے کہا۔

''عمر؟''

''جی یہی کوئی پچیس چھبیس سال۔''

اس نے سرتاپا میرا جائزہ لیا۔ ''لکھی بھی ہے یا نہیں؟''

''جی نہیں۔'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''جائے پیدائش؟'' اس نے سختی سے پوچھا۔

سوچنے کی بات تھی' ہندوستان کے مختلف شہروں پر میری نظر گئی۔ میں نے جلدی سے کہا۔ ''غازی آباد۔''

''غازی آباد؟'' وہ چونک کر بولا۔ ''کس محلے میں رہتے تھے؟''

میں نے تیزی سے جواب دیا۔ ''بڑے مندر کے پاس۔''

''اچ چھا۔'' وہ چمکتی ہوئی آنکھوں سے بولا۔ ''بنسی داس کا نام سنا ہے؟''

''میں تو بچپن میں ہی بمبئی آ گیا تھا۔''

وہ بجھ سا گیا۔ ''راجے پور کب آئے؟''

''کئی سال ہو گئے۔'' میں نے گنتے ہوئے کہا۔ ''کئی سال ہو گئے۔''

''یہاں کیا کرتے ہو؟''

''راجکمار دنیش چندر کی سیوا کرتا ہوں جی۔''

''کچھ تعلیم حاصل کی ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے جھینپ کر کہا۔

''شادی شدہ؟'' اس نے منہ بگاڑ کے پوچھا۔

مجھے جواب دینے میں پھر مشکل پیش آئی۔ ڈالی میرے ساتھ رہتی تھی۔ ''نہیں جی۔'' میں نے سختی سے انکار کر دیا۔

''کس کے پاس رہتے ہو؟''

''اپنے پاس رہتا ہوں۔'' میرے منہ سے نکل گیا۔

''میں پوچھتا ہوں اور کون کون تمہارے ساتھ ہے؟''

''ایک عورت' ایک بچہ اور میں......''

وہ الجھ گیا۔ ''عورت کون ہے اور بچہ کس کا ہے؟''

''وہ ایک غریب عورت ہے۔ میرے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا پتی مر گیا ہے۔ بچہ اسی کا ہے۔ میرے ماں باپ بہن بھائی میں کوئی نہیں۔ سب ایک اندولن میں مارے گئے۔''

aazzamm@yahoo.com

اس نے ڈالی کے متعلق مجھ سے چند بے ہودہ سوال کیے۔ مجھے غصہ تو بہت آیا مگر میں صبر اور تحمل سے انہیں رد کرتا رہا۔ فارم بھرنے کے بعد اس نے مجھ سے انگوٹھا لگوایا اور مسکراتا ہوا میرے برابر بیٹھے ہوئے شخص کے پاس چلا گیا۔ میرا فارم اندر پہنچا دیا گیا۔ انتظار کے یہ لمحے بڑے اذیت ناک تھے۔ پھر مجھے طلب کیا گیا اور ایک ایسے کمرے میں لے جایا گیا جہاں سزائیں دینے کے مختلف آلات رکھے تھے۔ چمٹیاں' تیز روشنیوں کے بلب' کوڑے' بید اور چند جلاد صفت اشخاص۔ یہاں لوگ اذیت سے چیخ رہے تھے۔ دردناک آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ ہٹے کٹے لوگ بری طرح رو رہے تھے اور منتیں کر رہے تھے۔ ان کی پیٹھیں ننگی تھیں۔ راجے پور کی پولیس کے یہ انتظامات دیکھ کے میرا جو حال ہونا تھا' وہ ہوا۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ آگے کمرۂ سوالات میں جانے سے پہلے میں یہ دلچسپ نظارہ بھی کر لوں تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔ میں نے چاروں طرف نظریں گھما کے دیکھا' کاش میرا بس چلتا اور میں ان سب لوگوں کو آزاد کر دیتا جو درد و کرب سے چلا رہے تھے۔ اس سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ اپنا رویہ متعین کرنے کا موقع مل گیا۔ ان لوگوں میں پرکاش بھون کا کوئی ملازم نہیں تھا۔ مجھے اندر بھیج دیا گیا جہاں تین چار اعلیٰ افسران ایک میز کے گرد بیٹھے تھے۔ ایک طرف صوفے پر آئی جی خاموش بیٹھا تھا۔ میرا فارم سامنے رکھا تھا۔

''تمہارا نام موہن داس ہے؟'' ایک افسر نے پوچھا۔

''جی ہاں جناب!'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''موہن داس! تمہارا فارم سامنے پڑا ہے۔ تمہاری انگلیوں کے نشانات محفوظ کر لیے گئے ہیں۔'' افسر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ ''لیکن ہم کچھ اور بھی جاننا چاہتے ہیں۔''

''جو حکم سرکار!''

''موہن داس! تم نے اپنے بارے میں جو اطلاعات فراہم کی ہیں' وہ کسی قدر غلط ہیں۔ بہتر ہے تم خود ہی سب کچھ صحیح بتا دو!''

''میں نے سب کچھ صحیح کہا ہے۔''

''فرض کرو' اگر یہ معلومات غلط ہوئیں تو؟'' وہ نرمی سے بولا۔

''جناب غلط کیسے ہو سکتی ہیں؟'' میں نے شش و پنج سے کہا۔

''ہونہہ۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ پولیس کو دھوکا دیا جا سکتا ہے؟ ہو سکتا ہے' ہم

ہارے بارے میں پہلے سے بہت کچھ جانتے ہوں۔''

''ممکن ہے جناب! لیکن کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ مجھ سے زیادہ کیا انتے ہیں؟'' مجھ میں نہ جانے کہاں سے جرات پیدا ہو گئی۔

تینوں افسروں نے مجھے غور سے دیکھا۔ ''ضرور' ضرور۔ ہم تمہیں سب کچھ ئیں گے۔ ہم بتائیں گے کہ تم کون ہو' کہاں سے آئے ہو اور تم سے کیا کیا غلطیاں ہوئی ہیں۔'' وہ میری آنکھوں پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ میں نے جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔

''تم نے سنا' ہم نے کیا کہا ہے؟''

''سن رہا ہوں جناب! بہت غور سے سن رہا ہوں۔'' میں نے سر ہلا کر کہا۔ ''اور سوچ رہا ہوں کہ آپ میرے بارے میں مجھ سے زیادہ کیا جان سکتے ہیں؟''

''تم ایک پڑھے لکھے آدمی کی طرح باتیں کر رہے ہو۔''

''میں آپ ہی جیسے لوگوں کی خدمت کرتا ہوں۔''

''موہن داس! ہم بہت کچھ جانتے ہیں لیکن ابھی بتانے کا وقت نہیں آیا ہے۔ تمہاری گزشتہ زندگی ہمارے سامنے آئینہ ہے۔''

میں تبصرہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ اچھا پولیس افسر نہیں ہے۔ اسے کسی دکان میں ملازمین ہونا چاہیے مگر مجھے اپنی رسیاں کچھ ڈھیلی ہوتی محسوس ہوئیں۔ ''میں سمجھ نہیں پایا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ جو کچھ آپ کو معلوم ہے' اس کی تائید چاہتے ہیں کہ آپ کو میری زبانی سننے کا اشتیاق ہے؟ یا آپ اس طرح کے سوال کر کے مجھ سے کچھ اگلوانا چاہتے ہیں؟ میں نے جو جوابات دیئے ہیں' انہی پر قائم ہوں۔''

اس کے ساتھی دونوں افسر مسکرائے لیکن سوال کنندہ سخت جھنجلا گیا اور تلملا کے بولا۔ ''قانون کی نظر میں سب برابر ہیں' چاہے وہ مہاراجا کے ملازم ہوں یا راجکمار کے۔ نوجوان! تم اپنی گفتگو سے خود یہ ثابت کر رہے ہو کہ تم عام ملازموں سے مختلف ہو۔''

''لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ میں گردن زدنی ہوں۔''

آئی جی کا خفیف سا قہقہہ ابھرا۔ ''خوب موہن داس! رات تم کہاں تھے؟'' آئی جی نے پوچھا۔ ''ہاں' رات تم نے کہاں بسر کی؟'' افسر نے تکرار کی۔

''راجکمار دنیش چندر بہادر کی سیوا میں بسر کی۔''

aazzamm@yahoo.com

"اس کا ثبوت کیا ہے؟ صرف راجکمار یا کوئی اور؟"

"ان کی بہن شاردا۔ بس اور کوئی نہیں۔"

"یہ ثبوت ناکافی ہیں۔"

"اس کے سوا بھگوان کا بھی ثبوت ہے۔"

"موہن داس! تمہارے بارے میں بھون ہی کے ایک آدمی نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ تم نے کل رات بینا رانی کو قتل کیا اور اس سے پہلے تم نے دو ملازم مارے تھے۔ تم نے راجکمار جگدیپ کا گھوڑا لوٹ دیا تھا۔ بھون کے کچھ لوگ تم سے بڑے ناخوش ہیں۔ یہ عام پولیس نہیں' اسپیشل پولیس ہے اور یہ تمہارے لیے اچھی بات بھی ہے' بری بھی۔ بتاؤ' بینا رانی سے تمہارے تعلقات کیسے تھے؟"

"جناب! پہلی بات تو یہ کہ میں رات کو راجکمار دنیش چندر کے پاس موجود ہونے کی شہادت رکھتا ہوں۔ دوسرے اگر آپ کا اصرار ہی ہے کہ میں نے بینارانی کو قتل کیا ہے تو میں آپ سے اس کا ثبوت طلب کر سکتا ہوں۔ آپ کہتے ہیں کہ بھون کے کچھ لوگوں نے شبہ ظاہر کیا ہے اور وہ مجھ سے ناخوش ہیں تو دنیا میں کسی آدمی سے ہر شخص کہاں خوش رہ سکتا ہے۔ راجکمار کے قریب ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ مجھ سے ناراض ہوں گے۔ صرف اس شبے پر آپ مجھے پریشان کرنا چاہتے ہیں تو شوق سے کیجیے۔" میرے لہجے میں بتدریج عزم پیدا ہو رہا تھا۔ "بینارانی بہت اچھی عورت تھیں۔ مجھ پر خاص مہربانی کرتی تھیں۔ حکم بھی دیا کرتی تھیں۔ ناراض بھی ہوا کرتی تھیں۔ بھلا مجھے ان سے کون سا اختلاف ہو سکتا ہے جو میں اس اچھی عورت کے خون سے اپنے ہاتھ رنگتا؟"

"اختلاف......" افسر نے طنز سے کہا۔ "تم ہمیں بے وقوف سمجھ رہے ہو' تمہارا اختلاف نہیں......تمہارے آقاؤں کا اختلاف۔"

دوسرے پولیس افسر نے درمیان میں دخل دیا۔ "موہن داس! سچ سچ بتاؤ ورنہ ہم دوسرے ذرائع استعمال کرنا بھی جانتے ہیں۔"

"جو میں نے یہاں آتے ہوئے دیکھ لیے ہیں۔ کیا آپ کے خیال میں یہ سب لوگ بینارانی کے قاتل ہیں؟"

"نہیں' مگر ان میں کوئی ایک ضرور ہے۔"

"جناب! میں آپ سے کہوں گا' آپ نے ایک غلط آدمی کو پکڑا ہے۔"

"یہ تو ابھی پتہ چل جائے گا۔ تم ہم سے تعاون نہیں کرنا چاہتے۔"

"کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں خوامخواہ بینارانی کے قتل کا اقرار کر لوں۔"

"ہم حقائق جاننا چاہتے ہیں۔" افسر میز پر مکا مارتے ہوئے بولا۔ "ہمیں معلوم ہے کہ تم بہت کچھ جانتے ہو۔"

"ہاں' میں یہ جانتا ہوں کہ روز کوئی نہ کوئی قتل ہو جاتا ہے۔ راجکمار دنیش روز ملازموں کے فرائض بدل دیتے ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ کسی بڑی اور گہری سازش کے تحت ہو رہا ہے۔ درمیان کے لوگ یونہی بیچ میں مارے جا رہے ہیں لیکن اصل لوگ کون ہیں؟ یہ میں نہیں جانتا۔ ممکن ہے آپ جانتے ہوں مگر وہ آپ کے اختیار میں نہ ہوں۔" میں نے جوشیلے انداز میں کہا۔

"تمہاری باتیں بہت دلچسپ ہیں' تم کوئی گہرے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تمہاری زبان صاف اور دلیرانہ ہے۔ بہرحال بینارانی کا قتل' پرشوتم' کنور پردیپ اور دوسرے لوگوں کا قتل۔ ایک ہی رات میں۔ یہ سب کسی ایک سلسلے کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں۔"

"پھر آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ ایک رات میں ایک آدمی کتنے قتل کر سکتا ہے جبکہ کنور پردیپ بہادر کی حویلی اور پرکاش بھون کا فاصلہ آپ کو معلوم ہے۔"

"ممکن ہے یہ وارداتیں کسی ایک شخص نے نہ کی ہوں۔ ہم گروہ کی بات کر رہے ہیں' وہ گروہ جو بڑے لوگوں کا آلۂ کار ہے' سمجھے؟ اور ہم پورے تحفظ کا وعدہ کرتے ہیں' اگر اس سلسلے میں ہماری مدد کی گئی۔"

میرے دل میں پولیس کا جو خوف تھا' وہ اب بڑی حد تک رفع ہو چکا تھا۔ پتہ نہیں' یہ ان لوگوں کی گفتگو کا جھول تھا یا سادھو کی دخل اندازی کا کرشمہ؟ یا میرے پرعزم اور بے نقص لہجے کا تاثر؟ کہ میرے اور ان کے درمیان بات چیت عام روش سے ہٹ کر ہو رہی تھی۔ انہیں میرے بارے میں کسی نے موثر طریقے سے بہکایا تھا۔ وہ مجھ سے کچھ اگلوانے کے لیے متعلق اور غیر متعلق سوالات کرتے رہے اور میں سکون سے احتیاط سے جوابات دیتا رہا۔ ایک افسر نے دوسرے افسر سے انگریزی میں کہا۔ "میرا خیال ہے' ہم معاملات کو طول دے رہے ہیں۔ یہ ایک چالاک شخص ہے' ایسے لوگ باتوں سے نہیں مانتے' اسے سامنے کے کمرے میں بھیجنا پڑے گا۔"

"میں سمجھتا ہوں' اگر دنیش چندر اس بات کا شاہد ہے کہ یہ رات بھر اس کے

aazzamm@yahoo.com

قریب موجود رہا تو کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔'' دوسرے افسر نے جواب دیا۔

''وہ تو یہی کہے گا' اس طرح تو ہم کبھی مجرموں تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہر شخص اپنے گروہ کی حمایت کرے گا۔ خیال رہے کہ ہمیں مہاراجا کے سامنے جواب دینا ہے۔ ہمیں کسی خوف کے بغیر ہر شخص کو ٹٹولنا چاہیے۔ چاہے کوئی کسی سے بھی کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو' ورنہ ہم یہاں کیا کر سکتے ہیں؟ یہ زبان دراز شخص بڑا ڈھیٹ معلوم ہوتا ہے۔ میری رائے میں ہمیں اسی سے کچھ معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے سر؟'' پولیس افسر نے آئی جی سے پوچھا۔

آئی جی کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ ''ہونہہ......'' وہ چونک کر بولا۔ ''خاصا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ مجھے بار بار سادھو مہاراج کا خیال آ رہا ہے۔ وہ دھرماتما اس شخص کی حمایت کیوں کر رہا تھا؟ احتیاط رہے' وہ کوئی معمولی سادھو نہیں ہے۔''

''اوہ سر! یہ مجرم سادھوؤں' پنڈتوں اور جوگیوں کی بہت سیوا کرتے ہیں۔ ممکن ہے سادھو اس شخص سے بہت خوش ہو اور اپنے سیوک کی حمایت کرنے چلا آیا ہو۔ ویسے بھی ہمیں توہمات میں نہیں پڑنا چاہیے۔''

''تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ پھر بھی میں تمہیں احتیاط کا مشورہ دوں گا۔'' آئی جی کشمکش میں مبتلا تھا۔

''موہن داس!'' پولیس افسر نے ہندوستانی میں مجھ سے کہا۔ اس کا لہجہ سرد تھا۔ ''ہمیں افسوس ہے کہ تم نے پرکاش بھون کی سرگرمیوں' بینارانی کے قتل اور دوسری خونیں وارداتوں کے سلسلے میں ہماری کوئی مدد نہیں کی۔ ایسی صورت میں پولیس کے پاس ایک ہی ذریعہ رہ جاتا ہے کہ وہ جبراً معلومات حاصل کرے۔ سامنے کے کمرے میں چلے جاؤ۔ ہم نہیں چاہتے تھے لیکن تم نے خود ہمیں اس پر مجبور کر دیا ہے۔ اب بھی موقع ہے' تم ایک نوجوان آدمی ہو۔ تمہارے سامنے ابھی پوری زندگی پڑی ہے۔ ہم تمہارے مستقبل کے لیے سفارش کر سکتے ہیں۔ اگر تمہیں کسی کا خوف ہے تو ہم تمہیں پورے تحفظ کا یقین دلاتے ہیں۔''

''مجھے جو کچھ کہنا تھا' وہ میں نے کہہ دیا ہے۔''

افسر نے گھنٹی بجائی۔ دو تنومند کانسٹیبل سلیوٹ کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔ افسر نے میری طرف اشارہ کر دیا۔ ایک کانسٹیبل نے میرا دایاں بازو اور دوسرے نے بایاں بازو پکڑا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ یہ لوگ میری دلیلوں سے خاصے متاثر ہو گئے ہیں۔

ایسا نہیں ہوا۔ سادھو کی بات بھی گئی' دنیش چندر کی سفارش بھی کام نہیں آئی۔ دونوں کانسٹیبل مجھے پکڑ کر لے چلے' کچھ اس انداز سے جیسے میری اور ان کی کوئی ذاتی دشمنی ہو۔

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا مگر فوراً وہ تیز روشنیوں میں نہا گیا۔ مجھے ایک جانب کھڑا کر دیا گیا۔ سامنے کے کمرے کے شیشے سے پردہ اٹھا دیا گیا۔ شیشے سے ان تینوں افسران اور آئی جی کے چہرے نظر آنے لگے۔ وہ شیشے کے پیچھے سے میرا تماشا دیکھ رہے تھے۔ ''اس کے کپڑے اتار دو۔'' کمرے میں ایک تیز آواز گونجی۔ یہ آواز مائیک سے آئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ راجے پور کوتوالی کی تعمیر میں انگریزوں نے خاص طور پر دلچسپی لی ہے اور اسکاٹ لینڈ یارڈ کا طریقۂ کار ہندوستان میں بھی رائج کیا ہے۔ ملزموں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے یہاں ہر چیز موجود تھی۔ کانسٹیبل نے میرا کوٹ اتار دیا۔ پھر قمیص' پھر بنیان۔ میں چپ چاپ کھڑا رہا۔ ''بید۔'' مائیک سے حکم صادر ہوا۔

کانسٹیبلوں کے ہاتھ تڑپ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے لچکدار باریک بید فضا میں اٹھائے اور سڑاک' سڑاک ...... میری پشت اور پسلیوں پر مارنے لگے۔ جانوروں کو بھی کوئی اس طرح نہیں مارتا۔ تکلیف سے میرا برا حال ہو گیا۔ آنکھوں سے روشنی جاتی معلوم ہوئی لیکن میں آنکھیں میچ کر یہ ضربیں برداشت کرتا رہا۔ میں نے منہ سے اف تک نہیں کی۔ میری خاموشی سے ان کے ہاتھوں میں اور تیزی آ گئی۔ ایک دو چار چھ۔ میرے جسم کی روئی بیدوں سے دھنکی جا رہی تھی۔ چیخیں گھونٹنے کا کرب اس تکلیف سے زیادہ شدید تھا۔ ''ٹھہرو۔'' آواز آئی۔ ''اسے بالکل برہنہ کر دو۔'' گویا انہوں نے ظلم و ستم کی ٹھان لی تھی۔ وہ مجھے بہت ڈھیٹ' پست اور بے ضمیر سمجھتے تھے۔ میں نے اپنا بالائی لباس اتروانے اور بید کھانے میں کوئی مزاحمت نہیں کی تھی لیکن یہ تازہ حکم ناقابل برداشت تھا۔ اس طرح انہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ میرا نام موہن داس نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے۔ میں نے آواز بلند کر کے کہا۔ ''میں آپ سے رحم کی درخواست کرتا ہوں جناب! اپنا حکم بدل دیجیے۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

''تم کیا کر سکتے ہو اور کیا نہیں' یہ فیصلہ کرنے کا حق ہمیں ہے۔ اگر تم اسے ایک بری بات سمجھتے ہو تو بتاؤ تم کس کس کو جانتے ہو؟ بینارانی کا قاتل کون ہے؟ پرشوتم کو کس نے قتل کیا ہے؟ کنور پردیپ......''

aazzamm@yahoo.com

''میں نہیں جانتا۔ میں نے کہہ دیا ہے' میں نہیں جانتا۔'' میں نے غصے سے کہا۔ ''تم عجیب لوگ ہو' یقین نہیں کرتے۔''

''بکواس بند کرو۔ کانسٹیبل اسے برہنہ کر دو اور اس کے جسم پر اس وقت تک کوڑے برساتے رہو جب تک اس کی زبان باہر نہ نکل آئے۔ یہ کوئی عادی مجرم معلوم ہوتا ہے۔''

میں نے لمحوں میں اپنے آپ کو آمادہ کیا' جمشید عالم! موت تو ایک دن آنی ہے' میری موت تو ویسے بھی ٹل رہی ہے' اسے پہلے ہی آ جانا چاہیے تھا لیکن موت کم سے کم ایسی ضرور ہو کہ لوگ یاد رکھیں' کوئی زندہ شخص تھا۔ چنانچہ جیسے ہی دونوں کانسٹیبل میری طرف جھپٹے اور انہوں نے میرا لباس اتارنے کے لیے زیادتی شروع کی' میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان کی گردنیں دبوچ لیں۔ کسی ملزم سے وہ ایسی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے تیزی سے ان کی گردنیں چھوڑ کے ان کے بال پکڑ لیے اور ایک اس طرف ایک اس طرف دور لے جا کے ان کے سر زور سے آپس میں ٹکرا دیے۔ ان تنومند' قوی الجثہ جلادوں کی چیخیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔ پھر میں نے اپنی پے در پے ٹھوکروں سے انہیں اٹھنے نہیں دیا۔ وہ بے ہوش ہو گئے۔

''تم پولیس پر دست درازی کے بھی مرتکب ہوئے ہو۔''

''میں عزت کی موت مرنا پسند کرتا ہوں۔''

''تم اپنی شہادتیں خود دے رہے ہو۔''

''میں نہیں جانتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے سینے میں کچھ ہے اور اس طرح تم مجھ سے کچھ اگلوا لو گے تو سن لو کہ تم زندگی بھر اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تمہارا واسطہ اب تک بے غیرتوں سے پڑا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں کہ تم کسی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہو' تمہارے پاس ایک ہی نسخہ ہے۔ آزار' تشدد' مار پٹائی' ایک ہی زبان۔''

انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ شاید مائیک کا سوئچ بند کر دیا گیا تھا۔ شیشے سے نظر آ رہا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے مشورہ کر رہے تھے لیکن اب کے ایک ساتھ چار کانسٹیبل کمرے میں آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ہنٹر تھے۔ ایک نے آتے ہی میری کمر پر اپنا ہنٹر آزمایا۔ میں تکلیف سے بلبلا اٹھا۔ پھر ان چاروں نے بیک وقت اپنے اپنے ہنٹر اٹھائے۔ میں نے شعلہ بار نظروں سے انہیں گھور کے دیکھا۔ اس جرات پر وہ

کچھ جزبز ہوئے۔ ''شروع کرو۔'' مائیک سے حکم ارسال ہوا۔ میں نے پہلے ہی سوچ کے شست باندھ رکھی تھی۔ چنانچہ ان میں سے دو تو اپنے ہنٹروں سمیت میرے بازوؤں کی گرفت میں آ گئے۔ دوسری طرف سے میری پیٹھ پر پھر ہنٹر پڑے لیکن اس عرصے میں یکے بعد دیگر میں نے اپنی ٹانگیں اٹھا کے ان کے پیٹوں میں اس زور سے رسید کر دی تھیں کہ وہ تلملاتے ہوئے فرش پر تڑپنے لگے تھے۔ مجھ پر جنون طاری تھا۔ میں ایک پاگل شخص تھا جو پاگل خانے سے بھاگ آیا ہو۔ میں کوئی شیر تھا جو پنجرے سے نکل آیا ہو۔ مجھے اپنی طاقت پر خود حیرت ہوئی۔ یہ کیسا زور تھا؟ لوہے کا زور؟ یہ کیسی پھرتی تھی؟ جس میں بجلی بھری تھی۔ میں دو کو آسانی سے خاموش کر کے باقی دو کی طرف لپکا۔ اب صورتحال یکسر بدل گئی تھی۔ کانسٹیبل مجھ پر حملہ کرنے کے بجائے مجھ سے گھبرا رہے تھے۔ ہنٹر ان کے ہاتھوں میں اٹھے کے اٹھے رہ گئے۔ ادھر سے مائیک پر احکام صادر ہو رہے تھے۔ انہیں اکسایا اور خوفزدہ کیا جا رہا تھا۔ ادھر میں مرنے سے پہلے ان باقی دو کانسٹیبلوں سے نمٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک میرے ہاتھ میں آ گیا۔ وہ کانپ رہا تھا۔ میں نے اس کا ہنٹر چھین کے ایک ٹھوکر لگائی۔ ٹھوکر اتنی زور کی نہیں تھی لیکن اس نے بے ہوش ہونے میں ہی عافیت سمجھی۔ اب صرف ایک شخص رہ گیا تھا۔ وہ ہنٹر تول رہا تھا مگر اس کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ ''ٹھہرو موہن داس!'' جب میں اس کی طرف بڑھا تو مائیک سے کہا گیا۔

میں نے شیشے کی طرف بے پروائی سے نظر کی۔ میری کمر اور ہاتھ پیر بری طرح دکھ رہے تھے۔ ہر رات ایک نیا فساد میرا منتظر رہتا تھا۔ دن بھر ایک لمحے کے لیے بھی آرام نہیں ملا تھا اور اس سے پہلے کی کئی راتیں بھی جاگتے ہوئے گزر گئی تھیں۔ پھر بھی میں نے بنیان کرسی سے اٹھا کے اطمینان سے پہنی' اس کے بعد قمیص اور کوٹ۔ پھر میں وہیں ان کے دوسرے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ چوتھا کانسٹیبل مجھ سے کچھ فاصلے پر سہما ہوا کھڑا تھا۔ شیشے کے اس پار ان میں تیز بحث ہوتی نظر آ رہی تھی۔ میں کوئی آواز نہیں سن سکا۔ پھر کسی نے فون اٹھایا۔ آئی جی نے فون پر بات کی۔ فون کے بعد ان کے درمیان دوبارہ تکرار شروع ہو گئی۔ شاید ان میں کسی مسئلے پر اختلاف تھا۔ ہر افسر اپنے نقطہ نظر کی وضاحت پرزور انداز میں کر رہا تھا۔ وہ بار بار مجھے دیکھتے رہے۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ میرے سوا کوئی اور موضوع گفتگو نہیں ہے۔ پھر وہ کسی ایک نکتے پر متفق ہو گئے۔ مائیک سے فوراً مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں اندر آ جاؤں۔ چوتھے

aazzamm@yahoo.com

کانسٹیبل نے آگے آکے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور مجھے دوبارہ افسران کے کمرے میں پہنچا دیا۔ ''موہن داس! ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہاری بات پر یقین کر لیں لیکن اگر تم پہلے کچھ نہیں جانتے تھے تو اب جان سکتے ہو۔ ہم تمہیں اس امید پر آزاد کر رہے ہیں کہ ہمیں تمہارا تعاون حاصل رہے گا۔ دیکھو' یہ لوگوں کی زندگیوں کا سوال ہے۔ کیا تمہیں اچھا لگتا ہے کہ روز خون بہے' روز گھر اجڑیں؟ پولیس کا مقصد محض انصاف اور امن و امان قائم کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں شریف' بہادر اور جرات مند لوگوں کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ تم فون نمبر 3415 پر کسی وقت بھی ہم سے رابطہ قائم کر کے ہمیں صورتحال سے مطلع کر سکتے ہو۔ تمہاری معلومات سے ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔ اس تعاون کے عوض پولیس مختلف طریقوں سے تمہارے کام آ سکتی ہے۔ تم پیسے کے لالچی معلوم نہیں ہوتے مگر پیسے کے علاوہ بھی ہمارے پاس اپنے لوگوں کو دینے کے لیے بہت کچھ ہوتا ہے۔ عزت' احترام وغیرہ۔''

''شکریہ جناب! میں آپ کی تمام باتیں سمجھ گیا ہوں۔ ممکن ہے' کسی وقت آپ کو کھٹکھٹانے کی ضرورت پڑے۔ اگر آپ پہلے ہی میری بات مان لیتے تو یہ تلخی کیوں پیدا ہوتی؟ میرے جسم پر گہرے نشانات پڑے ہوئے ہیں' یہ سبق مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔''

''ہمیں بھی تمہاری جرات ہمیشہ یاد رہے گی۔'' ایک افسر نے خوشدلی سے کہا۔ ''اصل میں یہ سب کچھ ضروری ہوتا ہے۔ اگر ہماری جگہ تم ہوتے اور تمہیں بھی کسی کو جواب دینا ہوتا تو تم بھی یہی کرتے۔''

پولیس افسروں کا رویہ بالکل بدلا ہوا تھا۔ میں نے ان کی طرف سے دوستی کی یہ پیشکش غنیمت جانی' خوامخواہ کی حجت نہیں کی۔ نہ طنز کیا اور نہ اپنی تکلیف کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے بہت جلد میرے بارے میں فیصلہ کر لیا تھا۔ شاید میرے تیوروں سے وہ بھانپ گئے تھے کہ میں موت کے لیے کمربستہ ہو گیا ہوں اور میں ایک جنونی شخص ہوں اور ایسا آدمی مجرم نہیں ہو سکتا۔ پتہ نہیں انہوں نے آپس میں کیا مشورے کیے تھے؟ انہیں سادھو کی معنی خیز باتیں یاد آ گئی ہوں گی۔ اس نے کہا تھا' جا چلا جا' دیر نہ کر' تجھے جلدی آنا بھی ہے۔ یہ تفتیش ان کے لیے ایک نئے قسم کا تجربہ بھی ہو گی۔ آئی جی صاحب بھی خوش خوش نظر آ رہے تھے۔ دو کانسٹیبلوں کو بلا کے حکم دیا گیا کہ مجھے کوتوالی کے باہر چھوڑ دیا جائے۔

''نہیں جناب! مجھے اپنی گاڑی میں بھون بھجوائیے' جو لوگ میری شکایت کر سکتے ہیں' وہ راستے میں مجھے مار بھی سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے موہن داس! ہم تم سے رابطہ قائم کرنا چاہیں تو کیا صورت ہوگی؟'' افسر نے کانسٹیبلوں کو باہر بھیج کے مجھ سے پوچھا۔

''مجھے فون کر دیا جائے اور جگہ بتا دی جائے۔ اگر مجھے کچھ معلوم ہوا تو میں ضرور آپ کے پاس آؤں گا لیکن ایک بات سمجھ لیجئے۔ میں اپنے راجکمار دنیش چندر سے محبت کرتا ہوں۔ وہ ایک شریف اور سادہ مزاج نوجوان ہیں۔ سازش کا جال ان کے گرد بُنا گیا ہے۔ سب سے پہلے پرکاش چندر پراسرار حالت میں مارے گئے۔ پھر مہیش چندر اور پھر بھون کے کئی ملازم۔ کنور پردیپ کی حویلی میں تو پہلی بار حملہ ہوا ہے۔ آپ اگر واقعات کی کڑیاں ملائیں تو آپ کو دنیش چندر مظلوم نظر آئیں گے۔ پرسوں رات ان پر بھی حملہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اتفاق سے وہ بال بال بچ گئے۔ ان کا غریب ڈرائیور ان کے دھوکے میں مارا گیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مہاراجا اور فرنگیوں کا جھکاؤ کس طرف زیادہ ہے مگر آپ کو ایک دیانتدار پولیس افسر ہونے کی حیثیت سے اصل حالات کی کھوج کرنی چاہیے۔''

''بیٹھ جاؤ موہن داس!'' آئی جی نے خوش اخلاقی سے کہا۔

''شکریہ! آپ کی نرمی دیکھ کے کچھ باتیں خودبخود زبان پر آ گئیں۔ میں کنور دنیش چندر کے قریب رہتا ہوں۔ میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔ وہ خود بھی حیران و پریشان رہتے ہیں کہ ان کے خاندان کو مسلسل نشانہ کیوں بنایا جا رہا ہے۔ میں نے انہیں یہ کہتے سنا ہے کہ راج پاٹ مہاراج کا ہے' ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ جھگڑے کی بنیاد ہے اور پھر ایسے عالم میں جب فرنگی نے ہندوستان کی بیشتر ریاستیں ہضم کر لی ہیں' راجا لوگ ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیاں ہیں۔ ایسے میں کون عقل مند راج پاٹ کی خواہش کرے گا؟ راجکمار دنیش چندر کبھی تنہا ہوتے ہیں تو مجھ سے کہتے ہیں۔ ''موہن! انہیں کون سمجھائے؟ ہمیں سکون کی زندگی سے محبت ہے۔'' میں نے کچھ دیر وہاں ٹھہرنا اور یہ باتیں ان کے گوش گزار کرنا مناسب سمجھا۔ وہ توجہ سے سنتے رہے۔

''فرض کرو' کسی معاملے میں تم یہ محسوس کرو کہ راجکمار دنیش چندر کی زیادتی ہے تو کیا تم پھر بھی ان سے وفاداری نبھاتے رہو گے؟''

aazzamm@yahoo.com

''یعنی آپ کا مطلب ہے کہ پھر مجھے ان سے وفاداری ختم کر دینی چاہیے؟ میں جج نہیں' ان کا ملازم ہوں۔'' میں نے دبے لفظوں میں کہا۔

''ہاں' اگر موقع ملا تو ان کی غلطیوں کی نشاندہی کر سکتا ہوں۔ ایک ملازم کو یہ موقع مشکل ہی سے ملتا ہے۔ فرض کیجئے' آپ کے مہاراجا اور فرنگی زیادتی کر رہے ہیں تو کیا آپ ملازمت چھوڑ دیں گے؟ ان کی شکایتیں لے کے ان کے بڑوں کے پاس جائیں گے؟''

انہوں نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا کیونکہ ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''موہن داس! تم ایک ملازم سے بڑھ کر باتیں کر رہے ہو۔'' افسر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''سب یہی کہتے ہیں صاحب! قسمت کی بات ہے' حالات دوسرے ہوتے تو میں آپ لوگوں کی طرح ان کرسیوں میں سے کسی پر بیٹھا ہوتا۔''

''سادھو دیوراج تمہارے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟''

''اب چھوڑیے......کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جنہیں آپ جیسے پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں سمجھ سکتے۔'' میں نے انہیں ٹالنے کی کوشش کی۔

''مگر ہم انہیں سمجھنا چاہتے ہیں۔''

''اس کے لیے سادھو مہاراج ہی مناسب آدمی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے اجازت دیجئے' آپ کی مار اور آپ کی باتیں یاد رہیں گی۔''

یہ یقیناً ایک خلاف معمول چیز تھی کہ وہ مجھے دروازے تک پہنچانے آئے' عقل حیران تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اس وقت مجھے اپنے آپ میں خود اعتمادی کی زبردست قوت محسوس ہوئی۔ کوتوالی کے احاطے میں کھڑی ہوئی جیپ مجھے لے کے راجے پور کی سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ میں تین ساڑھے تین گھنٹے تک کوتوالی میں اپنے حق میں دلیلیں دیتا رہا تھا۔ جسم کی دکھن بھی اب کچھ کم ہو گئی تھی۔ پرکاش بھون کے باہر کھڑے ہوئے مسلح پولیس کے دستے نے جیپ روک لی اور ڈرائیور کی شناخت کے بعد اسے اندر جانے کی اجازت دے دی۔ مجھے دیکھ کر گیٹ پر موجود بوڑھے دربان نے سلام کیا جیسے میں بھی کوئی پولیس کا افسر ہوں۔ آدمی اپنے ارد گرد کی چیزوں سے کیسا شناخت کیا جاتا ہے۔ آدمی تو سبھی ایک جیسے ہوتے ہیں' چیزیں

مختلف ہوتی ہیں۔ میزیں' کرسیاں' لباس' زیورات' گاڑیاں غرضیکہ جتنی چیزیں زیادہ ہوں گی' وہ شخص اتنا ہی اہم ہوگا۔ گویا زندگی میں لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کا عقدہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ چیزوں پر اختیار حاصل کیا جائے۔ جب سے دنیا میں نت نئی چیزیں بننے لگی ہیں' یہی رجحان نظر آتا ہے۔ اب طاقتور بھی زیادہ چیزیں رکھنے والے مختاروں کے سامنے جھک جاتے ہیں اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ بوڑھے دربان نے مجھے نہیں' دراصل اس جیپ کو سلام کیا تھا جس میں میں براجمان تھا۔ میں بھی یہی کرتا تھا۔ ہم سب یہی کرتے ہیں' چیزوں کو سلام کرتے ہیں۔

پرکاش بھون سونا سونا تھا کیونکہ بیشتر ملازم کوتوالی میں تھے۔ عورتیں اپنے مردوں کے انتظار میں باہر نکل آئی تھیں۔ بوڑھے بھی کمریں جھکائے ان کے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ میں جیپ سے اترا تو سب نے مجھے گھیر لیا۔ میں نے انہیں تسلی دی کہ ان کے عزیز صبح تک واپس آ جائیں گے۔ ڈالی کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ مجھے پولیس پکڑ کے لے گئی ہے۔ وہ اس سوگوار ہجوم میں گردن جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔ مجھے دیکھا تو تڑپ گئی اور سب کے سامنے آ کے لپٹ گئی۔ بڑی مشکل سے میں نے اسے گھر جانے اور آرام کرنے پر راضی کیا اور وہ مجھ سے جلد گھر واپس آنے کا وعدہ لے کر ہی ٹلی۔

چند گھنٹوں کی ناقابلِ بیان ہولناکی کے بعد میں پھر دنیش چندر کے محل کے دروازے پر کھڑا تھا۔ مجھے اندر جاتے ہوئے جھجک ہوئی۔ کئی سوال ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ مجھے ان کے تجزیے کے لیے وقت درکار تھا۔ میں نے کچھ دیر توقف کیا اور سوچنے لگا کہ اگر دنیش چندر اپنے بستر پر محوِ خواب ہوگا تو میرے احساسات کیا ہوں گے؟ اور مجھے آج صبح کے واقعے کا خیال آ گیا۔ دنیش نے بے حد خوش اسلوبی سے میری ندامت دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ آج دن بھر ہنگامہ رہا۔ تعزیت داروں کا میلہ لگا رہا۔ بیتارانی خاصی مقبول اور مجلسی عورت تھی۔ راجے پور کے تمام روساء اور تجارت پیشہ کریاکرم میں شریک تھے۔ اس شاندار عورت کی موت بھی شاندار انداز سے ہوئی تھی۔ آج دنیش سے صرف رسمی باتوں کا موقع ملا تھا' نہ آج دن بھر شاردا سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ نہ جانے کہاں تھی؟ صبح سے میری نظریں اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔ معلوم نہیں کہ اس کے اور دنیش کے درمیان کیا بات چیت ہوئی تھی؟ اس نے کس طرح اپنے بھائی کا سامنا کیا تھا اور میرے بارے میں جو کچھ کہا تھا' وہ کس طریقے سے کہا

aazzamm@yahoo.com

تھا؟

ملاقاتی کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ میں نے قیاس کیا کہ اندر نرمیں تاش کھیل رہی ہوں گی اور دنیش سو رہا ہوگا۔ انسانوں سے زیادہ توقعات قائم کرنا غیر انسانی بات ہے۔ میں نے آہستہ سے دروازے کو دھکا دیا۔ چٹخنی چڑھی ہوئی نہیں تھی۔ سامنے صوفے پر دنیش اور شاردا بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ ان کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی جیسے انہیں بجلی کا شاک لگا۔ وہ بے تحاشا میری طرف جھپٹے۔ میں نے اپنی بدگمانیوں پر نفرین کی' پریشانی میں آدمی کتنا بڑا شیطان ہو جاتا ہے۔ ''موہن!'' ان دونوں کی آواز ایک ساتھ ابھری اور شاردا قریب آ کے میرا بازو چھوتے ہوئے بولی۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' میرے منہ سے ایک کراہ نکلی' شاردا نے میرا دکھا ہوا شانہ زور سے پکڑ لیا تھا۔

''کیا ہوا؟ مجھے یہی ڈر تھا' ان مال زادوں نے تمہارا کوئی خیال نہیں کیا ہوگا۔'' اس کا ہاتھ زخمی تھا' پھر بھی وہ میرا کوٹ اتارنے کی کوشش کرنے لگا۔ شاردا نے اس کی مدد کی۔ میں خاموش کھڑا رہا۔ جب انہوں نے میری قمیض اور بنیان ہٹا کے میرا جسم دیکھا تو شاردا کی چیخ نکل گئی۔ جگہ جگہ بدیاں ابھر آئی تھیں اور ان سے خون چھلک رہا تھا۔

''یہ کیا ہوا؟'' شاردا ہذیانی انداز میں بولی۔

''اب بہت ہو گیا۔'' دنیش نے کرب سے کہا۔ ''میں نے ان سے بار بار کہا تھا کہ تم میرے خاص آدمی ہو۔''

''پولیس کی نظر میں سب برابر ہیں۔'' میں نے مسکرا کے تبصرہ کیا۔

''تمہارے جانے کے بعد مجھے ایک لمحے بھی قرار نہیں آیا۔ نرمیں اندر بند پڑی ہیں۔ وہ اس پریشانی میں مجھے اور پریشان کر رہی تھیں۔ شاردا کو جیسے ہی معلوم ہوا وہ دوڑی ہوئی ادھر آ گئی۔ مشکل یہ تھی کہ میں زیادہ اصرار کرتا تو پولیس مشکوک ہو سکتی تھی۔ شاردا نے تو مہاراجا تک کو فون کر دیا۔''

''کب کیا؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''کچھ دیر ہوئی مگر اس وقت تم راستے میں ہو گے۔''

''مہاراجا نے کیا جواب دیا؟''

''مہاراجا نے کہا' یہ ایک رسمی کارروائی ہے۔ صبح تک پولیس تمام بے گناہوں

کو چھوڑ دے گی۔'' شاردا نے تیزی سے کہا۔ ''بہرحال اب تم آ ہی گئے ہو۔ یہ قمیض اور بنیان اتار دو۔ میں تمہارا جسم سینکے دیتی ہوں۔''

یہ میرے لیے خاصے حیران کن رویے تھے۔ راجکماری شاردا اپنے بھائی دنیش کے سامنے مجھ سے ایسے التفات کا اظہار کر رہی تھی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ دنیش مسکرا رہا تھا۔ ''موہن!'' اس نے میٹھے لہجے میں کہا۔ ''تم بہت خوش قسمت ہو شاردا جیسی لڑکی تمہاری خدمت کے لیے مچل رہی ہے۔ تم نے اس جاگیر کی سب سے اچھی لڑکی چنی ہے۔''

''آپ بہت بڑے آدمی ہیں دنیش بابو!'' میں نے خجالت سے کہا۔

''اچھا باتیں بند کیجئے' موہن تم برابر کے کمرے میں جاؤ۔ دنیش تم ان کی مدد کرو اور انہیں دیوان پر لٹا دو۔'' شاردا نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ ''میں ہیٹر لاتی ہوں۔''

''میں صبح تک بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔ ہو سکے تو چائے پلوا دیجئے۔'' میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''تم نے کچھ کھایا بھی نہیں ہوگا؟''

''کھایا تو میں نے کوتوالی سے بہت ہے۔''

''وہ تم سے کیا کہتے تھے؟ تم نے تفصیل نہیں بتائی۔''

''بہت دلچسپ روداد ہے۔''

''ہاں' وہ تو تمہاری چوٹوں سے اندازہ ہوتا ہے۔'' ہم دونوں اٹھ کے دوسرے کمرے میں چلے آئے۔ دنیش مجھے دیوان پر لٹا کے سرہانے بیٹھ گیا۔ ''تم سے ہزاروں باتیں کرنی تھیں جو شاردا کے سامنے مناسب نہیں ہیں۔ تم تھکے ہوئے بھی بہت ہو۔''

''آرام کی آپ کو بھی ضرورت ہے' آپ نے ڈریسنگ کروائی؟ دوا پی؟ انجکشن لیا؟...... نہیں نا؟'' میں نے خفگی سے کہا

''کیسی باتیں کر رہے ہو؟ میرا خون کھول رہا تھا۔ وہ تمہیں پکڑ کے لے گئے اور میں بے بسی سے دیکھتا رہا۔''

''وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے تھے۔''

''کیا مطلب......؟''

فرزانہ لائبریری، ویڈیو اینڈ ریکارڈنگ

aazzamm@yahoo.com

"اچھا ہوا کہ مجھے ان کے پاس جانے کا موقع مل گیا۔ بڑی باتیں ہوئیں۔ وہ حیران تھے کہ میں ایک ملازم ہونے کے باوجود اس انداز سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"بعد میں انہیں پتہ چلا ہوگا کہ تم چھپے رستم ہو' آفت ہو' بلا ہو۔ اس کے باوجود انہوں نے تمہیں مارا؟"

"ہاں۔ پھر انہوں نے مجھے عزت کے ساتھ رخصت بھی کیا۔" میں اسے خلاصہ بتا رہا تھا اور اس میں سے وہ باتیں سنسر کرتا جا رہا تھا جن کے بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ شاردا کے آنے کے بعد میں نے اسے اور مختصر کر دیا۔ دنیش نے اصرار کر کے میری قمیض اتروا دی تھی۔ بنیان اتارتے میں مجھے ہچکچاہٹ ہوئی۔ "کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

"چپ رہو!" شاردا ڈانٹتے ہوئے بولی اور ہیٹر پر روئی گرم کرنے لگی۔ مجھے بنیان اتارنا پڑا۔ شاردا آہستہ آہستہ میرا جسم سینکتی رہی۔ اس کے مخملی ریشمی ہاتھوں کے لمس سے مجھے پھریریاں آنے لگیں۔ میں نے طے کیا کہ بار بار کوتوالی جاؤں گا۔

"شاردا تم کتنی اچھی لگ رہی ہو۔" دنیش نے کہا۔

"اب تم مجھے کام نہیں کرنے دو گے۔"

"اچھا ایک کام کرو' موہن سے ہماری سفارش کر دو۔ یہ ہمیں ستاتا بہت ہے۔" دنیش چندر نے شوخی سے کہا۔

"یہ میرے مقابلے میں تم سے زیادہ قریب ہے۔"

"کیوں موہن! تمہیں کون زیادہ پسند ہے؟ میں یا شاردا؟"

"میرا جواب آپ کو معلوم ہے۔" میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

"یہ بہت تیز آدمی ہے شاردا۔ تمہارا بھائی دنیش چندر اسی کی وجہ سے زندہ ہے۔"

"آج رات میں مر جاؤں گا۔" میں نے سسکی بھرتے ہوئے کہا۔

"کیوں.....؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ باتیں زندہ رکھنے کی کب ہیں؟"

اس کی نرم انگلیاں میری کمر' پسلیوں میں رینگتی رہیں۔ پھر اس نے مجھے دنیش چندر کا گرم لباس دیا اور چائے لے آئی۔ "اتنی تیزی سے تو ہماری نرسیں بھی کام نہیں کرتیں۔" دنیش نے کہا۔

"نرسوں پر آپ نے محنت نہیں کی ہوگی۔" میرے منہ سے نکل گیا۔

"سچ بتاؤ موہن! یہ آغاز کب ہوا؟" دنیش نے اشتیاق سے پوچھا۔

"بس ہو گیا اور بہت دن ہو گئے۔"

"یعنی ابتداء کس نے کی؟"

"میں نے کی۔" شاردا نے شرماتے ہوئے کہا۔

"تم اتنی مردم شناس کیسے ہو گئیں؟ کیا تمہیں معلوم تھا کہ موہن میں اتنے جوہر پوشیدہ ہیں۔ یہ بڑا ظالم آدمی ہے' خول میں بند ہے اور مسلسل جھوٹ بول رہا ہے۔"

"ہاں مجھے کچھ کچھ اندازہ تھا۔" شاردا نے دنیش کو ٹھوکا مارتے ہوئے کہا۔ "تم نے تنگ کر دیا۔ کاش یہ بات ہم ہی تک محدود رہتی۔"

☆.....☆.....☆

Scanned By Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

aazzamm@yahoo.com

میں آج کی رات بھی ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ابھی بھون میں بہت لوگ تھے۔ میں نے پارو سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ میرے انتظار میں سوئی نہیں ہوگی۔ ڈالی بھی بستر پر کروٹیں بدل رہی ہوگی۔ رات گزری جا رہی تھی۔ شاردا نے مجھے آرام سے دیوان پر لٹا دیا تھا۔ دنیش چندر کا ہاتھ میرے ماتھے پر رکھا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے کل رات کے واقعے اور اس کے اثرات پر گفتگو کرنے کے لیے بے چین ہے۔ شاردا کے سامنے ان خونیں امور پر کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے ان دونوں سے اصرار کیا کہ وہ اپنے کمروں میں جا کے آرام کریں اور مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ اس سے میری مراد یہ تھی کہ ان میں سے کوئی ایک یہاں سے جانے کا ایثار کرے۔ ابھی تک مجھے ہر بات انوکھی لگ رہی تھی جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں' ایسا کہیں نہیں ہوتا۔ میں بہت شرمایا ہوا بستر پر دراز تھا اور دنیش سے آنکھ ملاتے ہوئے کترا رہا تھا۔ آخر دنیش اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا۔ ''شاردا! تم موہن کی خبرگیری کرو مگر خیال رہے کہ یہ ہمارا بھی دوست ہے۔''

''اور مجھ سے زیادہ ہے۔''

''خیر یہ تو آنے والے دن بتائیں گے کہ اس کی کس سے زیادہ دوستی ہے' افسوس تو یہی ہے کہ یہ ہمارا رقیب بھی نکل آیا۔''

''آپ جا رہے ہیں؟'' میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''کیا کریں جناب مجبوری ہے۔'' دنیش نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

شاردا کچھ نہیں بولی۔ دنیش کمرے سے نکل گیا۔ ہم دونوں کو بھی چپ لگ گئی تھی۔ میری نگاہیں چھت پر تھیں اور شاردا فرش پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ اس طرح بہت دیر ہوگئی۔ ''شاردا!'' میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کیا میری طرح تمہیں بھی یہ سب انوکھا لگ رہا ہے؟''

''ہاں۔'' وہ دیوان پر بیٹھ گئی اور میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھنے لگی۔

''تم نے اس کا سامنا کس طرح کیا تھا؟''

''یقین ہی نہیں تھا۔ کہ وہ اس زخمی حالت میں اٹھ کے چلا آئے گا۔ تمہاری طرح میں بھی پریشان ہوگئی تھی۔ پھر میں نے سوچا' میں اسے سب کچھ صاف صاف بتا دوں۔ وہ بہت جذباتی اور ضدی ہے۔ وہ ملاقاتی کمرے میں صوفے پر خاموش بیٹھا تھا۔''

''پھر تم نے اسے کیا بتایا؟''

میں نے کہا۔ ''دنیش میری بات سن لو لیکن میرے کچھ کہنے سے پہلے وہ بول پڑا کہ میں تو موہن کی آہٹ پا کے اسے دیکھنے آیا تھا۔ چونکہ مجھے اس سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں۔ تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو' اس کی ضرورت نہیں ہے۔ موہن میرا دوست ہے' میرا محسن ہے اور مجھے یہ دیکھ کے خوشی ہوئی ہے کہ تمہیں تمہارا آئیڈیل مل گیا۔''

''کیا وہ یہ کہتے ہوئے اداس تھا؟''

''نہیں مگر سنجیدہ ضرور تھا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ دنیش! تم یہ تعلق بھون کی اور لڑکیوں کے تعلقات کی طرح نہ سمجھنا۔ تم مجھ پر اعتبار کر سکتے ہو۔ میں تمہاری بہن ہوں اور تم جانتے ہو کہ میں دوسروں سے بہت مختلف ہوں۔ میں نے موہن سے کہا تھا کہ وہ مجھے اس چار دیواری سے لے کے کہیں دور چلا جائے۔ اس نے تمہارا حوالہ دیا کہ وہ تمہیں اس موقع پر تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے محلوں کی اس زندگی میں سکون نہیں ملتا مگر تم یقین کرو کہ میرا اس سے رشتہ بے حد صاف اور سچا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں' تم میری بہن ہو اور سب سے زیادہ عزیز بہن ہو۔ مجھے یہ اعتماد ہے کہ تم کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گی جبکہ یہاں کی ریت یہی ہے مگر تم موہن کے بارے میں کیا کچھ جانتی ہو؟''

''تم نے کیا کہا؟''

میں نے کہا۔ ''میں نے موہن کو ایک آدمی کے طور پر قبول کیا ہے۔ میں دوسری باتوں پر توجہ نہیں دیتی۔ اس کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میرا انتخاب غلط نہیں ہے' پھر وہ میری باتوں میں دلچسپی لینے لگا اور پوچھنے لگا کہ تم اور کیا کیا جانتی ہو؟''

''تم نے بتا دیا ہوگا کہ میں تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتا ہوں۔''

''نہیں' میں نے یہ نہیں بتایا۔ بتاتے بتاتے رک گئی۔ میں نے اس سے کہا'

aazzamm@yahoo.com

تم شاید اپنی مصروفیات' ماحول اور تربیت کی وجہ سے بعض جذبوں سے ناآشنا ہو۔ جب میں نے موہن کو منتخب کر لیا اور اس نے مجھے' تو ہمیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں رہی کہ ہم کون ہیں' کیا اور کیسے ہیں؟ اس نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا اور میری آغوش میں سر دے کے رونے لگا۔ نہ جانے کیوں وہ روتا رہا۔ میں اسے اس کی خوابگاہ تک لے گئی اور اسے بستر پر لٹا کے دیر تک پاس بیٹھی رہی۔ وہ بھی چپ رہا۔ میں بھی چپ رہی۔ پھر وہ کہنے لگا۔ تم موہن کے پاس جاؤ' کہیں میرے خاموشی سے واپس آ جانے پر اس نے کوئی غلط رائے نہ قائم کر لی ہو۔ میں جب یہاں واپس آئی تو تم موجود نہیں تھے۔ میں باہر بھی نہیں جا سکتی تھی۔ پریشان پریشان پھرتی رہی۔ رات کو تمہاری جیبوں سے پستول اور نقدی نکلی تھی۔ طرح طرح کے اندیشے مجھے ستا رہے تھے۔ پھر میں اس کی خوابگاہ میں جاگتی رہی کہ شاید تم واپس آ جاؤ۔ صبح بینارانی کے قتل کی خبر ملی اور جگدیپ کی حویلی سے ہولناک خبریں آنے لگیں۔ جب تم آئے تھے تو تمہاری حالت بڑی خراب تھی۔ لباس پر مٹی کے نشانات تھے اور رگڑیں تھیں۔ پیشانی پر چوٹ کا نشان تھا۔ تمہیں اپنا ہوش نہیں تھا۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں نے سارا دن کس طرح کاٹا ہے۔ میں تمہارے سامنے جان بوجھ کر نہیں آئی۔ بتاؤ موہن! تم کہاں سے آئے تھے؟" وہ میرے سینے پر گھونسہ مارتے ہوئے بولی۔

"کچھ باتیں ایسی ہیں جو تم نہ پوچھو اور نہ جانو تو بہتر ہے۔ بس اتنا سن لو کہ میں کسی غلط کام کے لیے باہر نہیں گیا تھا۔ اس بھون کی بہت سی زندگیوں کا سوال تھا۔ غریب ملازموں کا معاملہ تھا جو روز قتل ہو جاتے ہیں' سمجھیں؟"

"تو کیا تم......تم؟" وہ خوفزدہ آنکھوں سے بولی۔

"نہیں۔" میں نے تحمل سے جواب دیا۔ "جیسا تم سوچ رہی ہو' ویسا نہیں ہے۔ بہت پیچیدہ معاملات ہیں۔ یہ آپس کی دشمنیاں نہیں ہیں' زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ میں نے کل بھی تمہیں سمجھایا تھا۔" میں اسی انداز سے باتیں کر کے اسے خاموش کر سکتا تھا۔ وہ مطمئن تو نہیں ہوئی مگر رونے لگی۔

"موہن! تمہاری زندگی سے اور لوگ بھی وابستہ ہیں اور وہ لوگ بہت ضدی اور اپنے آپ کا خون کر دینے والے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے شاردا! تم کہاں تک جا سکتی ہو۔ تم نے دیکھا کہ اگر ہم فرار ہو جاتے تو دنیش کا کیا بنتا اور اسے کتنا برا لگتا؟ اب تم میری باتیں مانا کرو۔ اس جگہ

میں نے اپنے ماتھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کچھ کام کی چیز بھی بھری ہوئی ہے۔"

"مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں تم ضائع نہ ہو جاؤ۔"

"تم دیکھتی رہو' ابھی تو ابتداء ہوئی ہے۔"

"یہ تم نے پہلے بھی کہا تھا' مجھے ایسی باتوں سے خوف آتا ہے۔"

"تم پگلی ہو۔" میں نے اس کے گال پر چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ "شاید سب پڑھا لکھا بھول رہی ہو۔ ہیگل کو پڑھو۔"

"میں ان دنوں شاعری پڑھ رہی ہوں۔"

"تباہ ہو جاؤ گی۔"

"تباہ تو تم نے کر ہی دیا۔"

"اوہ......دیکھو میرے دل کی دھڑکنیں گنو۔" اس نے میرے دل پر اپنا چہرہ رکھ دیا۔ رات بیت رہی تھی۔ کمرے میں سناٹا تھا۔ ایسے عالم میں نیند کہاں آتی' یہاں تک کہ صبح کا نقارہ بج گیا۔ مرغانِ سحر خیز نے نغمہ سرائی شروع کر دی تھی ۔

اٹھو سونے والو سحر آ گئی ہے

میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ صبح کا ناشتہ تیار تھا۔ شاردا کے رسیلے لبوں کا شروب۔ چلتے وقت میں نے اسے کھینچ لیا اور اس غنچہ دہن کے لبوں کی پنکھڑیاں توڑ کے منہ میں رکھ لیں۔ وہ بھاگ گئی۔ میں نے اپنے جامے میں آنے کے لیے دنیش چندر کا لباس اتار دیا۔ یہ بینارانی کی موت کا دوسرا دن تھا۔ صبح ہی صبح بزرگ عورتیں مندر کی طرف جا رہی تھیں۔ دنیش کو ایک نظر دیکھ کے میں اپنے کوارٹر میں چلا آیا۔ ڈالی نے دروازہ کھولا۔ میں اسے گلے سے لگائے لڑکھڑاتا' ڈگمگاتا پلنگ تک لے گیا اور بے سدھ گر گیا۔ جوتے اور کوٹ سمیت مجھے نیند آ گئی اور ایسی نیند آئی کہ دنیا و مافیہا کا ہوش نہیں رہا۔

کہیں دوپہر کو ڈالی نے جھنجوڑ کے زندگی سے میرا رابطہ بحال کیا۔ کئی راتوں کا قرض چند گھنٹوں میں ادا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر بھی یک گونہ تشفی ہوئی۔ نیند زندگی کا قرض ہے اور آدمی کو اس کی اوقات کا احساس دلانے کے لیے اس سے بہتر کوئی اور نسخہ نہیں لیکن یہ بیداری ایسی قاتل چیز ہے کہ نیند کے شامیانوں میں بے اجازت گھس جاتی ہے اور فیل مچاتی رہتی ہے۔ اس مرتبہ میری نیند نے بیداری کو شکستِ فاش دے

aazzamm@yahoo.com

دی تھی یا یوں کہیے کہ بیداری پوری طرح آسودہ ہو گئی تھی' تھک گئی تھی۔ جن لوگوں کا رشتہ نیند سے گہرا ہے' وہ بڑے خوش قسمت ہیں' بیداری کی لو سے بچے رہتے ہیں۔ ڈالی نے جب دوپہر کا کھانا میرے سامنے رکھا تو میری خوراک دیکھ کے وہ دنگ رہ گئی۔

''شکرے!'' وہ ناک چڑھا کے بولی۔ ''خوب کھا لے' پتہ نہیں۔ پھر کب کھانے کا وقت ملے۔''

''تو بڑی سورنی ہے۔ اب تو تیری زبان سے میٹھا جملہ نکلتا ہی نہیں۔'' میں نے گرم چمٹے سے اس کی ناک پکڑ لی۔

''آج بہت خوش معلوم ہوتا ہے' کیا کہیں آنکھ لڑ گئی ہے؟''

''ارے آنکھیں تو روز لڑتی رہتی ہیں۔''

''اسی لیے یہاں دھرنا دیے بیٹھا ہے۔ پہلے تو کتنا سیدھا سادہ تھا۔ اب تو تیری شکل ہی بدل گئی ہے۔ پرموہن داس بہروپیے' اس دن سے ڈر جو بھاگا ہوا آرہا ہے۔''

''دیکھا جائے گا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ مجھ جیسی اقسام اور حالات کے لوگوں کے پاس شاید یہی جواب ہوتا ہے۔ ڈالی سچ کہتی تھی۔ وہ دن جو بھاگا ہوا آ رہا ہے وہ تو ضرور آئے گا' کھاتے کھاتے میرا ہاتھ رک گیا۔

''کیا سوچنے لگا؟'' وہ چھلنی میں سے بولی۔ چھلنی اس نے میرے کان میں اڑا دی تھی۔

''کچھ نہیں یار!'' میں نے گہری سانس لے کے کہا۔ ''بعض اوقات تو تو تیر چلا دیتی ہے۔ ٹھیک ہے' وہ دن ضرور آئے گا مگر تو جیسا سوچ رہی ہے' ممکن ہے' ویسا نہ ہو۔'' مجھ پر اپنے لہجے کی بے یقینی سے گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

ڈالی نے میرا گھر میں بیٹھنا دوبھر کر دیا۔ خیال تھا کہ آج دن کا بڑا حصہ گھر میں گزاروں گا۔ سرِدست باہر میری ایسی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ ڈالی کا کام صرف رونا' کچوکے لگانا اور کھانا کھلانا رہ گیا تھا۔ وہ مشکل سوال کرتی تھی جن کے جواب دینے کی مجھ میں استطاعت نہیں تھی۔ لباس تبدیل کر کے میں باہر نکل گیا۔ آج موسم بدلا ہوا ضرور معلوم ہوتا تھا۔ دل میں گزشتہ دنوں جیسا انتشار نہیں تھا۔ پرکاش بھون پر گہرا سکون چھایا ہوا تھا لیکن اس سکون میں خوف اور اداسی کی آمیزش تھی۔ ڈالی نے کھانے کے دوران میں مجھے بتایا تھا کہ بھون کے بہت سے ملازم کوتوالی سے واپس

آ چکے ہیں۔ ان میں سے چند کی حالت بہت مخدوش ہے۔ ہر ایک کی کمر پر بیدوں اور ہنٹروں نے جال سا بچھا دیا ہے۔ ڈالی کو اگر میں اپنی کمر دکھا دیتا تو وہ سمندر ہو جاتی۔ میں نے اسے خود سے دور دور رکھا تھا تاکہ وہ میرے جسم کے دکھتے ہوئے حصے نہ چھو لے' اس نے دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

پولیس نے کچھ ملازم روک لیے تھے اور اس طرح گویا میرا کام آسان کر دیا تھا۔ پولیس نے ان لوگوں کو علیحدہ کر لیا ہوگا جو پرکاش بھون کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے اور یہاں کے مخالفوں کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ ان میں پولیس کو کوئی ایسا شخص نہیں ملا ہوگا جو اپنا تعلق دنیش چندر کے گروہ سے ظاہر کر سکے۔ دنیش چندر کو کوئی گروہ بنانے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اس کا گروہ صرف میں تھا۔ پولیس نے تفتیش کے لیے دونوں طرف کے آدمی پکڑے تھے۔ ان میں سب کے سب جگدیپ اور آنجہانی پرشوتم بہادر کے نمک خوار تھے یا دنیش چندر کی کسی اور مخالف طاقت کے جس کا ابھی مجھے علم نہیں تھا۔ پولیس کی مار کا مجھے خوب اندازہ تھا۔ لچکدار بید اور چمڑے کے نرم ہنٹر میں ایسی سختی اور قوت ہوتی ہے کہ تمام کثافتیں باہر آ جاتی ہیں۔ پولیس افسروں کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی۔ حالانکہ انہیں آنکھیں کھولنے کی عادت کم سے کم ہوتی ہے۔ یہ آنکھیں اور کان ہی سارے فساد کی جڑ ہیں۔ ان کے بدلے قدرت کوئی اور انتظام کر دیتی تو انسانوں کی قسمتیں بدلی ہوئی ہوتیں۔

مگر وہ کون سا گروہ تھا جو جگدیپ کی حویلی میں دیدہ دلیری سے داخل ہو گیا؟ پولیس' مہاراجا اور لاٹ صاحب کے لیے یہ صورتحال ایک تشویشناک پہلو ہوگا۔ بار بار ان کی نگاہ مجھ پر آئے گی اور واپس جائے گی۔ پولیس سے گلو خلاصی ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ مجھے نجات کا پروانہ عطا ہو گیا ہو اور جن لوگوں نے اس سنگین واقعے سے میرا نام وابستہ کیا ہے' وہ خاموش بیٹھ گئے ہوں گے۔ وہ اس بار زیادہ شدت سے میرا نام لے سکتے ہیں۔ جب تک جگدیپ زندہ ہے' اسے ریس کے میدان کی چوٹیں برابر یاد آتی رہیں گی۔ پریت کو اپنی ماں اور جگدیپ کو اپنے باپ کی موت ستاتی رہے گی۔ پولیس مجھے دوبارہ طلب کر سکتی ہے اور اس بار بیدوں اور ہنٹروں کی بجائے کسی اور چیز سے کام لے سکتی ہے۔ پولیس سے بار بار ملاقات میرے حق میں مفید نہیں تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ میں ایک طرح کے پیرول پر رہا کیا گیا ہوں اور مجھے وعدہ معاف گواہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ اس طرح پولیس آسانی سے میری نقل و حرکت کا

aazzamm@yahoo.com

تعاقب کر سکتی ہے۔ ناکامی کی صورت میں پولیس کا موجودہ عملہ تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے اور ضروری نہیں کہ سادھو دیو مہاراج ہر موقع پر نمودار ہو جائے۔

وہی بیداری' وہی فتنے۔ سکون و اطمینان کے چند ہی جھونکے چلے تھے کہ دیکھتے دیکھتے خشک ہواؤں میں تبدیل ہو گئے۔ پرکاش بھون کی فصیلوں کے باہر پولیس تعینات تھی اور سازشی ملازم کوتوالی میں سرکار کے مہمان بنے ہوئے تھے۔ جگدیپ کی کمر ابھی تک سیدھی نہیں ہوئی تھی۔ کئی آدمیوں کو میں نے اس سے پہلے ہی ابدی نیند سلا دیا تھا۔ راجے پور کے بدمعاشوں کا سرغنہ پرشوتم چتا کی آگ میں جل چکا تھا۔ پارو کا دل میں نے بدل دیا تھا۔ چند دنوں کے لیے گہری نیند لینے اور پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے امکانات نظر آتے تھے مگر یہ رعایت میں نے مسترد کر دی۔

میں باغ کے ایک گوشے میں جا کے نرم گھاس پر لیٹ گیا۔ یہ وہی مانوس جگہ تھی جہاں کیچو سے کئی بار میری ملاقات ہوئی تھی۔ کیچو' میں نے سوچنا ہی ترک کر دیا تھا۔ سادھو کی مہربانیاں' پنڈت کا ریشہ خطمی ہونا بے سبب نہیں تھا۔ اس کا سبب کیچو تھی مگر کیچو تھی کون؟ سادھو میرے ماضی سے واقف تھا مگر خاموش رہا تھا۔ وہ مجھے یہ جگہ چھوڑ کے دور دراز پہاڑوں میں لے جانا چاہتا تھا۔ کہتا تھا کہ یہ جگہ تیرے لیے مناسب نہیں ہے۔ یہ پراسرار باتیں' ذہن کو بے قرار کر دیتی تھیں۔ مجھے اس وقت ایسا محسوس ہوتا جیسے میں ایک مفلوج و معذور شخص ہوں۔ میں جو ہر معاملے میں جلد سے جلد ایک رائے قائم کر لیتا تھا مگر اس معاملے میں ناکارہ ہو جاتا تھا جس سے میری زندگی کا گہرا تعلق تھا۔ اس لیے میں نے شکست قبول کر لی تھی کیونکہ میں یہی کر سکتا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ پرسوں رات بہت نازک وقت میں' جب میرے اوسان خطا ہو گئے تھے' سادھو اندھیری رات میں کہیں سے نکل کے میری مدد کو آ گیا تھا۔ دربانوں نے مجھے اس کے ساتھ بھون میں واپس آتے دیکھا تھا مگر کسی نے پولیس کو یہ نہیں بتایا تھا کہ انہوں نے صبح نمودار ہونے سے پہلے مجھے تھکا ماندہ سادھو کے ہمراہ پھاٹک عبور کرتے دیکھا تھا۔ اس طرح میرے پستول کی چار پانچ گولیاں دربانوں پر ضائع ہونے سے بچ گئی تھیں۔ کل رات بھی عین موقع پر آ کے اس نے اعلیٰ افسران کو میرے بارے میں متزلزل کر دیا تھا۔ اس نے پرکاش بھون کی توہم پرست عورتوں کے سامنے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے میری عزت بڑھائی تھی۔ یہ باتیں ایسی تو نہیں تھیں کہ انہیں نظرانداز کر دیا جاتا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے سادھو سے دور رہنے کے بجائے اس

کے قریب ہونا چاہیے' کیونکہ اس کی برتری میں شبہے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اب یہی ہے تو یہی سہی۔

پیروں میں کھولن ہونے لگی۔ دوسرے لمحے میرا رخ مہمان خانے کی سمت تھا۔ مہمان خانہ دو عمارتوں میں منقسم تھا۔ ایک طرف یہاں چھوٹا لیکن خوبصورت مندر بنا ہوا تھا۔ جہاں پنڈتوں' سادھوؤں کے گیان' پوجا پاٹ اور رہنے کے لیے باقاعدہ حجرے تعمیر کیے گئے تھے۔ دوسری طرف معزز مہمانوں کے کمرے بنے ہوئے تھے۔ مجھے سادھو نہیں ملا۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کی حسرت ہی رہی۔ البتہ کرچھے والے پنڈت ایشوری لال نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ چپکے چپکے میرے پیچھے آیا اور عام مہمانوں کی عمارت میں ایک جگہ میرے پیروں پر گر گیا۔ میں نے اس مرتبہ اسے برا بھلا نہیں کہا۔ کاندھا پکڑ کے اٹھایا اور مضبوط لہجے میں پوچھا۔ ''پنڈت ایشوری لال! کیسے ہو؟''

''ٹھیک ہوں مہاراج!'' وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''پنڈت! اس دن فرنگی ناری کے سامنے تم نے بڑی نادانی کی تھی۔ آئندہ ایسی باتیں مت کرنا۔''

''مجھ سے بڑی بھول ہوگئی مہاراج! مجھے شما کر دو۔ اب ایسا نہیں ہوگا لیکن کچھ میری اور بھی دھیان کرو' کبھی اپنے دوار بلا لیا کرو۔ تمہاری سنگت میں مجھے بھی کچھ مل جائے گا۔ اتنے کٹھور تو مت بنو مہاراج!'' وہ عاجزی سے بولا۔

''ایشوری لال!'' میں نے بھاری آواز میں کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ میں کس روپ میں یہاں موجود ہوں۔ مجھے بھیڑ بھاڑ پسند نہیں ہے۔ تمہیں سنبھلنا چاہیے' تم تو سب کچھ کھولے دیتے ہو۔''

''مہاراج!'' وہ میرے قدم پکڑنے لگا۔ ''اب ایسا نہیں ہوگا۔''

''تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ یہاں کیا کھیل ہو رہا ہے؟''

''میں دیکھ رہا ہوں مہاراج!'' وہ گڑگڑا کے بولا۔

''بس چپ رہو' سے کا انتظار کرو۔'' میں نے اسے تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ ''جاؤ' مندر میں واپس جاؤ۔''

''اب کب درشن ہوں گے مہاراج؟''

''کسی دن آ جاؤں گا یا تمہیں بلا لوں گا۔''

وہ مسرت سے لرزنے لگا اور کرچھا نچانے لگا۔ میں اسے اسی عالم میں چھوڑ

aazzamm@yahoo.com

کے آگے چلا آیا۔ پھر اس نے میرا تعاقب نہیں کیا لیکن ابھی میں چند ہی قدم بڑھا ہوں گا کہ ٹھٹک کے رک گیا۔ میرے سامنے ترنم کھڑی تھی۔ اس کا ہاتھ سلام کے لیے اٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں نم تھیں، زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔ ”آداب!“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”آداب۔ آپ؟“ میں کہنا چاہتا تھا کہ وہ ابھی تک یہیں ہے؟ میں نے پھرتی سے بات بدل دی۔ ”آپ کو معلوم ہے یہاں کیا ہو گیا؟“

”جی۔ کچھ کچھ سنا ہے۔ ہم کئی راتوں سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“

”راجکمار دنیش پر کسی نے گولی چلا دی تھی۔ گزشتہ چند راتوں میں حیرت انگیز واقعات پیش آئے۔ اسی لیے آپ کو زحمت نہیں دی گئی۔“

”آپ ہمیں بھول گئے ہیں۔ ہمیں کون یاد رکھتا ہے۔“

”آپ کو کون بھول سکتا ہے۔ کل یہاں ایک رانی کا خون ہو گیا۔ ادھر راجکمار زخمی پڑے ہیں۔ بتایئے آپ کو بلائیں بھی تو کیسے؟“

”آپ تو ادھر آ سکتے تھے۔“

”آنے کو بہت جی چاہا لیکن حالات ہی کچھ ایسے پیش آ گئے۔“ میں نے اس کے حسین چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ وہ دن میں بھی اتنی ہی چمکدار تھی جتنی رات میں۔ بالو بھی ایسی ہی تھی۔ اسی طرح شگفتہ، الہڑ اور تابناک۔ اسے سامنے دیکھ کے اس کے ساتھ گزرا ہوا ہر لمحہ یاد آ گیا۔ وہ بھی میرا انتظار کر رہی تھی، مجھے حیرت تھی کہ ایک شب میں اس نے کیسی توقعات قائم کر لی ہیں۔ وہ ایسی لڑکی بھی نہیں تھی جسے آسانی سے درگزر کر دیا جاتا۔ ”ترنم!“ میں نے اداسی سے کہا۔ ”آپ واپس چلی جائیں، ان دنوں یہاں کی فضا بڑی خراب ہے۔ فصیل کے باہر مسلح پولیس کھڑی ہے۔ ویسے بھی آپ کو اس ماحول کا اندازہ نہیں، خود میری زندگی خطرے میں ہے۔“

اس کے رخساروں پر موتی لرزنے لگے۔ ”ہم نے کب یہ غرور کیا ہے کہ ہم آپ کو اپنے ساتھ باندھنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ہم تو خود بندھ گئے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں بھی آپ کو ہمارا یہاں ٹھہرنا گوارا نہیں؟“

”ارے نہیں۔“ میں نے کسمسا کر کہا۔ ”آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میرا مقصد یہ نہیں تھا۔ آپ یہاں قیام کریں، جب تک جی چاہے، رہیں۔ حالات کی یہ ترشی ختم ہو جائے گی۔ آپ کو کیا بتائیں، کیسی مشکلوں میں گرفتار ہیں۔“

”ہم یہ کہہ ہی نہیں سکتے کہ ہم آپ کی کوئی مدد کر سکتے ہیں۔ کاش ایسا ہوتا، کاش آپ ہمیں کوئی حکم دیتے۔“

”آپ میں کیا کمی ہے، آپ کو فن آتا ہے۔ آپ کے گلے میں رس ہے، یہ کچھ کم خوبیاں نہیں ہیں اور آپ کا دل بہت اچھا ہے۔“

”لیکن ہماری قسمت بری ہے۔“

”میں آپ سے کیا کہوں۔ آپ اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں۔ یقین کیجئے آپ کو دوبارہ بالا خانے میں بھیجنے کو دل نہیں چاہتا کیونکہ آپ کے ہاں وہ ماحول چھوڑنے کی آمادگی ہے، مگر میں آپ سے کچھ کہنے کی قوت بھی نہیں رکھتا۔ میں بہت الجھا ہوا ہوں۔ آپ نے ایک خانماں برباد کے دروازے پر دستک دی ہے۔“

”ہم آپ سے کچھ نہیں مانگتے۔ صرف اس احساس کے امیدوار ہیں کہ آپ کی رغبت ہمیں حاصل ہو گی۔ ہمارا کوئی بڑا مطالبہ نہیں ہے۔“

”میں آئندہ دو تین راتوں میں آپ کو زحمت دوں گا۔ یہاں مہمان خانے میں یہ باتیں نہیں ہو سکتیں اور مناسب بھی نہیں ہے۔“

”ہم آپ کا انتظار کریں گے۔“

”آپ کے ساتھ جو لوگ ہیں، انہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟ یقیناً وہ واپس جانے کے لیے اصرار کر رہے ہوں گے؟“

”انہوں نے ہماری زندگی جہنم بنا دی ہے۔ آپ کو پتہ نہیں ہم کن کن بہانوں سے انہیں روکے ہوئے ہیں۔“

”میں انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔“ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ترنم بڑی دلگداز باتیں کر رہی تھی۔ ایسے سوالوں کا جواب فوراً نہیں دیا جاتا۔ میں تو یوں بھی پہلے سے متعدد سوالوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس کی نم آنکھوں اور ملتجی چہرے کے سامنے صاف جواب دینے کی جرات کوئی شخص نہیں کر سکتا تھا۔ میں اس کی آنکھوں کی بجلیوں سے بچ کے چلا تو آیا لیکن وہ تو میرے جسم میں کھب گئی تھیں۔

اس شام دنیش کی حالت نسبتاً بہتر تھی۔ وہ ملاقاتی کمرے میں مہمانوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میں دھیرے سے اندر رینگ گیا۔ دنیش نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ رات تک میں کمرے میں بند دیوان پر لیٹا رہا۔ پریت، ہیما، کسم، پولیس نے مشتبہ ملازموں کو تفتیش کے لیے پکڑ لیا تھا، مگر محل کے اندر نرم بستروں پر سونے والے اصل لوگ چین

aazzamm@yahoo.com

کی بنسی بجا رہے تھے۔ جی میں آتا تھا کہ آج ہی رات پریت کے پاس جاؤں اور اس کا مزاج پوچھوں لیکن اخلاقاً اسے اپنی ماں کا غم منانے کے لیے کچھ مہلت ضرور ملنی چاہیے تھی۔ ایسے موقع پر اس سے کوئی فیصلہ کن بات نہیں ہو سکتی تھی۔ بینارانی کی موت کے بعد میں نے اس کا غمزدہ چہرہ ایک ہی بار دیکھا تھا۔ غور سے دیکھنے کی حسرت تھی کہ اس عالم میں وہ چھیلی تتلی کیسی لگتی ہے۔ اندھیرا گہرا ہونے کے بعد میں باہر آیا۔ اس وقت بھی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے پارو کو اشارہ کیا' وہ کچھ دیر بعد اٹھ گئی۔ پندرہ بیس منٹ توقف کے بعد میں بھی راہداری میں آ گیا اور جیسے ہی موقع ملا' تیزی سے پارو کی نشاط گاہ میں داخل ہو گیا۔ پارو نے پہلے سے دروازہ کھلا رکھا تھا۔ میرے پہنچنے کے بعد دروازہ فوراً بند کر دیا گیا۔ ''موہن!'' وہ بری طرح مجھ میں سما گئی۔ ''تم نے رات بھر انتظار کرایا۔''

''رات کو موقع ہی نہیں ملا۔'' میں نے اسے مکمل طور پر اپنے بازوؤں میں چھپا لیا اور اس کا نازک سراپا اٹھا کے خوابگاہ کے اندر لے آیا۔ ''آج میرے پاس پستول نہیں ہے۔''

''خالی ہو گیا ہوگا۔'' وہ بانکپن سے بولی۔ ''خیر میرے پاس موجود ہے۔ اگر کہو تو......''

''شوٹ کر دوں۔'' میں نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

''مجھے نا۔ چلو تمہارے ہاتھ سے موت بھی قبول ہے۔'' وہ شوخی سے بولی۔ ''خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ تم ہمیں اور کتنا متاثر کرو گے؟''

''میرا خیال ہے' اب تو میرا درجہ گھٹ جانا چاہیے۔''

''تم نے بہت تیزی دکھائی۔'' وہ مچل کے بولی۔ ''تم نے ایک ہی رات میں یہاں' وہاں یہ کیا جادو کر دیا؟''

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''مجھ سے تم کچھ نہیں چھپا سکتے۔''

''کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ہی......''

''میں تمہیں داد دے رہی ہوں۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ ''تم نے مجھے ایک اور ہی انداز سے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔''

''وہ کیا ہے؟'' میں کہنا چاہتا تھا کہ الٰہی خیر ہو مگر کہتے کہتے رہ گیا۔ ''بھگوان

ن میں رکھے۔'' میں نے کہا۔

''میں یہ سوچتی ہوں کہ تمہیں یہاں سے لے کر فوراً نکل جاؤں ورنہ تم کچھ دن اور یہاں رہے تو راجے پور میں کوئی زندہ نہیں رہے گا۔''

''یہ خودغرضی ہے یا انسان دوستی؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

''کچھ بھی ہو' بہرحال اب تمہیں تیار ہو جانا چاہیے۔ ہم کہیں بہت دور نکل جائیں گے' ہو سکا تو ملک سے باہر چلے جائیں گے۔''

''تم نے خوب سوچ سمجھ لیا ہے۔'' میں مسکرا کے بولا۔

''میں ان دنوں یہی سوچتی رہتی ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم مجھ سے چھن نہ جاؤ کیونکہ تم بہت تیزی سے آگے جا رہے ہو۔''

''پھر بھی میں تم سے آگے نہیں جا سکتا۔ تمہارے حسن کے سامنے سب پانی ہے۔ سب دھواں' جب تم میرے بارے میں ایسی باتیں کرتی ہو تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے' جیسے میں سویا ہوا ہوں۔''

وہ میرے سامنے اس طرح بیٹھ گئی جیسے آج ہی تمام فیصلے کر لے گی۔ ''موہن! مجھے خود پر اعتماد ہے کہ میں تمہیں اپنی جانب کھینچنے کی تمام خوبیاں رکھتی ہوں۔'' میں سنتا رہا۔ ''مگر وقت بڑی بے اعتبار چیز ہے۔ پتہ نہیں کل کیا ہو جائے؟ اس سے پہلے میں تم پر اپنی مہر لگانا چاہتی ہوں۔''

''مہر تو تم لگا چکی ہو۔''

''تم اس وقت سنجیدہ نہیں ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''میں بالکل سنجیدہ ہوں۔''

''خبر نہیں' تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''پارو۔'' میں نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ ''ابھی کچھ قضیے اور نمٹانے ہیں۔ میں چیزیں درمیان میں چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔''

وہ اپنی نشست بدل کے میرے سرہانے آ بیٹھی اور اس نے تمکنت سے پوچھا۔ ''لیکن پھر تم بری طرح الوالو ہو جاؤ گے۔''

''میں الوالو ہو چکا ہوں۔ یہ فرار کا وقت نہیں ہے۔ تم جیسی ذہین لڑکی یہ بات کیوں نہیں سمجھتی؟''

''میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ مہاراجا سازشیوں کے گروہ کا سراغ لگانے

aazzamm@yahoo.com

میں بے حد سنجیدہ ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ انگریز اس انتشار سے فائدہ اٹھائے۔"

"اور انگریز کیا سوچ رہا ہے؟"

"انگریز وہی سوچ رہا ہے جس کا ثبوت اس نے پورے ہندوستان میں دیا ہے۔" پارو نے تیزی سے جواب دیا۔

"اور مجھے کیا سوچنا چاہیے؟ خود کو علیحدہ کر کے بتاؤ۔"

"میں خود کو علیحدہ کیسے کر سکتی ہوں؟" وہ ناراضگی سے بولی۔ "میں نے اس وحشت ناک ماحول میں چند ہی سال گزارے ہیں۔ اگر تم نہ آتے تو کچھ اور سال گزر جاتے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جو مشورہ تم نے مجھے دیا تھا' اب خود تمہیں اس کی ضرورت ہے۔"

"انگریز کمانڈر کرنل ہارڈنگ کے متعلق کیا رائے ہے؟"

"وہ بھی دوسرے انگریزوں سے مختلف نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اسے اپنے پاس دراز کر لیا۔ "پارو! تم حسن اور ذہانت کا شاہکار ہو۔ میں تمہیں خود سے بہت قریب سمجھتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم وہ کتاب ہو جسے میں نے تصنیف کیا ہے۔ تم میری تخلیق ہو۔"

"اور مجھے کچھ نہیں کہنے دو گے؟ جب مجھے کل صبح خبر ملی کہ بینارانی....."

وہ مجھے تمام واقعہ سنانے لگی کہ وہ کتنی بے چین ہو گئی تھی۔ پھر وہ جگدیپ کے گھر لوگوں کی قیاس آرائیوں اور شہر کی سنسنی کے متعلق باتیں کرتی رہی۔ اس کا خیال بھی یہی تھا کہ اب کچھ دنوں کے لیے امن ہو جائے گا لیکن یہ عارضی امن ہوگا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تم کوئی خاص خبر سناؤ گی۔" میں نے اس کی طویل داستان سننے کے بعد کہا۔

"کیا اس سے میری اہمیت کم ہو جاتی ہے؟"

"ارے نہیں۔ تم بڑے چبھتے ہوئے سوال کرتی ہو۔ تمہاری اہمیت سے میں پوری طرح واقف ہوں۔ اسی لیے یہاں موجود ہوں۔"

"تم نے میری باتوں کا جواب نہیں دیا؟"

"اس کی کوئی وجہ ہوگی۔"

"اعتبار؟"

"میں تمہارے معاملے میں اندھا ہو گیا ہوں۔"

"تو پھر اپنی انگلی میرے ہاتھ میں دے دو۔"

"یہ لو۔" میں نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس نے میری انگلی چوم لی۔ میں اس کے پاس بہت دیر تک رہا۔ وہ مجھے اپنی ذہانت سے متاثر کرتی رہی۔ اس کا انداز سب سے مختلف تھا۔ شائستہ' تیز' بلیغ۔ میں اٹھنے لگا تو وہ پژمردہ ہو گئی۔ "اب مجھے تنہائی محسوس ہوتی ہے۔" وہ دروازے پہ پہنچ گئی۔

"اپنے آپ کو مصروف رکھو۔ ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ تم میرے لیے بہت قیمتی معلومات جمع کر سکتی ہو۔" میں نے اس کا رخسار سونگھتے ہوئے کہا جس میں اس کے حسن کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔

راہداری سنسان پڑی تھی۔ مجھے پارو کے ہاں سے نکلتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔ میں دنیش کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کھانا نہیں کھایا تھا اور تمام لوگوں سے نمٹ کر میرا انتظار کر رہا تھا۔ کھانا لگوانے کے بعد ہم ایک کمرے میں بند ہو گئے۔ دو دن کی بے تابی کے بعد آج اسے مجھ سے باتیں کرنے کا موقع ملا تھا۔ میں نے جستہ جستہ واقعات سنا کے اسے حیران کر دیا۔ ہم اس وقت خوابگاہ میں ترنم کو بلا کے بینارانی' پرشوتم اور کنور پردیپ کے قتل کا جشن منا سکتے تھے مگر ہم نے آدھی رات باتوں میں گزار دی۔ صبح ہونے سے پہلے میں نے اس سے کہا۔ "کیا آپ پروفیسر زاہدی کا میک اپ دوبارہ کر سکتے ہیں؟"

"کیوں؟" وہ تعجب سے بولا۔

"مجھے تیار کر دیجیے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "اور اپنی کار کا انتظام بھی کیجئے۔ میں یہاں سے باہر جانا چاہتا ہوں۔"

"کہاں؟ کیا تمہیں کوئی نیا شوشہ سوجھا ہے؟"

"ہاں' میں کرنل ہارڈنگ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کرنل ہارڈنگ سے؟" وہ اچھل پڑا۔ "کیا تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔ ہم انگریزوں سے ایسا مذاق نہیں کر سکتے۔"

"میں یہ بات ہوش و حواس میں کہہ رہا ہوں۔ آپ کو شک ہوگا کہ کرنل کی بیٹی ریتا میرے سلسلے میں مشکوک ہو گئی ہے۔ اب دوبارہ میرا وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔ اس کے باوجود میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

"میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ اس میں خطرے ہی خطرے ہیں۔ تم انگریز چھاؤنی میں تنہا جاؤ گے اور بہروپ بھر کر؟" وہ ناگواری سے بولا۔ "نہیں۔ یہ ناممکن ہے۔"

"آپ مطمئن رہیے۔ میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ کرنل ہارڈنگ سے میرا ملنا ضروری ہے۔"

"ریتا یاد آ رہی ہے؟" وہ اچانک شوخی سے بولا۔

"یہی سمجھ لیجئے۔" میں نے سکون سے کہا۔

"اور......اور شاردا؟" وہ تذبذب سے بولا۔

"کیا ریتا کو ضائع کر دیا جائے؟" میں نے پہلی بار تلخی سے کہا۔

وہ مجھے سمجھاتا رہا اور آخر اسے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ صبح کے قریب اس نے پھر مجھے نوشتہ بنایا' مہیش چندر کا سوٹ' ٹائی' عینک' داڑھی۔ میں تھوڑی دیر میں ایرانی جنٹلمین بن گیا۔ "میں کیسا لگتا ہوں؟" میں نے آئینہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بالکل پروفیسر زاہدی۔ مگر خیال رہے کرنل ہارڈنگ کو تمہاری یہ داڑھی پسند نہیں ہے۔"

"میں اس کی پسند کا احترام کروں گا۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

"آپ کی سمجھ میں سب کچھ آ جائے گا' جب میں واپس آؤں گا۔"

"تم کس کے ساتھ جاؤ گے؟ ڈرائیونگ تمہیں نہیں آتی ہے اور ڈرائیور کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔ وہ تمہیں پہچان سکتا ہے۔ پھر تم باہر کھڑی ہوئی پولیس کو کیا جواب دو گے؟"

"مجھے آپ لے جائیں گے۔"

"میں۔ میرا ہاتھ تو زخمی ہے۔"

"آپ صرف بڑے چوک تک گاڑی چلائیں گے' وہاں سے میں کوئی سواری پکڑ لوں گا۔ آپ کی موجودگی میں پولیس کا کوئی آدمی گاڑی نہیں روک سکتا۔ اگر آپ گاڑی نہیں چلا سکتے تو مجھے مجبوراً شاردا کو لے جانا ہوگا یا کسی اور کو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔" دنیش نے جلدی میں صرف شیروانی پہن لی اور مانگ کاڑھ کے باہر آ گیا۔ صبح کی روشنی پھیلنے کے آثار تھے۔ احتیاطاً میں نے ایک پستول جیب میں رکھ لیا۔ شیروانی میں دنیش کی وجاہت قابلِ دید تھی' وہ ایک شہزادہ نظر آ رہا تھا۔ سرخ و سپید' پروقار۔ دربان نے کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ وہ دنیش کو دیکھ کر بت بن گیا تھا۔ دنیش نے بآسانی ایک ہاتھ سے گاڑی ڈرائیو کر لی تھی۔ بھون کے باہر پھیلے ہوئے پولیس کے جوان چوکنا ہوئے مگر کسی کو گاڑی روکنے کی جرات نہیں ہوئی۔ دنیش نے مجھے قریبی چوک سے پہلے ایک مناسب جگہ اتار دیا اور آخر وقت تک کہتا رہا کہ میں اپنے ارادے سے باز آ جاؤں۔

چوک سے ایک تانگے میں بیٹھ کر میں اس جگہ آ گیا جہاں راجے پور سے باہر جانے کے لیے گاڑیاں کرائے پر ملتی تھیں۔ وہاں ٹیکسی جیسی کوئی گاڑی نہیں تھی۔ چھاؤنی راجے پور سے پندرہ میل دور تھی۔ تانگے میں دوپہر ہو جاتی۔ میں نے ایک بس ڈرائیور سے کہا کہ وہ مجھے چھاؤنی چھوڑ دے۔ اس نے نخوت سے انکار کر دیا لیکن جب میں نے اس کے ہاتھ میں سو کا نوٹ رکھا تو اسے اپنے رویئے پر معذرت کرنی پڑی۔ میں اس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔ بس راجے پور کے سبزہ زار پہاڑوں سے گزرتی ہوئی چھاؤنی کے علاقے میں میری توقع سے پہلے پہنچ گئی۔ مجھے سفر کی خبر ہی نہیں ہوئی۔ میں گرد و پیش کے نظاروں میں کھویا رہا۔ چھاؤنی کے گیٹ سے کچھ دور میں بس سے اتر گیا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔

گیٹ پر معلومات اور داخلے کی اجازت کے لیے ایک کوٹھری بنی ہوئی تھی اور ہندوستانی جوان پوری مستعدی سے اپنی روزی حلال کر رہے تھے۔ مجھے گیٹ پر روک لیا گیا۔ "کس سے ملنا ہے؟" ایک گرجدار آواز آئی۔

"آفیسر ان کمانڈ کرنل ہارڈنگ سے۔" میں نے متانت سے جواب دیا۔

"کوئی اپوائنٹ منٹ؟" اس کے لہجے میں کسی قدر نرمی آ گئی۔

"نہیں مگر انہیں مطلع کر دو۔ کہو کہ تہران سے پروفیسر زاہدی آیا ہوا ہے۔" میں نے تحمل سے جواب دیا۔

"آپ اندر انتظار کریں۔" مجھے کوٹھری میں بٹھا دیا گیا اور ایک دوسرے

aazzamm@yahoo.com

جوان نے کرنل کے سیکرٹری سے فون پر رابطہ قائم کیا۔ مجھے چند لمحے توقف کرنا پڑا جیسے ہی جوابی فون کی گھنٹی بجی اور ریپشنسٹ نے ریسیور کانوں سے لگایا۔ وہ اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا اور مجھے تعظیم دیتے ہوئے بولا۔ ''آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ کرنل صاحب آپ کے منتظر ہیں۔ ٹھہریئے' میں آپ کے لیے گاڑی کا بندوبست کر دیتا ہوں۔'' اس نے فوراً ایک ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ مجھے کرنل کی قیام گاہ تک پہنچا دے۔

کرنل کی وسیع و عریض کوٹھی سبزے اور پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور دروازے پر اس کی حسین بیٹی میری منتظر تھی۔

☆......☆......☆

Scanned By Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

اس وسیع و عریض قلعہ نما عمارت کے سبزہ زار میں کوئی پھول اس سے زیادہ لکش نہیں تھا۔ دور ہی سے ایسا معلوم ہوا جیسے دروازے میں گلاب کے پھول نے انسانی بدن کی شکل اختیار کر لی ہو۔ میرے دل کا پارہ تیزی سے حرکت کرنے لگا۔ آفیسران مانند عزت مآب' فضیلت مآب کرنل ہارڈ تگ کی شفق رنگ لڑکی دروازے پر میری منتظر تھی۔ جیسے ہی اس نے مجھے اور میں نے اسے دیکھا' ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف جھپٹے اور میں نے اس کے دونوں بازو مضبوطی سے پکڑ لیے۔ ''اوہ ریتا۔ ریتا!'' میں نے والہانہ انداز میں کہا۔ ''تم کیسی ہو؟''

اسے شاید یقین نہیں آیا کہ میں ہی اس کے سامنے کھڑا ہوں۔ وہ حیرت سے میرا چہرہ تک رہی تھی جیسے مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس نازک اندام کو کچھ کہنے میں مشکل پیش آئی۔ پھر اس کے ہونٹ تھرکنے لگے اور بدن لرزنے لگا۔ ''اوہ ہیلو پروفیسر زاہدی!'' اس نے بے قراری سے کہا۔ ''میں تمہارا شدت سے انتظار کر رہی تھی۔''

میں نے اس کی بے تابی اور تپاک کو بطور احتیاط ایک بار پھر اپنے ذہن کے ترازو میں تولا کہ آنے والے لمحوں میں میرا رویہ ہر خامی سے مبرا ہو جو کچھ اس نے کہا وہ میں نے سن لیا' وہ انگریزی میں مجھ سے مخاطب تھی اور میں راج محل کی خصوصی عورت میں انگریزی سے اپنی ناواقفیت کا اعلان کر چکا تھا۔ ریتا انگریزی کے سوا کوئی زبان نہیں جانتی تھی۔ کاش مجھے اس وقت چند لمحوں کے لیے انگریزی بولنے کی اجازت مل جاتی۔ ''یو۔'' میں نے اس کی گداز سینے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ ''ویٹ می۔ مائن۔ ٹیرا۔''

''ہاں تمہارا۔'' وہ اضطراب سے بولی۔ ''تمہارا۔''

میں نے کچھ سمجھنے نہ سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔ آئی ایم ساری ریتا۔ آئی

aazzamm@yahoo.com

ڈونات نو انگلش بٹ......" میں نے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کہا۔ ایک پروفیسر ج
سیاحت کا دعوے دار بھی ہو' ایسے ابتدائی جملے کسی بھی زبان میں بول سکتا ہے۔ میں نے
پہلے ہی مرحلے میں اٹکتے اٹکتے انگریزی کے چند لفظ ادا کر کے اس کے اور اپ
درمیان ترسیل کی مشکل کسی حد تک دور کر دی۔

"آہ پروفیسر' مجھے خود افسوس ہے کہ میں ہندوستانی یا ایرانی نہیں جانتی۔" و
حسرت سے بولی۔ "لیکن میں روزانہ بہت شوق اور تیزی سے ہندوستانی سیکھ رہ
ہوں۔" اس نے جوش میں کہا اور میری آنکھیں تکنے لگی کہ میں نے اس کی بات سمجھ لی
ہے یا نہیں؟ میری آنکھوں پر ہلکے براؤن رنگ کا چشمہ لگا ہوا تھا۔

"اموشن۔ جذبۂ فیلنگ۔ احساس" میں نے ہاتھوں سے گیند بناتے ہوئے
کہا۔ "آل اوور دی ورلڈ۔"

وہ میرے سادہ اور پرکار انداز پر کھل کھلا کر ہنس پڑی اور اس کے سفید
دانتوں کے موتی بکھر پڑے اور اس کا بدن رقص کے انداز میں لہرا گیا۔ میں کہنا چاہتا
تھا کہ جذبے اور احساس کی بے حرف و نوا زبان تمام دنیا میں سمجھی جاتی ہے' مجھے ایک
اعتبار حاصل تھا۔ ایک اعتماد کہ ریتا میں' میرے اشارے اور میری زبان سمجھنے کی حیرت
انگیز آمادگی پیدا ہو چکی ہے۔ یہ اعتماد نہ ہو تو گفتگو کے حسین سے حسین' دلکش سے دل
کش پیرائے بھی بے اثر ہوتے ہیں۔ یہ میری اس سے تیسری ملاقات تھی۔ پہلی اور
دوسری مرتبہ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ بس ایک رندانہ جرأت کی ضرورت ہے' میرے
اور اس کے درمیان آفاقی زبان کا رشتہ استوار ہو چکا ہے۔ اس کا بار بار فون کرنا
پرکاش بھون میں بے تابانہ آنا اور پنڈت ایشوری لال کا مہمیز کرنا کہ ایک دیسی شخص
اس کے بدن کے قلعے میں کہیں چھپ گیا ہے۔ اب میں اس کے سامنے تھا۔ ایران
کا پروفیسر زاہدی۔ آنکھوں پر سنہری کمان کا ہلکا براؤن چشمہ لگائے ہوئے' چھوٹی سی
داڑھی' تیکھی مونچھیں' اعلیٰ درجے کا ولایتی سوٹ' ایرانیوں کا سرخ و سپید رنگ' اونچا قد
چوڑے شانے' نوجوان' تازہ اور شگفتہ' وجیہہ' تیز طرار' چاق و چوبند۔ یہ پروفیسر زاہدی تھا
یا دنیش چندر کا خاص ملازم موہن داس یا کوئی اور...... ریتا کچھ بھی سمجھتی ہو' مجھے اس کی
فکر نہیں تھی۔ اس کی فکر ہوتی تو میں انگریز چھاؤنی کے اس خطرناک علاقے میں آنے
کی جرأت نہ کرتا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ہر صورت میں میری پذیرائی کرے گی' ایسے
معاملات میں افریقی' لاطینی' مصری زبان کا جانا ضروری نہیں ہوتا۔ وہ ایک تمکنت

یرت' وقار اور ناز سے میرا جائزہ لے رہی تھی اور اس کے چہرے پر گلابی سرخ رنگ
پھوٹے پڑ رہے تھے۔ ہم دونوں بچھڑے ہوئے اور منتظر لوگوں کی طرح ایک دوسرے
سے ملے۔

"پروفیسر!" وہ کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے بولی۔ "ڈیڈی تمہیں یاد کر رہے
تھے۔"

"اوہ کرنل۔ گریٹ مین۔" میں نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔ "فادر یور فادر
ی۔" میں نے اشاروں میں پوچھا کہ وہ فتنہ ساماں کہاں ہے؟

"وہ اندر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" ریتا میرا ہاتھ تھام کر اندر کی طرف لے
جانے لگی۔ اس نے بہت پائیداری سے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ ہم اس پرشکوہ عمارت
کے مختصر سے علاقے سے گزرے۔ میں راستے میں بڑبڑاتا رہا اور ریتا اشتیاق سے مجھے
دیکھتی رہی۔ انگلستان کے کسی لارڈ کی جاگیر میں بھی شاید اس طرح کا دبدبہ نہ ہوگا۔
انگریزوں کی نفاست اور قدامت کی آئینہ دار اس عمارت کا ماحول بہت پرسکون اور ٹھنڈا
تھا۔ درمیانی درجے کے ایک سجے ہوئے کمرے میں کرنل ہارڈنگ صوفے میں دھنسا ہوا
سگار کا دھواں اڑا رہا تھا۔ اس کی نشست و برخاست میں برطانیہ کے شاہی خاندان کے
لوگوں کا سا اعتماد تھا۔ ہندوستان میں ویسے بھی ہر انگریز بجائے خود ایک بادشاہ ہوتا تھا۔
میری آمد پر آفیسران کمانڈ اپنی نشست سے اٹھا اور عجب معنی خیز مسکراہٹ ہونٹوں پر
سجائے ہوئے آگے بڑھا۔

"خوش آمدید پروفیسر زاہدی!" اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

میں نے منہ کھولنے سے پہلے اطراف اور بطور خاص اس کا جائزہ لینا
مناسب سمجھا۔ پھر میں نے مضبوط لہجے میں پوچھا۔ "کہیے آپ کیسے ہیں کرنل؟"

"اپنی بتایئے پروفیسر! آپ اچانک کہاں غائب ہوگئے تھے؟"

"اپنا کیا ہے۔" میں نے بے پروائی سے شانے اچکاتے ہوئے بے ساختہ
کہا۔ "کبھی یہاں' کبھی وہاں' اپنی قسمت میں گردش ہی لکھی ہے۔"

"آپ اس قدر متاثر کر کے چلے گئے۔ میں آپ کو یاد کر رہا تھا۔" کرنل
نے محتاط لہجے میں شائستگی سے کہا اور میرے ساتھ ہی ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے
محسوس کیا کہ اس کی نظریں مختلف سمتوں سے مجھ میں چبھ رہی ہیں۔ ریتا ہمارے سامنے
کی کرسی پر ہمہ جان' ہمہ دل مستعد بیٹھی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

"آپ کی مہربانی ہے کرنل جو آپ نے مجھے یاد رکھا' مجھے آپ کی مصروفیات کا اندازہ ہے لیکن اس دن مہاراجہ کی دعوت میں آپ سے کچھ ایسی رفاقت پیدا ہو گئی تھی کہ میں دوبارہ ملنے کے لیے بے چین تھا۔"

"میں سمجھا تھا شاید آپ نے بھی ہندوستانیوں کی طرح ہمیں غیر سمجھا۔ کرنل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر آپ نے سارے شکوے دور کر دیے۔"

"ابھی کیا۔" میں نے قلندرانہ انداز میں کہا۔ "اب آیا ہوں تو آیندہ ہونے والے شکوے دور کرنے کا بھی انتظام کرتا جاؤں گا۔"

"آپ کیا پئیں گے؟"

"یہ کہیے کہ کیا کھائیں گے۔" میں نے ٹانگیں پھیلا کر کہا۔

"اوہ یقیناً یقیناً۔" کرنل کسی نواب کی طرح معذرت خواہانہ لہجے میں بولا اور ریتا سے انگریزی میں مخاطب ہوا۔ "پروفیسر کے لیے جو کچھ چھاؤنی میں موجود ہے' منگواؤ۔" چھاؤنی میں بندوق' توپیں' سنگینیں اور بارود موجود ہوگا۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ اس کے سوا کوئی اور چیز ہو تو منگوایئے لیکن میں انگریزی نہیں جانتا تھا' میں سن کر خاموش ہی رہا۔ "ریتا تو آپ کی تلاش میں پرکاش بھون تک گئی تھی۔" کرنل نے یہ نہیں کہا کہ اسے وہاں میری شباہت کا ایک شخص بھی نظر آیا تھا۔ انگریز غیر ضروری باتیں اسی وقت کرتے ہیں' جب وہ اس کی ضرورت سمجھتے ہوں۔

"ریتا ایک حیرت انگیز لڑکی ہے کرنل!" میں نے شائستگی سے کہا۔ "وہ آپ ہی کی بیٹی ہے۔ پروقار' شان دار' شفیق' نرم' زیرک۔"

"اسے ہندوستان میں سب کچھ نیا نظر آتا ہے' چونکہ وہ ابھی ابھی آئی ہے اس کی ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی۔ میں اسے برطانیہ چھوڑ آیا' اب وہ اتنی بڑی ہو کے آئی ہے کہ پہچانی بھی نہیں جاتی۔" کرنل ہنستے ہوئے بولا۔ "ہندوستان اور برطانیہ میں بہت فرق ہے' یہ ایک بالکل مختلف دنیا ہے اور ریتا کے لیے کسی تماشے سے کم نہیں ہے۔"

"پورا ہندوستان انگریزوں کی تماشا گاہ ہے۔" مجھے اپنی زبان پر قابو نہیں رہا جو بات منہ سے نکل گئی وہ دوسرے کی ہو گئی۔

میرے جملے پر کرنل نے مجھے تیکھی نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہو گئیں لیکن چند ہی لمحوں میں وہ معتدل ہو گیا اور خیال انگیز لہجے میں کہنے لگا

"پروفیسر! کبھی کبھی میں سوچتا ہوں' اگر ہندوستان میں انگریز نہ آتے تو کیا ہوتا؟"

"تو ہندوستان آزاد ہوتا۔" میں نے برجستہ کہا۔

"ہندوستان آزاد تو ہوتا مگر صدیوں پیچھے ہوتا۔"

"یا صدیوں آگے ہوتا۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"ممکن ہے مگر ایسا مشکل نظر آتا ہے' صنعتی انقلاب سب سے پہلے انگلستان میں آیا تھا۔ ہم نے وہ سب ان خوابیدہ لوگوں کو منتقل کر دیا۔ فرانس اور دوسرے ملکوں کی نام نہاد نوآبادیوں میں ایسا نہیں ہوا۔"

"کہیں بھی نوآبادیوں کا اتنا وسیع کاروبار نہیں ہوا۔ انگلستان سب سے بازی لے گیا۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔ "بہرحال کرنل یہ آپ کے اور ہندوستان کے معاملے ہیں۔ مجھے ان سے کیا غرض' میں تو آپ سے ملنے آیا ہوں۔ میری حیثیت نہ آپ کی رعایا کی ہے اور نہ ایک مفتوح شخص کی۔ میں آپ کا دوست ہوں' میرا خیال ہے' مجھ میں ایک بہترین دوست بننے کے تمام جراثیم موجود ہیں۔ آپ مجھ سے تمام مسائل پر صاف صاف گفتگو کر سکتے ہیں' البتہ ایک بات پر مجھے بڑی حیرت ہے کہ جو دانش ور انگریز' زمانے کی تغیر پذیر خصلت' تاریخ کے نشیب و فراز اور متلون مزاج ماضی پر گہری نظر رکھتے ہیں' وہ ہندوستان کے معاملے میں آنکھیں کیوں بند کر لیتے ہیں۔"

کرنل سکون سے میری باتیں سنتا رہا اور ریتا کسی بچی کی طرح ہم دونوں کے چہروں پر کچھ پڑھنے کی کوشش کرتی رہی۔ کرنل نے اطمینان سے سگار کی راکھ جھاڑی اور اپنے چہرے کا معمولی تکدر رومال سے صاف کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ دور اندیش شخص انگریز عالموں کی طرح ہندوستان کے آنے والے دنوں کے متعلق ایک منطقی رائے رکھتا ہے مگر سرکار برطانیہ کا ایک وفادار ملازم بھی ہے۔ انگریز اندر سے کنویں ہوتے ہیں' اپنی تہہ کا پتہ نہیں دیتے۔ "پروفیسر! آپ ایک ہندوستانی قوم پرست کے لہجے میں باتیں کر رہے ہیں۔" کرنل نے بلند آواز میں کہا' اس کے لہجے میں طنز تھا۔ "یہ بڑی دلچسپ بات ہے۔"

"اس کی کئی وجوہ ہیں' میں نے آپ سے کہا تھا کہ ہندوستان میرا دوسرا وطن ہے' یہاں میرے بے شمار دوست ہیں۔ صرف راج کمار دنیش ہی نہیں' یہاں کے چھوٹے آدمیوں سے بھی میرا گہرا تعلق ہے۔ میں یہاں کی تہذیب میں رچا بسا ایک شخص ہوں۔ کرنل! میں ہندوستانیوں سے آپ سے زیادہ واقف ہوں۔" میں نے پرزور

aazzamm@yahoo.com

الفاظ میں کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں اور ہمیں ہندوستانیوں کی فکر اور دوسرے امور کے بارے میں بتائیں مگر آپ تو پراسرار طور پر غائب ہوگئے۔"

"میں جس طرح چلا گیا تھا' اسی طرح واپس بھی تو آ گیا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "میں نے راجے پور فون کیا تو ڈینش کو گولی لگنے کی خبر ملی اس لیے تمام کام چھوڑ کے میں یہاں بھاگا بھاگا آ گیا۔ شکر ہے ڈینش اب ٹھیک ہے۔ یہاں آ کے پتہ چلا کہ ان دنوں راجے پور کی فضا بڑی خراب ہے۔ ہر طرف گولیاں چل رہی ہیں۔ کئی بے گناہ آدمی مارے گئے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟" میں نے تشویش سے کہا۔ "کرنل آپ ہی کچھ بتایئے۔"

"پروفیسر!" کرنل خاصا سنجیدہ ہوگیا۔ "حالات بہت پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ ایسی بدامنی میں ہم کیا سوچ سکتے ہیں اور کیا کر سکتے ہیں۔"

میں نے یہ مشورہ اپنے پاس ہی رہنے دیا کہ آپ ایک کرم فرمایئے' یہ ملک چھوڑ دیجئے۔ "کیا میں آپ کی کوئی خدمت کرسکتا ہوں۔" غالباً اپنی خدمات پیش کرنے کا یہ مناسب وقت تھا۔

"آپ بہت کچھ کرسکتے ہیں پروفیسر زاہدی!" کرنل سرد آہ بھر کے بولا۔ "ہندوستان میں ہر طرف خون بہہ رہا ہے' لوگ اتنے خون خوار ہو گئے ہیں کہ ایک دوسرے کو کاٹ کھانے لگے ہیں۔ ایسی صورت میں ہماری کیا خواہش ہوگی۔" کرنل نے ٹھیر ٹھیر کے کہا۔ "ہماری خواہش بھی یہی ہونی چاہیے کہ یہاں امن و سکون رہے' یہ لوگ ترقی کرتے اور نئے زمانے میں شامل ہوتے رہیں۔ چاہے اس امن کے لیے ہمیں جبر کرنا پڑے۔"

"فساد برائے امن' جنگ برائے امن۔ میں آپ سے متفق ہو رہا ہوں کرنل!" میں نے خوش دلی سے کہا۔ حالانکہ مجھے یہ کہنا چاہیے تھا کہ آپ اپنی صحت کیوں خراب کر رہے ہیں۔ "ویسے جناب کرنل!" میں نے پہلو بدل کے کہا۔ "شاید آپ کے علم میں ہو کہ دنیا میں آپ کا کیا چرچا ہو رہا ہے۔ میرے سچ پر ناراض نہ ہو جایئے گا۔ مشہور ہے کہ انگریز ہندوستانیوں کو لڑوا کے اپنے کھونٹے مضبوط کر رہے ہیں۔"

"ہمارے کھونٹے کمزور کہاں ہیں؟" کرنل بھڑک کر بولا۔ "ہم ویسے بھی بے شمار طریقوں سے لوگوں کو قابو میں کرنا جانتے ہیں۔ برطانیہ عظمٰی کی یہ برتری انگریزوں کی بے مثال جدوجہد کے بعد ہی ممکن ہوئی ہے' یہ اعلیٰ ذہنی' جسمانی اور تکنیکی صفات کی برتری ہے۔ ہندوستان کیوں غلام ہے اور برطانیہ کیوں آزاد ہے؟ یہ برتر اور کم تر طاقتوں کی ایک کشمکش ہے۔ یہ نیکیاں' انسانی اقدار' آزادیاں' انسانی حقوق' آزاد قوموں کا حق ہیں' جو غلام ہے وہ خود اپنی کمزوری کے سبب سے ہے۔"

"آپ میری بات کی تائید کر رہے ہیں کرنل! میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں' خوابیدہ ہندوستان کروٹ بدل رہا ہے' آپ کی بجا طور پر یہ کوشش ہوگی کہ اسے سر اٹھانے سے پہلے دبا دیا جائے۔ اسی کشمکش کے بعد ڈارون کے مطابق موزوں تر انتخاب کا مرحلہ آتا ہے مگر آپ ہندوستان میں کتنے سر دبائیں گے؟ کتنی آگوں پر پانی ڈالیں گے؟ کہاں کہاں رکاوٹیں کھڑی کریں گے؟"

"آہ...... ہندوستان...... ہندوستان!" کرنل حسرت سے بولا۔ "ہندوستانیوں کو اندازہ نہیں ہے کہ انہیں ہماری کس قدر ضرورت ہے۔ پہلے وہ ہم سے حکمرانی اور جمہوریت کے آداب تو سیکھ لیں...... پہلے وہ دانش گاہیں اور درس گاہیں تو کھول لیں جو......" کرنل کچھ جذباتی ہوگیا تھا۔ اسی وقت ریتا ٹرالی لیے اندر داخل ہوئی' اس چار منزلہ ٹرالی میں انواع و اقسام کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ یہاں آتے ہوئے خوف کی جو لہریں میرے جسم میں اٹھ رہی تھیں' وہ معدوم ہوگئیں۔ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ میں اپنی زندگی کے کن قیمتی لمحوں سے گزر رہا ہوں۔ لفظوں اور لہجے کا توازن کس قدر ضروری ہے' میں امتحان دے رہا تھا۔ ناشتے کی ٹرالی میرے سامنے رکھ دی گئی۔

"آہا...... آج تو پورا انگلستان یہاں آ گیا۔ کرنل بے تکلفی معاف فرمایئے۔ میں یہ طے کرکے آیا تھا کہ آپ کے ساتھ ناشتہ کروں گا۔" میں نے بے صبری سے کہا۔

"ضرور' ضرور۔" کرنل ٹرالی دیکھتے ہوئے بولا۔ "ریتا نے آج تک کبھی میرے لیے بھی اتنا تکلف نہیں کیا' پروفیسر آپ کوئی جادوگر ہیں۔ میری بیٹی تو صبح و شام آپ ہی کا ذکر کرتی رہتی ہے حالانکہ اس سے آپ کی ایک ہی ملاقات ہوئی تھی۔"

"میرا نقش بہت گہرا ہوتا ہے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"آپ کوئی پراسرار آدمی ہیں پروفیسر! آپ کی گفتگو میں فرانسیسیوں کی

aazzamm@yahoo.com

نفاست اور ایرانیوں کی شیرینی ہے۔ اس دن نشانے بازی میں آپ نے سب کو مات کردیا۔ رقص ہوا تو آپ نے معلومات کا دریا بہا دیا۔ سیاست پر آپ نے چبھتے ہوئے تبصرے کیے۔ آپ کا حلقۂ احباب بھی خاصا وسیع ہے۔ مجھے تو آپ کوئی ہندوستانی پرنس معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے آپ کو ٹوکا تھا کہ آپ اپنے ساتھ ظلم کر رہے ہیں' یہ داڑھی اور مونچھیں لگا کے تو آپ نے اپنی وجاہت میں کمی کر لی ہے۔" کرنل کن آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

میری روح جیسے کرنل نے اپنی مٹھی میں بند کر لی۔ میں نے خود کو سرد خانے میں محسوس کیا۔ "بس بس کرنل! میں زمین پر رہنا چاہتا ہوں۔" میں نے ٹھٹھری ہوئی زبان میں کہا۔ اور اپنے آپ کو تنبیہ کی' یہ ایک انگریز آفیسران کمانڈ کا محل ہے جو ریاست راجے پور کا معنوی حکمراں ہے۔ وہ کسی بھی وقت میری داڑھی پر ہاتھ ڈال کے میرا چہرہ عریاں کرسکتا تھا۔ اسے اس دل لگی سے کون روک سکتا تھا۔ "مجھے یاد ہے۔" میں نے سنبھلتے ہوئے کہا کہ "آپ نے میری داڑھی کے متعلق کیا کہا تھا لیکن آپ کو میرا جواب بھی یاد ہونا چاہیے۔ اب شاید یہ داڑھی مونڈنی ہی پڑے گی مگر پھر اصل شہزادوں کا کیا ہوگا؟"

"اصل شہزادے تو آپس میں لڑ رہے ہیں۔" کرنل نے معنی خیز انداز میں کہا اور ریتا سے انگریزی میں کہنے لگا۔ "ہم بہت دلچسپ باتیں کر رہے ہیں۔"

"کچھ مجھے بھی بتایئے ڈیڈی!" ریتا ناز سے بولی۔

"پروفیسر بہت ہوشیار شخص ہے۔ بہت زندہ دل۔" کرنل نے اپنی بیٹی کو بتایا مگر اس نے میری کوئی برائی نہیں کی' میں خاموشی سے ایک پلیٹ اٹھا کے ٹوسٹ پر جیلی اور مکھن لگانے لگا۔ ریتا اپنے باپ سے اصرار کر رہی تھی کہ مجھے کسی صورت میں روک لینا چاہیے۔

"یہ ایک مہذب' شائستہ اور اسمارٹ شخص ہے۔" ریتا نے کہا۔ "ڈیڈ! میں اس سے ہندوستان اور ہندوستانیوں کے بارے میں بہت کچھ جان سکتی ہوں' یہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔"

کرنل نے پدرانہ مسکراہٹ سے سر ہلایا اور مجھ سے بولا۔ "پروفیسر تم شور اتنا مچا رہے تھے اور کھانے میں تکلف برت رہے ہو۔"

"ٹی۔" میں نے ٹوسٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "یو ریتا پلیز!"

"او شیور۔" ریتا مچل کر اٹھی۔ "پروفیسر ہاؤمچ شوگر ون ٹو تھری؟..." اس نے چمچا دکھاتے ہوئے کہا۔

میں نے سوچا کہ کہہ دوں' آپ ایک گھونٹ پی لیجئے' پھر شکر کی ضرورت نہیں رہے گی۔ لڑکیاں چائے بناتے ہوئے شکر کے بارے میں پوچھتی ہیں تو بہت سہانی لگتی ہیں' میں نے ڈیڑھ انگلی کا اشارہ کردیا۔ چائے کے دوران میں کرنل میرے اور ریتا کے درمیان چند جملوں کی ترجمانی کے فرائض ادا کرتا رہا مگر وہ کچھ الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"میں آپ کی مصروفیات میں مخل ہوا کرنل؟" میں نے آہستگی سے کہا۔

"بالکل نہیں۔" کرنل چونک کر بولا۔ "آج رات راجے پور میں سکون ہی رہا۔" وہ اپنے قریب رکھے ہوئے فون کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ نے اچھا کیا جو خود چلے آئے۔"

"ورنہ آپ مجھے زنجیریں پہنا کر لے آتے؟"

کرنل بے اختیار ہنس پڑا۔ "ایسا بھی ہو سکتا تھا پروفیسر! انگریز جو چیز پسند کرتے ہیں' اسے حاصل کرنا بھی جانتے ہیں۔"

"اور جسے ناپسند کرتے ہیں؟" میں نے تفریحاً پوچھا۔

کرنل لاجواب سا ہو گیا۔ مجھے اس وقت وہ قصہ یاد آ گیا جو میرے ایک کلاس فیلو نے مجھے سنایا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ ایک سیلزمین نے اپنی فرم کے کسی مستقل گاہک کے سامنے جان بوجھ کر ایسی شرط رکھی جس میں وہ خود ہار جائے اور اس طرح اسے گاہک کی خوشنودی حاصل رہے' میں نے اپنی لگام کھینچی۔ میں اس ذہین اور نکتہ رس سیلزمین کے درس کے خلاف عمل کر رہا تھا' کچھ دیر بعد مجھے خود ایسا محسوس ہوا جیسے کرنل بھی ایک سیلزمین ہے جو دانستہ منزلیں ہار رہا ہے۔ لاجواب ہو رہا ہے' غصے پی رہا ہے' نشتر سہہ رہا ہے۔ وہ میرے بارے میں اس قدر بے خبر نہیں ہو گا۔ ممکن ہے وہ سب کچھ جانتا ہو۔ یہ بھی جانتا ہو کہ اس کے سامنے دنیش چندر کا خاص ملازم موہن داس بیٹھا ہوا ہے۔ ممکن ہے اسے یہ بھی اندازہ ہو کہ میری داڑھی نقلی ہے اور چھاؤنی میں اچانک آمد بے سبب تو نہیں ہوگی۔ انگریزوں نے تحمل کی اسی غیر معمولی خوبی کے سبب ہندوستانیوں پر غلبہ پایا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گا کہ کوتوالی میں جس شخص کو بری طرح مارا گیا تھا' وہ میں ہی تھا۔ پرکاش بھون میں اپنے مخبروں کے ذریعے اس نے پروفیسر زاہدی کے بارے میں پوچھا ہوگا تو جواب ملا ہو گا کہ ایسا کوئی شخص دنیش

aazzamm@yahoo.com

کے دوستوں میں کبھی نہیں آیا۔ اس زمانے میں ونیش کا سب سے قریبی آدمی میرے سوا کون تھا؟ چنانچہ مجھی پر نگاہ گئی ہوگی۔ کرنل کو میرے بارے میں تجسس ہوگا اور اس نے موہن داس کے بعض کمالات کا ذکر بھی سنا ہوگا۔ میں یہ تمام اندیشے اور خدشے ذہن میں رکھ کے آیا تھا۔ میں کرنل کو ایک مکمل انگریز سمجھ کر آیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ہندوستانیوں کی طرح جلدبازی کا مظاہرہ نہیں کرے گا اور یہی ہوا۔ ہمیں ایک دوسرے سے مفاہمت کرنے میں کچھ وقت ضرور لگا۔ اسے یہ باور کرانے میں وقت ضرور لگتا کہ میں اس کی ضرورت بن سکتا ہوں۔ انگریز کمانڈر نے اس دن خلاف معمول وقت کی پروا نہیں کی۔ فون آتے رہے اور وہ انہیں ٹالتا رہا۔ ریتا نے بھی اسے کچھ یاد دلایا' اس نے کسی غیرذمے دار شخص کی طرح ہاتھ کے اشارے سے انکار کردیا۔ وہ مجھ سے ہندوستان کی سیاست پر گفتگو کرتا رہا اور ہمارے درمیان دلچسپ نوک جھونک جاری رہی۔ اس کی شوخ و شنگ لڑکی بار بار آتی جاتی رہی۔ وہ مجھ سے باتیں کرنا چاہتی تھی' لطیف' نازک' شوخ' پھولوں جیسی باتیں۔ میں گفتگو کرتے کرتے کرنل کو راجے پور کی ریاست اور حکومت کے نقطے پر لے آتا تھا لیکن کرنل ایک پرانا منجھا ہوا شخص تھا' اس لیے پہلو بچا جاتا تھا۔ غصے ہوتا تھا' پھر ایک دم ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ ایک ہندوستانی کے لیے یہ اعزاز کم نہیں تھا کہ وہ انگریز آقا کے ساتھ اتنا وقت گزارے اور اتنی صاف صاف باتیں کرے۔ میں بارود کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا تھا۔ انگریزوں کا دبدبہ کچھ اور تھا' وہ جس زبان اور لہجے میں بات کر رہا تھا اس میں زنجیروں کی کھنک' توپوں کی دھمک اور آگ کی چمک شامل تھی۔ ہمارے کمرے میں ملازموں کا داخلہ بھی ممنوع تھا۔

"آپ بتدریج لوگوں سے دور ہو رہے ہیں۔" میں کھل کے کچھ باتیں کرنے کے موقف میں آ گیا۔

"ہاں پروفیسر! کرنل نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔ "انگریزوں کو یہاں دوبارہ مقبول بنانے کی مختلف اسکیمیں ہائی کمان کے زیرغور ہیں۔ ہم جدید طریقہ بھی استعمال کر رہے ہیں۔"

"مجھے یہاں آپ کی تنہائی کا شدت سے احساس ہے کرنل! آپ کی مجبوریوں کا بھی اندازہ ہے' کچھ ایسی صورت ہو چلی ہے کہ فریقین کے درمیان اعتماد اٹھ گیا ہے۔ ہر طرف شورشیں' سازشیں ہیں' میں سمجھتا ہوں کہ میرے متعلق بھی آپ کے ذہن میں بہت سے شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہوں گے مگر آپ کو کسی نہ کسی پر تو

اظہار کرنا پڑے گا۔ آپ کو شاید میرے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ونیش چندر میرا دوست ہے اور میں اس کی سربلندی کا آرزومند ہوں۔ وہ ایک لائق شخص بھی ہے لیکن میں اس کی وکالت کرنے کے لیے آپ کے پاس نہیں آیا ہوں۔ مجھے اس ریاست کی سیاسی کشمکش سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ مجھے دولت اور اعزاز سے چنداں دلچسپی نہیں ہے کیونکہ میں خود کو ایک مستحکم شخص سمجھتا ہوں۔ میں خاصا مغرور بھی ہوں۔ اچھے دوستوں اور اچھی محفلوں کی تلاش میں میری عمر گزر گئی ہے۔ آپ کی اور ریتا کی کشش مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ آپ مجھ پر آخری درجے کا اعتبار کرسکتے ہیں' بس میں یہی کہنا چاہتا تھا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں پروفیسر زاہدی۔ آپ کو دولت کی ہوس نہیں ہے لیکن انگریز اپنے دوستوں کی خدمات کا شاندار معاوضہ دینا جانتے ہیں۔"

"کرنل!" میں نے چلا کر کہا۔ "آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

میں تیزی کے ساتھ صوفے سے اٹھ گیا۔ کرنل بھی اٹھ گیا اور میرے شانے تھپکتے ہوئے بولا۔ "آپ تو ناراض ہو گئے۔ معاوضے سے مراد دولت نہیں ہے۔ آپ کے دوست سونے کے دوست ہیں۔ دولت کی آپ کو کیا کمی ہوسکتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کرنل! آپ ذہنی طور پر بہت پریشان معلوم ہوتے ہیں۔ آپ یہ ترازو توڑ دیجیے۔ میں دولت کے اعتبار سے ایک چھوٹا آدمی ہوں لیکن اپنی ذات میں ایک بہت بڑا آدمی ہوں' یہ آسودگی ہی مجھے یہاں لائی ہے۔ میرا خیال ہے ہم اپنے مابین ہر قسم کی سیاسی گفتگو پر پابندی عائد کردیں۔ اگر آپ کو شطرنج سے دلچسپی ہے تو منگوائیں' تاش کھیلیں یا شکار کا پروگرام بنائیں۔"

"بیٹھیے بیٹھیے پروفیسر!" کرنل ندامت سے بولا۔ ریتا بھی سراسیمہ ہوگئی تھی۔ اور اپنے باپ پر ناراض ہونے لگی۔

"آپ مجھے کسی وقت بھی فون کرسکتے ہیں۔ چھاؤنی کے دروازے ہمیشہ آپ کے لیے کھلے رہیں گے۔ میں ایک دوست کی طرح آپ کا خیرمقدم کروں گا۔ کوئی مشورہ' کوئی خبر جس سے راجے پور کے عوام کے اور ہمارے مفادات وابستہ ہوں' آپ مجھے اس سے آگاہ کرسکتے ہیں۔ راجے پور کے قیام میں آپ کو کوئی دشواری پیش آ رہی ہو یا حکام کا رویہ نامناسب ہو تو آپ مجھے اطلاع کرسکتے ہیں' ہمارے کسی غلط اقدام

aazzamm@yahoo.com

کے اثرات کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ آپ اندر کی بہت سی باتوں کا پتہ دے سکتے ہیں۔ جن سے ہم بے خبر رہتے ہیں اور اوٹ پٹانگ فیصلے کرنے لگتے ہیں۔ براہ راست میرا فون نمبر 301 ہے۔ چھاؤنی کے دو راستے ہیں' جس راستے سے آپ آئے ہیں' اس کے علاوہ بھی ایک راستہ ہے' جہاں گورے پہرے دار تعینات ہیں' اگر ایسی کوئی صورت ہو تو آپ اس راستے سے مجھ تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"بس کرنل! میں ساری بات سمجھ گیا ہوں۔ اتنی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے لیکن ایک شرط ہے' جس دن مجھے یہ محسوس ہوا کہ میری حیثیت آپ کی نظر میں ایک دوست کی نہیں ہے' اس دن میں اپنی دلچسپی سے دست بردار ہو جاؤں گا۔"

"بے شک۔ بے شک۔" کرنل سر ہلا کے بولا۔"آپ کی جانب سے عمدہ مشوروں کا منتظر رہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ آنے والے دن ہمارے رشتے مضبوط کریں گے۔"

باقی وقت میں نے اپنی دلچسپ سرگزشت سناتے ہوئے گزارا۔ ریتا بھی اس میں شامل رہی۔ کرنل نے مجھے لنچ کے لیے روکنا چاہا اور اپنا ایک کارڈ میرے سپرد کردیا۔ کارڈ پر اس کی خصوصی مہر لگی ہوئی تھی۔ اس کارڈ کی رو سے میں راجے پور کے حکام سے خاص قسم کی رعایتیں حاصل کرنے کا سزاوار ہو گیا تھا۔اس وقت مجھے کچھو یاد آئی جس نے مجھے ایک کڑوی بوٹی کھلائی تھی اور کہا تھا کہ طاقت میں کوئی شخص مجھ پر غالب نہیں آسکے گا اور کوئی زہر مجھ پر اثر نہیں کرسکے گا۔ انگریز کمانڈر کا یہ کارڈ بھی کچھو کی بوٹی کی طرح اثرانگیز تھا۔ میرے اصرار پر کرنل نے مجھے اپنے خاص کمرے کے دروازے پر رخصت کیا۔فون پر اس نے میرے لیے پرکاش بھون تک گاڑی کا انتظام کرنے کا حکم پہلے ہی دے دیا تھا۔ ریتا مجھے دروازے تک پہنچانے کے بجائے ایک دوسرے کمرے میں لے آئی۔ اس کمرے میں کوئی نہیں تھا' وہ غزالہ تھی اور میں تھا۔ کرنل کے حضور میں وہی میری سفارش تھی۔"ریتا!" میں نے کسی جھجک کے بغیر اس کی نازک کمر میں اپنا بازو حمائل کردیا۔"رنگ می ان پرکاش بھون۔وی" میں نے ہاتھ گھماتے ہوئے کہا۔"گوٹو آؤٹ راجے پور"

وہ سمجھ گئی کہ میرا مقصد کیا ہے۔"کب؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔ اور تیزی سے بولی۔"آپ میرے لیے نہیں آئے تھے۔"

"تو.....تو....." میں نے مجبوراً یہ جملہ سمجھ ہی لیا اور جھنجلا کے سر ہلانے لگا۔

جیسے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں' وہ کہہ نہیں پا رہا ہوں۔ وہ بھی میرے گونگے پن پر جزبز سی ہوگئی۔ میں نے اسے اعتماد سے اپنے سامنے کیا اور چشمہ اتار کے اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔"ریڈ۔ انہیں پڑھو۔"

وہ میری آنکھیں دیکھ کے دنگ رہ گئی اور ان میں جھانکنے لگی۔ میری آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ ہر حسین لڑکی کو دیکھ کے نوجوانوں کی آنکھیں اسی طرح سلگنے لگتی ہیں اور رغبت ہو تو ان میں ہزار تشنگیاں اور آرزوئیں نظر آ جاتی ہیں۔ دوسرے ہی لمحے میں نے چشمہ لگا لیا اور اس کے دونوں ہاتھ چوم لیے۔ ملائم' لمبی سرخ انگلیاں' صرف انہیں دیکھ کے آدمی ہوش کھو بیٹھے۔ کہتے ہیں شاہ جہاں کے دور میں ایک ایرانی مصور نے ایک خوب صورت ہاتھ دیکھ کے اس کا پورا بدن اور چہرہ تخلیق کردیا تھا۔ ریتا کی نرم و نازک انگلیاں بھی اسی طرح خوبصورت تھیں۔ میں نے پہلی بار اسے بہت انہماک سے دیکھا۔ دیکھنے والی نظر سے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے بدن سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ مجھے اس کی قدر و قیمت کا پوری طرح احساس تھا۔ وہ کئی اعتبارات سے حسین تھی۔ وہ ہمارے آقا کی لڑکی تھی لیکن میں وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھیرا۔ میں نے اس کے گداز لب نہیں چھیڑے۔ میں نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں پناہ نہیں دی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو حیوانوں کی طرح دیکھتے رہے۔ حیوان لفظ نہیں جانتے مگر بولنا جانتے ہیں۔ وہ جذبوں کا منظم اور شدید اظہار کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ اس نے مجھے سونگھا اور میں نے اسے' جانوروں کی طرح انسان بھی مانوس بوؤں سے متاثر ہوتے ہیں۔

دروازے پر انگلستان کی بنی ہوئی موٹر کار میری منتظر تھی۔ ڈرائیور مجھے دیکھ کر ریشہ خطمی ہوگیا۔ کار کا دروازہ ایسے تپاک سے کھولا جیسے اس دنیا کا سب سے بڑا آدمی میں ہی ہوں۔ پچھلی نشست پر بیٹھ کے میں نے ریتا کا وداعی نظارہ کیا اور اس کا ہاتھ کھینچ کر اس کی ہتھیلی پر اپنے ہونٹوں کا نشان ثبت کردیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی ہتھیلی جلتی رہے گی۔ وہ حسرت سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔ گاڑی چلی تو میرے دل کی حرکت معمول پر آنے لگی۔ گزشتہ چند گھنٹے شدید اعصابی دباؤ میں گزرے تھے۔ ایسی تھکن پرسوں رات پولیس کی مار سے بھی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے آنکھیں میچ کے سر ٹکا لیا۔ چھاؤنی کے گیٹ پر پہرے داروں نے تمام تر مستعدی سے مجھے سلام کیا۔ اس موقع پر مجھے ایک شعر یاد آ گیا۔ جس کا مفہوم کچھ ایسا تھا کہ آدمی ہی آدمی کو بادشاہ یا

aazzamm@yahoo.com

گداگر بناتا ہے۔ آدمی آدمیوں کی پروا چھوڑ دیں تو ہر شخص بادشاہ ہو جائے۔

موٹرکار چھاؤنی کا سرسبز پہاڑی علاقہ چھوڑتی ہوئی آبادی میں داخل ہوگئی۔ میں اسی کار میں' پرکاش بھون میں داخل ہوسکتا تھا مگر میرے لیے پروفیسر زاہدی کے روپ میں وہاں کار سے اترنا مناسب نہیں تھا۔ کوئی بھی اس نووارد کو دیکھ کے حیرت کا اظہار کرسکتا تھا۔ مجھے بعض لوگوں نے اتنی بار دیکھا تھا کہ داڑھی سوٹ اور چشمے کے پیچھے موہن داس کا آسانی سے سراغ لگایا جاسکتا تھا۔ ساڑھے دس بج رہے تھے۔ پرکاش بھون میں اس وقت خاصی چہل پہل ہوگی۔ بھون کی چاردیواری سے باہر پولیس کے دستے اب بھی تعینات ہوں گے۔ میں نے واپسی کے متعلق تو سوچا بھی نہیں تھا۔ گاڑی جب راجے پور کے فیشن ایبل بازار میں داخل ہوئی تو میں نے ڈرائیور کوٹھیرنے کا اشارہ کیا۔ گاڑی ایک شان دار اسٹورز کے سامنے رک گئی۔ یہاں سے پرکاش بھون کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ''تم واپس جا سکتے ہو۔'' میں نے ڈرائیور سے کہا اور گاڑی سے اتر گیا۔ اس نے جھک کر مجھے تین بار سلام کیا۔ مجھے اس سلام کا مقصد معلوم تھا۔ چلتے وقت دنیش نے میری جیب میں بہت سے روپے بھی ٹونس دیئے تھے۔ میں نے اسے دس کا نوٹ تھما دیا۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

میں گاڑی سے اتر کے تھوڑی دیر ادھر ادھر چلتا رہا۔ بہت سے لوگوں کی نظریں مجھ پر ٹک گئیں کہ اعلیٰ درجے کے سوٹ میں یہ سرخ و سپید شخص کس دیس کا ہے؟ اس کی عجب شان ہے۔ چال میں ایک ٹھیراؤ ہے۔ متانت ہے' انداز میں بانکپن ہے۔ میں سوچتا رہا کہ کس گوشے میں اپنا یہ لباس اتاروں؟ کون سی آڑ میں یہ داڑھی صاف کروں؟ میں بازار میں سب کی نظروں کا ہدف بنا ہوا تھا۔ اسی لمحے اچانک سیٹیاں بجیں' سب کی نظریں اس طرف مرکوز ہوگئیں جس طرف سے سیٹیوں کی آواز آرہی تھی۔ میں بھی وہاں تماشا دیکھنے کے لیے کھڑا ہوگیا۔ آگے دو موٹر سائیکل سوار تھے۔ اس کے پیچھے ایک جیپ تھی۔ جیپ کے پیچھے ایک لمبی چوڑی چمکتی ہوئی موٹرگاڑی تھی۔ وہ سواری آناً فاناً زن سے گزری۔ میں نے دیکھا کہ کار کے اندر راج کماری کنول بیٹھی ہوئی تھی۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میری اور اس کی نگاہیں ٹکرائی تھیں یا نہیں مگر اس کی آنکھوں میں ایک بجلی ضرور چمکی تھی۔ دوسرے ہی لمحے گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔ میرے لبوں پر بے اختیار ایک مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ لیکن اچانک اس کی گاڑی کچھ دور جا کے ایک جھٹکے سے ٹھیر گئی۔ مجمع میں کھلبلی مچ گئی۔ ایک دم تیز تیز سیٹیاں بجیں۔ میں نے

ھا کہ راج کماری کی گاڑی کے پیچھے والے حفاظتی دستے کی گاڑی ایک طرف ہوگئی راج کماری کی گاڑی تیز رفتاری سے واپس آنے لگی۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ راج کماری یقیناً مجھے دیکھ لیا تھا۔ اب میرے لیے اپنی جگہ کھڑے رہنا مہلک تھا۔ میں چپکے پیچھے ہٹ گیا۔ بھاگنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ سڑک پر کھڑے ہوئے مختصر ہجوم کی آڑ کے میں پیچھے رینگ گیا۔ پتہ نہیں پھر کیا ہوا؟ میں تیزی سے ایک بڑی دکان کے ہ والی تنگ سی گلی میں داخل ہوگیا۔ وہاں مجھے دکانداروں کے لیے بنے ہوئے دے ٹوائلٹ نظر آئے۔ یہ جگہ سنسان تھی۔ اس لیے مجھے پسند آئی۔ میں کچھ دیر اس حصے میں ٹھہرا رہا۔ پھر گلی عبور کرکے دکانوں کے پچھواڑے آ گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا بمورت علاقہ تھا۔ یہاں چھوٹے چھوٹے مکانات تھے۔ دور سے پھر سیٹیاں بجنے کی ازیں آئیں۔ میری جان میں جان آئی۔ شاہی سواری روانہ ہو چکی تھی۔ میں دوبارہ ار پہنچ کے ایک دکان میں داخل ہو گیا۔ پوسٹ آفس سے میں نے پرکاش بھون کا ن ملایا۔ مشکل یہ تھی کہ فون والے شیروانی میں ملبوس مسلمان پوسٹ ماسٹر کی نظریں ی شخصیت میں کھوئی ہوئی تھیں۔ جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔ جیسے ہی پرکاش بھون کا ہ ملا' میں نے آپریٹر سے کہہ کے نمبر دس مانگا۔ فون پارو ہی نے اٹھایا۔ میں اس کی از پہچان گیا۔ ''میں پروفیسر بول رہا ہوں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''پروفیسر؟'' وہ حیرت سے بولی۔ ''پروفیسر زاہدی!''

''ہاں..... میں نے مختصراً کہا۔ ''بھئی میں راستہ بھول گیا ہوں۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ مجھے چوک سے لے لیں۔''

''تم کہاں ہو؟'' اس نے ایک غیرضروری سوال کیا۔

''یہیں دکانوں اور خریداروں کے سورگ میں۔''

''اوہ..... میں آتی ہوں' کوئی بیس منٹ میں۔''

میں نے فون بند کردیا اور پوسٹ ماسٹر کے ہاتھ میں نوٹ تھما دیا۔ اس نے انکار کیا۔ میں نوٹ میز پر چھوڑ کے چلنے لگا۔ ''ٹھیریئے۔'' اس نے ادب سے کہا۔ ''قبلہ کیا میں آپ کی کوئی خدمت کرسکتا ہوں؟ معلوم ہوتا ہے آپ اس شہر میں نئے آئے ہیں۔''

''شکریہ۔ راجے پور کے لوگ بہت مہمان نواز ہیں۔ ابھی میں یہیں ہوں' کسی دن ضرور یہاں آ کے آپ کو تنگ کروں گا۔''

aazzamm@yahoo.com

''بسر و چشم' بخدا آپ کی خدمت کر کے خوشی ہوگی۔ کہاں قیام ہے عالی جناب کا؟'' اس نے نفاست سے پوچھا۔

''کوئی ایک جگہ ہو تو بتاؤں۔ معاف کیجئے۔ مجھے کچھ عجلت ہے۔ ان شاء اللہ پھر یہاں آؤں گا۔'' میں اس مسلمان سے پیچھا چھڑا کے جلدی سے باہر نکل آیا۔ مکانات کے علاقے سے گھوم کے میں اسی تنگ گلی میں داخل ہوگیا۔ مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ میں سیدھا ایک خالی ٹوائلٹ میں گھس گیا۔ داڑھی' مونچھیں' چشمہ اور سوٹ۔ سب کچھ اتار کے میں نے تھیلے میں ڈال لیا۔ صرف قمیص رہ گئی۔ قمیص کے نیچے میں نے دھوتی پہن لی۔ باہر کوئی شخص موجود تھا۔ میں رکا رہا۔ جب سناٹا ہوگیا تو میں باہر آیا اور مکانات کا علاقہ عبور کر کے بازار کے آخری کنارے پہنچ کے کھڑا ہوگیا۔ دھوتی کے اوپر قمیص' ہاتھ میں تھیلا' بال بکھرے ہوئے' دیہات کا کوئی گبرو جوان۔ پارو نے آتے آتے آدھا گھنٹہ لگا دیا۔ میں پرکاش بھون جانے والی سڑک پر کچھ اور آگے بڑھ آیا تھا۔

راجے پور میں پرشوتم کو جہنم رسید کرنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس کے گرگے بھی خاموش ہو گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی شخص ادھر سے گزر سکتا تھا۔ اس لیے میں بہت محتاط تھا۔ پھر جیسے ہی پارو کی گاڑی نظر آئی' میں نے اشارہ دیا۔ اس نے گاڑی میرے قریب روک لی۔ ہم نے احتیاطاً دو چار جملے ادا کیے جیسے ہماری ملاقات اچانک ہوگئی ہو۔ پارو نے مجھے پچھلی نشست پر بٹھا دیا اور گاڑی واپس کرنے کے بجائے آگے لے گئی اور اسے ایک دوسری سڑک پر ڈال دیا۔ پھر ایک لمبا سا چکر کاٹ کے وہ دوبارہ پرکاش بھون کے راستے پر آ گئی۔ ''کہاں سے آ رہے ہو؟ اس تھیلے میں کیا ہے؟'' اس نے گردن موڑے بغیر پوچھا۔

میں خاموش رہا۔ ''کہاں سے آ سکتا ہوں۔'' میں نے ٹالنے کی کوشش کی۔

''میں نے تمہارے متعلق پوچھا تھا۔ تم صبح سے نظر نہیں آئے تھے نا۔ اب مجھے تمہارے بارے میں ہر وقت تشویش رہنے لگی ہے' بھگوان نہ کرے' کوئی خطرناک بات تو نہیں ہے؟''

''نہیں۔ آج رات بھر سکون رہا۔'' میں نے کرنل کا جملہ دہرایا۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

''میں قریب ہی ایک گاؤں میں گیا تھا۔ صبح تو جیسے تیسے نکل گیا تھا لیکن اب اندر جانا مشکل تھا۔ پولیس لگی ہوئی ہے اس لیے تمہیں پریشان کیا۔''

''پریشان کیا؟'' وہ سر جھٹک کر بولی۔ ''کیا میں گاڑی کسی چٹان سے ٹکرا دوں؟ موہن! کیا اب بھی تم مجھ سے ایسی باتیں کرو گے۔''

میں بھول ہی گیا تھا کہ پارو سے مخاطب ہوں۔ اتنی باتوں میں واقعی آدمی ہر بات کہاں تک یاد رکھ سکتا ہے۔ یہ پارو تھی جس کے پاس رات میں موجود تھا۔ حسین ترین پارو' بہت ہی حسین پارو' رات اس نے مجھ سے بڑی دل کشی کی باتیں کی تھیں۔ میں اس وقت کرنل ہارڈنگ' ریتا' راج کماری کنول اور دنیش کے خیالوں میں کھویا ہوا تھا اس لیے خیال ہی نہیں رہا۔ ''ٹکراؤ تا کہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے۔'' مجھ سے کچھ اور جواب نہ بن پڑا۔

''اسی لیے تو میں پوچھ رہی ہوں کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ یہ کیا دھوتی وغیرہ اول جلول لباس پہنا ہے تم نے۔ اچھا خاصا حلیہ بگاڑ لیا۔ لاؤ یہ تھیلا مجھے دکھاؤ۔''

''اس میں تمہارے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔'' میں نے مسکرا کے کہا۔

''مجھے دو۔'' اس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''میں اس میں تمہارے لیے ایک خوبصورت تحفہ لایا ہوں۔ یہ تم سارا تجسس ختم کیے دے رہی ہو۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

''جھوٹ' تم مجھے بہکاتے ہو مگر سمجھ لو میں بہت ضدی شخص ہوں موہن!'' پارو نے اسٹیئرنگ پر جھکتے ہوئے کہا۔

''تم تو دل دہلا دیتی ہو پارو!''

''موہن!'' اس کے لہجے سے شیرینی ٹپک رہی تھی۔ ''تم تیز دوڑ رہے ہو' چوٹ کھاؤ گے۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ ایک ریاست ہے۔''

''چوٹ تو میں نے تم سے کھائی ہے پارو! سچ مچ' جب تم میرے قریب ہوتی ہو تو مجھے یقین نہیں آتا کہ تم ہی ہو۔''

''مجھے خود اپنے آپ پر یقین نہیں آتا' جب رات تم چلے گئے تو مجھے نیند نہیں آئی' جاگتی ہی رہی۔''

''کیا سوچتی رہیں؟'' میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

''اب تو میں ایک ہی بات سوچتی رہتی ہوں۔'' وہ ٹھنڈی سانسیں لیتے ہوئے بولی۔ میں نے اسے ٹوکا کہ گاڑی قابو میں کرو' شاید اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

aazzamm@yahoo.com

ذرا سی کسر رہ گئی تھی' ورنہ گاڑی نیم کے درخت سے ٹکرا جاتی۔ پرکاش بھون قریب آ چکا تھا۔ سپاہی چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ کسی کو ہماری گاڑی روکنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ دربانوں نے مجھے پارو کے ساتھ دیکھا تو ان کے چہروں کے زاویے ایک ثانیے کے لیے بدلے۔ پارو نے دنیش چندر کے محل کے سامنے ہی گاڑی روکی اور مجھ سے راز دارانہ لہجے میں بولی۔ رات کو میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

''اور کیا کروگی؟''

''ہشت'' وہ خفگی سے بولی۔ ''میں تمہیں شوٹ کردوں گی۔''

''تمہارے ہاتھ سے مرنے کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔''

مجھے چھوڑ کے وہ گاڑی دوڑاتی ہوئی واپس ہوگئی۔ وہ ایک پھرکنی تھی' ایک بجلی تیز' چونچال' بسمل کی طرح تڑپتی تھی' بلور کی طرح چمکتی تھی' وہ کوئی شعاع تھی' جب بھی میں اس کی زد پہ آتا تھا' وہ مجھے جلا دیتی تھی۔ پارو کو معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں گیا تھا بھون میں کچھ سکون نظر آتا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہوئے میں رک گیا۔ اس حلیے اور تھیلے کے ساتھ دنیش چندر کے پاس جانے میں کوئی قباحت نہیں تھی' بشرطیکہ اندر صرف دنیش چندر ہو۔ وہاں اور لوگ بھی ہو سکتے تھے۔ کوارٹر جاتا تو ڈالی تھیلا کھکھوڑ کے رکھ دیتی اور طرح طرح کی کریدیں کرتی۔ یہ تھیلا بھی کسی ایسی ویسی جگہ نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔ مجبوراً مجھے کوارٹر ہی کی طرف مڑنا پڑا۔ ڈالی گھر نہیں تھی' میں نے جلدی جلدی کپڑے بدلے' کھدر کا کرتا پاجامہ اپنے جسم پر ڈالا اور تھیلا پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ پستول سے کرتے کی جیب بھاری ہوگئی تھی۔ داڑھی اور مونچھیں بھی میں نے تھیلے سے نکال کر جیب میں ڈال لی تھیں۔ اب اگر ڈالی تھیلے کا سراغ لگا بھی لیتی تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ اب اس میں سوٹ کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کرنل ہارڈنگ کا تمغہ یعنی اس کا کالر میں نے حفاظت سے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اسے دوبارہ دیکھ کے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ سر کے خطاب کی سند ہو۔ باہر آ کے پتہ چلا کہ پولیس نے کچھ اور ملازموں کو چھوڑ دیا ہے اور ان کی حالت بڑی ناگفتہ بہ ہے۔ جی چاہا کہ ان ملازموں کے گھر کے سب کی خیرخبر دریافت کروں' مگر ادھر دنیش چندر بے چینی سے میرا انتظار کر رہا ہوگا۔

اسے سنانے کے لیے میرے پاس بہت سی باتیں جمع ہو گئی تھیں۔ وہ میرے بخیر و عافیت واپس آنے پر کیسا حیرت زدہ ہوگا۔ روز ایک نئی بات وجود میں آ رہی

میں دس آدمیوں کے نرغے سے بچ کر صحیح و سلامت واپس آ گیا تھا' حیرت انگیز طور پر پتا رانی' کنور پردیپ اور پرشوتم کا قتل ہو گیا تھا اور پولیس نے مجھے عزت کے ساتھ واپس کردیا تھا۔ دنیش کی بہن شاردا مجھ سے وابستہ تھی۔ روز ایک انکشاف' اب میں انگریز کمانڈر کرنل ہارڈنگ سے مل کے آ رہا تھا۔ دنیش چندر سے اب بھی بہت سی باتیں چھپی ہوئی تھیں۔ میری ذات کے مختلف پہلو بتدریج اس کے سامنے آ رہے تھے اور مجھے اندازہ تھا کہ جو پہلو اس سے پوشیدہ ہیں' ان کے بارے میں وہ کیا کیا قیاس آرائیاں کرتا ہوگا۔ حالات اگر دوسرے ہوتے اور صرف یہ ہوتا کہ میں ایک معزز گھرانے کا ستم رسیدہ نوجوان ہوں' جس نے خاصی معقول تعلیم حاصل کی ہے تو کوئی بات نہیں تھی لیکن میں اپنے اس مہربان دوست کو کیسے بتاتا کہ میرا نام موہن داس نہیں ہے اور میرے اعمال نامے میں کلکتے کے دو افراد کا خون لکھا ہوا ہے۔ بات بہت بری تھی کہ ایک دوست جو میرے بارے میں بڑے بڑے دعوے کرتا تھا' وہ مجھ سے بہ کمال و تمام ناواقف ہے اور میں اس سے کچھ چھپا رہا ہوں' کچھ کیا' بہت کچھ چھپا رہا ہوں۔

میں نے جھجکتے ہوئے دروازہ سرکایا۔ سامنے کے صوفے پر دنیش چندر بیٹھا ہوا تھا' مجھے دیکھتے ہی وہ بے قرار ہو گیا۔ اس کے پاس ہی سیاہ ساڑھی میں ملبوس پریت بیٹھی تھی۔ پھل جھڑی۔ سیاہ پیکٹ میں بند تھی۔ اس وقت وہ مجھے بہت اچھی لگی۔ سیاہی میں اس کے چہرے کا رنگ کچھ اور نکھر گیا تھا۔ اس کے نزدیک ہی شکنتلا بیٹھی تھی' بھون کا وہ پھول جو پوری طرح کھلا ہوا تھا' پھر بہت سی لڑکیاں' چنبیلی' موتیا' رات کی رانی کے پھول صوفوں پر کھلے ہوئے تھے۔ مجھے یاد آیا کہ آج پتارانی کا تیجا ہے' اس لیے بھون کے بہت سے لوگ یہاں اداس بیٹھے ہیں۔ ایک رسمی اداسی' یہ بھی خوب چیز ہوتی ہے۔ نئے دور کی غالباً سب سے نمایاں چیز یہی رسمی اداسی اور رسمی خوشی ہے۔ جیسے جیسے نئی تہذیب آگے بڑھ رہی ہے' لوگوں کو خوشی اور غم کے اظہار کا سلیقہ آتا جا رہا ہے' جب ان سوگواروں کی نظر مجھ پر پڑی تو سب ایک ساتھ چونکے۔ یہ مظاہرہ میرے لیے خاصی تشویش کا سبب تھا۔ اس سے بھی میری اور دنیش چندر کی حد سے بڑھی ہوئی قربت سبھی کے لیے ایک قابل ذکر بات تھی۔ میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا' صرف پریت کو دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں میری آمد کے بعد شرارے رقص کرنے لگے تھے۔ یہ چنگاریاں میرے جسم میں چبھنے لگیں۔ یہاں نوخیز سندھیا بھی بیٹھی تھی۔ وہ پہلے تو خیرہ

aazzamm@yahoo.com

ہوئی' پھر ماند پڑ گئی' اس کے بعد منہ بنانے لگی۔ میں سر جھکا کے مودب کھڑا ہو گیا۔ دنیش چندر کا بس چلتا تو وہ ملاقاتی کمرے میں بیٹھا ہوا سارا ہجوم بم سے اڑا دیتا۔ مجھے اس کی بے تابی میں بہت مزا آیا۔ اس کی پیشانی اور نظریں سوال کر رہی تھیں۔ پھر ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی۔ دنیش کے سامنے چھوٹی میز پر فون رکھا تھا۔ میں چپکے سے خواب گاہ میں تیر گیا اور وہاں سے میں نے ملاقاتی کمرے کا نمبر ڈائل کیا۔ بدقسمتی سے فون پریت نے اٹھایا۔ ''ہیلو!'' اس نے مغموم آواز میں کہا۔ جی میں آیا میں اس سے اس کی آنجہانی والدہ بینا رانی کی تعزیت کردوں۔ ذرا مزاج ہی پوچھ لوں کہ اب طبیعت کا نصیب دشمناں کیا حال ہے مگر ڈر تھا کہ وہ آواز نہ پہچان لے۔ میں نے انگریزی میں اور انگریزوں کے لہجے میں کہا۔ ''پرنس دنیش پلیز۔''

''ہو از اسپیکنگ؟'' اس نے شستگی سے پوچھا۔

''نکی فرام کینٹ۔'' میں نے مختصر جواب دیا۔

پریت نے ریسیور پر ہاتھ رکھ کے دنیش سے کچھ کہا۔ پھر جیسے ہی ریسیور دنیش کے ہاتھ میں آیا' اس نے بڑی توجہ سے ہیلو کہا۔ میں آہستگی سے بولا۔ ''جو کچھ میں کہوں' اس کا جواب نہ دیجئے۔ بس ہوں ہاں کرتے رہیے۔ میں خواب گاہ سے موہن بول رہا ہوں۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ میں نے آپ کی بے قراری کا اندازہ کرلیا تھا' اس لیے آپ کو مطمئن کرنا مناسب سمجھا۔ دنیش کچھ کہنا چاہتا تھا مگر میں نے اسے بات کرنے کا موقع نہ دیا۔ بہت دلچسپ گفتگو رہی۔ برابر میں بہت سے لوگ بیٹھے ہیں' اس لیے آپ جواب میں دو چار انگریزی کے جملے بول دیجئے۔'' دنیش نے فوراً کہا۔ ''وھین ڈڈ یو کم نکی؟ اٹز ونڈرفل' آئی ڈونٹ بیلیو یو آر ہیئر ہیر ان راجے پور۔'' (نکی تم کب آئے؟ یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے' مجھے یقین نہیں آتا کہ تم یہاں ہو' یہاں راجے پور میں۔)

میں نے جواب دیا۔ ''بس ایسے ہی دوچار جملے اور۔'' وہ نکی کی خیریت دریافت کرتا رہا۔ میں اپنی زبان میں کچھ اور جواب دیتا رہا۔ اس مختصر ترین بات چیت کے بعد میں نے ریسیور رکھ دیا اور خواب گاہ میں منتشر ہو گیا۔

ابھی تک مہاراجہ' راج کماری کنول' کرنل ہارڈنگ اور ریتا' بینا رانی کی تعزیت کے لیے بھون میں نہیں آئے تھے۔ آج ان کی آمد متوقع تھی۔ میں الجھن میں گرفتار تھا کہ کرنل ہارڈنگ آئے گا تو دنیش اس کے سامنے پروفیسر زاہدی کی عدم موجودگی کا کیا عذر پیش کرے گا؟ اگر وہ یہاں مجھے پروفیسر زاہدی کے روپ میں کرنل کے سامنے پیش کرتا ہے تو بھون کے بہت سے لوگوں کو کس طرح یہ باور کرائے گا کہ میں موہن داس نہیں ہوں۔ آج راج کماری کنول نے بھی مجھے بازار میں دیکھ لیا ہے' اس کی گاڑی روکنا اور مجھے تلاش کرنا غیر معمولی نوعیت کا واقعہ ہے۔ وہ یقیناً فون کرے گی یا خود آئے گی۔ یہ ایک پیچیدہ صورت حال تھی۔

ایک بار دنیش چندر میری عدم موجودگی کا عذر پیش کر دے گا۔ دوسری بار بھی مگر تیسری بار کیا کہے گا حالانکہ وہ سب پروفیسر زاہدی کی شخصیت کے بارے میں پہلے ہی مشکوک ہو چکے ہیں۔ میں بھون میں اپنا روپ بدل کے پروفیسر زاہدی کے قالب میں نہیں آ سکتا تھا اور دنیش' راج کماری کنول' مہاراجہ' کرنل ہارڈنگ اور ریتا کے سامنے یہ اعلان کرنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا کہ اس نے ان لوگوں کے ساتھ موہن داس کو زاہدی بنا کے ایک دلچسپ مذاق کیا ہے۔ موہن داس ایک ملازم تھا۔ بھون کے لوگ اسے عجیب و غریب خطابات سے نوازتے تھے۔ وہ کتا' گدھا اور پالتو جانور تھا۔ چند لوگوں کے سوا سبھی اسے ملازم سمجھتے تھے۔ ایک حقیر اور نیچ ملازم' ایک کم ذات شخص۔ تمام بھون کو ٹھینگا دکھا کے' منہ چڑا کے' دنیش میرے عہدے اور مرتبے میں فوراً اضافہ کرنے کا دھماکا بھی نہیں کرسکتا تھا اور میں بار بار کبھی پروفیسر' کبھی موہن داس کے روپ میں منقسم بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

شاید میں نے کرنل ہارڈنگ کے ہاں جا کے غلطی کی تھی۔ میں نے اس ملاقات کے بعد کے نتائج پر غور نہیں کیا تھا۔ نتائج پر تو ضرور غور کیا تھا۔ میں کرنل کے ہاں جانا اسی قدر ضروری سمجھتا تھا جتنا اپنے آپ کو چھپانا' کبھی نہ کبھی یہ روپ بھر کے مجھے اس کے پاس جانا ہی تھا کیونکہ میں کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں' ان حالات کا تقاضا یہی تھا کہ یہ خطرہ ضرور مول لوں۔ راجے پور میں دنیش کے مخالفوں کے گروہ نے سانس لینے کا بھی موقع نہیں دیا تھا۔ ایسے وقت جب کنور پردیپ زکھ سدھار گیا تھا' ہاتھی پرشوتم زیر کیا جا چکا تھا' پریت کا زہر نکال لیا گیا تھا اور جگدیپ زخمی پڑا تھا' کرنل سے رابطہ قائم کرنا ضروری تھا۔ حالات موافق تھے' پروفیسر زاہدی کی یاد تازہ تازہ تھی۔ راجے پور کے حالات مخدوش تھے۔ کرنل کے سامنے بساط جمی ہوئی تھی۔ میں اس کے قریب بیٹھ کے بازیوں کا اچھی طرح جائزہ لے سکتا تھا۔

اور ان سب سے زیادہ' میرا خیال ہے' کرنل کے ہاں میرے جانے کے کئی

aazzamm@yahoo.com

محرکوں کے علاوہ ایک محرک اور بھی تھا۔ وہ تھا پولیس اور اس کا رویہ۔ گو میں ان صاحبان عقل و ہوش پر معقول تاثر قائم کرکے آیا تھا' تاہم میرے شعور کی گہرائیوں میں بہت سے اندیشے' خوف' غصے اور رنج اگ آئے تھے۔ تعلقات' سفارش' رابطے' طاقت کا سبب ہوتے ہیں۔ مروت بھی ایک بڑی ڈھال ہوتی ہے۔ اس اقدام میں اسی قدر عجلت کی گئی تھی کہ اس کے بعد پیش آنے والی صورت حال کے بارے میں سوچا نہیں گیا تھا مگر سوچا جاتا تو میرے قدم کبھی چھاؤنی کی سمت نہ اٹھتے۔

ممکن ہے' کرنل ہارڈنگ ابھی آ جائے اور آتے ہی پروفیسر سے ملنے کا آرزو مند ہو اور دنیش جواب دے کہ اتفاق سے پروفیسر کسی کام سے باہر گیا ہوا ہے۔ پھر میں اس کے سامنے موہن داس کے روپ میں آؤں تو اس کا رویہ کیا ہوگا؟ میں سامنے ہی کیوں آؤں گا۔ ضروری نہیں کہ ایک ملازم ہر وقت اپنی ڈیوٹی پر موجود رہے اور کرنل ہارڈنگ جیسا زیرک معاملے کی نزاکت سمجھنے کے باوجود پروفیسر سے ملنے کے لیے اصرار کیوں کرے گا کیونکہ پروفیسر تو ایک ضمنی چیز ہے۔ وہ دنیش چندر کو شرمندہ کرنے کے بجائے درگزری کا رویہ اختیار کرے گا۔ وہ خود پروفیسر کا ذکر بھی نہیں کرے گا اور اس نے اپنی بیٹی کو بھی ہدایت کردی ہوگی کہ وہ پروفیسر کے سلسلے میں زیادہ شدت شوق کا اظہار نہ کرے۔ ساتھ ہی اس نے بھون میں بکے ہوئے اپنے ملازموں کو اکسایا ہوگا کہ وہ موہن داس پر یا داڑھی والے ایک پروفیسر زاہدی پر گہری نظر رکھیں۔ میں اس کے لیے بے ضرر شخص ہوں یا مضرت رساں؟ اس کا فیصلہ بھی وہ اپنے جاسوسوں کی مخبری کے بعد کرے گا۔ میں کون ہوں۔ چھاؤنی میں اچانک وارد ہونے سے میرا مقصد کیا تھا؟ موہن داس سے میری شباہت حیرت انگیز طور پر کیوں ملتی ہے؟ پروفیسر زاہدی کو بھون کے کسی اور شخص نے کیوں نہیں دیکھا؟ موہن داس کے خلاف بھون کے کسی شخص نے پولیس کو بیان کیوں دیا؟ اس کی نظر میں بہت سے پہلو ہوں گے۔ انگریزوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی کہ ہندوستانی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ یہ تو ان کے لیے ایک خوش آیند بات ہے۔ انہیں تو اس شخص کی تلاش ہوگی جو ان کے لیے نامناسب ہو۔ میں نے عزم کیا کہ اگر ضرورت ہوئی تو میں سب کے سامنے آؤں گا۔ وہ دانستہ میرے چہرے سے نقاب اٹھانے سے گریز کریں گے۔ انہیں اگر پروفیسر کی جگہ موہن داس کی صورت نظر آئے گی تو وہ پروفیسر کی طرح اس کی عزت کریں گے کیونکہ وہ اس کی ہشت پہلو شخصیت سے پوری طرح آشنا ہو چکے ہیں۔ ہاں انہیں

یہ تجسس ضرور ہوگا کہ موہن داس پروفیسر زاہدی کیوں بنا اور پروفیسر زاہدی' موہن داس کے روپ میں دنیش کے خاص ملازم کے فرائض کیوں انجام دے رہا ہے۔ ان میں سے کوئی اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ اصل نتیجے پر پہنچنے سے پہلے موہن داس اور زاہدی کی شخصیت باہم متصادم کرنے اور دنیش کو مکدر کرنے کی کوشش کرے۔ شاید اس وقت تک میں خود صورت حال قابو میں کرلوں۔ میں نے بہت سوچا' خواب گاہ خالی پڑی تھی' مجھے دنیش نے آواز بھی نہیں دی' سوچنے کے سوا میرے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ اصل کام دنیش کو مطمئن کرنا تھا اور میں نے بیٹھے بیٹھے بہت سی تاویلیں تلاش کرلی تھیں۔ میری زندگی کا ہر لمحہ الارم تھا۔ ہر طرف گھنٹیاں بجتی رہتی تھیں۔ ادھر دیکھ کے چلو' ادھر محتاط رہو۔ ٹریفک کے بھی اتنے سگنل' اتنے نشانات نہ ہوں گے' جتنے میرے تھے کیونکہ میرا ٹریفک کبھی چٹیل میدانوں' گنجان آبادیوں اور تنگ گلیوں میں چلتا تھا کبھی دشوار گزار پہاڑیوں پر۔

خواب گاہ سے نکل کے میں ملاقاتی کمرے میں آیا تو ہجوم پہلے کی نسبت اور بڑھ گیا تھا۔ میں اس کمرے میں داخل ہو گیا جو عموماً خالی رہتا تھا اور خصوصی نشستوں کے لیے محفوظ تھا۔ یہ بھون کے سربراہ کی عیاشی کا کمرہ تھا۔ یہیں ترنم نے میرے ساتھ ایک رات گزاری تھی۔ یہیں دنیش نے شاردا کو میرے سینے کے بستر پر سوئے ہوئے دیکھا تھا۔ یہیں گزشتہ رات سے پہلے والی رات شاردا نے میری کمر کے نیلوں کی سینکائی کی تھی۔ جسم اب بھی دکھ رہا تھا۔ دنیش چندر نے مجھے یہاں آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میں وہیں لیٹ گیا اور شاید یہ ذہنی آسودگی کی دلیل تھی کہ مجھے نیند آ گئی۔

شام کو کسی نے ہلکی آوازیں دے کر مجھے اٹھایا۔ ''موہن! موہن!'' میں نے آنکھیں کھولیں تو وہ دنیش چندر سامنے موجود تھا۔ کسی نے سوتے میں جیسے سوئی چبھو دی۔ میں ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔ پھر میں کھڑا ہونا چاہتا تھا کہ دنیش نے مجھے ہاتھ پکڑ کے بٹھا دیا۔ ''اب فرصت ملی ہے۔'' وہ جھنجھلاہٹ میں کہنے لگا۔ ''تمہارا کیا حال ہے؟''

''ٹھیک ہوں دنیش بابو!'' میں نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

''مہمانوں نے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں چھوڑا۔ اب وہ سب لوگ جگدیپ کے ہاں گئے ہیں' میں نے فون پر جگدیپ سے معذرت کر لی ہے۔ وہاں بھی تو تیجا ہے۔'' وہ روانی سے بول رہا تھا۔ ''تم سناؤ' ریتا سے ملاقات کیسی رہی؟''

''ریتا آپ کو بہت پوچھ رہی تھی۔'' میں نے مسکرا کے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"جی ہاں۔" وہ میرے دھپ مارتے ہوئے بولا۔ "کیا میدان سر کرلیا؟"

"اب ایسا آسان بھی نہیں ہے۔ آقا کی لڑکی ہے۔"

"اس کی تسخیر تو نیکی میں شمار ہوگی۔" دنیش نے میرے ہاتھ پکڑ لیے۔

"اور کرنل ہارڈنگ کی تسخیر؟" میں نے اس کی انگلیاں چٹخاتے ہوئے پوچھا۔

"انگلستان کی تسخیر۔ ظاہر ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔

"بہت چالاک شخص ہے، وہ ایک سمندر ہے، بحرالکاہل بہرحال آپ تو ایک ایک لفظ سننا پسند کریں گے۔ کیا خیال ہے، چائے کے بعد سنائیں۔"

"اب بس کرو۔ چائے بعد میں پی لینا، تمام بھوک پیاس تمہیں اسی وقت یاد آئے گی، تم تو لڑکی کی طرح ستا رہے ہو۔"

"ہاں، وہ بھی تو نظر آئی تھیں۔ ہر ایکسی لینسی راج کماری!"

"کون کنول؟ کیا وہ بھی وہاں موجود تھی۔"

"پہلے پوری کہانی سن لیجئے۔" میں نے اس سے لطف لیتے ہوئے کہا۔ وہ جزبز ہو کے خاموش ہوگیا۔ میں نے چھاؤنی تک پہنچنے کا غیرضروری واقعہ نہایت دلچسپی کے انداز میں اسے سنایا۔ وہ میری طول کلامی سے عاجز آنے لگا۔ پھر میں نے ریتا کے گیٹ پر ملنے اور اپنی گٹ پٹ کا احوال بیان کیا اور کرنل ہارڈنگ سے گفتگو کے وہ تمام حصے سنا دیے جو میں ضروری سمجھتا تھا۔ وہ پورے انہماک سے سنتا رہا اور وہی سوالات کرنے لگا جو میرے ذہن میں ابھر رہے تھے اور جن کے جواب میں نے خود کو دیے تھے۔ میں نے وہی جوابات دہرا دیئے۔ وہ مطمئن نہیں ہوا تو میں نے اسے دلیلوں سے سمجھانا چاہا اور جوش میں آ کے اسے وہ کارڈ بھی دکھانے کا ارادہ کر لیا جو کرنل نے مجھے دیا تھا۔ خوش قسمتی سے کارڈ کے بجائے مونچھیں اور داڑھی میرے ہاتھ میں آ گئیں۔ میں کارڈ کا واقعہ گول کر گیا اور میں نے موضوع بدل کے واپسی کے سفر کا حال سنایا۔ راج کماری کنول کا کار روکنا اور میرا فرار ہونا۔ پھر پارو کو فون پر بلانا اور بھون واپس آنا۔

"تم نے کمال کردیا، اب ایک کام اور کرو۔" وہ تیزی سے بولا۔

"حکم دیجئے۔" میں نے اپنے ہاتھ مروڑتے ہوئے کہا۔

"دیکھو موہن! کوئی معمولی شخص چھاؤنی میں اس طرح جانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ کرنل سے تمہاری صرف ایک ملاقات ہوئی تھی۔ یہ کام وہی غیرمعمولی شخص کر

سکتا ہے جسے خود پر حد سے زیادہ اعتماد ہو اور اعتماد بے سبب نہیں ہوتا۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں، منت کرتا ہوں کہ مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دو۔ میں تمہاری عدم موجودگی میں یہاں پڑا پڑا کھولتا رہتا ہوں۔ کم از کم اس سے تو نجات مل جائے گی۔ مجھے یہ یقین ہو گا کہ میرا دوست، میرا یار معاملات سے نمٹنے کی پوری استطاعت رکھتا ہے۔ اگر تمہیں مجھ پر مکمل یقین ہے تو تمہارا اپنے بارے میں مجھ سے کچھ چھپانا نہ صرف ایک افسوس ناک بات ہے بلکہ مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ ابھی تم مجھ سے دور ہو۔"

"اوہ، اوہ دنیش بابو!" میں نے اس کے ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ "میں اپنا ماضی دفن کرچکا ہوں، اسے مت اکھاڑیئے۔ سمجھ لیجئے کہ میں بہت برا آدمی تھا، بہت کمینہ، بہت ذلیل، نیچ، میں کوڑے کے ڈھیر پر پڑا رہا تھا اور غلاظت میں رینگتا رہتا تھا۔"

"چھوڑو۔ یہ ذکر ہی تمہارے لیے تکلیف کا سبب ہے۔" اس نے ندامت سے کہا۔ "میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"میں یہ بات جانتا ہوں۔" میں نے کرب سے کہا۔ "آپ کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے اپنی کم قامتی کا احساس ہوتا ہے۔ آپ بہت اونچے آدمی ہیں۔"

"میرا قد تم سے چند انچ کم ہی ہوگا۔"

"آپ کا قد بہت بڑا ہے، آپ اندر سے بہت قد آور آدمی ہیں۔"

"بس کرو۔ کیا تم اپنی تعریف کروانے کے موڈ میں ہو موہن؟" وہ سرشاری سے بولا۔ "تم اب میرے سامنے نہیں ہوتے تو میرا دل دھڑکتا رہتا ہے۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا، اس لیے بہت ڈرتا ہوں۔"

"اور اسی لیے میں باہر رہتا ہوں کہ یہ دوچار لفنگے باقی رہ گئے ہیں، جب تک نہیں ختم نہیں کیا جائے گا، سکون نہیں ملے گا۔"

"ادھر سے تو مکمل خاموشی ہے۔" اس کا اشارہ جگدیپ کی طرف تھا۔

"مگر یہ خاموشی دائمی تو نہیں۔"

"پھر بھی کچھ دنوں تک تو سکون رہے گا۔ کم از کم اب ذرا سوچ سمجھ کے تو قدم اٹھایا جائے گا۔"

"سوچ سمجھ ہوتی تو پہلے یہ پاگل پن کیوں کرتے؟"

aazzamm@yahoo.com

"پربت بھی کچھ ٹوٹ سی گئی ہے۔ بھون کے بہت سے لوگ سہمے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کچھ کا شبہ تم پر ہے اور تم پر ہے تو بالواسطہ مجھ پر ہے۔ چلو ٹھیک ہے' یہی سہی۔"

"میں اسے مہلت سمجھتا ہوں اور ان چھٹیوں کے دنوں میں بھی کام کرتے رہنا چاہتا ہوں۔ ہمیں نہایت سنگین امکانات ملحوظ رکھنے چاہئیں۔"

"ہاں' تمہارے ذہن میں جو کچھ ہے' مجھے اس کا اندازہ ہے۔"

"مجھے آپ کی ذہانت پر مکمل اعتماد ہے۔ ذہانت ایک مجرد شے ہوتی ہے۔ ایک ......" میں انگریزی میں کہتے کہتے رہ گیا۔

"کہو کہو۔" وہ مسکرا کے بولا۔ "زندہ رہو صاف چھپتے بھی نہیں' سامنے آتے بھی نہیں' موہن داس جی۔" اس نے میرے کان پکڑ لیے۔ "آپ بہت خطرناک آدمی ہیں۔"

صرف شاردا ہی یہ جانتی تھی کہ ہم دونوں اور کہیں موجود نہیں ہیں تو یہاں چھپے بیٹھے ہوں گے۔ وہ چپکے سے آ گئی تھی اور جب دنیش نے میرے کان پکڑے تو وہ ہمارے سروں پر بولی۔ "اور زور سے۔"

"تم وقت بے وقت آ جاتی ہو اور اب پھر ہم سے اسے چھین کے لے جاؤ گی۔" دنیش نے جھنجلا کے کہا۔ "تم نہیں گئیں؟ جانتا ہوں' کیوں نہیں گئیں۔"

"اور تم کیوں نہیں گئے؟" شاردا شوخی سے بولی۔

ان دونوں کے درمیان میری حیثیت ایک بچے کی سی ہو گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں گلستانوں میں بیٹھا ہوں اور پانی کسی چھوٹے جھرنے سے نیچے گر رہا ہے' اور ہر طرف غنچے چٹک رہے ہیں اور نرم ہوا چل رہی ہے اور پھوار پڑ رہی ہے' مٹی سبزے اور پھولوں کی ملی جلی خوشبو چھائی ہوئی ہے' دل کوئی ٹھنڈا پہاڑ ہے' میرا جی چاہا' میں ان دونوں کو گلے لگا کے خوب پیار کروں' خوب آنسو بہاؤں' کوئی چیز اندر سے چھلکنا چاہتی تھی۔ شاردا نے سرمئی ساڑھی پہن رکھی تھی' میں دنیش سے نظریں بچا کے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے انگ انگ سے مسرت پھوٹی پڑتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو چھیڑتے رہے۔ دنیش کے اصرار پر شاردا چپکے سے کافی لے آئی اور ہم دروازہ بند کر کے چسکیاں لیتے رہے۔ یہ ایک دل کش نظارہ تھا۔ میرے ہاتھ پستول کی طرف بڑھے۔ خیال آیا کہ ان دونوں کو شوٹ کر کے اپنے سینے میں بھی گولی داغ دوں۔ ورنہ یہ منظر بدلنے

کے بعد زندگی بہت ستائے گی۔ فون کی گھنٹی نے خوابوں کی یہ جنت اجاڑ دی۔ سیکرٹری نے اطلاع دی تھی کہ آئی جی پولیس مہتا ملاقات کا منتظر ہے۔ دنیش نے بری طرح منہ بنایا۔ "وہ پھر آ گیا؟" اس نے کہا۔ "موہن! تم یہیں چھپے رہنا۔"

"کیوں؟ میں اس کے سامنے آنا چاہتا ہوں۔"

"دنیش ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" شاردا نے حکم دیا۔

"اگر میں اس سے نہ ملا تو وہ میری تلاش میں دوبارہ آئے گا۔"

"پھر بھی تم یہیں رہو۔" دنیش نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا اور شاردا کو اشارہ کر کے باہر نکل گیا۔

"وہ پھر کیوں آیا ہے؟" شاردا کے چہرے پر پریشانی چھا گئی تھی۔

"ممکن ہے' کوئی اور بات ہو' تم اس قدر حواس باختہ کیوں ہو گئی ہو؟ کمال ہے' ہمت رکھو۔"

"مجھے یہ سب باتیں اچھی نہیں لگتیں' آخر یہ کیا مذاق ہے؟"

"اوہ۔" میں نے اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔ "میں تمہیں ایک طاقتور' حوصلہ مند لڑکی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"مگر یہاں طاقت اور حوصلے کا استعمال فضول ہے۔ مجھ سے زیادہ حوصلہ مند یہاں کوئی نہیں ہے۔ میں غریبی کی زندگی کے دکھ جانتی ہوں اور ان سے مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح کمربستہ ہوں۔"

"آؤ' میں تمہیں ایک تماشا دکھاتا ہوں۔" میں نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کہاں؟" وہ سہم کر بولی۔ "کیا تم باہر جانا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ آؤ' آؤ۔"

اس نے میرا کرتا پکڑ لیا۔ "ٹھہر جاؤ موہن!" وہ چیخ نہیں سکتی تھی۔ اس کی گھٹی ہوئی آواز نکلی۔ میں دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ میں نے اس کی پیشانی چوم لی۔ وہ سمجھی کہ میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ اس نے مزاحمت ترک کر دی تھی۔ میں دروازہ کھول کے باہر آ گیا۔ وہ گم سم کھڑی رہ گئی۔ ملاقاتی کمرے میں آئی جی اور اس کے ساتھ تین پولیس افسر صوفوں پر بیٹھے تھے۔ میں نے اندر واپس بھاگنا چاہا' حماقت ہو گئی تھی' اگر دنیش نے پہلے ہی یہ کہہ دیا ہوگا کہ موہن داس یہاں نہیں ہے تو کیا ہوگا؟ یہ سوچ کر میں گنگ رہ گیا۔ آئی جی کی نظر مجھ پر پڑ گئی تھی۔ پھر میں نے آگے بڑھ کر اسے

aazzamm@yahoo.com

پرنام کرنا مناسب سمجھا اور اپنی آنکھوں کی روشنی تیز کی۔ جسم کے ہر عضو کا بٹن ارادہ خانے میں ہوتا ہے۔ یہ خانہ جتنا چوڑا اور مضبوط ہوگا' آدمی اتنا ہی توانا ہوگا۔ میری آمد پر وہ بطور خاص متوجہ ہوئے' جو گفتگو دنیش سے ہو رہی تھی' اس میں رخنہ پڑ گیا۔ "ا موہن داس!" آئی جی نے اچھل کر انگریزی میں کہا۔ "راج کمار! آپ کا یہ ملازم زبردست آدمی ہے۔"

"کیا جناب کو پھر میری ضرورت پڑ گئی؟" میں نے درمیان میں دخل دیا۔ یہ ایک ملازم کی گستاخی تھی مگر میں نے اسے روا رکھا۔

آئی جی کو یہ مداخلت ناگوار گزری۔

"موہن داس!" اس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ "ہم بھی تمہاری طرح ملازم ہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان معمولی فرق ہے۔ تم راج کمار دنیش کی نگہبانی کرتے ہو اور ہم پوری ریاست کی۔ سمجھ رہے ہو؟"

"بہت بڑا فرق ہے۔ آپ بادشاہ لوگ ہیں جناب' آپ بہت بڑے لوگ ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں کوڑا رہتا ہے۔ ہنٹر رہتا ہے' آپ بے تاج بادشاہ ہیں۔"

دنیش نے شاید یہ محسوس کیا کہ میرے لہجے میں تلخی کچھ زیادہ ہے' وہ بگڑے ہوئے تیور سے بولا۔ "ہاں مہتا جی! ہمیں شکایت ہے کہ آپ کے آدمیوں نے موہن داس کو خواہ مخواہ پریشان کیا' موہن ایک وفادار اور نیک آدمی ہے۔"

"جی راج کمار!" آئی جی نے احترام سے کہا۔ "جناب والا' جو کچھ ہوا اوپر کے اشارے پر ہوا۔ بڑے سخت احکام تھے۔ ہم تو حکم کے غلام ہیں۔"

بات کچھ بگڑ جاتی مگر آئی جی نے فوراً دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ راجے پور میں دنیش کی حیثیت مہاراجہ کے بعد سب سے محترم تھی۔ یہی حیثیت جگدیپ کو حاصل تھی۔ ابھی آئی جی نے اپنے آنے کا مقصد واضح نہیں کیا تھا۔ وہ شاید اپنی خجالت یا دنیش کا تکدر دور کرنے کے لیے آیا تھا۔ اس دنیا میں کامیابی کا ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ سب سے بنائے رکھو۔ دنیش بھی اسی اصول پر عمل پیرا تھا۔ میرا بھی یہی حال تھا۔ "ہم بھون سے پولیس ہٹا رہے ہیں۔" آئی جی نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "ہم نے راجے پور کے بعض غنڈوں کو پکڑ لیا ہے' بھون کے نو آدمی بھی ابھی ہماری حراست میں ہیں۔ ہماری گزارش ہے راج کمار کہ آپ کسی بھی وقت' کسی بھی لمحے ضرورت پڑنے پر ہمیں طلب کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ۔" دنیش نے کہا۔ "بھون کے باہر صرف ایک دن پولیس رکھنے کا کیا مقصد تھا؟ یہ میں نہیں سمجھ سکا۔ راجے پور میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ معززین کے گھروں کے باہر پولیس کا پہرا لگا ہوا ہو۔"

آئی جی نے مہذب لہجے میں جواب دیا۔ "مگر راج کمار! دیکھئے نا' اتنا فساد بھی تو کبھی نہیں ہوا۔ کبھی اتنی گولیاں نہیں چلیں' دور دور مشہور تھا کہ یہ ایک پرسکون ریاست ہے۔"

"ہمیں یہ بات محسوس ہوئی۔" دنیش نے شاہانہ انداز میں کہا۔

"ہمیں بھی ندامت ہے راج کمار! کون ہے جو آپ کے خاندان کی شرافت' نیک نامی اور سخاوت کا قائل نہیں۔ یہ آپ کی حفاظت ہی کا ایک اقدام تھا۔ مہاراجہ تو آپ سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ انہوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا۔"

"مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے؟" آئی جی کے خاموش ہوتے ہی میں نے کہا۔

"ضرور موہن داس! اگر تم کوئی مشورہ دینا چاہتے ہو تو ہم اسے ضرور سنیں گے۔" آئی جی نے نرمی سے کہا۔

"مشورہ نہیں جناب! ایک تجویز ہے۔ ایک درخواست ہے۔" میں نے شائستگی سے کہا۔ "میں اپنے آقا راج کمار دنیش چندر کی زبان سے بات کر رہا ہوں۔ میرے مالک کو پولیس کے فرائض کا پورا احساس ہے۔ ہم آپ سے ہر قسم کا تعاون کریں گے۔ آپ یہاں آئیں' تشریف لائیں' راج کمار ایک غریب پرور اور عوام دوست شخص ہیں۔ میری مثال سامنے ہے کہ میں ان کے سامنے یہ جرأت کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے' آپ کو کسی جاگیر میں ایسا شخص نہیں ملے گا۔ میں خوشامد نہیں کر رہا ہوں کیونکہ میں کسی سے نہیں ڈرتا' صرف بھگوان سے ڈرتا ہوں۔ ایک تو مہاراجہ کا حکم ہے جو آپ کے لیے اور ہم سب کے لیے مقدم ہے اور ایک انگریز کا حکم ہے۔ اس کی تعمیل بھی ضروری ہے۔ لیکن ایک آپ کی اپنی رائے ہے۔ میں آپ سے کچھ نہیں کہتا' صرف انصاف کی درخواست کرتا ہوں۔ انصاف ضرور کیجئے۔ یہ ضرور دیکھئے کہ ظلم ہوا کس پر ہے اور ظلم کی بنا کس نے ڈالی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آپ کا سب سے بڑا فرض ہے۔ آپ کچھ نہیں کر سکتے مگر ایک بات ضرور کر سکتے ہیں کہ منصفانہ مشورے حکام تک پہنچا سکتے ہیں۔ ہم کوئی رعایت نہیں چاہ رہے ہیں۔ یہ انصاف نہیں ہوگا تو یہاں کبھی امن نہیں ہوگا۔

aazzamm@yahoo.com

گولیاں تو چلتی رہیں گی جناب! گولیاں' جوابی گولیاں۔"

شاردا بھی آ کے خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔ دنیش مبہوت ہو کے مجھے دیکھ رہا تھا۔ آئی جی کے ساتھ تین پولیس افسر تھے۔ وہ بھی موثر اور دل گداز گفتگو پر حیران تھے۔ جیسے ہی میں نے اپنا بیان ختم کیا' وہ چاروں ایک ساتھ بولے۔ "ضرور' ضرور۔ موہن داس! ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے علم میں آئے گا' ہم حکام بالا تک وہی پہنچائیں گے۔ ہماری ہمدردیاں انصاف اور قانون کے ساتھ ہیں۔"

"میں معذرت چاہتا ہوں' آپ حضرات کیا پیجئے گا؟ مجھے باتوں میں خیال ہی نہیں رہا۔ کھانا کھائیے گا؟ اب وقت ہی کتنا رہ گیا ہے۔" میں نے ادب سے کہا۔

میرے ساتھ دنیش نے بھی اصرار کیا مگر وہ گفتگو سے خاصے زیربار ہو گئے تھے' اس لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ دنیش نے انہیں پرجوش مصافحہ کرکے رخصت کیا۔ ضروری نہیں تھا کہ میں انہیں ان کی گاڑی تک چھوڑنے جاتا' لیکن ازروئے اخلاق مناسب سمجھا کہ دور تک چھوڑ کے آؤں۔ راہ داری سے باہر آ کے آئی جی نے افسروں کو کچھ اشارہ کیا۔ وہ خلاف دستور اس سے آگے چلنے لگے۔ میں اور وہ پیچھے رہ گئے۔

"موہن داس!" اس نے سرگوشی میں کہا۔ "سادھو دیو راج نے تمہارے بارے میں کچھ کہا تھا' وہ مجھے یاد ہے۔ سادھو مہاراج کی بات اٹل ہوتی ہے۔" میں نے جان بوجھ کر جواب نہیں دیا۔ وہ کہنے لگا۔ "تمہیں بھی کچھ یاد ہے' تم نے پولیس سے وعدے کیے تھے۔"

"میں آپ سے پورا تعاون کروں گا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"کوئی خاص بات ہو تو تم میری کوٹھی میں آ سکتے ہو۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"میں ان دنوں خاصی الجھنوں میں ہوں۔"

"مجھے اندازہ ہے' اپنا من صاف کیجئے۔" یہ جملہ یونہی میرے منہ سے نکل گیا۔ میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ آئی جی اس کا کچھ اور مفہوم لے گا۔ اس کی نظروں میں حیرانی آ گئی۔ جیسے میں نے کوئی بہت راز کی بات کہہ دی ہو۔ یہ صورت دیکھ کر میں نے بات جاری رکھی۔ "وہ آنکھیں پیدا کیجئے جناب جو رنگ پہچان سکتی ہوں' تو دھکا کھا جائیے گا' گر جائیے گا۔"

اس نے سر ہلانا شروع کردیا۔ مہمان خانے کے سامنے کھڑی ہوئی پولیس گاڑی کا دروازہ پہلے ہی افسر صاحبان نے اس کے لیے کھول دیا تھا۔ کار میں بیٹھ کر

اس کی نظریں مجھ پر تکی رہیں۔ میں نے مسکرا کے ایک ہاتھ سے سلام کیا۔ اس نے پلکوں کی خفیف جنبش سے جواب دے دیا۔

یہ ایک نیا زاویہ تھا جس پر میں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ توجہ دی تھی تو اس کے حیرت انگیز نتائج میری نظروں سے اوجھل رہے تھے۔ آئی جی کی یہ نگاہ کرم سادھو کے سبب سے تھی۔ راجے پور کے اس مشہور سادھو کا یہ حال تھا کہ جیسے اسے پوری ریاست میں صرف میری فکر ہو۔ پنڈت ایشوری لال تو خادم خاص بننے کے لیے تڑپ رہا تھا' وہ سمجھتے تھے کہ کیچو ایک پراسرار عورت یا اس کا سایہ مجھ پر مہربان ہے' اس لیے وہ میری ملکیت میں ہے یا میں اس کے قبضے میں ہوں اور کیچو کیا بلا ہے؟ یہ مجھے خود معلوم نہیں تھا۔ جب کیچو سے متعدد بار پوچھنے پر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو میں نے سوچنا ہی موقوف کردیا۔ جو چیز اپنے اختیار میں نہ ہو' اس پر تکیہ کرنا نادانی ہے' اسی لیے میں کسی ماورائی طاقت پر تکیہ کیے بغیر اپنا کام کرتا تھا۔ میں کیچو کو بلا نہیں سکتا تھا۔ کئی کئی دن گزر جاتے تھے' کیچو نظر نہیں آتی تھی۔ بھون جدید دنیا کی رنگ رلیوں کی آماجگاہ تھا مگر یہ جدید فتنہ پرداز لوگ عجیب و غریب توہمات میں گرفتار تھے۔ مندروں میں باقاعدہ پوجا ہوتی تھی' سادھوؤں' پنڈتوں کا بڑا لحاظ کیا جاتا تھا۔ روز گھنٹیاں بجتی تھیں' پرشاد بانٹا جاتا تھا۔ منتیں مانی جاتی تھیں' زائچے بنوائے جاتے تھے اور آرتی اتاری جاتی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو ٹٹولا۔ میرے نہاں خانے میں بہت سے وہم چھپے ہوئے تھے۔ یہ وہم میں اپنی خواہش اور کوشش کے باوجود دل سے کیسے نکال سکتا تھا۔ مجھے ان کے تجربے ہوئے تھے۔ باقاعدہ تربیت سی ہوئی تھی۔ میں نے کیچو کو دیکھا تھا اور کیچو کے کرشمے دیکھے تھے۔ میری زندگی بہت سے شعبوں میں بٹ گئی تھی' یہ شعبہ میں نے جانے کیوں نظر انداز کردیا تھا؟ شاید اس لیے کہ مجھے کوئی خوف لاحق تھا' گھر لٹ چکا تھا' سکندر پاگل ہو چکا تھا اور اس کے علاوہ بھی زندگی میں کچھ نہیں دیکھنا پڑا تھا۔ میرے اندر ان توہمات سے فرار کی ایک شدید خواہش موجود تھی لیکن اس وقت آئی جی نے مجھے کچھ اور طرح سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ میں کل رات سادھو کی تلاش میں اس لیے گیا تھا کہ اس سے اپنے ربط خاص کی تجدید کروں۔ وہ نہیں ملا اور کرچھے والے پنڈت ایشوری لال سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ میں نے طے کیا کہ مجھے ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نظر آنا چاہیے اور بھون کے لوگوں میں اپنا ایک اور تاثر بھی قائم کرنا چاہیے۔ یہ تاثر بعض جگہ پستول کی گولی سے زیادہ کام کرسکتا ہے۔ حالات بھی کیا ستم ڈھاتے ہیں' یہ آندھی اور طوفان

aazzamm@yahoo.com

ہوتے ہیں' آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں اور کیا سے کیا سوچنے پر مجبور کر
ہیں۔

میں مہمان خانے کے دروازے ہی پر کھڑا تھا۔ اندر جا کے میں سادھو مہار
کو تلاش کرسکتا تھا مگر وہاں ترنم موجود تھی اور ترنم کے سامنے جانے کی مجھ میں ہ
نہیں تھی۔ دو ایک ملازموں نے مجھے پولیس افسروں کے ساتھ دیکھ لیا تھا' وہ سہمے ہو
لوگ میرے قریب آ گئے۔ پولیس کے تشدد اور بھون کے مخدوش حالات سے سراسی
پھیلی ہوئی تھی۔ ان خوف زدوں نے مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرنے شرو
کردیئے جیسے میں بھون کی انسائیکلوپیڈیا ہوں۔ وہ میرے ورق لوٹتے جائیں گے ا
انہیں جواب ملتے جائیں گے۔ میں ان کی تسلی' ہمت اور حوصلہ بانٹتا رہا۔ بھون کے با
سے پولیس ہٹا لی گئی تھی۔ خسروانہ مزاج ایسا ہی ہوتا ہے۔ ابھی یہ فیصلہ' ابھی وہ فیص
شاہوں کا مزاج صرف سنا تھا' جب دیکھا تو آنکھیں پھٹ گئیں۔ مہاراجہ کو اپنا اقتد
ڈولتا نظر آیا ہوگا تو انہوں نے پولیس کے کان مروڑ دیئے۔ وہ یہ بھول گئے کہ امن
سکون انگریز کو ناپسند ہے' پسند جب آتا ہے جب اس کے مزاج کا ہوتا ہے۔ مہارا
نے یہ حکم جاری کیا۔ کرنل صاحب نے دلیل دی ہوگی کہ یہ راج کماروں کی توہین ہ
اور اس سے ان میں بغاوت کے جراثیم نمو پائیں گے۔ مہاراجہ نامقبول ہوجائیں گ
مہاراجہ نے ایک دن میں فیصلہ واپس لے لیا۔ یہی ہوا ہوگا۔ خیر مجھے یہ دور کی باتی
نہیں سوچنی چاہئیں تھیں۔ پولیس ہٹنے کے بعد بھون کی فضا دوبارہ مکدر ہونے کا خط
پیدا ہو گیا تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ باہر پولیس پہرا دے گی اور چند دن چند گھن
سونے کا موقع مل جائے گا۔ ایک اعتبار سے یہ اچھا بھی ہوا۔ پولیس بوکھلائی ہوئی تھی
زرخرید غنڈے بھی دہشت زدہ ہوں گے۔ چوک میں کانسٹیبل نہ ہو تو لوگ خود ن
گاڑیاں احتیاط سے دیکھ بھال کے چلانا شروع کردیتے ہیں۔ اس میں جس نے عجلت
کی' وہ مارا جائے گا۔

میں ڈالی کے ہاتھ سے لذیذ پراٹھے کھانے اور اس کے منہ سے چند کھٹ
میٹھے جملے سننے کے لیے گھر آ گیا۔ ایک دن سے اوپر ہو گیا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ
ڈالی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ وہ سوچ رہی ہوگی کہ میں بتدریج اس سے دور ہوتا جار
ہوں۔ میں بدل گیا ہوں۔ مجھ پر چربی چڑھ گئی ہے۔ میں نے جاتے ہی گڈے کو گو
میں اٹھا لیا اور ڈالی کو کھانا پیش کرنے کا حکم دیا۔ وہ اتنی جلی بھنی بیٹھی تھی کہ توے

ے خود اس پر روٹیاں پکائی جا سکتی تھیں۔ میں نے اس پر ایک بالٹی پانی ڈالنے کا
دا کیا۔ میری خاموشی سے وہ اور سلگ رہی تھی۔ روٹیاں پکا کے اس نے پھینکنے کے
از میں میرے سامنے رکھ دیں۔ میں نے زہر مار کرلیں اور اس کا رنگ اور سرخ
رنے کے لیے پستول سے گولیاں نکال کر پستول گڈے کو کھیلنے کے لیے دے دیا۔ اور
ب جسم کی ٹنکی ایندھن سے پر ہوگئی تو پہلی فرصت میں وہاں سے بھاگ آیا۔ ڈالی
را یہ جلوہ دیکھتی رہ گئی۔

ابھی رات کے نو ہی بجے تھے کہ بھون میں آدھی رات کا گماں ہونے لگا۔
زم اپنے اپنے کوارٹروں میں دبک گئے تھے۔ کرنل' ریتا' کنول یا مہاراجہ میں سے کوئی
ہر نہیں آیا تھا۔ ممکن ہے کرنل نے اپنے طور پر یہ سمجھا ہو کہ اس کے ہاں میری
مزری سے دنیش لاعلم ہوگا۔ ویسے بھی آج بارہ بجے تک میں وہاں بیٹھا تھا۔ اس لیے
ں نے آج ہی آنا مناسب نہ سمجھا ہو۔ اسے میرے سلسلے میں کیا خبر ہوئی ہو گی' سب
نے لاعلمی کا اظہار کیا ہوگا کہ ایسا کوئی شخص بھون میں بطور مہمان وارد نہیں ہوا ہے۔
ہر یہ ایک تشویش ناک بات تھی مگر بباطن اس سے کرنل کے ذہن کی گتھیاں الجھنے کے
جائے سلجھنے کا امکان تھا۔ وہ صاف طور پر یہ فیصلہ کر سکتا تھا کہ ضرور موہن داس ہی
وفیسر زاہدی کا ایک روپ ہے اور دنیش نے اس سے کوئی رابطہ قائم کرنے کے لیے
یک شخص کو درمیان میں کھڑا کیا ہے۔اور یہ کوئی نامناسب بات نہیں ہے۔ سیاسی
معاملوں میں بہت کچھ ہوتا رہتا ہے' اب رہا ریتا کا معاملہ۔ ممکن ہے' اس نے مجھے فون
کیا ہو۔ راج کماری کنول جب میرے لیے سرعام گاڑی روک سکتی ہے تو فون بھی
کرسکتی ہے' فون پر یہاں کے ہرکاروں نے کیا جواب دیا ہوگا؟ یہی کہ پروفیسر زاہدی
نام کا کوئی شخص بھون میں نہیں آیا ہے۔ وہ قیاس کرتی ہوگی کہ اس کی نظر نے دھوکا
کھایا ہے۔ ادھر ریتا نے بھون سے زاہدی کے بارے میں انکارسن کے بہت کچھ سوچا
ہوگا۔ میرا ذہن خالی نہیں تھا' خیالوں' وسوسوں' قیاسوں سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ افق پر
آڑی ترچھی لکیریں نظر آتی تھیں ۔ بھول بھلیاں۔

میں تھوڑی دیر بعد دنیش چندر کے ہاں موجود تھا۔ نرسوں نے اس کی مرہم
پٹی کردی تھی اور دنیش نے حکم دے دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کمرے میں قیام کریں'
جب ضرورت ہوگی' انہیں طلب کرلیا جائے گا۔ کمرے میں جب ہم دونوں تنہا ہوئے تو
باتوں کا سیلاب امڈ پڑا۔ دنیش کو ڈر تھا کہ کہیں شاردا نہ آجائے۔ اس نے میری وجہ

aazzamm@yahoo.com

سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا حالانکہ میں ڈالی کے گداز ہاتھوں سے چٹ پٹا کھانا' مگر
پراٹھے اور لہسن کی چٹنی کھا کے آیا تھا۔ دنیش کے خیال سے میں نے دوبارہ ک
شروع کردیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح ایک سوال ضرور کرے گا کہ اب ک
ارادے ہیں؟ میرا رخ کس جانب ہے؟

میں نے اسے بری خبریں سننے کے لیے پہلے سے آمادہ کرنا شروع کردیا
کھانے کے بعد میں اسے راگ رنگ کے کمرے میں لے آیا اور میں نے کچھ جھجک
ہوئے اس سے درخواست کی کہ میں انگریزی ناچ سیکھنا چاہتا ہوں۔

''انگریزی ناچ۔'' وہ تعجب سے بولا۔ ''مگر کیوں؟'' پھر وہ خود ہی مسکرا ک
کہنے لگا۔ ''اچھا اچھا' ارادے کچھ خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔''

''ہاں۔ احتیاطاً سیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' میں نے جھینپ کر کہا۔

''ضرور۔ مگر کس سے سیکھو گے؟ اس سے اچھا کون سکھائے گا۔'' اس ک
لبوں پر شرارت کھیلنے لگی تھی۔

''آپ ہی کوئی انتظام کروائیے۔ میں یہاں کس سے سیکھ سکتا ہوں۔''

دنیش نے ریکارڈ تلاش کرنے شروع کردیے اور انہیں گرام پر چڑھا دیا
کمرے میں ہلکی موسیقی تیرنے لگی۔ دریا کی سبک خرام موجیں' شراب کا پہلا جام' محبت
کے ابتدائی دن' ریشم کا سرسراتا لباس۔ اس دھیمی' ہلکی موسیقی نے کمرے کا مزاج بدل
دیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے میں چھوٹے چھوٹے بادلوں کے ٹکڑے اڑ رہے ہوں
موسیقی میں ایک خوشبو ہوتی ہے۔ میرا دل لرزنے لگا۔ میں حکم لگاتا ہوں' جو شخص راگو
سے بے بہرہ ہے' جس کے دل میں موسیقی سے ارتعاش پیدا نہیں ہوتا' جس کی رو
جھنجھنا نہیں جاتی' جس کی بوٹیاں تھرکنے نہیں لگتیں' وہ کوئی دیوار ہے' ستون ہے' کر
ہے' میز ہے' کنکر ہے' مٹی ہے۔ دنیش نے میری کیفیت دیکھی۔ آنکھوں میں خمار چڑھ
گیا تھا۔ ''آؤ۔'' اس نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا اور مجھے اس موسیقی میں رقص ک
آداب کی تعلیم دینے لگا۔ کچھ کچھ میں جانتا بھی تھا۔ اس نے مجھے اسٹیپس بتائے۔ ایک
دو تین چار' پیر آگے بڑھانا۔ دوسرے زاویے پر لانا' تیسرے زاویے پر رکھنا' واپس مڑ
اس نے اس کا عملی مظاہرہ بھی کیا جو میں غور سے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے جو کچھ سمجھا
تھا' اسے بتایا۔ نہ جانے اسے کیا دورہ پڑا۔ وہ جوش میں آگے بڑھا اور اس نے میری
کمر میں ہاتھ ڈال دیے۔ ہنستے ہنستے میرا برا حال ہوگیا۔ راج کمار دنیش چندر میری

میں ہاتھ ڈالے رقص کر رہے تھے۔ اس نے میرا ایک ہاتھ کاندھے پر رکھا۔ میرے
پیروں کو بھی ہنسی آنے لگی۔ رکھتا کہیں تھا' پڑتے کہیں تھے۔ یہ ایک ناقابل بیان منظر
تھا۔ ''تم تو شرما رہے ہو۔'' وہ زبان دراز مجھ سے بولا۔

''بس بس رہنے دیجیے۔ میں رقص سے باز آیا۔'' میں ہاتھ جوڑ کے اس سے
دور بھاگتا رہا۔

''ارے پھر کیسے سیکھو گے' چلو ادھر آؤ۔'' اس نے مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا
اور اب کے میرا ہاتھ اپنی کمر میں ڈالا۔

''اس طرح۔'' اس نے قدم آگے اور پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

میں نے سنجیدہ ہونے کی بہت کوشش کی مگر ہنسی ضبط نہ کرسکا۔ دنیش نے تو
میرے سارے جسم میں گدگدی سی کردی تھی۔ جب وہ تھک کے بیٹھ گیا' تو کہیں میری
حالت زار قابو میں آئی۔ پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے اٹھایا۔ اس نے دوسرا ریکارڈ
لگ دیا تھا۔ پھر وہ میرے شانے پر سر رکھ کے کھو سا گیا اور میں اس کے اشاروں اور
موسیقی کی تانوں پر آگے پیچھے قدم بڑھاتا رہا۔ کبھی اس طرف' کبھی اس طرف' ہم حال
میں ایک دوسرے کے بازوؤں میں بازو ڈالے گھومتے رہے۔ دنیش کے ہاتھ پر ابھی
تک پٹیاں بندھی ہوئی تھیں مگر ایک ایسی ترنگ تھی کہ اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔
ہمارے سینے' ہمارے دل ملے ہوئے تھے۔ ریکارڈ ختم ہوا تو اس کی مستی ٹوٹی اور اس
نے اچک کر میرے گالوں کا بوسہ لے لیا اور بے تحاشا ہنسنے لگا۔ جیسے اس نے یہ ہنسی
اسٹور کر رکھی تھی۔

''تم نے تو بہت جلد قصہ ختم کردیا۔''

''یہ دنیا کا آسان ترین کام معلوم ہوتا ہے۔''

''اور سب سے دل کش کام' اس نے دوسرا ریکارڈ لگایا۔ ریکارڈ کی موسیقی تیز
تھی' اس میں موسلادھار بارش کا سماں تھا۔ رگوں میں خون ابلنے لگتا تھا' دنیش نے اس
وقت مجھے تین طرح کے ناچ سکھائے اور مجھے پہلی بار پتہ چلا کہ لوگ ناچ کیوں ناچتے
ہیں؟

ناچ تو ایک نیند ہے' ایک سیر ہے' ایک کھیل ہے' شربت کا ایک گلاس ہے'
خوشی ہے' امنگ ہے' جوش ہے' حرکت ہے' شاعری ہے' ناچ تو نخلستان ہے' رات کے
بارہ بجے تھے' ایک دن فنا ہو رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

''اب میں ڈیوٹی پر جا رہا ہوں۔'' میں نے ایک جگہ منجمد ہوتے ہوئے کہا۔

''کہاں؟'' وہ سراپا حیرت بن گیا۔

''اب کچھ کام بھی کیا جائے' رات ضائع تو نہیں کرنی۔''

''مجھے بتاؤ کہاں کا ارادہ ہے؟''

''کوئی خاص ارادہ تو نہیں ہے البتہ ضروری بہت ہے۔''

''میں سوچ رہا تھا' آج پوری رات تمہارے ساتھ بسر کروں گا۔ نیند نہیں آ رہی ہے۔ آج تم جانا ملتوی کرو۔ کچھ سنے ہوئے دن ہو گئے ہیں۔''

مجھے ترنم یاد آ گئی۔ ''ابھی وہ دلی والی پری موجود ہے۔''

''تو اسی کو بلا لیتے ہیں۔''

''ایسا کیجئے۔ رات تو اپنی ہے' آپ اسے بلوائیے۔ میں اتنے میں کام نمٹا کے آتا ہوں۔ اب غالباً شاردا کے آنے کا امکان تو نہیں ہے۔''

''شاید نہیں مگر تمہارے بغیر۔'' وہ اداسی سے بولا۔

''میری اتنی ضرورت نہ پیدا کیجئے' ترنم سے راگنیاں سنئے یا اس کے ساتھ شطرنج کھیلئے' اتنی دیر میں' میں واپس آتا ہوں۔''

''پستول ہے تمہارے پاس؟''

''اوہ نہیں۔ آج رات اس کے آرام کی رات ہے۔'' میں نے جیب سے پستول نکال کے اسے دکھایا پھر راہ داری میں آ گیا۔ بڑی روشنیوں کی جگہ صرف چھوٹی بتیاں ٹمٹما رہی تھیں۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد میں پارو کے شبستان کے دروازے پر موجود تھا۔ ہلکی سی دستک پر دروازہ کھل گیا۔ میں ٹھٹک گیا' دروازے کے بالکل سامنے کرسی پر وہ چینی کی گڑیا پارو بیٹھی ہوئی تھی۔ میری آمد پر اس میں برقی لہر دوڑ گئی۔ اس نے رسالہ ایک طرف پھینکا۔ اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا جس کا رخ میری طرف تھا۔ میں نے گریبان کے اوپر کے بٹن کھول دیئے' اس کی نگاہوں میں غیر معمولی چمک تھی' وہ اٹھ کر آگے بڑھی اور اس کے پستول کی نوک میرے سینے سے چند انچ کے فاصلے پر رہ گئی۔ پھر اس نے اچانک پستول ایک طرف پھینک دیا اور میرے سینے پر گر گئی۔

''اتنی دیر کیوں کر دی؟'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''موقع ہی نہیں ملا۔'' میں نے اسے جکڑتے ہوئے کہا۔

''میں دربان ہی بیٹھی تھی۔ دروازہ اس لیے کھول دیا تھا کہ تمہیں آنے میں دقت نہ ہو۔ ایک ایک پل عذاب لگ رہا تھا' کئی گھنٹے ہو گئے۔'' اس کا انگ انگ پھڑک رہا تھا۔

''کیا کروں' ملازم آدمی ہوں۔ دنیش چندر سے صرف ایک گھنٹے کی چھٹی لے کے آیا ہوں اور ایک گھنٹے میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں تمہیں جانے ہی نہیں دوں گی۔'' اس نے چنچنی چڑھاتے ہوئے کہا۔

''دنیش کو آرام کی ضرورت ہے اور رات کو تمام ملازم اپنے آشیانوں کو لوٹ جاتے ہیں۔''

''میں سرکار کا ملازم ہوں چوبیس گھنٹے کا۔'' میں نے وحشیانہ انداز میں اس کے بال کھینچتے ہوئے کہا۔ ''فرصت کے دن بھی جلد آئیں گے۔''

''فرصت کے دن تو مرنے کے بعد نصیب ہوں گے۔'' وہ میرے انتظار میں بہت تھک گئی تھی۔ بہت شکستہ باتیں کر رہی تھی۔

''آج تمہیں یہ کیا ہو رہا ہے؟ آؤ مجھ میں ضم ہو جاؤ۔'' میں نے اس غنچہ دہن کو کمر سے پکڑ کے اٹھایا۔ اس کا وزن پھولوں کا وزن تھا۔ میں وہ ٹوکری اٹھائے اٹھائے خواب گاہ میں آ گیا اور اسے بستر پر لوٹ دیا۔ پھول بستر پر بکھر گئے۔ میں نے انہیں بے تحاشا سونگھنا شروع کر دیا۔ اس کے مرمریں ہاتھ' اس کی ہرن آنکھیں' میں نے اس کے بدن کی پتیاں چبانی شروع کر دیں اور ایسا سرور آیا کہ کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔ پارو نے ابھی تک رات کا لباس تبدیل نہیں کیا تھا۔ ساڑھی کا رواج شاید اسی لیے ہوا تھا۔ کمرے میں نیلی' سرخ روشنیوں کا عکس اس کی ساڑھی کے سلمہ ستاروں پر پڑ رہا تھا۔ میں چپ پڑا رہا۔ اس طرح کہ میرا سر اس کے سینہ پر دراز تھا' اس کی سانسوں کے تموج میں سمندر کا ہیجان تھا۔

''بہت تھک گئے ہو؟'' خاصی دیر ہو گئی تو اس نے میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

''بہت۔'' میری آواز کانپ رہی تھی۔

''مر جاؤ گے۔''

''میں نے جواب نہیں دیا۔ اس کے سینے سے عطر بار ہوائیں اٹھ رہی تھیں۔ میرے جسم کی سردیاں اس کے بدن کے آتش دان سے دہکنے لگیں' کیا سوچ رہے

aazzamm@yahoo.com

ہو؟'' مجھے خاموش دیکھ کر اس نے پوچھا۔
''کچھ نہیں' سوچ رہا ہوں کاش مجھے کوئی ایسی طاقت حاصل ہوتی' کوئی ای
پراسرار طاقت کہ میں ایک رات میں زلزلہ پیدا کردیتا۔ تم نے ایک دن کے بادشاہ
واقعہ سنا ہوگا۔ میں صرف ایک گھنٹے کی بادشاہت چاہتا ہوں۔''
وہ تڑپ کر اٹھ گئی اور میرے گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھ کر ہنسنے لگی۔ وہ ہنستی کم تھی
کیونکہ اس کا سارا بدن مسکراتا تھا۔ ''تم اپنی ذات کے بادشاہ ہو' طاقت ور' بہت
پراسرار۔''

''پارو!'' میں نے اٹھ کر اسے سمیٹ لیا۔ ''مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے او
میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس طرح میری ضرورتیں پوری کرسکتی ہو۔ ''
''یہ تم کھڑے کیوں ہوگئے؟'' وہ اضطراب سے بولی۔ ''یہ کیا وحشت ہے؟''
''تم سے بعض اوقات بہت وحشت برتنے کو جی چاہتا ہے۔ جی کرتا ہے
تمہیں گیلے کپڑے کی طرح نچوڑ دوں۔'' میں نے ڈینش کے سکھائے ہوئے سبق کے
مطابق اس کے ساتھ ناچنا شروع کردیا۔

''ارے۔'' وہ مبہوت ہو کے بولی۔ ''ایک لمحے کو ٹھیرو۔'' وہ جھپٹ ریڈیو
گرام کی طرف بڑھی۔ پھر اس نے سوئی ریکارڈ کے جسم میں چبھو دی۔ مجھے ہمیشہ ان
ریکارڈ پر ترس آتا ہے جسے سوئی زخمی کرتی رہتی ہے لیکن خود کو تکلیف پہنچا کے وہ کیسی
راحت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اس نے فضا میں شہد گھول دیا۔ پارو بے تابانہ میرے
ساتھ تھرکنے لگی۔ ''اوہ...... اوہ......'' وہ جوشیلی آواز میں بولی۔ ''یہ جو تمہارا خود کو بتدریج
شناخت کرانے کا معاملہ ہے' یہ بہت کرب ناک ہے' تم میں ایک خوبی مردم آزاری کی
بھی ہے۔''

ہم دونوں فرش پر تیرنے لگے تھے۔ ''مردم آزار' میں تو آدم خور ہوں۔''
''مجھے کھا جاؤ۔'' وہ بہکے ہوئے لہجے میں بولی۔
''تمہیں میں نے برے وقتوں کے لیے محفوظ کرلیا ہے۔''
''موہن!'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''وہ برا وقت کب آئے گا؟''
''مجھے حیرت ہے تم نے مجھ پر اس قدر اعتبار کیوں کرلیا ہے۔''
''یہ تمہی نے سکھایا ہے' پتہ نہیں' کیا بات ہے حالانکہ کبھی تم بہت برے لگتے
ہو' کبھی بہت اچھے۔'' اس کی آواز چور چور تھی۔

''اس وقت میں کیسا لگ رہا ہوں؟''
''بدترین۔'' وہ سرخ ہوگئی۔
میں نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ سسکنے لگی۔
''سنو پارو! اگر تمہیں پتہ چلے کہ مجھے شکنتلا یا کسی اور نے پسند کرلیا ہے اور
حکم دیا ہے کہ میں اس کے ساتھ شب بسر کروں تو؟''
''تم اتنے شاندار اور چیلنجنگ ہو کہ تمہیں کوئی بھی طلب کرسکتا ہے اور کیا بھی
ہوگا مگر مجھے کوئی دکھ نہیں ہوگا کیونکہ میں یہاں کے رسم و رواج سے واقف ہوں۔ مجھے
دکھ تو اس وقت ہوگا جب تم میری توقعات کے برعکس نکلو گے اور مجھے یقین ہے' ایسا
نہیں ہوگا۔ اس لیے میں تمہیں جلد از جلد یہاں سے لے جانا چاہتی ہوں۔''
''تم نے میرے سینے میں جھانک کر نہیں دیکھا۔ تم کچھ بھی نہیں جانتیں۔''
موسیقی دم توڑ گئی تھی۔ ہم بستر پر گر گئے۔
''تم کچھ بتانا بھی نہیں چاہتے۔''
میں نے اس کے نازک لب احتیاط سے چھوتے ہوئے' کہ کہیں وہ ریزہ
ریزہ نہ ہو جائیں' کہا۔ ''میں تمہیں صرف ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ مجھ سے خود کو
اس قدر وابستہ نہ کرو کہ ایک دن ٹوٹ جاؤ۔ ضروری نہیں ہے کہ تمہاری اچھائی میری
وابستگی سے مشروط ہو' اچھائی خود ایک سکون ہے' کیا اب تم پہلے سے زیادہ مطمئن نہیں
ہو؟''

''مگر تم ایسی باتیں کیوں کیا کرتے ہو۔'' اس کا لہجہ رقیق ہوگیا۔ ''حسن
ایک ناپائیدار چیز ہے۔ میں تم سے اپنے حسن کے بل بوتے پر کوئی فیصلہ کرانا نہیں
چاہتی' مجھے احساس ہے کہ میری دوسری خوبیاں تمہیں میرے لیے محفوظ کرسکتی ہیں۔''
مجھے جواب دینے میں مشکل پیش آنے لگی۔ اس نے بھی اصرار نہیں کیا
کیونکہ وہ ایک قابو یافتہ لڑکی تھی۔ وہ میری آغوش میں گم سم رہی۔
''کیا وقت ہوگیا؟''
''ابھی تو تم آئے ہو۔'' اس نے گھڑی پر ہاتھ رکھ کے کہا۔
''مجھے جانا ہے۔''
''تو صرف اتنی دیر کے لیے آئے ہی کیوں تھے؟ نہ آئے ہوتے۔'' وہ تنک
کر بولی۔

aazzamm@yahoo.com

''ہاں تم سے ایک بات کہنی تھی۔''

''کسی خبر کی تلاش ہوگی مگر میرے پاس کوئی خبر نہیں ہے۔ اچھا یہ بتاؤ صبح کہاں گئے تھے اور میرا تحفہ کہاں ہے؟''

''صبح میں کام ہی سے گیا تھا اور تحفہ لانے کا موقع نہیں ملا۔'' میں نے صلح کن انداز میں جواب دیا۔ ''ہاں ایک بات بھول جاؤں گا۔ میں تم سے گاڑی چلانا سیکھنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں نہیں' میں تمہیں ہوائی جہاز چلانا بھی سکھا دوں گی۔''

''مذاق نہیں' کل سے کسی سنسان علاقے میں چلیں گے۔''

''پھر تو تمہارے پر لگ جائیں گے' نہ جانے راجے پور کا کیا حشر ہوگا' پستول تمہاری جیب میں رہتا ہے' پھر اسٹیئرنگ بھی تمہارے قبضے میں ہوگا' تیور تمہارے پہلے ہی غضب ناک ہیں۔''

''کہاں' تم تو شور مچاتی ہو۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے ادھر ادھر کی خبروں سے مطلع کرتی رہو گی۔''

''اب میں جاتی کہاں ہوں' اسی گوشے میں پڑی رہتی ہوں۔''

''صحت خراب ہو جائے گی' یہ پودا مرجھا جائے گا۔'' میں نے اس کے رخسار پر چٹکی بھرتے ہوئے کہا۔ ''میں تم سے پوچھنا چاہتا تھا کہ کنور پردیپ' پرشوتم اور بینا رانی کے بیک وقت قتل' پولیس کے محاصرے وغیرہ ان تیزی سے رونما ہونے والے واقعات پر تمہاری کیا رائے ہے اور دوسرے لوگ کیا سوچ رہے ہیں؟''

میں نے بہت سرسری انداز میں ان واقعات کا ذکر کیا تھا اور نامناسب وقت میں نہیں کیا تھا' اس نے میرے ایما پر اپنا قلب تبدیل کردیا تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ آتے ہی اس پر یہ تاثر دوں کہ میری آمد اپنی اغراض کے سبب سے ہے۔ یہ ایک حسین لڑکی کی توہین بھی ہے۔ میرے سوال پر وہ سوچنے لگی اور مجھے ایک بار پھر اس کی ذہانت کا معترف ہونا پڑا۔ اس نے بڑی متوازن اور مدبرانہ باتیں کہیں۔ اس کی رائے مجھ سے یا دنیش سے مختلف نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ انگریزوں کے لیے قتل و خوں ریزی بڑی مسرت انگیز خبریں ہیں۔

''تو تمہارا کیا مشورہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میرا مشورہ!'' وہ ہنسنے لگی۔

''میں سننا چاہتا ہوں۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔

''موہن صاحب! بہتر ہے پہلی فرصت میں راجے پور چھوڑ کے کہیں بھاگ چلیے۔'' وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

''یہ تو بزدلی کی بات ہوئی۔''

''بصورت دیگر۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''دولت کی تمنا ہے تو انگریزوں سے رابطہ بڑھایئے اور اگر دنیش چندر کو کرسی پر بٹھا کے عہدہ و اعزاز حاصل کرنا ہے تو جگدیپ کے خاندان کو ناکارہ کردیجیے۔''

''یہ تو تم اچٹتی ہوئی باتیں کر رہی ہو۔ ان میں اجنبیت کی بو ہے جب کہ میں تم سے کچھ اور پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''تم مجھ سے اپنی پسندیدہ باتیں سننا چاہتے ہو تو سنو۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم نے جگدیپ اور اس کے حمایتیوں کی سرکشی ختم کردی ہے تو یہ ایک عارضی بات ہے۔ وہ اتنی جلد شکست قبول نہیں کریں گے۔ ان کے ساتھ میجر رابرٹ ہے اور اس کے ساتھی ہیں جنہیں نت نئی حسین و جمیل ہندوستانی عورتوں کا شوق ہے۔ مہیش چندر نے اس کی کمزوری پکڑ لی تھی۔ میجر رابرٹ انگریزوں میں اپنی فتنہ انگیز کارروائیوں کی وجہ سے بہت مقبول ہے۔ اس کی بات تسلیم کی جاتی ہے کیونکہ وہ ہندوستانیوں میں گھلا ملا رہتا ہے۔ وہ ہندوستانیوں کی رگ رگ سے واقف ہے۔ مہیش چندر کے بعد رابرٹ کو جگدیپ نے ہندوستان کے راگ سنائے' ہندوستان کے بدن دکھائے' اس کی بہنوں نے بھی اس سے رشتہ استوار کیا اور اس بھون کی بھی کئی عورتیں میجر رابرٹ سے خاصے تعلقات رکھتی ہیں' اسے ایک زندہ دل شخص کی حیثیت سے قبول کیا جاتا ہے۔''

''اور کرنل ہارڈنگ؟'' پارو کے انکشافات میرے لیے سنسنی خیز تھے۔

''کرنل ہارڈنگ راجے پور میں انگریز کے مفادات کا سربراہ ہے مگر وہ ابھی نیا ہے۔ میجر رابرٹ اور دوسرے انگریز عرصے سے اس علاقے میں رہ رہے ہیں۔ کرنل ہارڈنگ اور میجر رابرٹ اور دوسرے انگریزوں کے مفادات مشترک ہیں' اصل لوگ تو اس کے ماتحت ہیں جو اسے یہاں ہونے والی سرگرمیوں سے باخبر رکھتے ہیں' اس کے مشیر ہیں اور میجر رابرٹ' اسے وہی مشورے دے گا جو اس کی پسند' مزاج اور عقل کے مطابق ہوں گے۔ تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ انگریزوں کو اطلاعات کیسے پہنچتی ہیں۔ انہیں ایک ایک بات کی خبر رہتی ہے وہ جسے ناپسند کرتے ہیں' اسے اپنے راستے سے ہٹا

aazzamm@yahoo.com

دیتے ہیں۔ ان کا کام بہت منظم اور سائنسی ہے۔"

"تو تمہاری اطلاع کے مطابق میجر رابرٹ ان دنوں جگدیپ کا گرویدہ ہے؟" میں نے اپنا تجسس چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

"وہ کسی کا گرویدہ نہیں ہے۔ وہ ہندوستانیوں کو نچانا جانتے ہیں اور اپنے مہرے احتیاط سے چلتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی غیر جانبداری ظاہر کرتے ہیں اور اس اعتبار سے وہ غیر جانبدار ہیں بھی کہ انہیں ذاتی طور پر کسی ہندوستانی سے دلچسپی نہیں ہے۔ دلچسپی اسی شخص سے ہے جو ان کا تسلط بڑھانے اور انہیں زیادہ سے زیادہ رعایتیں پہنچانے کا دعوے دار ہو۔"

"تم ان سے کیسے رابطہ قائم کرتی تھیں؟" میں نے ایک مشکل سوال کیا۔

"اب اسے چھوڑو۔" وہ ایک طویل سانس لے کے بولی۔ "میں تمام باتیں بھولنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ مجھے کسی بات سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"مگر تمہیں مجھ سے تو دلچسپی ہے۔"

"تم یہ باتیں بوجھ کے کیا کرو گے؟ غیرضروری باتیں ہیں۔ وہ سب سے زیادہ مجھی سے قریب تھے مگر یہ کہانی پرانی ہوگئی۔"

"مگر ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟ کیا انہیں یقین ہو گیا ہے کہ اب تم ان سے مخلص نہیں ہو؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"نہیں۔ میں یہ حماقت نہیں کرسکتی ۔ جب میں ان کے لیے سودمند ثابت نہیں ہوں گی تو رفتہ رفتہ وہ خود مایوس ہو جائیں گے۔"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہیں ان سے رابطہ برقرار رکھنا چاہیے۔"

"مگر میرے پاس انہیں سنانے کے لیے رکھا کیا ہے؟"

"بہت کچھ رکھا ہے۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "اور میری خاطر۔"

"دنیش چندر اپنے بھائیوں اور جگدیپ سے مختلف ہے موہن! وہ مہیش چندر اور جگدیپ ہوتا یا اپنے باپ پرکاش چندر کی طرح ہوتا تو بات دوسری ہوتی۔ یہاں تو عورتیں' شراب' ظلم اور بہت سی چیزیں روا ہیں۔ جگدیپ میں مہیش چندر جیسی خوبیاں ہیں۔ وہ ہر سمت نظر رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ دنیش چندر کے بعد پرکاش بھون کا باغ بہت دنوں تک کے لیے سونا ہو جائے گا۔"

میں نے ترنم کا خیال چھوڑ دیا اور دیر تک پارو کا کلام سنتا رہا۔ میں نے اس

کے راگ چھیڑ دیئے تھے۔ میں اس سے بحث کرنے نہیں' کچھ سننے آیا تھا۔ "انگریز اپنے مخبروں کے معاملے میں تو بڑی رازداری برتتے ہوں گے؟" مجھے احساس تھا کہ میں نے ایک طفلانہ سوال کیا ہے۔

وہ مسکرانے لگی۔ "تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"میں تم سے کچھ سیکھنے' کچھ جاننے کے لیے آیا ہوں۔"

"تم بہت طاقتور آدمی ہو' بہت جرأت مند شخص ہو' گھوڑا لوٹ دیتے ہو' بہت ذہین ہو' اپنے مخالفوں کو ختم کرنا جانتے ہو' تمہاری شخصیت میں جادو ہے' تم منٹوں میں متاثر کر لیتے ہو' دنیش پر تم نے جادو کیا ہے' مجھ پر کیا ہے اور نہ جانے کس کس پر کیا ہوگا۔ عورتیں تمہارا ذکر کرتی ہیں' تم میں پیشنس ہے' تمہیں روپ بدلنے آتے ہیں اور اپنے آپ کو چھپا کے کام نکالنا آتا ہے۔ تم بڑے جھوٹے ہو' بہت وحشی ہو اور بہت اچھے ہو مگر میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی کہ ان سیاسی معاملات میں تمہاری دلچسپی کا سبب کیا ہے؟ دولت؟ تو میں تمہیں اتنی دولت فراہم کرسکتی ہوں کہ تمہیں زندگی میں کوئی شکایت نہیں رہے گی۔ میرے تمام زیورات اور جو کچھ بھی میرے پاس ہے' وہ سب تمہارا ہے' مجھے ڈر ہے کہ تم جیسا ایک بہت اچھا آدمی کہیں نشانے پر نہ آ جائے۔ بتاؤ تمہیں زندگی میں کیا چاہیے؟" وہ جذبات میں تربتر تھی۔

"تم نہیں سمجھو گی یا میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا۔ میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہے یا مجھے خود معلوم نہیں ہے۔"

"میں صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ تم بہت تنہا ہو اور تمہارے اردگرد دیو کھڑے ہیں' جنگلی لوگ کھڑے ہیں جنھوں نے رحم کرنا نہیں سیکھا۔ تم ان سے لڑتے لڑتے تھک جاؤ گے۔ تمہاری طاقت اور ذہانت خاک میں مل جائے گی۔ یہاں سب جھوٹ ہے۔"

وہ میرے بازو پر سر رکھے میرے پہلو میں دراز تھی۔ اور رات گزر رہی تھی۔ میں نے اس کی کلائی پکڑ کے گھڑی کی طرف دیکھا۔ دو سے اوپر ہو چکے تھے۔ "اب کہاں جاؤ گے؟ وہ سو گیا ہوگا۔" پارو اداسی سے بولی۔

"مجھے جانا ہی ہوگا۔" میں نے اس کے ہونٹ اسیر کر لیے۔

"مت جاؤ۔" وہ کرب سے بولی۔ "سویرے چلے جانا۔"

"کل آؤں گا' پوری رات کے لیے۔"

"کل کس نے دیکھی ہے۔" وہ مچل کر بولی

فرزانہ لائبریری وڈیو اینڈ ریکارڈنگ سنٹر

aazzamm@yahoo.com

"یہ باتیں تمہارے منہ سے اچھی نہیں لگتیں۔"

"تم نے نہ جانے کیا کردیا ہے۔ پہلے میں ایسی باتیں نہیں کرتی تھی۔"

اس کے پاس سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا' پھر بھی میں اٹھ گیا۔ مجھے دروازے تک پہنچنے میں اور دیر لگ گئی۔ وہ مجھ سے پیوست تھی۔ راستے میں ہم نے کئی جگہ قیام کیا جیسے تھکے ہوئے مسافر سبیل پر ٹھیر جاتے ہیں۔ میں اس کے ہونٹ پیتا رہا' اس کی زلفیں' اس کی آنکھیں پیتا رہا' جسم میں پتنگے ناچ رہے تھے اور شور مچا ہوا تھا۔ دروازے پر اس کے مقناطیس بدن سے خود کو جدا کرنا میرے لیے مشکل ہو گیا۔ اس کے حسن و جمال کا احترام ملحوظ تھا۔ پھر اس سے ایک تعلق دگر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اس عجلت میں' اپنے ہیجان سے' میں اسے اور خود کو کم رتبہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ سو میں نے اس کے رخساروں پر کئی چپت لگائے۔ وہ گرتے گرتے بچی اور پردہ پکڑ کے ایک طرف جھول گئی۔ میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کے چلا آیا۔

ملاقاتی کمرے میں دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ دنیش کی خواب گاہ کا دروازہ بند تھا۔ میں نے اسے ہلکی ضرب لگائی تو وہ مقفل نظر آیا۔ گویا ترنم اندر دنیش چندر کے ساتھ محو خواب تھی۔ میں نے سوچا' واپس پارو کی نشاط گاہ میں چلا جاؤں کیونکہ اسے اب نیند آنا محال تھا۔ احتیاطاً میں نے برابر کے کمرے میں ہلکی سی دستک دی۔ دستک کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ روشنی ایک دائرے کی صورت میں ایک طرف ان دونوں کو جگمگا رہی تھی۔ وہ میری توقع کے مطابق شطرنج کھیل رہے تھے۔ دنیش مجھ پر ناراض ہونے لگا کہ میں نے اتنی دیر کیوں لگا دی۔ ترنم کی آنکھوں کے ہیرے میرے لیے دمک رہے تھے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کھڑی ہوگئی اور اس نے آداب کے لیے ہاتھ اٹھایا۔

"انہیں تمہارا شدید انتظار تھا۔" دنیش نے شوخی سے کہا۔ "بار بار پوچھتی تھیں کہ کیا وہ ضرور آئیں گے؟"

"آپ نے باہر کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا؟" میں نے خفگی سے کہا۔

"یہی خیال تھا کہ تم اب آئے' اب آئے اور پھر ہم تو جاگ رہے تھے۔ ان کی باتیں ہی اتنی دلچسپ ہیں کہ ساری عمر جاگا جاسکتا ہے۔" دنیش نے وضاحت کی۔ مجھے بڑی ندامت ہوئی۔

"پرنس خود بہت دلکش باتیں کرتے ہیں لیکن آپ نے ہمارے صبر کا خوب امتحان لیا۔" ترنم نے نفاست سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے' خاصی دیر ہوگئی' کہیے آپ ٹھیک تو ہیں؟"

اس کے ہونٹ کچھ کہنے کے لیے سکنے لگے۔ اس کے بجائے دنیش بولا۔

"ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ انہیں جانے نہیں دیں گے' انہیں راجہ پور بہت پسند آ گیا ہے۔"

میری عدم موجودگی میں ترنم نے دنیش سے نہ جانے کیا کیا کہا ہوگا۔ "مگر یہ تنہا تو نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ جو دوسرے لوگ ہیں' وہ کس طرح آمادہ ہوں گے؟"

"ترنم کہتی ہیں کہ اب یہ یہیں رہنا چاہتی ہیں۔"

"یہ ایک جذباتی فیصلہ ہے راج کمار!"

"ہم نہیں جائیں گے۔" وہ ناز سے بولی۔

"ظاہر ہے جس شخص سے تمہاری ملاقات ہوگئی ہو' اسے اپنی دنیا کا خیال کب رہے گا؟" دنیش نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"مگر راج کمار ......! آپ ......"

"کیا آپ کو پسند نہیں؟" ترنم کرب سے بولی۔

"نہیں۔" میں نے الجھ کر کہا۔ "لیکن آپ' آپ تھک جائیں گی۔"

"ہمیں آزما کے دیکھیے گا۔"

"تم بڑے ظالم ہو۔" دنیش ستانے پر تلا ہوا تھا۔ "کوئی اس قدر حسین ہو اور اتنا سرکش ہو تو انکار کیسے کیا جاسکتا ہے۔"

"آپ شطرنج کھیل رہے تھے' میں شاید مخل ہوا۔ چلیے بازی چلیے" میں نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ارے آپ کے پیادے سارے تو پٹ گئے ہیں۔"

"ہم تو مسلسل ہار رہے ہیں۔" دنیش حسرت سے بولا۔ "باقی بازی تم سنبھالو مجھے یقین ہے کہ تم بازی الٹ دو گے۔"

"اپنی بازی آپ خود ختم کیجیے' ہم نئی شروع کردیں گے۔"

"اب نیند آ رہی ہے۔" اس نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کہیں نہیں جائیں گے۔ ترنم آپ انہیں روکیے۔"

"ہاں پرنس ٹھیر جایئے نا۔" وہ ترنم سے بولی۔

"سچے دل سے کہیے۔"

"بالکل سچے دل سے۔" وہ خجل ہوگئی۔

aazzamm@yahoo.com

"جھوٹ۔ ہماری شفٹ ختم ہوگئی۔ اب ہمیں اجازت دیجیے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے بٹھانے کا ارادہ کیا لیکن ایسا کر نہیں سکا۔ "تم جس کام کے لیے گئے تھے' اس کا کیا بنا؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں' میجر رابرٹ ہی گفتگو کا موضوع رہا۔ آپ ذرا اس کے متعلق سوچیے۔ سنا ہے کہ وہ بہت زندہ دل شخص ہے۔"

"میجر رابرٹ؟" وہ جاتے جاتے ٹھہر گیا اور کچھ سوچنے لگا۔

"کیا آپ کوئی اہم بات کرنا چاہتے ہیں؟" ترنم نے کہا۔

"نہیں۔" مجھے خیال آیا کہ ترنم کے سامنے یہ نام لینے مناسب نہیں ہیں' چنانچہ میں نے بات بنائی۔ "سنا ہے' وہ بہت اچھا شخص ہے' ہم سے خاص التفات برتتا ہے۔"

"ہونہہ۔" ڈینش وہیں کھڑا ہوا کچھ سوچتا رہا۔

"چلیے صاحب چال چلیے۔" میں نے شطرنج پر توجہ دیتے ہوئے کہا۔ ڈینش میرے گریز کا مقصد سمجھ گیا اور خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔

اب ہم وہاں تنہا رہ گئے تھے۔ پارو نے میری آنکھوں میں سرخ ڈورے ڈال دیئے تھے۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ اب کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا۔ دلی سے آئی ہوئی ترنم چوڑی دار پاجامے اور ڈھیلے کرتے میں میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی عمر کم تھی' ایسے ہنگامہ خیز فیصلے اسی عمر میں کیے جاتے ہیں۔ میں نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا' اس کی چوٹی شانے پر جھول رہی تھی۔ اس کے چہرے پر شرم کی سرخیاں تھیں۔ وہ انگارے کے مانند دہک رہی تھی۔ میں نے جان بوجھ کر اپنا مہرا غلط خانے میں رکھ دیا۔ وہ مجھے تنبیہہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔ "آپ ہار جائیں گے۔"

"میں آپ سے ہار ہی گیا ہوں۔" میں نے مہرے ایک ہاتھ سے بکھیر دیے۔ "ترنم میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"زہے نصیب۔ ہم ہمہ تن گوش ہیں۔"

"ترنم! دیکھیے آپ پچھتائیں گی۔ مان جائیے۔"

"آپ نے ہمیں دیکھا کب ہے؟ ہمیں موقع تو دیجیے۔"

"آپ نے اتنی جلدی یہ سب کچھ کیسے طے کر لیا؟" میں نے تذبذب سے کہا۔

"ہم کیا کریں' ہمیں خود پتہ نہیں کہ یہ کیسے ہوگیا۔" اس نے اپنا دھانی دوپٹا ٹ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم نے آپ سے کہا تھا' ہماری تو صرف ایک خواہش ہے' ہیں اپنے قریب رہنے دیجیے۔"

"آپ ریشم و اطلس کی بنی ہوئی ہیں' یہ خارزار ہے' آپ کے بدن پر کانٹے ی جائیں گے۔ یہ پھول سا چہرہ یہاں کی خزاؤں سے ماند پڑ جائے گا۔ یہ سرخی زردی ں تبدیل ہو جائے گی۔ یہ گداز پتھر ہو جائے گا۔"

"مگر جہاں سے ہم آئے ہیں' وہ بھی تو ایک جہنم ہے' کیا آپ ہمیں واپس کردیں گے؟ دوبارہ جہنم میں جھونک دیں گے؟ ہم تو اپنے آپ سے کنارہ کش ہو کے ئے ہیں۔"

وہ میری ہر بات رد کرتی گئی۔ وہ عجیب لڑکی تھی۔ "یہاں بھی آپ کی حیثیت ختلف نہیں ہوگی۔" آخر میں نے ایک جارحانہ بات کہی۔

"یہاں ہماری حیثیت کچھ بھی ہو لیکن آپ تو قریب رہیں گے۔"

"میرا کیا ہے' میں یہاں ایک ملازم ہوں' ملازموں کی وفاداریاں آئے دن بدلتی رہتی ہیں' ممکن ہے کسی دن یہاں سے میرا دانہ پانی بھی اٹھ جائے۔"

"تو پھر ہم بھی اپنا دانہ پانی حرام کر لیں گے۔"

"سوچ لیجیے' پھر ہم سے شکایت نہ کیجیے گا۔"

"ہماری زبان قطع کردیجیے گا۔" وہ عزم سے بولی۔

"اوہ......" مجھ سے برداشت نہیں ہوا' میں نے اس کے گلے میں پڑا ہوا دوپٹا کھینچ لیا۔ وہ دوپٹے کے ساتھ کھنچتی ہوئی میری آغوش میں ترازو ہوگئی۔ "آپ بہت ضدی ہیں۔" میرے ہاتھ پاگل ہو گئے تھے' ان میں سختی' ترشی اور تندی تھی۔ میں نے وحشت میں اسے اٹھا لیا۔ اس کا وزن پارو کے وزن سے کچھ زیادہ تھا۔ "آپ تو ہمیں آج ہی ختم کردیں گے۔" اس نے اپنی آواز کا شہد ٹپکایا' یہ شہد کہیں گر نہ جائے۔ ں نے اس خوف سے اپنے لب اس کے لبوں سے مس کردیئے۔ میں نے شراب کی صراحی منہ سے لگائی تھی۔ اس کے بدن کا پیمانہ چھلک رہا تھا۔ میں نے اپنا ہوش اس یں ڈبو دیا۔

مجھے یاد ہے کہ مرغان سحر کی اولیں بانگ پر میری آنکھ لگی تھی اور وہ میرے جسم کی مسہری پر گہری گہری سانسیں لے رہی تھی اور گنگنا رہی تھی جیسے مینا اور بلبل

aazzamm@yahoo.com

چہچہائے۔ وہ مجھے اپنے ساز سناتی رہی۔ اپنے حسن کی مناسبت سے اس نے گلا بھی قیامت پایا تھا۔ جب میری آنکھ کھلی تو کمرے میں ہر طرف اجالا ہو گیا تھا۔ رات جلنے والی روشنیاں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ میرے سر کے نیچے ایک تکیہ رکھا تھا اور اس کی شال میرے جسم پر پڑی تھی۔ میں نے جلدی سے پستول دیکھا' وہ بھی جیب میں موجود تھا۔ نہ جانے وہ کب گئی؟ صبح کوئی دس بجے کے قریب دنیش نے آ کے مجھے جگایا۔ اس سے نظریں ملاتے ہوئے مجھے جھجک ہوئی۔ میں سیدھا باتھ روم میں گھس گیا۔ باتھ روم کا دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز پر مجھے حیرت ہوئی۔ ''موہن!'' دنیش کہہ رہا تھا۔ ''یہ شیو کا سامان بھی لے لو۔'' میں نے دروازے کی آڑ سے ہاتھ بڑھایا' اس نے میرے ہاتھ میں بہت سی چیزیں رکھ دیں۔

دروازہ بند کر کے میں سر پر ہاتھ رکھے ٹب میں دراز ہو گیا۔ دنیش نے اتنا پانی ڈالا تھا کہ اب پانی کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

☆......☆......☆

Scanned
By
Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

غسل کے بعد میں تازہ دم ہو کے نکلا تو دنیش چندر ملاقاتی کمرے میں ...ے پر میرا انتظار کر رہا تھا۔ ''کوئی آ جائے گا۔''

وہ ہنس پڑا۔ ''تم لڑکیوں کی طرح کہہ رہے ہو۔ میں نے سیکرٹری سے کہہ دیا ہے کہ وہ اجازت کے بغیر کسی کو اندر نہ آنے دے' آج میرا ہاتھ کچھ زیادہ صحت مند ہے اور میں نے بھون کے معاملات میں باقاعدہ سرگرم رہنے کا ارادہ کر لیا ہے۔''

''یہ آج صبح آپ کو کیا خیال آ گیا۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''موہن! شاید تم سے احساس کمتری میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ میں صرف دیکھتا اور سنتا ہوں' اس کے برعکس تم صبح و شام میرے لیے مصروف رہتے ہو۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں آپ کی طاقت' آپ کی آنکھیں' آپ کا ...ازو ہوں۔'' میں نے جوش سے کہا۔

''چائے پیو۔'' اس نے ایک پیالی بنا کے مجھے دی۔ ''رات تم رابرٹ کے متعلق کیا کہہ رہے تھے؟ مجھے وہ شخص کبھی پسند نہیں آیا۔'' میں نے میجر رابرٹ اور اس کے ساتھیوں کے متعلق وہ ساری باتیں اسے بتا دیں جو مجھے پارو نے بتائی تھیں' وہ توجہ سے سنتا رہا۔ ''پھر تمہارا کیا خیال ہے؟'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''ہمیں اسے خود سے دور نہیں رکھنا چاہیے۔''

''یقیناً وہ ہمارے قریب آنا پسند کرے گا مگر کیا ہم جگدیپ کی طرح عورتوں اور شرابوں کا مقابلہ کریں گے؟ ہم اپنے بھون کی عورتوں کو اس سے متعارف کرائیں گے؟'' وہ کبیدگی سے بولا۔

''یہاں کی بہت سی عورتیں پہلے ہی اس سے متعارف ہیں' ہم اس کے علاوہ ...ی بہت سے دوسرے طریقوں سے اسے قریب کر سکتے ہیں۔ وہ تو ہندوستان کی

aazzamm@yahoo.com

ریاستوں کے راجوں مہاراجوں کے ہاں گھسنے کے لیے تڑپتے رہتے ہیں۔ کرنل ہا
ایک سنجیدہ شخص معلوم ہوتا ہے مگر رابرٹ کو ہم نظرانداز نہیں کرسکتے۔ سنا ہے، آپ کے
بھائی آں جہانی مہیش چندر کی اس سے گہری دوستی تھی۔"

"مہیش چندر۔" وہ ناگواری سے بولا۔ "وہ بہک گیا تھا۔"

"پھر بھی اسے ایک شب کھانے اور ناچ پر بلا لینے میں کیا حرج ہے؟ تر
ابھی موجود ہے۔ وہ اپنی آواز سے اسے زخمی کردے گی۔"

"مگر ترنم......" وہ برہمی سے بولا۔ "وہ طوائف نہیں رہنا چاہتی، رات اس
نے مجھ سے بہت طویل گفتگو کی ہے، وہ ایک اچھی لڑکی بننا چاہتی ہے۔"

"ترنم نہیں ہوگی تو اس کی جگہ کوئی اور ہوگا۔ ترنم راگوں اور سازوں سے
واقف ہے۔ ہم اسے میجر رابرٹ کے سپرد نہیں کر رہے ہیں لیکن اگر میں خود کوئی لڑ
جانتا تو کیا اپنے مہمان کو اس سے محظوظ نہ کرتا؟"

"تمہاری مرضی۔ میں آج ہی اسے فون کیے دیتا ہوں۔" وہ زچ ہو کر
بولا۔

"کیا مہاراجہ نے اپنے ہاں راگ رنگ کی محفل نہیں سجائی تھی؟ ریاستوں میں
یہ ایک عام بات ہے۔ میں کوئی اور بات نہیں کہہ رہا ہوں۔ میرا مقصد میجر رابرٹ کو
صرف متزلزل کرنا ہے۔ ہماری بقاء، عزت اور آبرو انگریزوں کی خوشنودی میں مضمر
ہے۔"

پھر دنیش نے مجھے یہ بتا کے چونکا دیا کہ آج صبح ریتا نے پروفیسر زاہدی کے
لیے فون کیا تھا، آپریٹر نے اسے جواب دیا کہ یہاں اس نام کا کوئی شخص مہمان نہیں
ہے، اس نے کہا کہ وہ دنیش چندر کا خاص مہمان ہے، جب ریتا نے اپنا نام بتایا تو
آپریٹر نے دنیش سے فون ملا دیا اور دنیش کو یہ بہانہ بنانا پڑا کہ وہ صبح سے ریاست کی
پہاڑیوں میں سیر کے لیے گیا ہوا ہے۔ "میں کب تک یہ کہتا رہوں گا۔" وہ چڑچڑے
پن سے بولا۔

"لائیے مجھے فون دیجیے۔"

اس نے فون اٹھا کے میرے حوالے کردیا۔ "تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

میں نے کرنل کا خصوصی نمبر ملایا۔ فون کرنل ہی نے اٹھایا۔ "ہیلو!" اس نے
اپنی بھاری آواز میں کہا۔

"میں پروفیسر زاہدی ہوں، کرنل آپ کا مزاج کیسا ہے؟"

"آپ کیسے ہیں پروفیسر؟" کرنل کے لہجے میں گرم جوشی تھی۔

"آپ کے پاس آنے کو دل چاہ رہا تھا، ادھر میں سنجیدگی سے یہ سوچ رہا
ہوں کہ داڑھی مونچھیں منڈوا دوں، آپ بہت اعتراض کرتے ہیں۔"

اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ "دیکھیے آخر آپ راہ راست پر آ گئے۔"

"لیکن یہ ابھی خود کو آمادہ کرنے کا مرحلہ ہے۔"

"راج کمار دنیش چندر کا کیا حال ہے؟"

"وہ سوچ رہے تھے کہ ویسے تو آپ ادھر آتے نہیں، اب آپ کو بلانے کے
لیے کوئی بڑا ہنگامہ کیا جائے گا۔"

"مجھے ان کے پاس آنا تھا، مگر آپ کے ملنے کا یقین نہیں تھا۔"

"میں تو خود آپ سے ملاقات کرنے آ جاؤں گا۔"

"داڑھی کے بغیر آئیں گے یا......"

میں نے اس کی بات پوری کردی۔ "یہ تو موسم پر منحصر ہے، بہرحال اس روپ
بہروپ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم نے دوستی کا عہد کیا ہے، اسے ہر روپ میں
نبھائیں گے، ہر لباس میں بٹھائیں گے۔"

"میں آپ کی قدر کرتا ہوں پروفیسر! کیا آپ نے کسی خاص کام سے فون
کیا ہے؟"

"نہیں یونہی، اس وقت تنہا بیٹھا تھا، آپ یاد آ گئے۔"

"تو پھر ادھر آئیے نا۔"

"نہیں، میں دو چار روز کے لیے راجے پور سے باہر جا رہا ہوں، واپسی پر فون
کرکے آؤں گا۔ ریتا کہاں ہیں؟ میں ذرا ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ایک لمحے ٹھیریے۔"

چند لمحوں بعد فون پر ریتا کی مضطرب آواز آئی۔ وہ تیز انگریزی میں بول
رہی تھی۔ "پروفیسر! آپ کہاں ہیں؟ میں نے صبح آپ کو فون کیا تھا۔"

میں نے پرانا جملہ دہرایا۔ "آئی ڈونٹ نو انگلش ڈیئر۔"

"اوہ ساری!" وہ معذرت کرنے لگی۔

"آئی گو آؤٹ فرام راجے پور فار تھری آر فور ڈیز۔"

aazzamm@yahoo.com

''آپ کب آئیں گے؟'' اس نے انگریزی میں پوچھا۔

میں نے تکرار کی۔ ''کم بیک' کم بیک فور ڈیز' رنگ می ہیئر۔ آئی رنگ یو آفٹر کم بیک۔'' میں نے انگریزی کے لفظ توڑنے کی امکانی کوشش کی۔

''شیور۔ میں آپ کو یاد کر رہی تھی۔''

''آئی نو آئی نو' مائی سیلف ٹو۔''

''میں آپ کو آج دیکھنے آ رہی تھی۔ میں نے خواب دیکھا تھا کہ آپ کے ساتھ دور پہاڑوں میں چلی گئی ہوں۔'' پھر وہ کہنے لگی۔ ''آپ کچھ سمجھے؟''

''سم سم انڈرسٹینڈ' وی گو آفٹر کم بیک' پینٹنگ' ڈانسنگ' سنگنگ' انجوائنگ لائف ان جنگل ماؤنٹینس۔''

وہ اسی طرح بے تابانہ بولتی رہی اور میں ٹوٹے پھوٹے جوابات دیتا رہا۔ شاید کرنل اس کے سامنے نہیں بیٹھا تھا' وہ فون بند کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتی تھی۔ دنیش محویت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے ریتا کو خداحافظ کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''آپ اپنی انگریزی کیوں خراب کر رہے تھے؟'' دنیش نے تیکھے پن سے کہا۔ ''مسٹر موہن داس پلیز! ہم پر رحم کیجیے۔''

''اب کیسی بولتا' جیسی آتی تھی' ویسی بولا۔ آپ تو مذاق اڑانے لگے۔'' میں نے اسے بہلاتے ہوئے کہا۔

''آپ ہمیں کیوں اڑا رہے ہیں۔ ساری باتیں آپ نے سمجھ لیں۔ کیا شاعری ہے۔'' وہ میرے کان پکڑتے ہوئے بولا۔ ''بہرحال ہمیں بہت خوشی ہے۔''

''کس بات سے؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔

''آپ کو ہم سے دوستی کا دعویٰ بھی ہے جناب اور آپ نے اپنے چہرے پر نقاب بھی ڈال رکھی ہے۔ یہ کیسی قربت' کیسی دوری ہے۔''

''میں سمجھا نہیں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ شاید مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی؟''

''آپ نہیں سمجھیں گے' چھوڑیئے' جانے دیجیے۔''

''بتائیے میں نے کیسی گفتگو کی۔ اب تو آپ مطمئن ہیں؟ اور یہ آپ' مجھے آپ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' میں نے ناراضی سے کہا۔

''اب ہم آپ کو آپ ہی کہیں گے۔''

''کیوں؟ پھر میں آپ کو حضور سرکار کہوں گا۔''

''تم عجیب چیز ہو۔'' وہ سر تھام کے اسے جھٹکے دیتے ہوئے بولا۔

میں کہنا چاہتا تھا کہ دنیش بابو! بس کیجیے جو پردہ رہ گیا ہے' اسے رہنے دیجیے' ورنہ آپ کو تکلیف ہوگی' ممکن تھا' میں اس لمحے اسے سب کچھ بتا دیتا کہ میں ایک مفرور شخص ہوں مگر کیا...... کیا میں اسے یہ بھی بتا دیتا کہ میرا نام میر جمشید عالم ہے۔ فون کی گھنٹی نے دوبارہ وہ جذباتی لمحہ ملتوی کر دیا۔ سیکرٹری نے اطلاع دی کہ راجہ پور کے رئیس سرگوپی ناتھ اپنے خاندان کے ہمراہ تشریف لائے ہیں۔

دنیش چندر نے مجھے دروازہ کھولنے کے لیے اشارہ کیا۔ سرگوپی ناتھ کو میں نے پہلے بھی ایک دو بار دیکھا تھا۔ اس کی بیوی' دو نوجوان بیٹیاں اور ایک بیٹا بھی اس کے ساتھ تھا۔ میں وہاں سے ہٹ کے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا پھر مجھے وہ جگہ بھی بدلنی پڑی کیونکہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ سرگوپی ناتھ کی دونوں لڑکیاں' میری طرف دیکھ کے کچھ سرگوشیاں کر رہی ہیں اور شرما رہی ہیں۔ راہ داری میں آ کے میں نے سیکرٹری سے کہہ کر دوسرے ملازموں کو چوکس کیا اور اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگا۔ گھر' جہاں ڈالی رہتی تھی' جہاں پیارا سا گڈا تھا' اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ زمانے میں کیا ہو رہا ہے' انسان کتنی مشکل میں ہے۔ کاش سب بچے ہی ہوا کرتے۔ بچے جو سب سے زیادہ بالغ اور باشعور ہوتے ہیں۔ جہاں انسان کے نام نہاد شعور اور بلوغ کی منزل شروع ہوئی' وہیں سے فتنوں کا آغاز ہوگیا۔ میں نے پھر ایک رات ڈالی کو تنہا رہنے دیا تھا۔ وہ اب اس کی عادی ہوگئی تھی' پھر بھی اسے نیند دیر میں آئی ہوگی۔ آدھی رات تک وہ جلتی رہی ہوگی۔ میرا بس چلتا تو میں اسے بھون کے کسی شان دار کمرے میں سجا بنا کر رکھتا۔ وہ جب بھی ستھرا لباس پہن لیتی تھی' آفت ہو جاتی تھی۔

گڈا میرے پیٹ پر کھیلتا اور قہقہے لگاتا رہا' میں اس کے سرخ رخسار چومتا رہا۔ ڈالی سے تعلقات خراب تھے' بات چیت بند تھی' دو بجے تک میں وہیں رہا۔ بہت سے چہرے میری نظروں میں گھومتے رہے اور بہت سے خیال دماغ کی نالیوں میں آوارہ پھرتے رہے۔ میجر رابرٹ' پریت' اس کی بہنیں' بھون کے وہ سارے باشندے جو دنیش کو ناپسند کرتے تھے۔ سوتیلے بہن بھائی' پرانے عناد' حسد' کینے' نفرتیں' ہم نہیں تو تم بھی نہیں۔ ابھی حالات کا رخ متعین نہیں ہوا تھا۔ نہ پارو نے واضح طور پر کچھ بتایا تھا کہ جگدیپ کے دماغ کا خناس نکلا یا نہیں؟ غنڈوں کا جو فون بینا رانی کی موت کے

aazzamm@yahoo.com

دن مجھے موصول ہوا تھا' اسے میں نے بظاہر بھلا دیا تھا لیکن وہ ساری گالیاں مجھے ازبر تھیں۔ پولیس کا وہ بند کمرہ میرے ذہن پر مرتسم ہو چکا تھا' جہاں ہنٹر لگتے رہتے ہیں جس شخص نے پولیس میں میرا نام لیا تھا' وہ شخص بلکہ اشخاص اب بھی زندہ تھے۔ دنیش چندر اور میری شناسائی کی رسوائی لحہ بہ لحہ بڑھ رہی تھی۔ وہ بار بار یہی کہتا تھا کہ اب بھون کی ساری آبادی جمع کر کے یہ اعلان کردیا جائے کہ میں اس کا مقرب خاص ہوں' میرا حکم تمام ملازموں پر افضل ہے اور میرا عہدہ ایک دم بڑھا دیا گیا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ لوگ جب اس کے سامنے میری توہین کرتے ہیں اور مجھے ذلیل لفظوں سے مخاطب کرتے ہیں تو ان کا منہ نوچ لینے کو اس کا جی چاہتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ میرے دشمن کیوں بڑھا رہا ہے؟ ابھی جو ایک تذبذب کی کیفیت ہے' وہ اسے صاف کرنے کی فکر میں کیوں ہے؟ ابھی ایک دیوار' ایک حجاب درمیان میں ہے' یہ حجاب ختم ہو جائے گا تو اور پریشانیاں پیدا ہو جائیں گی' پھر میں قلانچیں نہیں بھر سکوں گا' میرے پیروں میں زنجیریں پڑ جائیں گی۔

تین بجے ڈالی سے میں نے اٹھتے اٹھتے کہا کہ وہ پارو رانی کو جا کے مطلع کرے کہ موہن تیار ہے۔ پارو کے نام پر ڈالی نے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور تنک کر بولی۔ ''تیرا نام زنانیوں میں خوب اچھل رہا ہے۔''

''چل چل کام کر' بکواس بند کر۔'' میں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔ واپس آئی تو اس کا مزاج ذرا سنبھلا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ پارو نے پہلی بار اس سے توجہ سے بات کی ہے۔ ورنہ اس کا پارہ ہمیشہ چڑھا رہتا تھا۔ وہ ملازموں کو گھاس نہیں ڈالتی تھی' ڈالی نے مجھے سونے کے وہ کنگن بھی دکھائے جو اسے پارو نے دیئے تھے۔

''اور کیا پوچھ رہی تھی؟'' میں نے تجسس سے دریافت کیا۔

''پوچھ رہی تھی کہ موہن تیرا کون ہوتا ہے؟''

''تو نے کیا جواب دیا؟''

''میں نے کہا کہ موہن میرا کچھ نہیں ہوتا اور سب کچھ ہوتا ہے۔''

میں نے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ ڈالی پھڑپھڑاتی ہوئی میرے پنجرے سے نکل گئی۔ ''مجھ سے دور رہ۔'' اس نے چمٹا اٹھا کر کہا۔

''اچھا یہ تو بتا دے اس نے کیا جواب دیا۔''

''وہ بھون کے باہر تیرا انتظار کر رہی ہوگی' وہ بہت خوبصورت ہے' کچھ دن اس کی سیر کر لے شیرو!''

''پاگل ہوگئی ہے۔'' میں نے چپکے سے اس کے قریب جا کے گدگدی کردی۔ وہ چیخنے اور کاٹنے لگی۔ میں گرتا پڑتا بھاگ نکلا۔ پارو کی گاڑی ابھی اندر ہی کھڑی تھی۔ میں صدر دروازے پر تین چار رسمی جملے ادا کرتا ہوا باہر چاردیواری کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ جلد ہی دور سے پارو کی گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی۔ میں سڑک پر آ گیا۔ اس نے مجھے بٹھا لیا۔ یہ محض احتیاط کا اقدام تھا۔ وہ مجھے بھون میں بھی اپنی گاڑی میں بٹھا سکتی تھی کیونکہ اس نے تو مجھے اپنے دل میں بٹھا لیا تھا۔ میں پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے چہرے پر ایک رومال باندھ رکھا تھا' بالکل انگریز کی بچی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ گاڑی تیزرفتاری سے ایک ایسی سڑک پر لے گئی جہاں آمدورفت مفقود تھی۔ گاڑی چلاتے ہوئے وہ مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ نہ جانے میرے دل میں کیا آئی' میں نے پستول اس کی گردن پر رکھ کر اسے حکم دیا۔ ''گاڑی روکو۔''

اس نے تیز بریک لگائے۔ دور تک گاڑی کی چیخیں گونج پڑیں۔ گاڑی روک کر اس نے تعجب سے مجھے دیکھا' دور نزدیک کوئی نہیں تھا۔ میں نے اس کا رومال ہٹا کے اس کے تاباں رخساروں کے بوسے لے لیے اور کہا۔ ''چلو۔''

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔''

''تم اتنی اچھی کیوں لگ رہی ہو۔''

''اوہ۔'' وہ غصے سے لال ہوگئی اور گاڑی پہاڑوں سے گزارتی ہوئی ایک وادی میں لے آئی۔ یہ ایک بڑا میدان تھا' چاروں طرف سرسبز پہاڑ تھے۔ اس کے حکم پر میں اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے سنجیدگی سے مجھے گاڑی کے ایک ایک پرزے کے متعلق بتایا۔ یہ اسٹیرنگ ہے' یہ گیئر' یہ کلچ' یہ بریک' یہ سوئی پٹرول' یہ سوئی فاصلہ اور یہ سوئی حرارت بتاتی ہے' کون سے پرزے کا کیا وظیفہ ہے' پھر اس نے مجھے اپنے پیروں کی طرف دیکھنے کی ہدایت دی اور مجھے بہ غور ان کی حرکت دیکھنے کا حکم دیا۔ میں اس کے تمام احکامات کی تعمیل ایک سعادت مند شاگرد کی طرح کرتا رہا اور اس سے مکتب کے بچے کی طرح سوال کرتا رہا۔ پھر اس نے مجھے اسٹیرنگ کی نشست پر بٹھا دیا اور خود میرے برابر بیٹھ گئی۔ اتنے قریب کہ اس کے بدن کے گداز مجھ پر نشہ طاری کرنے لگے۔ اسٹیرنگ پر اول اول میرے ہاتھ لرزتے رہے۔ گاڑی نے جیسے شراب پی لی

aazzamm@yahoo.com

تھی۔ ادھر ادھر ڈول رہی تھی' پارو بار بار حکم دیتی ایکسی لیٹر سے پیر ہٹاؤ' کلچ چھوڑو' کلچ دباؤ' گیئر بدلو' بریک لگاؤ۔ اس کا چہرہ میرے چہرے سے نزدیک تھا۔ میرے بائیں طرف وہ' مجھ سے چپکی ہوئی تھی۔ اس کے بدن کی رگڑ سے جسم میں چنگاریاں اٹھ رہی تھیں۔ میں کبھی سامنے دیکھتا' کبھی اسے دیکھتا تھا' آخر وہ تھک گئی۔ ''تم میری طرف کیا دیکھتے ہو۔''

''سامنے کیا دیکھوں؟ تم نے ہوش جو خطا کردیے ہیں۔''

''اس وقت تم ایک طالب علم ہو' سمجھے؟'' وہ ڈانٹ کر بولی۔ میں نے ایک اچھا طالب علم بننے کی بہت کوشش کی' پھر میں ایک جگہ ٹھیر گیا۔ ''کیوں رک کیوں گئے؟''

''پہلے میں تمہیں دیکھ لوں۔'' میں نے اسے آغوش میں بھینچ لیا۔

''تم سنجیدہ نہیں ہو' چلو واپس چلتے ہیں۔'' وہ تڑپتی ہوئی بولی۔

دو گھنٹے کی جدوجہد کے بعد مجھے اسٹیئرنگ پر کچھ کچھ قابو آ گیا۔ میرے ہاتھوں سے گاڑی چلی' بہکی' اچھلی' ڈگمگائی لیکن میں نے پارو کی طرح اس پر قبضہ حاصل کرلیا۔ ایک دن' دو دن' تین دن' تیسرے دن میں اسے لے کر ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ پارو ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھا کرتی تھی' اسے ڈر تھا کہ میں گاڑی کہیں ٹکرا دوں گا۔ اسٹیئرنگ پر بیٹھ کے آدمی بالکل بدل جاتا ہے۔ اس کا چہرہ گمبھیر ہو جاتا ہے' جیسے وہ کوئی بڑا کام انجام دے رہا ہے۔ گاڑی چلا رہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے پیروں کے بجائے چار پہیے نکل آئے ہیں اور وہ سب کو پیچھے چھوڑتا ہوا بڑھا جا رہا ہے۔ اسٹیئرنگ کے گول پہیے پر دنیا کا گمان ہوتا ہے' گویا دنیا ہاتھ میں آ گئی ہے۔ کچھ فتح مندی کا احساس ہوتا ہے' ایک سرشاری' چہرے کو نئی نئی شکلیں دینے کو جی مچلتا ہے' آنکھیں تیز' سوچتے ہوئے کبھی طنطنہ' کبھی لاابالی پن' گاڑی پر بیٹھ کر آدمی دگنا ہو جاتا ہے' میں راجے پور میں دور دور تک نکل گیا اور پارو میرے پہلو سے چپکی مجھے ڈراتی سہمتی اور ڈرتی رہی۔

ان تین دنوں میں راجے پور میں بظاہر خاموشی طاری رہی مگر دنیش اور میں پوری طرح مصروف رہے۔ سہ پہر کو میں پارو کے ساتھ نکل جاتا اور شام ڈھلے واپس آ تا۔ ایک دن مہارلجہ اور کنول بھی میری عدم موجودگی میں آئے۔ کنول نے دنیش سے پروفیسر زاہدی کے بارے میں استفسار کیا' اس نے یہ نہیں بتایا کہ پروفیسر کی ایک جھلک

اس نے راجے پور کے چوک میں دیکھی تھی۔ گزشتہ رات دنیش نے میجر رابرٹ کو مدعو کرکے ایک خصوصی نشست کا اہتمام کیا تھا۔ میں بہ وجوہ اس کے سامنے نہیں آیا۔ دنیش کے بیان کے مطابق ترنم نے اپنے گلے کا جادو جگا کے رابرٹ کو دیوانہ کردیا۔ اس نے دنیش چندر سے اشارتاً کہا کہ وہ ترنم کو چھاؤنی میں مدعو کرنا چاہتا ہے۔ دنیش نے کسی مناسب موقع کا بہانہ کرکے اس کا شوق اور فزوں کردیا تھا' خود میں دروازے کی اوٹ میں کھڑا ترنم کا رس اور رنگ سن رہا تھا۔ جب سازوں کے ساتھ اس کی آواز ملی تو بات ہی کچھ اور ہوگئی۔ میجر رابرٹ ہی کیا' میرا بھی جی چاہتا تھا کہ اندر جا کے اسے اتنا پیار کروں کہ وہ لہولہان ہو جائے۔

ہم بھون میں ہر شخص پر نظر رکھے ہوئے تھے' کون کہاں جاتا ہے؟ کہاں کھچڑی پک رہی ہے؟ پریت نے باہر جانا شروع کردیا تھا اور یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ نظر آنے لگی تھی۔ میں نے اصرار کرکے پارو کو کئی بار جگدیپ کے ہاں ارسال کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہاں اسے میجر رابرٹ اور اس کے ساتھی بھی نظر آئے چنانچہ مجھے پارو کو ایک رات چھاؤنی کے خاص کلب میں بھیجنا پڑا۔ مجھے اندازہ تھا کہ چھاؤنی کے علاقے میں پارو سے زیادہ اثرورسوخ کسی شخص کا نہیں ہے۔ وہ ایک بجلی تھی جو انگریزوں کے عقل و ہوش پر گر جاتی تھی۔ پارو نے اس درمیان مجھے بہت سی باتیں بتائیں اور میجر رابرٹ سے خاص تعلق کا اشارہ بھی کیا' اس بنیاد پر میں نے پارو کے ساتھ زیادہ وقت صرف کیا میں اسے کریدتا' تپاتا اور پریشان کرتا رہا۔

چوتھے دن میں اور پارو اسی وادی میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں میں ڈرائیونگ کی مشق کرتا تھا۔ اچانک ہم نے ایک گھرر گھرر کرتی ہوئی آواز اپنے قریب محسوس کی۔ ہم گاڑی سے اتر کر درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپ گئے۔ ہم نے سانسیں روک لیں۔ گاڑی چھپائی نہیں جاسکتی تھی۔ دوسری گاڑی اس مختصر میدانی علاقے میں داخل ہوئی تو میں نے پتوں کی آڑ سے دیکھا وہ میجر رابرٹ تھا۔ اور اس کے ساتھ ...... اس کے ساتھ پریت تھی' وہ دونوں گاڑی سے اترے۔ ہماری گاڑی دور ایک گوشے میں کھڑی تھی۔ شاید اس پر ان کی نظریں جا پہنچیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور لمحوں میں دوبارہ گاڑی میں بیٹھ کے وہاں سے روانہ ہوگئے۔ مجھے خود پر بے حد غصہ آیا کہ میں نے پریت کو بیتارانی کا سوگ منانے کے لیے باقاعدہ مہلت کیوں دی؟ وہ چنبیلی کی شاخ اس گورے کے ساتھ تھی' جب وہ چلے گئے تو ہم جھنڈ سے باہر نکل

aazzamm@yahoo.com

آئے۔ پارو نے مسکرا کر پوچھا۔ ''تم بہت حیرت زدہ ہو؟''

''ہاں یہ خاصا دل خوش کن منظر تھا۔'' میری آواز میں تلخی تھی۔

''یہ ایک عام بات ہے۔ رابرٹ راجے پور کے ایسے بہت سے سنسان گوشوں سے واقف ہے۔ آج تم نے خود دیکھ لیا۔ اب کیا خیال ہے؟ آہ دنیش چندر...... مجھے وہ تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ پسند ہے۔'' پارو طنز سے بولی۔

میں گاڑی بھگاتا ہوا بستی تک لے آیا۔ بستی کی حدود میں داخل ہو کے میں نے اسٹیئرنگ پارو کے حوالے کردیا اور خود پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ ''تم تو کہتی تھیں کہ تمہارا میجر رابرٹ سے خاص تعلق ہے؟''

''وہ اب بھی ہے' خاص تعلق سے تم کیا سمجھتے ہو' میں اب بھی ان کے لیے سب سے زیادہ اہم ہوں۔ تم سمجھتے ہو گے کہ میجر رابرٹ نے مجھ پر آسانی سے قابو پا لیا ہوگا؟ میں پریت یا کوئی اور لڑکی نہیں ہوں مسٹر! میں اب بھی اس کے لیے ایک تازہ لڑکی ہوں۔ میں نے اس سے ایک حد تک رابطے رکھے ہیں۔ اپنے آپ کو ضائع نہیں کیا ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں' تم نے اپنی ارزانی کا ثبوت نہیں دیا ہوگا۔''

''میں اس کی ضرورت تھی اور ہوں' اس لیے نہیں کہ وہ میرے بدن کے ذائقے سے محروم رہا ہے اور اس کے دل میں میرے لیے اب تک ایک تشنگی ہے' یہ تشنگی ختم ہو جائے تو سب ختم ہو جاتا ہے۔ میجر رابرٹ ایک بوالہوس اور ہرجائی شخص ہے' میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ میجر رابرٹ میرے اچھے ملاقاتیوں میں شامل ہے' جو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن میں انہیں اپنے حسن کے اعزاز سے ضرور نوازوں گی۔ میں اس کی ضرورت اس لیے رہی کہ میں اسے سب سے قیمتی معلومات اور مشوروں سے نوازتی تھی۔''

''پارو میجر رابرٹ سے دوبارہ قریب ہونے کی کوشش کرو۔''

''نہیں۔ اب میں ان الجھنوں سے دور ہونا چاہتی ہوں۔''

''یہ میں کہہ رہا ہوں' صرف چند دنوں کے لیے تمہیں اس کی تشنگی بڑھانی ہے۔'' میں نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

''تمہارا مقصد کیا ہے؟'' وہ ہذیانی انداز میں بولی۔

''میں مقصد تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ میری خاطر ایسا کرو۔''

وہ وقت سے آمادہ ہوئی۔ اس دن شام کو مجھ پر اضطراب کی کیفیت طاری تھی۔ میرے قدم پریت کی جانب اٹھے' چست لباس میں وہ اکہرے بدن کی لڑکی پریت' جس کی ناک اور بھنویں ہمیشہ چڑھی رہتی تھیں' وہ نیم کولی' میں نے بہ مشکل اپنے قدم روکے' میں بے اختیار سادھو کی تلاش میں مہمان خانے کے مندر تک چلا گیا۔ وہاں وہی کرتچھے والا پنڈت ایشوری لال ملا۔ وہ میرے کوارٹر پر میرے درشن کے لیے دوبارہ گیا تھا۔ پنڈت ایشوری لال مجھ سے اپنے ساتھ گپھاؤں میں چلنے کے لیے اصرار کرتا رہا۔ میں نے جواب دیا' ابھی میں میدانوں میں ہوں' جب گپھاؤں کا وقت آئے گا تو میں اسے ساتھ لے جاؤں گا۔ یہیں سے مجھے کچھو کا خیال آیا اور میں نے شدت سے اس کی طلب کی۔ میں نے آہستہ آہستہ آوازیں دیں۔ آخر ناکام واپس آ گیا۔ شاردا نے کہا تھا کہ وہ رات کو دنیش چندر کے ہاں ملے گی۔ اس سے باقاعدہ ملے ہوئے کئی دن ہو گئے تھے۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی اور وقت گزاری کے لیے ہیگل کا بادشاہ پڑھ رہی ہوگی یا روسو کا عمرانی معاہدہ مکالمات افلاطون۔ وہ اپنے افلاطون کا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں تصوری اور عینی فلسفے کے بجائے عملی اور اطلاقی فلسفے کی تعلیم کے لیے پارو کے ہاں چلا گیا۔ وہ غنچہ دہن کھل اٹھی۔ میں رات بھر اس کے ساتھ جاگتا رہا۔ صبح میرے اندر بڑی توانائی تھی۔

ادھر شاردا بھی جاگ رہی تھی۔ دنیش چندر بھی گھبرایا ہوا تھا۔ میں نے اپنی طبیعت کی خرابی کا معمولی بہانہ کیا۔ وہ دونوں اپنے اپنے طور پر یہ سمجھے ہوں گے کہ میں دوسرے کی موجودگی میں صحیح بات بتانے سے گریز کر رہا ہوں' ٹھیک گیارہ بجے میں نے اندر کے کمرے سے پارو کو فون کیا۔ ''کب؟'' میں نے پوچھا۔

''بارہ بجے۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔ میں نے فون بند کردیا۔ راہ داری میں مجھے پریت نظر آ گئی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ لہرا سی گئی۔ اس نے دو تین بل کھائے اور شعلے بکھیرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ میں نے یہ آدھ پون گھنٹہ بھون کے بہت سے ملازموں کے درمیان گزارا اور گیراج میں کھڑی ہوئی پارو کی گاڑی میں پچھلی نشست کے پیر رکھنے کی جگہ پر چھپ گیا۔ گاڑی کھلی ہوئی تھی اور پارو نے خاص طور پر گیراج میں چھوڑ دی تھی۔ پندرہ منٹ کی شدید ذہنی اذیت کے بعد کوئی گیراج میں داخل ہوا اور گاڑی کا دروازہ کھلا۔ وہ پارو تھی۔ اس نے ساڑھیوں کے کئی بنڈل مجھ پر ڈال دیے۔ گیراج سے نکل کر اس نے صدر دروازے تک پہنچنے سے پہلے کئی ہارن

aazzamm@yahoo.com

بجائے‘ جب تک وہ پہنچی اسے دروازہ کھلا ہوا ملا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ دس منٹ بعد اس نے مجھے آواز دی۔ ”اوپر آجاؤ۔“ میں ساڑھیوں کے بنڈل اٹھاتا ہوا پچھلی نشست پر آرام سے بیٹھ گیا۔ اب ہم راجے پور کی بستی سے دور آگئے تھے۔ اردگرد سرسبز پہاڑیاں تھیں‘ ہم وہیں پہنچ گئے جہاں وہ مجھے ڈرائیونگ سکھاتی تھی۔ میں اتر کے قریب ہی ایک جھنڈ میں چھپ گیا۔ پارو گاڑی میں بیٹھی رہی۔

☆......☆......☆

آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد کوئی گاڑی آنے کی آواز آئی۔ میرا دل گھڑی کے پنڈولم کی طرح ٹک ٹک کرنے لگا۔ کار کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی ۔ میں سانس روکے بیٹھا رہا۔ چند منٹ بعد مجھے ان دونوں کی باتوں کی آوازیں آئیں‘ وہ میرے قریب آرہے تھے۔ میں نے خود کو پتھر بنا لیا۔

پارو اس سے انگریزی میں کہہ رہی تھی : ”میجر! فرض کرو‘ ہم یہ دستاویزات تمہارے حوالے نہ کریں تو؟“

”آپ مجھے غلام بنانا چاہتی ہیں‘ میں تو پہلے ہی آپ سے بہت متاثر ہوں‘ میں سوچ رہا تھا‘ بہت دن ہو گئے آپ کی طرف سے کوئی خبر نہیں ملی۔ شاید آپ ہمیں بھول گئیں۔“

”نہیں میجر رابرٹ! ہم کام ہی کر رہے تھے اور کوئی بہت بڑی خبر سنانے کے منتظر تھے۔“ وہ باوقار انداز میں کہہ رہی تھی۔

”مجھے یقین تھا۔ میں نے آپ کے بارے میں ایک بہت شاندار رپورٹ بنا کے ہائی کمان کو بھیجی ہے۔ برطانوی سلطنت آپ کی خدمات فراموش نہیں کرسکتی۔“

”میجر ! ہم پرکاش بھون کی خفیہ دستاویزات آپ کے حوالے کر رہے ہیں اور ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ راجے پور میں متعین دوسرے انگریز اس کی اہمیت اور اس کے ذریعے سے واقف ہوں۔ اسی لیے ہم نے آپ سے گزارش کی تھی کہ آج کی ملاقات انتہائی اہم ہے‘ اس کا تذکرہ آپ کسی سے نہ کیجئے گا۔ پتہ نہیں‘ آپ نے خیال کیا یا نہیں؟“

”یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ کیا اس سے پہلے کبھی ایسا ہوا ہے؟ میں ایسے معاملات میں انتہائی رازداری برتتا ہوں۔ اسی لیے مجھے راجے پور کے سوا کہیں تبدیل نہیں کیا جاتا۔“

”ہم نہیں چاہتے کہ کرنل ہارڈنگ کو بھی پتہ چلے۔ ہمیں ان کی ذہانت اور تدبر پر شبہ ہے۔“ پارو طمطراق سے بولی۔

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کرنل تک کو اس سے مطلع نہیں کیا جائے گا۔“

”مگر آپ نے کسی کو یہ خبر تو ضرور دی ہوگی کہ ہم نے آپ کو طلب کیا ہے؟ آپ واپسی پر انہیں کیا بتائیں گے؟“

”میں حسین عورتوں سے ملنے کی خبریں نہیں دیا کرتا۔“

”آپ کو معلوم ہے کہ ان دنوں حالات بہت نازک ہیں۔ ہم پر ہر طرف سے شبہ کیا جا رہا ہے۔ دنیش چندر کی طرف سے بھی اور جگدیپ کی طرف سے بھی‘ اس لیے ہم نے خاص طور پر یہ ہدایت کی تھی کہ آپ ہمارے بارے میں اپنے کسی ساتھی میجر ڈگلس‘ کیپٹن راس یا کسی اور کو مطلع نہیں کریں گے۔ اگر آپ نے انہیں مطلع کیا ہو تو ازراہ کرم انہیں تاکید کردیں کہ وہ ہمارے ذکر میں بہت احتیاط سے کام لیں۔“

”میں وقت سے پہلے اپنی سرگرمیوں کا اظہار مناسب نہیں سمجھتا‘ اس لیے میں نے اپنے کسی ساتھی سے ذکر نہیں کیا ہے۔“

پھر پارو نے دل کش آواز میں کہا۔ ”میجر رابرٹ آپ ایک ذمے دار افسر ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ آج برطانوی سلطنت اپنے ایک مکار اور فتنہ پرداز شخص سے محروم ہو جائے گی‘ ہم نے آپ کا فیصلہ کردیا ہے۔“

میں پیچھے سے اچک کر سامنے آ گیا تھا اور میرے پستول کی نال رابرٹ کی گردن پر ٹکی ہوئی تھی۔ اس کی آواز حلق میں اٹک گئی۔ میں نے اس کے چہرے کا رنگ تو نہیں دیکھا لیکن پارو کا سرخ چہرہ مجھے صاف نظر آرہا تھا۔ میں نے میجر کی جیب سے پستول نکال لیا اور سامنے آ کر اس سے کہا۔ ”میجر رابرٹ! ہمارے پاس وقت نہیں ہے جو ہم تمہیں فرد جرم سنائیں۔ تم ہندوستانیوں سے خوب کھیلے‘ ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں مار کے ہم برطانوی سلطنت کو شکست نہیں دے دیں گے لیکن تمہارے آقاؤں کو یہ ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ہم اتنے بے غیرت نہیں ہیں جتنا وہ ہمیں سمجھتے ہیں۔“

”ت ...... تم غلطی کر رہے ہو۔ سب کو معلوم ہے کہ میں چھاؤنی سے پارو رانی کے پاس آیا ہوں۔“ اس نے ہندوستانی میں کہا۔

”تم پہلے ہی اس کا اقرار کر چکے ہو۔“ یہ کہتے ہی میں نے اس کی گردن پر

aazzamm@yahoo.com

ایک زور کا وار کیا۔ وہ نیچے گر پڑا۔ میں نے ایک بھرپور ضرب لگائی' وہ صرف دو تین ضربوں میں بے ہوش ہوگیا۔ پارو نے میری مدد کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے ہٹا کے رابرٹ کو کار کی ڈکی میں ٹھونس دیا اور باہر سے تالا لگا دیا۔ ''تم جیپ چلاؤ میں گاڑی چلاتا ہوں۔''

پارو پھرتی سے جیپ میں بیٹھ گئی۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔ پارو میری جیپ میں پیچھے آ رہی تھی اور میں جلد سے جلد سب سے اونچی پہاڑی پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ یہ کچا پکا راستہ تھا' ڈر تھا کہ کہیں گاڑی خراب نہ ہو جائے۔ ایک اونچے مقام پر پہنچ کر میں نے اسے ڈکی سے نکالا' وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ میں نے اسے کنارے پہ رکھ دیا اور ایک ہلکی سی ٹھوکر سے ہزاروں فٹ گہری کھائی میں پھینک دیا۔ پارو کی جیپ بھی آ گئی تھی۔ میں نے گاڑی پیچھے ہٹا کے اسے کنارے سے جیپ قریب لانے کا اشارہ کیا۔ جیپ کا انجن بند نہیں کیا گیا تھا' میں نے تیزی سے پارو کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور جیپ کو کھائی میں دھکا دے دیا۔

ایک زبردست دھماکا ہوا۔ جیپ کھیل کھیل ہوگئی۔ رابرٹ کے زندہ بچنے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ روح اتنی بے حس نہیں ہوتی۔ کسی تاخیر کے بغیر میں نے خود کو ڈکی میں بند کرلیا اور پارو انتہائی تیز رفتاری سے واپس گاڑی بھگانے لگی۔ اس کی تیز رفتاری کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ بستی کے قریب پہنچ کے وہ کچھ سست پڑ گئی اور جب ایک مقام پر گاڑی ٹھیری تو میں سمجھ گیا کہ وہ پروگرام کے مطابق چوک میں ساڑھیاں تبدیل کرنے کے لیے شہر کی سب سے بڑی دکان میں گئی ہے۔ پسینے سے میرا جسم تر بتر تھا۔ پارو نے آنے میں دیر لگا دی۔ میرا برا حال ہوگیا۔ پھر کہیں گاڑی چلنے کی آواز آئی۔ تیز ہارنوں کا شور گونجا اور گاڑی ٹھیر گئی۔ کئی صدیاں گزارنے کے بعد پارو نے ڈگی کا ہینڈل گھمایا۔ اس نے گاڑی نشیب کی دیوار کی طرف الٹی کھڑی کی تھی تا کہ میں آسانی سے اتر سکوں ۔ اس کے جانے کے چند منٹ بعد میں نے ڈگی اوپر کی' گیراج میں سناٹا تھا۔ میں آہستہ سے نکل آیا۔ کچھ دیر حواس درست کرنے کے لیے میں دیوار سے چپکا رہا اور اردگرد کی سن گن لیتا رہا۔ ہر طرف سے اطمینان کرکے میں باہر آ گیا اور ملازموں کو سلام دعا کرتا ہوں دنیش چندر کے محل میں داخل ہوگیا۔

☆......☆......☆

راہ داری میں آتے ہی سب سے پہلے میری نظر سندھیا پر پڑی۔ سندھیا وہ سویرا تھا جو بس اب' بس اب روشن ہوا چاہتا تھا' صبح صادق' بند کلی' آم کے درخت پر لٹکی ہوئی کیری' جس کا رنگ بدل رہا ہو اور شاخ جھکی جاتی ہو۔ وہ الھڑ لڑکی' اس کے والد نے آٹھویں جماعت پاس کرلی تھی اور وہ اتنی تیزی سے زندگی کے سبق پڑھ رہی تھی کہ اسے بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا تھا۔ وہ ہر روز ایک نئی لڑکی نظر آتی تھی' پہلے سے زیادہ رنگین' چمک دار اور تیز' وہ ککڑی کی طرح سرسراتی ہوئی بڑھ رہی تھی۔ لباس بھی اس نے ایسا پہننا شروع کردیا تھا کہ رنگ خودبخود توجہ اپنی طرف مبذول کرلیتے تھے۔ میں نے اس سے نظریں بچانے کی کوشش کی لیکن اس نے خود کو موتیا کے گملے کی طرح سے راہ میں نصب کر دیا۔ اس کی ہرن آنکھوں میں آگ لگ رہی تھی۔ یہ آگ اچانک نہیں لگ جاتی' غور و فکر کے بعد لگتی ہے' دھیمے دھیمے سلگتی رہتی ہے۔ اس کی آنکھیں اس کے بدن کے مقابلے میں جلد جوان ہوگئی تھیں۔ سندھیا کے چہرے پر زردی سی ہریالی تھی مگر اس کا پھل اندر سے سرخ معلوم ہوتا تھا۔ بھون کی زمین ایسی زرخیز تھی کہ دیکھتے دیکھتے لڑکیوں کی فصل لہلہانے لگتی تھی۔ میں نے وہ خوشہ گندم سے آگے نکل جانا چاہا۔ اس وقت میرے ذہن میں لو چل رہی تھی۔ میں جلد سے جلد دنیش چندر کے پاس جانے کے لئے مضطرب تھا اور احتیاطاً بہت سے لوگوں کو اپنا چہرہ دکھا دینا چاہتا تھا لیکن اسے داد دینا لازم تھا۔ ماتم کے وقت بانسری بجانے' بھوک میں باغ کی سیر کرنے کی صورت تھی۔ وہ ایک حسین شعر تھی' مرصع مسجع۔ وہ گردن سے پیروں تک کڑھا ہوا لباس پہنے ہوئے تھی۔ ایک چوغہ' جس میں اس کا قد اور لانبا ہوگیا تھا۔ میں نے اپنے اضطراب کے باوجود اسے غور سے دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے خطابات سے نوازنے میں کوتاہی نہیں کرے گی۔ لیکن اس نے میری نظر بھانپ لی تھی۔ اس لئے اس کے سراپا کا تیور بدل گیا اور ایک تبسم اس کے نازک ہونٹوں پر تیرنے

aazzamm@yahoo.com

لگا۔ ''موہن ! اس نے جھجکتے ہوئے پرسوز انداز میں مجھے مخاطب کیا۔ ''دیکھو! میں
بڑی لگتی ہوں۔''
''واقعی''! میں نے سراپا اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''آج تو آپ ک[...]
لگ رہی ہیں۔''
وہ اترا گئی' لہرا گئی۔ ''سچ ؟'' اس کے لب پھڑکنے لگے۔
''دور سے جب آپ نظر آئیں تو میں پہچان نہ سکا کہ یہ آپ ہیں یا ک[...]
اور''۔ میں نے اپنی آنکھوں میں حیرت بھرتے ہوئے کہا۔
''اور جب میں قریب آئی؟''
''جب آپ قریب آئیں تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔'' میں نے
برجستہ کہا۔ ''آپ تو' آپ تو' آپ تو بالکل بدل گئی ہیں۔ اس دن آپ مجھ سے نارا[...]
ہوگئی تھیں۔ ہیں نا ؟''
''میں نے تمہیں معاف کر دیا۔'' وہ ایک شان سے بولی۔
''اس دن نہ جانے مجھے کیا ہوگیا تھا۔'' میں نے ندامت سے کہا۔
''چھوڑو'' وہ بے نیازی سے بولی۔ ''تم مجھے اچھے لگتے ہو تمہارے سا[...]
باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے مگر تم ملتے ہی نہیں۔''
''اب میں آپ سے ضرور ملا کروں گا۔''
''کہاں ؟'' وہ اشتیاق سے بولی۔
''جہاں آپ بلائیں۔ دیکھیے' اگر کسی نے آپ کو میرے ساتھ دیکھ لیا تو آپ [...]
کا تو کچھ نہیں بگڑے گا' مجھ پر آفت آجائے گی۔''
''کیوں ؟'' وہ سادگی سے بولی۔ ''یہاں سبھی عورتیں مردوں سے ملتی ہیں۔''
''مگر میری آپ کی بات اور ہے۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔
''تو پھر چھپ کر ملیں' رات کو میرے کمرے میں آجاؤ۔''
میں نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ڈر لگتا ہے۔''
''تو پھر باغ میں چلے چلیں گے' رات کو وہاں کوئی نہیں ہوتا۔''
''نہیں' نہیں' سنا ہے رات کو باغوں میں سانپوں کا راج ہوتا ہے۔''
''ہم نہیں جانتے۔'' وہ مچل کر بولی۔
راہ داری میں دیر تک اس سے باتیں کرنا ناشائستگی تھی۔ میں نے گھبراہٹ ک[...]

[...]بار بھی کیا لیکن آج اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ مجھ سے معاہدہ کیے بغیر نہیں ٹلے
[...]ں۔ میں نے کسی قدر تذبذب سے جواب دیا۔ ''کیا کہوں' میرا خود آپ سے ملنے کو
[...] دل چاہتا ہے' میں ملنے کی کوئی مناسب جگہ تلاش کرکے آپ کو بتا دوں گا۔ پھر ہم
[...]ں چلیں گے اور خوب باتیں کریں گے۔ ٹھیک ہے نا؟'' اس کے سوا کوئی صورت نہیں
[...]ی۔ ہر ملازم میں ایک خوبی لازم ہے۔ ہاں کی خوبی۔ جو نا کرتے ہیں' وہ گدھے
[...]تے ہیں اور انہیں چارہ نہیں ملتا۔
''کب؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔
''ذرا انتظار کیجیے۔'' میں نے بے ربطی سے کہا۔ ''بس دو ایک دن میں کوئی
[...]ب نکال لوں گا لیکن آپ ......'' میں کہتے کہتے رک گیا۔
''میں کیا ؟ تم کیا کہہ رہے تھے؟'' وہ ضد کرنے لگی۔
''میں سوچتا ہوں' آپ پھر غصے نہ ہوجائیں۔ آپ راج کماری ہیں' آپ
[...]ے غصے سے ڈر لگتا ہے' آپ ناراض نہ ہو جائیں۔''
''ہوں۔'' اس نے ایک اور ادا سے اپنے سر کو جھٹکا دیا۔ ''پہلے کی بات اور
[...]ں۔ تم کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ خبر ہے یہاں۔'' اس نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ ''لوگ تم
[...]ے بہت ناراض ہیں۔''
''کون لوگ ؟ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔'' میں نے چونک کر پوچھا۔
''پتہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں تم کوئی بہت خطرناک آدمی ہو۔ ہر جگہ تمہارا ذکر رہتا
[...] لوگ تمہیں پسند نہیں کرتے۔''
''اور کیا کہتے ہیں' آپ مجھے نہیں بتائیں گی؟''
''نہ جانے کیا کیا بکتے رہتے ہیں' بہت سی باتیں ہیں۔'' وہ چٹکتی ہوئی بولی۔
[...]ر یہاں تمہیں نہیں بتا سکتی' آؤ باہر چلیں۔''
''نہیں' یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ یہ بتائیے' آپ تو مجھے برا نہیں سمجھتیں؟''
[...]ڑ گئی۔ ''اب میری تمہاری دوستی ہوگئی ہے۔''
''لیکن ایک شرط ہے۔'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''آپ کسی کو نہیں بتائیں گی'
[...]ں کے سامنے مجھ سے اپنی دوستی کا اظہار نہیں کریں گے ورنہ لوگ میرے اور دشمن ہو
[...]ئیں گے۔''
وہ کہیں گم ہوگئی' پھر چونک کر بولی۔ ''مگر اب تم مجھ سے ملتے رہو گے نا ؟''

aazzamm@yahoo.com

اس نے میری شرط قبول کرلی تھی۔ وہ لڑکی' مصور جس کا پیکر تراشنے کے لیے
موقلم سنبھالے بیٹھے ہوں' وہ شاخ نازک' مجھے اپنی سادگی پر ترس آیا۔ یقیناً میں نے اس
کی توہین کی تھی۔ اپنی بانہوں کا جو اعزاز وہ میری گردن میں ڈالنے کے لئے آمادہ تھی
میں نے اس کی قدر نہیں کی تھی۔ قرعہ فال میرے نام نکل آیا۔ بھون میں کسی نہ کسی
ملازم یا راجے پور کے کسی نہ کسی نوجوان کے نام تو نکلتا۔ میں نے خود کو ملامت کی۔
بھون میں اتنے دن رہنے کے باوجود یہ چھوٹی سی بات میری سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔
سندھیا' کتنے سر اس کے خوابوں سے بوجھل رہیں گے' وہ راتیں' وہ دن' بس آیا ہی
چاہتے تھے جو اس کی یاد میں بے قرار رہیں گے۔ شیرینی تقسیم ہو رہی تھی۔ میں نے اپنا
ہاتھ دراز کرنے میں بخل کیا۔ میں نے نقصان اٹھایا۔ پرکاش بھون میں اپنے ایک
دوست سے دور رہا۔ سندھیا میرے لئے ایک ریکارڈ ثابت ہوتی۔ جس میں لفظ قید ہو
جاتے ہیں اور جب انہیں سوئی کے نیچے رکھو' چغلی کرنے لگتے ہیں۔ سامنے سے مہارانی
مایا دیوی آرہی تھی' میں ایک طرف کھسک گیا۔ اندھیروں' رازوں اور پردوں میں
التفات پروان چڑھتا ہے۔ میں سندھیا کو اس ابتدائی نکتے سے آشنا کرنا چاہتا تھا۔

ساڑھے تین بج رہے تھے۔ ہم بھون سے بارہ بجے روانہ ہوئے تھے تین
تین گھنٹے بعد میں بھون میں موجود تھا اور اس مختصر عرصے میں ایک اہم واقعہ رونما ہو چکا
تھا۔ سب سے پہلے مجھے یہ اندازہ کرنا تھا کہ میری عدم موجودگی میں کسی کو میری
ضرورت تو محسوس نہیں ہوئی۔ پرکاش بھون کی اس کثیر آبادی میں کوئی بھی کسی وقت
مجھے طلب کرسکتا تھا۔ کوئی رانی' راج کماری' راج کمار یا کوئی اور شخص' کسی کو بھی میرا
خیال آسکتا تھا۔ گو ایسی طلبیاں اب بہت کم ہوگئی تھیں۔ سب کو معلوم تھا کہ میں صرف
دنیش چندر کے لئے مخصوص ہوگیا ہوں۔ بھون میں سب کے اپنے اپنے ملازم اور
باندیاں تھیں۔ پھر بھی کہیں سے میرے نام کی پکار ہوسکتی تھی۔ کسی نے مجھے بھون سے
آتے جاتے تو نہیں دیکھا تھا۔ پارو نے بھی ہر ممکن احتیاط برتی تھی۔ میری نظروں میں
میجر رابرٹ کا خوف زدہ چہرہ گھوم رہا تھا۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے پیش آنے والا واقعہ
ذہن سے جھٹکنے کی ہر ممکن کوشش کی راہ داری میں میری رفتار معمول پر تھی۔ کوئی قیاس
نہیں کرسکتا تھا کہ میرے سینے میں ایک طوفان اٹھا ہوا ہے۔ کتنے چہرے میری طرح
ہوتے ہیں۔ دنیش چندر دروازے کے سامنے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہیما اور کسم بھی
وہاں موجود تھیں' ایک اور نئی لڑکی بھی وہاں فروکش تھی' فروکش میں نے یوں کہا کہ

وہ کوئی شہزادی تھی جو اس دیوان میں جلوہ فرما تھی۔ میں نے اس شفق رنگ کو اس سے
پہلے یہاں نہیں دیکھا تھا۔ سبھی اس میں منہمک تھے لیکن میری آمد نے سب کو درہم و
برہم کر دیا۔ "یہ کون ہے؟" نووارد لڑکی نے تیز انگریزی میں دنیش سے پوچھا۔

"ہمارا خاص ملازم موہن داس۔" دنیش نے کسی قدر فخر سے کہا۔

"اوہ۔" اس نے انگریزوں کے انداز میں کچھ کھینچ کر یہ لفظ ادا کیا۔ "ماروِلس' مجھے اسے دیکھنے کی تمنا تھی۔"

"کیوں۔؟" دنیش نے تعجب سے کہا۔

"اس کے تذکرے بہت سنے ہیں۔" اس کے لہجے میں ایک کاٹ تھی جو محسوس کرنے میں مجھے دیر نہیں لگی۔

"تم کہاں تھے موہن داس ؟" دنیش مجھ سے اپنی رغبت چھپا نہ سکا۔ "آپ باہر چلے گئے' میں اگلے کمرے کی ترتیب بدل رہا تھا۔ آپ ہی نے تو حکم دیا تھا۔" میں نے مہذب لہجے میں کہا۔ دنیش جزبز سا ہوا مگر فوراً سنبھل گیا۔

"تم نے ریکارڈوں کو تو نہیں چھیڑا۔" اس نے تندی سے پوچھا۔

"نہیں جناب' میں نے انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

"اب تو تم نے ہزاروں ریکارڈ جمع کرلیے ہوں گے ؟" خوش جمال لڑکی نے دنیش سے پوچھا۔ "لندن میں لوگ موسیقی سے تمہارے غیر معمولی ذوق کا اب تک تذکرہ کرتے ہیں۔"

"میں نے وہ سب تقسیم کردیے۔ فرصت ہی نہیں ملتی' دن بھر طرح طرح کے ریکارڈ سنتا رہتا ہوں۔ پراسرار اور خوف ناک ریکارڈ۔" نہ جانے کیوں دنیش اس عظیم الشان لڑکی سے متاثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کے قریب ہیما اور کسم جیسی حسین لڑکیاں بیٹھی تھیں مگر وہ سب میں ممتاز تھی۔ دولت کا رنگ اس کے چہرے سے پھوٹ رہا تھا۔ جلد ہی مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ جگدیپ کی بہن اور آں جہانی کنور پردیپ کی لڑکی ہے۔ شوکت و سطوت اس کے ہر انداز سے نمایاں تھی۔ اس کا نام انیتا تھا۔ وہ انگلستان سے اپنے باپ کے انتقال پرملال کی خبر سن کے تازہ تازہ وارد ہوئی تھی۔ گویا میں ہی اس کے بلانے کا سبب تھا۔ میں خاموش کھڑا ہوا ان کی گفتگو سنتا رہا۔ راج کماری انیتا تیز طرار و طرح دار لڑکی تھی۔ کئی بار اس سے میری نگاہوں کا تصادم ہوا اور اس کے چہرے کا رنگ بدلا آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوئی۔ میں ایک ملازم' ایک ستون کی طرح

aazzamm@yahoo.com

ایستادہ رہا۔ تمام ملازم متحرک ستون ہوتے ہیں۔ ملازموں کو ہنسنے کا موقع نہیں ملتا مگر وہ دل ہی دل میں اپنے آقاؤں کی نیرنگی پر خوب ہنستے ہیں۔ سب کچھ سمجھتے ہیں اور کچھ بھی سمجھنا نہیں چاہتے۔ چائے کے دوران میں دنیش نے انتیا سے درخواست کی کہ وہ اپنے ہاتھ سے چائے بنائے۔ جب وہ پیالیوں کی طرف جھکی اور اس کی نظروں کو میرا جائزہ لینے کی تھکن سے آرام ملا تو دنیش کو مجھ سے اشاروں میں بات کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے آنکھوں آنکھوں میں مجھ سے پوچھا۔ ''کیا خیال ہے؟'' میں نے اسی انداز میں اسے جواب دیا۔

عقل حیراں ہے کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

مجھے دنیش کی قسمت پر رشک آیا۔ راج کمار کے لئے کتنی حسین لڑکیاں چائے بنانے کے لئے تیار رہتی تھیں۔ ادھر میرے جسم میں شدید دکھن ہو رہی تھی۔ اعصاب تڑخ رہے تھے۔ ایسی حالت میں ایک پیالی چائے اور وہ بھی انتیا کے ہاتھ سے مل جاتی تو سارا تکدر دور ہو جاتا۔ چائے بنانے کے بعد انتیا نے مجھے گھورنے اور تاکنے کا وطیرہ نہیں چھوڑا۔ میں نے کوئی تاثر نہیں دیا حالانکہ بہت سے تاثر دینے کو طبیعت مچل رہی تھی۔ جگدیپ کی کئی بہنوں کے دیدار کا شربت پیا تھا مگر جو بات اس ماہ جبیں زہرہ جمال میں تھی، وہ کسی میں نہیں تھی۔ اس کے رخساروں پر انگلستان سے چرائی ہوئی سرخی دمک رہی تھی۔ درآمدہ سرخ سیب، قندھاری انار۔ میں نے محسوس کیا میری تائید کے باوجود دنیش چندر اس کی دل نشیں صحبت سے کما حقہٗ حظ نہیں اٹھا رہا ہے، وہ کچھ بے چین سا تھا یا یہ میری بے چینی تھی۔ ہاں یہ میں ہی پریشان تھا۔ سامنے حسین لڑکیاں تھیں اور یہ ریاست راجے پور میں سب سے محفوظ جگہ تھی مگر کچھ ایسا لگتا تھا جیسے ابھی کوئی پشت سے آ کے مجھے ڈرا دے گا یا یہ چھت گر پڑے گی۔ میجر رابرٹ کی موت کا صدمہ بتدریج میری رگوں میں سرایت کر رہا تھا۔ اندر حبس ہو تو گلستاں بھی صحرا نظر آتا ہے۔

ممکن ہے، شام تک، کل تک یا ایک دو روز بعد میجر رابرٹ کی شکستہ دریدہ لاش برآمد ہو جائے۔ شام کو جب چھاؤنی کے افسران کرنل ہارڈنگ کو میجر کی گم شدگی کی اطلاع دیں گے تو وہ سمجھے گا۔ میجر راجے پور کے کسی رئیس کے ہاں مجرا سن رہا ہوگا یا کسی ہندوستانی لڑکی کو داد عیش دے رہا ہوگا مگر وہ چھاؤنی میں اطلاع ضرور کرتا کہ آج رات اس کی واپسی ممکن نہیں ہے، وہ صبح تک اس کا انتظار کریں گے۔ راجے پور

کے تمام باثر خاندانوں میں میجر کی آمد و رفت تھی۔ وہ ایک ہر دل عزیز شخص تھا۔ سب سے بڑی خوبی اس میں انگریز ہونے کی تھی۔ اس زمانے میں علم و فضل کی بنیاد انگریزوں کی جان کاری ہوگئی تھی، جو اپنے مالکوں کی زبان سے ناآشنا ہو اس کی ذہانت مشکوک ہوتی ہے۔ ریاست راجے پور میں شستہ فارسی آمیز اردو بولی جاتی تھی۔ ہندی کے لفظ شاذ شاذ ہی استعمال ہوتے تھے مگر اب انگریزوں کے جدید اسکول کھل گئے تھے اور بڑے خاندانوں کے لڑکے لڑکیوں کا انگلستان جا کے سند حاصل کرنا وجہ افتخار سمجھا جاتا تھا۔ میجر رابرٹ اور دوسرے انگریزوں کو ہندوستانیوں سے قریب آنے کے لئے ہندوستانی سیکھنی ضروری تھی۔ محکوموں نے اپنی وفاداری اور اطاعت کا کچھ اس سے بڑھ کر مظاہرہ کیا تھا۔ ان کی کوشش یہاں تک ہوتی تھی کہ وہ خواب بھی انگریزی میں دیکھا کریں۔ میجر رابرٹ نئی تہذیب کا نمائندہ تھا۔ برطانیہ عظمیٰ کا کارندہ، ہندوستانیوں کے لئے اس میں بڑی کشش تھی۔ میں نے میجر کا فیصلہ کرنے میں کوئی جلدی نہیں کی تھی۔ کام ہر لحاظ سے مکمل، بے داغ طور پر انجام پایا تھا لیکن جو جو لمحہ گزر رہا تھا، وہ اس سے مرتب ہونے والے اثرات کی شدت کا احساس فزوں تر کر رہا تھا۔ ہائی کمان اپنے ایک محترم شخص سے محروم ہو جانے پر کیسے خوفناک فیصلے کر سکتی ہے۔ شبہ بہت سے خاندانوں پر جائے گا۔ انگریز اپنے اعلیٰ دماغ، ان وجوہ کی سائنسی چھان بین میں صرف کریں گے جن سے میجر رابرٹ دو چار ہوا۔ تحقیق و تفتیش کے دفتر کھل جائیں گے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں کوئی سقم تو نہیں رہ گیا؟ اگر عجلت میں کوئی نادانی ہوگئی ہے تو کیا ہوگا؟

کیا ہوگا؟ جو ہر بار ہوتے ہوتے رہ جاتا ہے، وہی ہوگا۔ کالا پانی نصیب ہوگا یا شارع عام پر پھانسی کا تماشا ہوگا۔ لوگ بھی کیا یاد کریں گے، تھا ایک شخص، موت کا یہ سبب ہو تو کچھ ایسا ناگوار نہیں، اب جو ہونا ہے، وہی ہوگا، غصہ تو سرکار کو آئے گا۔ شکنیں تو جبینوں پر پڑیں گی۔ ممکن ہے، وہ بو سونگھتے سونگھتے مجھ تک پہنچ جائیں۔ پروفیسر زاہدی کا کردار خاصا مشکوک ہے، پروفیسر زاہدی کو بھون میں کسی نے نہیں دیکھا اور جس نے دیکھا اس نے موہن داس کے خط و خال اور پروفیسر میں گہری مشابہت پائی۔ موہن داس دنیش چندر کا سایہ ہے، جب زہریلا دودھ دنیش چندر کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے تو اسے پتہ چل جاتا ہے۔ موہن داس وہ سانپ بھی دیکھ لیتا ہے جو دنیش کو ڈسنے کے لئے اس کے بستر میں چھپا بیٹھا تھا۔ موہن داس اور دنیش کا تعلق عشق اور مشک کی طرح رسوا ہو رہا ہے۔ انگریز میجر رابرٹ کے سلسلے میں میرا سراغ لگانے میں

aazzamm@yahoo.com

کامیاب ہوگئے تو دنیش چندر' اس کا خاندان اور خصوصا پارو بھی عتاب میں آجائے گی۔ صرف میں ہی نہیں کہ میری زندگی تو یوں بھی مستعار ہے۔ میرے اقدام سے کتنے لوگ متاثر ہوں گے' پارو متاثر ہوگی کہ اس نے اپنی ذات ترک کر دی تھی۔ دنیش چندر معتوب قرار دے دیا جائے گا۔ اور جگدیپ کے گھر میں چراغاں ہوگا۔

نہیں میں اتنے الزامات کا متحمل نہیں ہوسکوں گا مگر میں کہاں ہوں گا۔ مجھ رابرٹ کی موت' میں نے خود کو متنبہ کیا۔ یہ پہلا مرحلہ تھا۔ دوسرا مرحلہ اس کے نتائج سے نمٹنے کا ہے۔ ہم تین گھنٹے میں بخیر و خوبی کام نمٹا کے واپس آگئے تھے۔ کسی موقع پر دنیش چندر یہ گواہی دینے کے لئے تمام تر ایثار کرے گا کہ میں اس عرصے میں کہیں باہر نہیں گیا۔ کوئی نشان ہم نے نہیں چھوڑا تھا۔ میجر کی موت ایک اتفاقی حادثہ بھی قرار دی جا سکتی تھی۔ اور شک صرف مجھی پر کیوں کیا جائے گا ؟ اس کی منطقی وجوہ موجود ہونی چاہئیں۔ میں نے اپنے آپ سے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔ کیا میں عواقب سے خوف زدہ ہوں ؟ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے ؟ نہیں' میں نے تمام امور پر غور کرکے قدم اٹھایا تھا۔ میں قطعاً خوف زدہ نہیں ہوں۔ لیکن میں نے خود سے جھوٹ بولا۔ میرا دل اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ رگ و پے میں چمک سی ہو رہی تھی۔ سرد لہریں اٹھ رہی تھیں۔ جسم بھیگا ہوا تھا۔ پیشانی کھنچی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں انگیٹھی دہک رہی تھی۔ میری پوری توجہ سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں پر تھی۔ لوگ بڑے حسین تھے' میں ان کی دل ربا باتیں' لطیفے' چٹکلے سن رہا تھا۔ انتیا کے حسن و شباب کا رعب میں نے قبول کرلیا تھا۔ اس کی نگاہوں کے ترکش میرے سینے میں پیوست ہوئے جاتے تھے۔ اس کا گلابی پیٹ' بلاؤز اور ساڑھی کے درمیان علیحدہ نظر آتا تھا۔ یہ علاقہ حسین عورتوں کا شوکیس ہوتا ہے' اس میں لوچ ہوتا ہے' گداز ہوتا ہے۔ موجیں ہوتی ہیں۔ انتیا ایک سادہ سی ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے بدن پر گوند سے ساڑھی چپکا دی گئی ہے۔ اسے دیکھ کے ڈگڈگی کا خیال آجاتا تھا جس کی کمر بہت پتلی ہوتی ہے۔ انتیا کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا تھا۔ دونوں حصے کمر کی ایک نازک ڈوری سے مربوط تھے۔ وہ جب کھڑی ہوئی تو اسے درمیان سے پکڑ کے ہوا میں گھمانے کی خواہش ابھرنے لگی۔ جہاں اور بہت سی خواہشیں ملبے میں پڑی تھیں۔ وہاں میں نے اسے بھی ڈال دیا۔ چند لمحوں کے لئے میں ساری دنیا سے غافل ہوکے اسی میں گم ہوگیا۔ وہ دنیش سے وعدہ لے رہی تھی کہ جب تک وہ راجے پور میں مقیم رہے

گی' دنیش نت نئے پروگرام بناتا رہے گا۔ اسے حکم دینا آتا تھا۔ یقیناً پارو میں یہ خوبی اس سے زیادہ تھی مگر یہ نازو ادا کا حکم تھا۔ پارو کے ہاں ایک جلال تھا' ایک نسوانی جلال' حسین عورتوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا ناپختگی اور کج روی کی علامت ہے۔ بھلا پھولوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ ہر ایک کا رنگ الگ ہوتا ہے' خوشبو الگ ہوتی ہے۔ ہر پھول اپنی اپنی ڈالی پر سجتا ہے۔ کوئی صبح کا راگ ہے' کوئی شام کا۔ جاتے جاتے وہ دروازے پر ٹھٹکی۔ ایک نظر مجھے دیکھا پھر ملاقاتی کمرے کی اونچی دیواروں اور نقش چھت کو۔ پھر وہ دروازے کے پار ہوگئی۔ میں نے اندر کے کمرے میں جاکے پارو کا نمبر ملایا۔ فون اسی نے اٹھایا۔ اس کی آواز تھکی ہوئی تھی۔ ''کیا حال ہے؟'' میں نے آہستگی سے پوچھا۔

وہ میری آواز پہچان گئی۔ ''تم کیسے ہو؟''

''ٹھیک ہوں' بس گم ہوں۔'' میں نے مردہ آواز میں کہا۔

''سر میں درد ہے؟'' اس نے مبہم انداز میں پوچھا۔

''ہاں۔'' میرے لہجے میں کرب سمٹ آیا۔

''سو جاؤ۔'' اس کا مطلب یہ تھا کہ میں تمام فکریں سلا دوں۔

''نیند نہیں آرہی ہے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''مجھ سے آکے دوا لے جانا۔'' وہ سرگوشی میں بولی۔

''کوئی خیر خبر۔؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

اس نے فون بند کردیا۔ میں کچھ دیر کھڑکھڑاتا رہا۔ اس وقت تکیے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ پارو کو فون کرنے کا مقصد یہی تھا کہ دو مسکن اور مفرح باتوں کا مشروب مل جائے۔ اس نے فون پر زیادہ بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ پارو نے مجھ سے زیادہ قابو یافتگی کا ثبوت دیا تھا۔ میرے ہاتھ میں ریسیور دھرا ہوا تھا اور نگاہیں ایک سمت ٹکی ہوئی تھیں کہ دنیش چندر نے آکے مجھے چونکا دیا۔ مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ سامنے کے دروازے سے آرہا ہے۔

''کیا بات ہے موہن ؟ کچھ تمہاری طبیعت خراب ہے ؟'' اس نے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کے پوچھا۔ ''ارے تمہارا ماتھا تو گرم ہو رہا ہے۔''

''اوہ نہیں۔ میں بیمار ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

''تم کہاں غائب تھے۔ مجھے شبہ ہے کہ تم بعض پراسرار سرگرمیوں میں

aazzamm@yahoo.com

مصروف ہو۔ اچانک غائب ہو جاتے ہو۔ میں تمہارے انتظار میں سوکھتا رہتا ہوں۔"

"دنیش بابو!" میں نے کہنا چاہا لیکن میرے ہونٹ تھرا کے رہ گئے۔ میں نے اپنا سر اس کے سینے میں چھپا دیا۔ جیسے وہاں روئی ہوگی' میں سر رکھوں گا تو دب جائے گی۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ دنیش کے سینے میں گداز ہی گداز تھا۔ اس نے بھی زندگی دیکھی تھی۔ مجھے زور سے بھینچ لیا' کچھ اس قدر شدت سے کہ میں نڈھال ہوگیا۔ "کہاں سے آرہے ہو؟"

"کہیں سے نہیں۔" میں نے بچوں کی طرح کہا۔ "میں تو یہیں تھا۔"

"جھوٹ' کوئی بات ضرور ہے' کسی نے تمہیں کچھ کہہ دیا ہے۔ بھون میں ضرور کسی شخص نے آج تمہیں کوئی سخت بات کہی ہے' بتاؤ نا کیا بات ہے؟"

"نہیں' بس یوں ہی دل اُمڈ آیا۔"

"شاردا کو بلاؤں؟" اس نے آہستگی سے کہا۔

میں نے بے بسی سے اس کی صورت دیکھی اور بے اختیار آنسو میری آنکھوں سے رواں ہوگئے۔ "نہ جانے مجھے کیا ہوگیا ہے۔" میں آنکھیں خشک کرتے ہوئے بولا اور اس کی گرفت سے آزاد ہوکے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ آنکھیں پٹ پٹا جاتی ہیں تو پیر بھی پٹ پٹا جاتے ہیں۔

"ترنم کو بلاؤں؟" اس نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی۔

اس نے مجھے ہنسا دیا۔ "مجھے اس وقت صرف آپ کی ضرورت ہے۔"

"میں تمہارے سامنے ہوں لیکن میرے پاس ترنم جیسا گلا نہیں' شاردا جیسی صورت نہیں' ریتا جیسی سرخی نہیں۔"

"آپ میں تمام خوبیاں موجود ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"موہن!" وہ مجھے اپنے ساتھ دیوان پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ "میں تمہیں نفسی مریض بنانا نہیں چاہتا اور موجودہ صورت میں اس کے صاف امکانات موجود ہیں۔ یہ دوئی مستقل طور پر نہیں چلتی۔ میں تم سے کہتا ہوں' اب یہ ڈراما ختم کرو۔ آؤ ہم دونوں کچھ دنوں کے لئے انگلستان چلتے ہیں۔ شاردا کو بھی لے چلتے ہیں۔ اس اضطراب سے اعصاب پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ کچھ وقت سوئٹزر لینڈ میں گزاریں گے۔ مصر کے اہرام دیکھیں گے۔ برٹش میوزیم کی سیر کریں گے۔ پیرس کے نائٹ کلبوں میں جائیں گے۔ تم مجھ سے مطالبہ کرو' کوئی بہت بڑا مطالبہ۔ میری آرزو ہے کہ کبھی تم مجھ سے اتنی بڑی خواہش کرو کہ میں اسے پورا نہ کرسکوں۔"

"میرا کوئی مطالبہ نہیں۔ بس آپ ہی میرا مطالبہ ہیں۔ جب آپ یہ سب کچھ کہتے ہیں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میرا باپ زندہ ہوگیا ہے' میرا بڑا بھائی مجھ سے آملا' میری بہن نے دوسرا جنم لے لیا' اور میری ماں واپس آگئی ہے۔ دنیش بابو! میں بھی عملاً مر گیا تھا۔ آپ نے مجھے دوسری زندگی دی ہے۔ آپ ہی میرے لئے انگلستان' سوئٹزر لینڈ اور پیرس ہیں آپ کے بعد مجھے کس کی تمنا رہے گی۔ آپ کہتے ہیں تو ہم یہاں سے ضرور باہر چلیں گے مگر اس اطمینان کے بعد کہ دوبارہ یہاں آئیں تو یہ بیماریاں عود کر نہ آئیں۔"

"موہن! موہن!" دنیش نے جذباتی انداز میں مجھے پکارا۔ "کیا واقعی تمہارا کوئی عزیز زندہ نہیں؟ تم اتنے دکھی کیوں ہوتے ہو۔ تمہیں اپنے عزیز لازماً یاد آتے ہوں گے۔ مجھے بتاؤ تمہارے ساتھ کیا گزری ہے' یہ تم اتنی ٹوٹی ہوئی باتیں کیوں کر رہے ہو؟"

"جو گزر گئی' سو گزر گئی۔" میں نے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں' آئندہ ان لوگوں کا ذکر نہیں کروں گا۔ ایک پاگل بھائی زندہ ہے۔ پتہ نہیں' زندہ بھی ہے یا نہیں۔ شاید کبھی ملاقات ہو جائے۔ باقی سبھی گزر گئے' مردوں کو یاد کرنے سے کیا حاصل؟ مجھے احساس ہے' اس ذکر سے میں آپ سے دور ہو جاتا ہوں۔ کچھ اجنبیت سی محسوس ہوتی ہوگی آپ کو۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں' البتہ تمہیں غم زدہ دیکھ کر بہت بے چینی ہوتی ہے۔ تم عزم' حوصلے اور ذہانت کے سمبل ہو' تم میری جاگیر ہو۔ پرکاش بھون ہو۔ میرا مکان' جب میں اپنے مکان کے در و بام اداس دیکھتا ہوں تو مجھے بڑی گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔"

میں نے ارادہ کیا' اسے سب کچھ صاف صاف بتا دوں۔ کچھ دیر پہلے میں میجر رابرٹ کو قتل کرکے آیا ہوں۔ مگر ضروری نہیں کہ میں اسے ہر بات بتا کے پریشان کیا کروں۔ اسے جلد یا بدیر پتہ چل ہی جائے گا۔ میں نے ہی اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ میجر رابرٹ کو قریب کرے جگدیپ نے اس سفید کتے کے گلے میں پٹا ڈالنے کے لئے کون سا حربہ اختیار نہ کیا تھا؟ "ذرا پریت کو چیک کریں' وہ بھون میں موجود ہے؟" میں نے اچانک موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

”کیوں ؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ”کوئی خاص بات ؟“

”یوں ہی۔“ میں نے ریسیور اٹھا کے اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

اس نے تذبذب سے نمبر ڈائل کیا۔ پریت موجود نہیں تھی۔ اس کی باندی نے بتایا کہ وہ دوپہر سے کہیں گئی ہوئی ہے۔ ریسیور پر ہاتھ رکھ کے اس نے مجھ سے پوچھا۔ کوئی اور بات پوچھنی ہے ؟“

”نہیں۔“ میں نے انگلی سے ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

”کیا پریت ......؟“ اس کی آنکھیں حیرانی سے ساکت ہوگئیں۔

”میں صرف ایک تسلی چاہتا تھا۔“ میں نے بے نیازی سے کہا۔

”کیسی تسلی ؟“ وہ ناراض ہونے لگا۔ ”یہ کیا رمز ہے ؟“

”کچھ نہیں‘ بس یوں ہی پوچھ لیا۔“ میں نے اس موقع پر اس سے پریت کا ذکر کرکے غلطی کی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میجر رابرٹ کی موت کے وقت بھون کے بہت سے لوگ گھر سے باہر ہوں۔ خصوصاً پریت حالانکہ اس کی عدم موجودگی سے کوئی بڑا نتیجہ نکلنے کی توقع نہیں تھی لیکن یہ احساس توانائی کا سبب ضرور تھا۔ شکوک کا کسی ایک جگہ ارتکاز ہونے کے بجائے ان کا منتشر ہونا سودمند تھا۔ چھاؤنی کے دوسرے افسران اس بات کے گواہ ہوں گے کہ ان دنوں پریت اور جگدیپ کی بہنیں میجر رابرٹ کے زیادہ قریب رہی ہیں۔ میجر کی کوئی ڈائری ہوگی تو وہ اپنے ملاقاتیوں کا احوال بھی لکھتا ہوگا۔ انگریز بڑے تیز ہوتے ہیں۔ وہ خیال کے گھوڑے دوڑائیں گے۔ میجر کا اثر و رسوخ ان دنوں جگدیپ کے خانوادے میں زیادہ بڑھ گیا تھا۔ انگریز اس نتیجے پر بھی پہنچ سکتے ہیں کہ دوسرے مخالف خانوادے کو میجر اور جگدیپ کا یہ میل جول پسند نہیں آیا ہوگا۔ مہاراجا پر بھی اس کا شک جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ راجے پور کے لئے سخت کش مکش کا وقت تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ صرف میں اور پارو جانتے تھے کہ آنے والے دنوں کا درجہ حرارت کیا ہوگا۔

”کیا سوچنے لگے ؟“ دنیش برہم سا ہونے لگا۔

”کیا سوچ سکتا ہوں۔ پریت کی سرگرمیاں خاصی بڑھ گئی ہیں‘ اپنی ماں کے قتل سے وہ کچھ اور برانگیختہ ہوگئی ہے۔ پریت ایک بہت دلچسپ لڑکی ہے دنیش بابو !“

”کیا کوئی نیا فتنہ ؟ آخر تم جھجک کیوں رہے ہو ؟“

”نیا فتنہ تو اب آیا ہے۔ یہ لڑکی انگلستان سے آئی ہے جو ابھی آپ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ راجوں‘ مہاراجوں کے وہ تمام سپوت جو انگلستان میں پڑھتے ہیں‘ ان پر انگریزوں کی خاص عنایت ہوتی ہے۔ ان کے دماغوں میں سوئیاں لگائی جاتی ہیں۔“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”میں کہنا چاہتا ہوں کہ رنگ روپ بھی اس نے غضب کا پایا ہے۔“

”تمہاری یہ عادت بعض اوقات بڑا ستم ڈھاتی ہے‘ تم اشاروں میں باتیں کرتے ہو۔ کوئی بات کھل کر نہیں کہتے۔ بہرحال میں سمجھ رہا ہوں کہ تمہارا کیا مقصد ہے۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ پریت کے سلسلے میں تم اتنے متجسس کیوں ہو ؟“

BUNNY.03004105209

اس وقت میں اسے کچھ بتانے پر آمادہ نہیں تھا اور اس سے جھوٹ بھی نہیں بول سکتا تھا۔ چنانچہ ادھر ادھر کی باتیں کرکے اسے ٹالتا رہا مگر مشکل یہ تھی کہ میں جس قدر پہلو تہی کر رہا تھا اس کا تجسس اتنا ہی بڑھ رہا تھا۔ مجھے ایک اندیشہ تھا کہ پریت اس کی بہن ہے‘ سوتیلی سہی۔ اس کے لئے اس کے دل میں کوئی گوشہ ضرور ہوگا۔ شاید میں نے یہ گنجائش ختم کرنے ہی کے لئے پریت کی بات اس سے چھیڑی تھی۔ پارو بھی میری طرح مضطرب تھی۔ وہ دنیش کو آواز دیتی ہوئی اندر آ گئی۔ ہم دونوں کے ہونٹوں کو بریک لگ گئے۔ دنیش کو پارو کی آمد بری لگی مگر اس وقت پارو نے میری مشکل حل کر دی تھی۔ ہم تینوں سراسیمہ تھے۔ دنیش کے دل و دماغ میں پریت کے بارے میں جاننے کا اضطراب تھا۔

”تم انیتا سے ملے دنیش ؟“ پارو نے ذہانت کا ثبوت دیا۔

”ہاں !“ وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔ ”تندرست ہو کے آئی ہے۔“

”میرا خیال ہے‘ وہ تمہارے لئے بالکل موزوں ہے‘ کیا خیال ہے‘ کچھ ذکر چھیڑا جائے ؟“ پارو نے شگفتہ ہونے کی کوشش کی۔ اس کے تیز حواس نے جان لیا تھا کہ میرے اور دنیش کے درمیان کسی سنجیدہ موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔

”ارے نہیں۔“ دنیش مسکرا پڑا۔ ”میں نے اس سلسلے میں بالکل نہیں سوچا۔ ایسی حالت میں جب ریاست میں نئے نئے فتنے اٹھ رہے ہوں‘ میں اپنی ذات کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”بہرحال تم میری بات پر غور کرنا۔“ پارو نے خوش اسلوبی سے دنیش کو مشورہ دیا کہ وہ اس تازہ وارد لڑکی پر ادھر ادھر کی ڈھول بجنے سے پہلے اپنی مہر کندہ کر دے۔

aazzamm@yahoo.com

اسے دیکھ کے خود میرے دل میں بھی یہ خیال آیا تھا۔

"ضرور۔ خاصی معقول تجویز ہے۔" دنیش نے سوچتے ہوئے کہا۔ "کیوں موہن ! تمہارا کیا خیال ہے ؟" دنیش نے پارو کے سامنے کبھی مجھ سے ایسی بے تکلفی کا اظہار نہیں کیا تھا مگر وہ بھی اڑتی ہوئی چڑیا پہچان لیتا تھا۔

"میری رائے کیا۔" میں نے اٹکتے اٹکتے کہا۔ "پہلے اچھی طرح پرکھنا ضرور چاہیے۔ آپ کو راج کماری انیتا کے ساتھ پہلے کچھ دن گزارنے چاہئیں۔"

"موہن ٹھیک کہتا ہے۔" پارو نے کہا۔ "ایسی کسی کوشش میں کوئی حرج نہیں۔ ممکن ہے' ریاست کے لئے یہ لڑکی اچھا شگون ثابت ہو۔"

پارو جو بات کہنا چاہتی تھی' اس کی تشریح کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے سوچا یہ حجابات ختم کردوں۔ دنیش سے پارو کا مکمل تعارف کرا دوں' لیکن پارو نے دنیش کے ریکارڈ ٹٹولنے شروع کردیے تھے۔ "یہ مجھے ادھار دے دو۔" اس نے ان میں سے ایک منتخب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ واپس نہیں کرتی ہیں۔" دنیش مصنوعی تلخی سے بولا۔

"موہن بطور گواہ موجود ہے۔" پارو نے میری جانب اشارہ کیا۔

"موہن مشکوک گواہ ہے۔" دنیش کے اس لہجے کو شیر خوار طفل بھی پہچان سکتا تھا کہ اس کے اور میرے درمیان کیسا ربط ہے۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی جیسے میرے دل کے بٹن پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا۔ پارو نے بے اختیار میری طرف دیکھا اور میں نے اس کی طرف اس نے ریسور اٹھا کے دنیش کے حوالے کردیا۔ وہ شاہانہ ناگواری سے گفتگو کے لیے آمادہ ہوا مگر دوسرے ہی لمحے اس کے تیور بدل گئے۔ "اوہ یور آنریبل لیڈی۔" اس نے بے ساختہ کہا اور مجھے آنکھ کا اشارہ کیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ ریتا کا فون ہے۔ کم بخت پارو کے سامنے ہی آنا رہ گیا تھا۔ "آپ کیسی ہیں ؟" دنیش انگریزی میں پوچھ رہا تھا۔ کرنل صاحب کیسے ہیں ؟ آپ کہاں آئیں گی۔ آیئے تو آپ کو اپنا ہاتھی خانہ دکھائیں۔ بہت بڑے بڑے ہاتھی ہیں۔ پھر ادھر دلی سے ایک بہترین مغنیہ آئی ہوئی ہے۔ اس کا گلا ہی ساز ہے آپ انگریزی موسیقی بھول جائیں گی۔ ہمارا خیال ہے' کچھ دن کے لئے آپ ہمارے ہاں مستقل مہمان بن کے آجایئے۔ پروفیسر ۔ ہاں پروفیسر۔" دنیش کو اچانک یہ خیال آیا کہ پارو بھی یہ گفتگو سن رہی ہے۔" آپ آئیں گے تو اس سے بھی ملائیں گے۔

جھوٹ نہیں۔ پہلے آپ آنے کا وعدہ کیجئے۔ ہم آپ کو چونکا دیں گے۔"

دنیش فون پر مصروف تھا۔ پارو نے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا اور چپکے سے بولی۔ "سب ٹھیک تو ہے؟"

"ابھی تک تو حالات بدستور ہیں۔" میں نے آہستگی سے جواب دیا۔

"میں یہ ریکارڈ لئے جا رہی ہوں۔ رات کو تمہیں میری اور مجھے تمہاری ضرورت پڑے گی۔ بھولنا نہیں' آنا ہے۔"

میری ساعت فون پر مرکوز تھی۔ میں نے ہکلا کے کہا۔ "ہاں' ضرور آؤں گا۔" اس اثناء میں دنیش اپنی بات ختم کرچکا تھا۔ پارو کے استفسار سے پہلے ہی اس نے بتایا۔

"کرنل کی بیٹی کا فون تھا۔" وہ سرد مہری سے بولا۔

"کیا کہہ رہی تھی؟" پارو نے تجسس سے پوچھا۔

"یہاں آنا چاہتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے ہندوستانی کسی میوزیم میں رہتے ہیں۔ پنجروں میں بند' انگریز دو ہاتھ پاؤں کے ان جانوروں کو بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہیں۔"

"یہ ان کے لئے ایک تجربہ گاہ ہے۔ بندروں کے بجائے چلتے پھرتے انسان مل جاتے ہیں۔" پارو کی زبانی یہ سن کے دنیش کے چہرے پر تعجب کے آثار نمودار ہوئے۔

میں خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ میرا ذہن تھوڑی دیر پہلے پارو کی آمد سے کچھ پرسکون ہوگیا تھا مگر ریتا کے فون سے پھر متزلزل ہوگیا۔ میری دیوار پھر سے ہلنے لگی۔ ریتا آرہی ہے۔ وہی صورت ہے۔ کل دنیش کس انداز میں مجھے اس کے روبرو پیش کرے گا ؟

دنیش نے کہنے کو تو کہہ دیا تھا مگر وہ بھی یہی سوچ رہا تھا۔ میں نے ریتا سے تین چار دن کی مہلت مانگ لی تھی۔ یہ تین چار دن آج نہیں کل ختم ہو جاتے' پرسوں ختم ہو جاتے۔ پروفیسر زاہدی کو ہمیشہ کے لئے ختم بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بات آگے بڑھ گئی تھی۔ پارو نے بھی پروفیسر کا تذکرہ سنا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ پروفیسر کون شخص ہے۔ اس کے سامنے کرنل ہارڈنگ کی لڑکی کا بطور خاص پروفیسر کو پوچھنا اور دنیش کا جھجکنا' مبہم انداز میں جواب دینا۔ ذہین پارو کے لئے سوچنے کا بہت سا سامان فراہم

aazzamm@yahoo.com

ہوگیا تھا۔ میری حیثیت اس کی نظر میں کچھ زیادہ پراسرار ہو رہی تھی۔ اعتماد کے قیام کے لئے اجلا ذہن اور صاف ہوا لازم ہے۔ اس نے ایسا کوئی تاثر نہیں دیا۔ کچھ اس طرح کا اظہار کیا جیسے اس نے ریتا اور دنیش کی گفتگو پر توجہ نہیں دی ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ رات کو جب میں اس کے شبستاں میں جاؤں گا تو وہ مجھ سے کیسا فساد کرے گی۔

پارو سے زیادہ اصل معاملہ ریتا کا تھا۔ میں اس کا فون آنے سے پہلے یہ ارادہ کر رہا تھا کہ دنیش سے اصرار کر کے اپنا حلیہ تبدیل کر لوں لیکن اس وقت دنیش سے یہ کہنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ پریت کے ذکر سے ویسے ہی تشویش میں پڑگیا تھا۔ اس پر یہ مطالبہ مستزاد ہوتا۔ احتیاط کا تقاضا تھا کہ کرنل سے ربط ضبط بڑھایا جائے' اس کی خدمت میں جا کے دل نشیں باتیں کی جائیں اس کی مروت کو فروغ دیا جائے۔ دوسری طرف احتیاط کا تقاضا یہ بھی تھا کہ کرنل سے اس وقت ملنے سے گریز کیا جائے۔ اعلیٰ انگریز ڈاکٹر آسانی سے میجر رابرٹ کی لاش کا معائنہ کر کے قتل کے وقت کا تعین کرلیں گے اور کرنل بعد میں سوچے گا کہ اسی شام پروفیسر زاہدی اس کے پاس آیا تھا۔ اس نے عجب عجب باتیں کی تھیں۔ ایسے نازک وقت میں کرنل سے تعلق کی تجدید میں منفعت بھی تھی اور نقصان کا اندیشہ بھی تھا مگر اب کل ریتا آ رہی تھی اور کچھ اندازہ نہیں تھا کہ چھاؤنی کے حالات کون سا رخ اختیار کرلیں اور ہائی کمان غلاموں کی اس دیدہ دلیری پر کتنی مشتعل ہو جائے۔ یہ کسی پرشوتم' مہیش چندر' پرکاش چندر' کنور پردیپ اور بینا رانی کا خون نہیں تھا۔ انگریز کا معاملہ تھا۔

پارو لچکتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تو میں نے کسی تاخیر کے بغیر دنیش سے کہا کہ وہ فی الفور مجھے پروفیسر زاہدی کے روپ میں تبدیل کردے۔ جیسا کہ مجھے توقع تھی۔ اس کا چہرہ گمبھیر ہوگیا۔ وہ جھنجلا سا گیا۔ ''تم نے اچانک یہ فیصلہ کیوں کرلیا؟''

''میں اس غلطی کی تلافی کرنا چاہتا ہوں جو پروفیسر زاہدی کا روپ بھر کے مجھ سے اور آپ سے ہوگئی تھی۔ دوسری بار یہ غلطی اس وقت ہوئی جب دوبارہ پروفیسر کرنل سے ملنے چھاؤنی گیا تھا۔''

''مگر تم کس طرح اس کی تلافی کرو گے؟''

''آپ مجھے جانے کی اجازت دے دیجئے' میں کسی طور حالات سے نمٹنے کی کوشش کروں گا۔ ذرا سوچئے' کل ریتا کے آنے کے بعد پھر یہ مسئلہ پیش آئے گا کہ

اسے اپنا چہرہ کس حیثیت میں دکھاؤں۔''

''تو کیا تم موہن داس' ایک ملازم کی حیثیت میں اس کے سامنے آؤ گے؟ ن کے لوگوں کے لئے یہ ایک پرلطف تماشا ہوگا۔ ٹھیک ہے' ٹھیک ہے موہن! جو چاہتا ہوں' اب تم بھی اسی کی تائید کر رہے ہو۔''

''یہ ایک پیچیدہ صورت ہے مگر اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالنا ہوگا۔ اسی میں نے کرنل کے ہاں جانے کا ارادہ کیا ہے۔ میں کرنل اور ریتا کا وزن کر کے قسمت اور قیمت متعین کروں گا۔''

''میں پوری طرح غور کئے بغیر تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' اس مستحکم لہجے میں کہا۔

''ہر کام مشکل ہوتا ہے' اگر زندگی کی خواہش شدید ہو۔''

''اور زندگی سے زیادہ کوئی خواہش شدید نہیں ہوتی۔ تم خود غرضی کی بات تے ہو' تمہاری زندگی سے کچھ اور لوگ بھی وابستہ ہیں۔''

''آپ ایسی باتیں کر کے خود میری ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں۔ میں کہاں رہ سکتا ہوں۔ میں خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ہیے باہر چلیے' اس سے پہلے کہ پھر کوئی حارج ہو جائے' اپنے کمرے میں چل کے صورت بدل دیجئے۔''

''شام کا وقت ہے' تم یہاں سے کیسے جاؤ گے؟ اندھیرا ہو جانے دو۔''

''میں کرنل کو فون کرنا چاہتا ہوں کہ وہ میرے بغیر ڈنر نہ لے۔''

''تم کتنی دیر وہاں ٹھہرو گے؟'' وہ تشویش سے بولا۔ ''کیوں نہ میں بھی ارے ساتھ چلوں؟''

''اس بار نہیں۔'' میں نے بے لچک آواز میں انکار کر دیا اور فون اٹھا کے کا نمبر ملایا۔ دنیش شش و پنج سے میری صورت دیکھتا رہا۔ یہ کرنل کا ڈائریکٹ نمبر تھا۔ میں نے چھاؤنی کے عام نمبر پر اس کے سیکرٹری سے رابطہ قائم کیا اور کہا رنل سے کہو کہ پروفیسر آج رات اس کے ہاں مدعو ہے۔''

سیکرٹری نے چند لمحوں بعد ادب سے جواب دیا۔ ''کرنل آپ کے منتظر ہوں ''خوش قسمتی سے آج خود کرنل کہیں مدعو نہیں تھا۔ اس مختصر نامہ و پیام کا مقصد اس سوا کچھ نہیں تھا کہ کرنل رات کے وقت مجھے تنہا ملاقات کا شرف بخشے۔

aazzamm@yahoo.com

شام کے پانچ بج رہے تھے۔ اندھیرا ہونے میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے۔ دنیش ابھی تک متذبذب تھا۔ ہم ملاقاتی کمرے میں آگئے تھے یہاں آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ اس ہجوم میں بھیس بدل کے باہر نکلنا خاصا مشکل تھا۔ سات بجے کے قریب دنیش بے دلی سے اٹھا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ دنیش نے کمرا بند کرکے حسب معمول میرا حلیہ تبدیل کر دیا اور میرے کوٹ کی اندرونی جیب میں ایک پستول بھی رکھ دیا اور نوٹ بھی ڈال دیے۔ تجوری سے ہیرے کی ایک انگوٹھی بھی نکال کے میرے سپرد کی تاکہ میں اسے ریتا کی انگلی میں اتار دوں۔ ''اب تم کیسے جاؤ گے؟ راہداری میں خاصی چہل پہل ہوگئی ہے۔ فرض کرو اگر کسی نے پہچان لیا؟'' وہ بگڑتے ہوئے بولا۔

''آپ فون کرکے گاڑی دروازے کے قریب منگوا لیجئے اور کسی خوف کے بغیر مجھے گاڑی تک رخصت کرکے آیئے۔''

''اور ڈرائیور؟''

''ڈرائیور کی فکر مت کیجئے' میں کوشش کروں گا کہ خود گاڑی چلا کے لے جاؤں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''تم؟'' وہ حیرت سے بولا۔ ''تم تو گاڑی چلانا نہیں جانتے۔''

''نہیں جانتا تھا۔ میں نے رقص آپ سے سیکھا اور گاڑی چلانا کسی اور نے سیکھ لیا ہے اور بہت مختصر وقت میں سیکھا ہے۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔'' وہ وحشت میں بولا۔

''اب دیر نہ کیجئے' اٹھیے۔'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ وہ خاصا حیرت زدہ تھا۔ راہ داری میں آتے ہی اس نے مجھ سے انگریزی میں باتیں شروع کر دیں۔ میں سرہلاتا اور مسکراتا رہا۔ ایک بڑا سگار میرے ہونٹوں سے لگا ہوا تھا۔ راہ داری میں اکا دکا ملازم تھے۔ مجھے اور دنیش کو دیکھ کے انہوں نے سلام کیا اور نظریں جھکالیں۔ دربانوں کے لئے یہ بڑی انہونی بات تھی۔ اس نے اس داڑھی والے سرخ و سفید شخص کو اندر آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ہم تیزی سے گزرے' دنیش انہیں مختلف احکام دے کر مصروف کرتا رہا اور مجھ سے باتیں کرتا ہوا گاڑی تک آ گیا۔ مجھے دیکھ کے گاڑی کے پاس کھڑے ہوئے ڈرائیور کے چہرے کے نقوش بدلے ہی تھے کہ دنیش نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہاں سے ہٹا دیا اور خود بڑھ کے دروازہ کھولا۔ میں اسٹیرنگ پر

گیا۔ ایک نظر آلات کا جائزہ لے کے میں نے چابی گھما دی۔ انجن گھرر گھرر بولا۔ میں نے کمال تحمل کا مظاہرہ کیا۔ ذرا سی ناپختگی ثابت ہو جاتی تو دنیش مجھے گاڑی میں تنہا بھیجنے کا فیصلہ بدل دیتا۔ اتفاق سے گاڑی نے کوئی جھٹکا نہیں لیا۔ کلچ صحیح طور پر دبا' گیئر بروقت پڑا اور میں نے نفاست سے ایکسی لیٹر پر دباؤ ڈالا۔ صدر دروازے پر تعینات دربانوں نے گاڑی کی جھلک دیکھ کے دروازہ کھول دیا۔ انہیں اپنی مستعدی پر ناز بھی ہوئی ہوگی۔ جب گاڑی میں راج کمار کے بجائے داڑھی والا کوئی جغادری بیٹھا نظر آیا ہوگا۔ اتنا اندھیرا ضرور پھیل چکا تھا کہ میں اپنا چہرہ آزادی کے ساتھ اوپر اٹھا سکوں۔ ابھی میں نے گاڑی صدر دروازے سے نکالی ہی تھی کہ سامنے سے ایک دوسری گاڑی ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ غلطی میری ہی تھی۔ میں نے اپنی سائیڈ کا خیال نہیں کیا تھا۔ اس افراتفری میں ایک جھٹکے سے میری گاڑی بند ہوگئی۔ مجھے پسینہ آ گیا۔ سامنے والی گاڑی تیز لائٹ میں نظر ہی نہیں آئی تھی۔ میں نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ تیزی سے مخالف گاڑی میری اسٹیرنگ والی کھڑکی کے پاس آکے رک گئی۔ اس میں ہری مرچ تھی' پریت۔ میرے سارے جسم میں مرچیں سی لگ گئیں۔ میں نے غیر ارادی طور پر اپنا چہرہ اس سے چھپانا چاہا۔ وہ حیرت سے مجھے گھورنے لگی تھی۔ بڑھتی ہوئی سیاہی نے اس وقت بڑا ساتھ دیا۔ اندھیرا اجالے سے زیادہ مخلص ہوتا ہے۔ ''مے آئی ہیلپ یو' از دیئر اینی ٹربل۔'' اس نے اپنی کھڑکی سے چہرہ نکال کے کہا۔

''تھینکس' آئی ایم ساری' آئی کڈنٹ ایڈجسٹ مائی مائنڈ فار ڈرائیونگ' آئی واز آف کورس' اسٹل ان پرکاش بھون' دی مسٹریس ڈریم لینڈ۔ میں نے ہنستے ہوئے اسے چیئر کیا۔ تھینکس۔'' وہ جواب میں کچھ کہتے کہتے رہ گئی۔ میں نے گاڑی بڑھا لی تھی۔ تھانیدار سامنے آ گیا تھا۔ بڑی مشکل سے گلوخلاصی ہوئی۔ میں نے اپنے حواس پر لعنت بھیجی۔ نئی گاڑی تھی اور میں مبتدی تھا۔ چوک کے راستے جانے کے بجائے میں نے ایک طویل اور صاف ستھرا راستہ اختیار کیا۔ مجھے رات کے وقت ڈرائیونگ کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ برکھا کے چھوٹے چھوٹے قطرے اسکرین پر ستاروں کے مانند جھلملانے لگے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وائپر متحرک کرنے والا پرزہ کون سا ہے۔ ایک جگہ ٹھہر کے میں نے رومال سے اسکرین کا پسینہ صاف کیا۔ باہر بھی پھوار پڑ رہی تھی۔ اور اندر بھی پھوار تھی۔ میرے جسم پر پسینے کی پھوار پڑ رہی تھی۔ کاش میں دنیش چندر کی یہ نازک مزاج گاڑی لے کے نہ آیا ہوتا۔ سامنے سے جب تیز لائٹ

aazzamm@yahoo.com

میں کوئی گاڑی نظر آتی تو میں اپنی رفتار بہت کم کر لیتا۔ اور وہ مرحلہ بخیریت گزر جاتا تو سمجھتا کہ ایک پل گزر گیا۔ میں ڈرائیونگ کے ایک درجے میں اور پاس ہوگیا۔ چار دن کی مشق کے بعد یہ طوفانی وزنی گاڑی لے کے نکل آنا اس بات کی دلیل تھی کہ میری عمر ابھی خاصی کم ہے۔ کبھی کبھی آدمی خود پر بھی غصے ہو جاتا ہے' خود کو بھی لعن طعن کرتا ہے۔ جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ زندگی کے ملک کے کامیاب باشندے نہیں ہوسکتے۔ یہ مقولہ ہر آدمی کی زبان پر رہتا ہے کہ غلطی انسان سے ہوتی ہے مگر کون ہے جو اپنی کوتاہی تسلیم کرتا ہے۔ میں واپس بھی نہیں جا سکتا تھا۔ آگے جا کے اونچے نیچے پہاڑی سلسلے شروع ہوگئے تھے۔ سڑک اترا کے' اٹھلا کے پہاڑ کاٹتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ جھینگروں نے راگ الاپنا اور مینڈکوں نے سنگت دینا شروع کردی تھی۔ رات کا وقت تھا مگر کہیں سے کوئی پپیہا بول اٹھتا تھا۔ برکھا رت تھی۔ میں وائپر کے بٹن کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ گاڑی کی رفتار معتدل تھی۔ لیکن میرے دل کی رفتار بہت تیز تھی۔ پسینے نے داڑھی کے بال بھگو دیے تھے۔ میں ہندوستان سے انگلستان کی طرف جا رہا تھا۔ جیسے تیسے رکتا' ڈگمگاتا' موڑ کاٹتا' ہارن بجاتا' بہت احتیاط سے گاڑی چلا رہا تھا۔ مجھ سے زیادہ قیمتی یہ گاڑی تھی۔ ہزاروں روپے کی۔

اس وقت میجر رابرٹ کے ماتحتوں میں اطلاع کے بغیر اس کی عدم موجودگی سے تشویش ہونے لگی ہوگی۔ مگر ایسی بھی نہیں اور ادھر رابرٹ آرام سے پڑا ہوگا۔ دنیا کے جھگڑوں سے آزاد' ممکن ہے کسی جنگلی جانور کی نظر پڑگئی ہو۔ انگریز کا گوشت کہاں نصیب ہوتا ہے۔ چھاؤنی قریب آرہی تھی اور میں اپنے ذہن کے کل پرزے درست کر رہا تھا۔ اپنی زبان کو ہدایت دے رہا تھا کہ وہ قابو میں رہے۔ اپنے دل سے درخواست کر رہا تھا کہ جہاں اتنی بار ساتھ دیا ہے' وہاں ایک بار اور دوستی نبھا دے۔ اوپر کی ایک جگہ سے چھاؤنی کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ قطار در قطار انگریز کے اقبال کے ستارے جگ مگا رہے تھے۔ گیٹ پر میں نے گاڑی روک لی۔ اندر جانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہر شخص سلام کرنے کے لئے بے تاب تھا۔ ایک تو کرنل نے پہلے سے اطلاع دے دی ہوگی' دوسرا کرشمہ گاڑی کا تھا۔ لوہے کا یہ چلتا پھرتا دیو دیکھ کر سر خود بخود جھک جاتا ہے۔

میں نے کرنل کے پورچ میں ٹھیر کے دم لیا۔ کرنل کی کوٹھی پر خوابیدگی طاری تھی۔ سبزے کی ایک دل نواز خوشبو ہر سمت چھائی ہوئی تھی۔ جیسا کہ میرا اندازہ تھا

روازے پر حسب سابق وہی پری چہرہ کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا' رخسار گل از تھے' آنکھوں میں نیلی آگ روشن تھی' بدن پھڑک رہا تھا۔" اوہ پروفیسر ! تم نے نے میں خاصی دیر لگا دی۔" وہ والہانہ انداز میں بولی۔

میں نے اسی وارفتگی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ "ریتا !" میری ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔ "یو آر سو بیوٹی فل !"

وہ اس اچانک وار پر ہندوستانی لڑکیوں کی طرح تیورا گئی۔ راستے میں میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس بار ٹوٹی پھوٹی انگریزی کے بجائے کسی قدر زیادہ استعداد کا مظاہرہ کروں گا۔ میں بہت کچھ سوچ کے آیا تھا۔ آج اپنے قد' وزن اور چہرے کی آزمائش تھی۔ اس جسم کے اندر جو چیزیں موجود تھیں' ان کا امتحان تھا۔ میں اپنی نفی یا اپنا اثبات کرنے آیا تھا۔ یہ حاکموں کا علاقہ تھا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ انگریز نے ہندوستان کی آنکھیں خیرہ کردی تھیں اور دماغ اپنی حکمت عملی کے جیل خانے میں قید کر لیا تھا۔ ان کی ایک شان تھی' آن بان تھی۔ میں توپ کے دہانے میں داخل ہوگیا تھا۔

اگر میں ریتا سے رواں انگریزی میں بات چیت شروع کر دیتا تو وہ بہت سے مرحلے طے ہو جاتے' یہ کوئی مذاق نہیں تھا۔ ریتا ایک حاکم کی لڑکی تھی مگر اس کے سوا بھی اسے خراج پیش کیا جاسکتا تھا کیوں کہ اس کے بدن سے سبک سر ہوائیں چلتی تھیں۔ وہ تاروں بھری رات تھی۔ وہ صبح تھی' بنارس کی صبح سے زیادہ دل کش صبح۔ وہ ایک مرغ زار تھی۔ کوئی لال سی چڑیا چہچہاتی' پھدکتی ہوئی۔ وہ ایک سرتاپا حسین لڑکی تھی پہلے میں نے یہ اندازہ کیا کہ اب اس کے شوق کا کیا عالم ہے۔ پھر میں نے اپنے شوق کی چنگاری کو ہوا دی۔ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ریتا کے نرم و نازک بدن سے اٹھنے والی معطر ہواؤں نے خود ہی شعلے بھڑکا دیے تھے۔ میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو اس کا یہی حال ہوتا۔ اس کی آنکھوں میں نشے کے ڈورے پڑجاتے۔ اس کے جسم پر سانپ سرسرانے لگتے۔ "میں آ گیا ہوں۔" میں نے شکستہ انگریزی میں کسی طرح اپنا مطلب ادا کیا۔ ویسے میں مجسم اظہار تھا۔ لفظوں نے اور آسانی پیدا کردی۔

"اوہ !" اس کے رخساروں کی پھل جھڑیاں چھوٹیں۔ "پروفیسر تم بہت ......"

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اب میں خود کو تمہارے سپرد کرنے آیا ہوں۔" میں نے بمشکل تمام کہا اور اس کا بازو گرم جوشی سے پکڑلیا۔

"کہاں ......" وہ خوابیدہ لہجے میں بولی۔ "تمہارا سراغ ہی نہیں ملتا۔"

aazzamm@yahoo.com

"میرا سراغ۔" میں نے کرب سے کہا۔ "مجھے اپنا پتہ خود نہیں معلوم بہرحال آج میں تم سے بہت سی باتیں کرنے آیا ہوں' کیا تم انہیں سننا پسند کرو گی۔"

اس نے میری مسمار انگریزی سے سارا مفہوم سمجھ لیا۔ کیونکہ انگریزی لفظوں کا تو صرف قالب تھا۔ میں اس سے بین الاقوامی زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔ "کیا تم سنانا پسند کرو گے؟" اس نے تیکھے پن سے کہا۔

"تم سے جدا ہو کے میں چار دن اپنے آپ سے بے خبر رہا۔"

"کیوں۔؟" وہ ناز سے بولی۔

"پتہ نہیں کیوں۔ مگر اس کی کوئی وجہ ضرور ہوگی۔" میں نے اس کی نیلی آنکھوں میں آنکھیں پیوست کرتے ہوئے کہا۔ اس پر دلہن جیسی شرم چھا گئی۔ انگلستان شرما رہا تھا۔ سرخ رنگ شرمانے لگے تو کیسا بھبوکا ہو جاتا ہے۔ مجھے یہ منظر ایسا دل کش لگا کہ مدہوشی سے ہوگئی۔ "آؤ' اندر آؤ۔" میں نے اس کی کمر پر اپنا مضطرب ہاتھ پھیلا دیا۔ میرا ہاتھ سنسنانے لگا۔ اس کے ریشمی اسکرٹ پر کوئی بچھو بیٹھا تھا۔ جس نے ڈنک مار دیا۔ وہ مجھے ایک خواب ناک کمرے میں لے آئی۔ "کرنل کہاں ہیں؟" میں نے چاروں طرف نظریں گھماتے ہوئے دریافت کیا۔

"تم کس کے پاس آئے ہو؟" اس نے شکایت کے لہجے میں پوچھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو؟" میں نے شوخی سے پوچھا۔ وہ جواب دیتے ہوئے ہچکچانے لگی۔ میں نے کہا۔ "تمہارے مکان تک آنے کے لئے کرنل کے دروازے سے گزرنا پڑتا ہے۔"

"ڈیڈی تمہیں یاد کر رہے تھے۔" اس نے نیچی نگاہوں سے کہا۔

"میں جانتا ہوں مگر میں بہت ڈرتا ہوں۔ کرنل اس انگریز چھاؤنی کے حاکم ہیں۔ وہ ہندوستانیوں اور ان کے دوستوں کے بارے میں ہمیشہ مشکوک رہتے ہوں گے۔" میں نے اپنا مفہوم منتقل کرنے کے لئے کچھ زیادہ ہی سلیس انگریزی شروع کر دی تھی۔ "پتہ نہیں' کرنل میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟"

"ڈیڈی تمہارے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے ہیں' وہ تمہیں ایک ذہین اور جرات مند شخص کہتے ہیں مگر ان کا خیال ہے کہ تم ایک پراسرار شخص ہو اور اصل میں وہ نہیں ہو جو نظر آتے ہو۔"

"اور تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

وہ مسکرانے لگی۔ "مجھے تمہاری یہ پراسراریت ہی تو زیادہ پسند ہے۔"

"آؤ میرے پاس آؤ۔" میں نے اسے سامنے کے صوفے سے اٹھایا اور اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ میرے ہونٹوں کی تپش اس نے محسوس کر لی ہوگی۔ "ریتا" میں نے خواب ناک آواز میں کہا۔ "تم انگلستان سے کیوں آ گئیں؟" میں نے اسے دونوں بازوں سے پکڑ کے جھنجھوڑ دیا۔ "بتاؤ۔ تم کیوں آ گئیں؟" مجھے اس کی فکر نہیں تھی کہ میری انگریزی چار پانچ روز کے وقفے میں حیرت انگیز طور پر اتنی رواں کیوں ہوگئی ہے۔ اس نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اس کے لب لرزنے لگے۔ یقیناً اس نے میرے متعلق بہت سوچا ہوگا۔ اس کے سارے بدن میں لرزش تھی۔ آخر اس نے میرے شانے پر سر رکھ دیا۔

میرے دل میں کوئی نقص نہیں تھا' ایسے عالم میں آدمی جھوٹا نہیں ہوتا۔ جو جھوٹا ہوتا ہے' وہ ایسے عالم میں نہیں ہوتا' میرے شانے پر انگلستانی سر رکھا تھا۔ یہ افتخار اور فتح مندی کی بات نہیں تھی' یہ بات تو کچھ اور تھی۔ کرنل اندر کمرے میں میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں نے اس کا رات کا کھانا اپنی آمد سے التوا میں ڈال دیا تھا۔ سو میں نے ریتا کو سنبھالا۔ "آؤ۔ کرنل کے پاس چلتے ہیں' ڈنر کے بعد تمہی کوئی صورت نکالنا کہ تم سے تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع مل جائے۔"

اس نے گردن جھکائی' وہ بڑی سرشار نظر آتی تھی۔ اس میں بجلی کی سی تیزی آ گئی تھی' ہم دونوں کرنل کے کمرے میں آ گئے۔ کرنل کے چہرے پر وہی نرم اور سبک مسکراہٹ تھی جس سے بعض اوقات خوف آنے لگتا ہے۔ وہ مجھے سونے کے پستول کے مانند محسوس ہوا۔ "آہا پروفیسر زاہدی! کہیے آپ نے آج ہمیں کیسے یاد کر لیا؟"

"جناب کرنل! مجھے افسوس ہے' آنے میں خاصی دیر ہوگئی۔ تمام راستے مجھے یہ خیال ستاتا رہا کہ انگریزوں کو ایک چیز سے شدید نفرت ہے' وقت کی بے حرمتی سے۔" میں نے پرجوش انداز میں کہا۔ میرے اطوار میں ایسا تپاک تھا جو سفیروں اور سیکریٹریوں میں ہوتا ہے یا محکوموں میں ہوتا ہے۔

"ہندوستان میں رہتے رہتے انگریزوں کی عادتیں بھی خراب ہوگئیں ہیں' یقین کرو پروفیسر! جب کوئی ہندوستانی مجھے وقت دیتا ہے تو میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم و اضافہ کر لیتا ہوں۔" کرنل نے خوش دلی سے کہا۔

"صرف ایک نہیں' انگریزوں نے ہندوستانیوں کی بہت سی کمزوریاں پکڑ لی

aazzamm@yahoo.com

ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کرنل! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں میری باتیں طعن وطنز پر محمول نہ کیجئے گا۔ میں ازراہ تفنن بھی بہت سی باتیں کہہ دیتا ہوں۔"

"میں انہیں تفنن بھی نہیں سمجھتا' اس میں ہندوستانیوں کی فکر کی عکاسی ہوتی ہے اور اسی لئے آپ مجھے پسند ہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ ہندوستانی کس انداز سے سوچتے ہیں۔"

"اور مجھے آپ نے ان کا ترجمان سمجھ لیا ہے لیکن میں یہ سوچ کے یہاں نہیں آیا۔ کرنل آپ کی شخصیت میں بے پناہ ٹھہراؤ اور گداز ہے ایک نرمی اور شفقت' ایک بڑا پن ہے۔ میں آپ سے ملنے' آپ کو دیکھنے آتا ہوں۔ اور اگر میری آمد سے یا میرے سبب سے آپ کے لئے بھی سودمندی کا کوئی پہلو نکلتا ہے تو یہ میرے لئے بڑی مسرت کی بات ہوگی۔"

"ارے ارے' ہم نے تو ملتے ہی سود و زیاں کی باتیں شروع کر دیں۔" کرنل نے خوش خلقی سے کہا۔ "ڈنر سے پہلے آپ کیا پئیں گے؟ ریتا! پروفیسر سے پوچھو کہ یہ کیا پینا پسند کریں گے۔"

کرنل کے آگے برف کی قاشیں' صراحی اور کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے رات کی رانی کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس میں ہریالی کی مہک بھی شامل تھی' ادھر ریتا کے بدن کی خوشبو الگ تھی۔ کرنل کی قیمتی شراب کی بو سمیت خوشبوؤں کی ایک کاک ٹیل سارے کمرے میں بسی ہوئی تھی۔ "شراب۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "میں ازروئے اخلاق شراب پی لیتا ہوں اور انگریزوں کی شراب نوشی کی کثرت اس لئے معاف کر دیتا ہوں کہ وہ صنعتی انقلاب بھی لاتے ہیں' علم و حکمت کی باتیں بھی کرتے ہیں اور انہیں حکومت کرنا بھی آتا ہے۔ جنہیں حکومت کرنا آتا ہے' ان کے لئے شراب پینا جائز ہے۔"

کرنل نے ایک پیگ بنا کے مجھے دیا۔ "چیرس۔" اس نے اپنے جام سے میرا جام ٹکرا کے کہا۔ میں نے ریتا کی طرف دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔

مجھے اپنا دوست جارج یاد آ گیا' وہ خود کو جارج ششم کہتا تھا۔ اسے معلوم ہوتا تو وہ کتنی حیرت کرتا' میں اس وقت جارج ششم کے پاس بیٹھا تھا اور شراب کے دریا چھاؤنی میں بہتے تھے' وہ ایک ایک بوند کے لئے ترستا تھا۔ مجھ پر اس کے بہت سے قرض تھے' زندگی باقی رہی' حالات قابو میں رہے اور اس سے کبھی ملاقات ہوگئی' تو میں

سوچا تھا' حوض میں شراب بھر کے اسے ڈبو دوں گا۔ پہلا گھونٹ سینہ کاٹتا ہوا جسم میں پھیل ہوگیا۔ دوسرے نے حلق میں شعلے بھر دیے۔ وہ کوئی بہت سخت شراب تھی۔ پیتے پیتے اس کا عادی ہوگیا تھا۔ مجھے شراب سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ رسیلے پھلوں سے کشید کیے ہوئے رس میں جو نشہ ہوتا ہے' وہ شراب میں کہاں؟ کرنل کے صراحی میں شراب رکھی تھی اور میری نظریں ریتا پر تھیں۔ میری صراحی وہ تھی۔ اس شباب شراب بھری ہوئی تھی بلکہ چھلک رہی تھی۔ دو تین گھونٹوں نے اعصاب ...ے کا کام کیا۔ شراب ایک تھپکی ہے' لوری ہے' کھلونا ہے' جھنجھنا ہے' شراب ایک ...ش ہے۔ شراب ایک طوائف ہے' کھلی ہوئی آنکھوں کی نیند ہے۔ میں نے اور کرنل نے بڑی دلچسپ نوک جھونک کا آغاز کیا۔ میں اسے ادھر ادھر کے واقعات سنا کے محظوظ کرتا رہا۔ گفتگو کا کوئی ایک موضوع نہیں تھا' مجھے بہرصورت نفاست اور سلاست سے ...لے رہنا تھا تاکہ اسے میں اور یہ ساعتیں یاد آتی رہیں' مجھے احساس تھا کہ ان دنوں ہندوستان میں انگریز کیسی تنہائی محسوس کرتے ہوں گے۔ انہیں غم گساروں کی تلاش ہوتی ...ہے اور خصوصاً کرنل تو عمر کے اس حصے میں پہنچ گیا تھا جہاں بیٹھ کے دلچسپ باتیں ...نے اور سنانے کی خواہش ابھرتی ہے۔ کرنل جام پر جام لنڈھاتا رہا اور میں اس سے ...کہانیاں کرتا رہا اسے ہنساتا رہا۔ کوئی گیارہ بجے کے قریب ریتا نے ہمیں کھانے کی میز پر چلنے کی دعوت دی۔ کرنل کے قدموں میں کوئی ڈگمگاہٹ نہیں تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا مگر کوئی زاہد یہ فتوا صادر نہیں کر سکتا تھا کہ اس نے شراب پی ہے مجھے اس کی برداشت پر بڑی حیرت ہوئی۔ جب ہم اٹھنے لگے تو فون کی گھنٹی نے سب کو ...ب کر دیا۔ کرنل نے بے اعتنائی سے ریتا کو اشارہ کیا۔ اس نے فون اٹھایا دوسری ...ن سے مخاطب شخص کرنل ہی سے بات کرنے پر بضد تھا۔ کرنل نے ریسور ریتا کے ہاتھ سے لے کر منہ بنا کر ہیلو کہا۔ "کیا؟" وہ چونک پڑا۔" وہ کب سے نہیں ہے؟" ...اتھ ٹھنکا اور میری سماعت اپنی تمام توانائی سے اس کی طرف مرکوز ہوگئی۔ "بارہ بجے ...سے۔" کرنل کی آواز میں حیرت تھی۔" اس کے بعد سے کوئی اطلاع نہیں؟ "کچھ ...ن کے بعد اس نے سوال کیا۔" تم نے کہیں پوچھا؟"

بتانے والے نے بتایا ہوگا کہ تمام ممکنہ ٹھکانوں پر اسے پوچھا جا چکا ہے۔ ...اس کی آواز میں تعجب کا عنصر بڑھتا گیا۔ اس نے غیر ارادی طور پر میری اور ریتا کی ...طرف دیکھا۔ پھر بولا۔ "ابھی اس کا انتظار کرو وہ کسی رئیس کے ہاں موسیقی سن رہا ہوگا

aazzamm@yahoo.com

اور شراب پی رہا ہوگا۔ ممکن ہے' اس کی گاڑی خراب ہوگئی ہو' وہ آتا ہی ہوگا
کا انتظار کرو۔'' کرنل ۔ نے یہ کہہ کے فون رکھ دیا۔
''کیا بات ہے ڈیڈی؟'' ریتا نے تشویش سے پوچھا۔
''میجر رابرٹ ابھی تک چھاؤنی واپس نہیں آیا ہے۔''
''تو یہ کون سی اہم بات ہوئی۔'' ریتا نے سادگی سے کہا۔
''مگر اسے اطلاع ضرور دینی چاہیے تھی کہ وہ تاخیر سے آئے گا۔ اس کی
پریشان ہو رہی ہے۔ میجر ڈگلس کا فون تھا۔''
''میجر رابرٹ۔'' میں نے ہنس کر درمیان میں دخل دیا۔ ''وہ دلچسپ
ہے۔ وہ بہت زندہ دل ہے۔ یقیناً وہ راجے پور کے کسی رنگ محل میں ہوگا۔
ہندوستانی موسیقی کا چسکا پڑ گیا ہے' کہیں بیٹھ گیا ہوگا۔ کسی ہندوستانی دوشیزہ کے
باغ میں بیٹھا ہوگا۔ کئی دن ہوئے میں نے اسے پہاڑیوں میں دنیش کی ایک بہن
ساتھ مٹرگشت کرتے دیکھا تھا۔ وہ چھریری سی لڑکی۔ وہ پریت۔ ہاں وہی۔'' میں
ذہن پر زور دے کر کہا۔ ''ابھی وہ میرا ایکسی ڈنٹ کر دیتی۔ جیسے ہی میں نے
بھون کے صدر دروازے سے گاڑی نکالی۔ وہ سامنے آگئی۔ ذرا سی کسر رہ گئی
آیئے کرنل کھانا کھائیں' اب برداشت نہیں ہوتا۔'' کرنل پھر مسکرا پڑا۔ ہم تین
ایک بڑی آراستہ میز کے گرد بیٹھ گئے۔ سفید وردیوں اور پگڑیوں والے ہندوستانی
میں کھلبلی مچ گئی۔ میز پر مختلف کھانوں کا میلا لگا ہوا تھا۔ ''کیا آپ روز اتنا ہی
ہیں؟'' میں نے ان سے پوچھا۔
''اوہ نہیں۔ یہ سب آپ کے لئے ہے۔'' کرنل نے شگفتگی سے جواب
''سنا تھا' انگریز کھانے کی قسم سے زیادہ کھانے کے طریقے پر زور
ہیں۔ آج یہ قول غلط ثابت ہوا۔'' میں نے سفید نیپکن اپنے گھٹنوں پر پھیلاتے
کہا۔
''پروفیسر! تم کچھ دن ہمارے ہاں رہ کیوں نہیں جاتے؟'' ریتا نے
کے درمیان لقمہ دیا۔ ''ڈیڈی آپ ان سے کہیے کہ یہ مجھے ہندوستان دکھانے کی
کریں۔''
''آپ نے سنا پروفیسر! ریتا کیا کہہ رہی ہے۔'' کرنل مجھ سے مخاطب
''کچھ کچھ ۔ ریتا ہندوستان کے بارے میں کچھ کہہ رہی ہیں' کچھ

ستان کے بارے میں۔''
''اور میں کہتا ہوں ہندوستان سے زیادہ پراسرار آپ ہیں۔''
''آپ سچ کہتے ہیں' کبھی کبھی خود میں بھی یہی سوچتا ہوں لیکن آپ سے اور
ے میرے کچھ اور ہی رشتے قائم ہوگئے ہیں۔ اس لئے اعتبار رکھیے کہ میں آپ
یوں نہیں کروں گا۔''
کرنل نے مختصر لفظوں میں ترجمہ کر کے ریتا کو سنایا۔ وہ اٹھلا کر بولی۔ ''ڈیڈی
بھتی ہوں۔ ہمیں پروفیسر کے پیروں میں زنجیر ڈالنی پڑے گی' ورنہ میرا ہندوستان کا
وناکام ہو جائے گا۔ آپ دن بھر یہاں مصروف رہتے ہیں' پروفیسر وہ شخص ہے جس
مجھے تلاش تھی' آپ انہیں روک لیجئے ڈیڈی' ان سے کہیے کہ یہ اچانک غائب نہ ہو
کریں آپ ان سے درخواست کیجئے۔''
''ہاں ہم درخواست ہی کر سکتے ہیں۔ نہ معلوم پروفیسر کی کیا الجھنیں ہیں۔''
ل نے اپنی بیٹی کو سمجھایا۔
میں ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ پہلی ملاقات جیسی بے تکلفی کی فضا اب
ی تھی۔ اس عرصے میں کرنل نے میرے بارے میں اور معلومات فراہم کر لی ہوں گی
اسے یقیناً یہ عرفان ہوگیا ہوگا کہ دنیش کے سوا' پرکاش بھون میں پروفیسر زاہدی کی
یت سے کوئی واقف نہیں ہے۔ ''آپ کی درخواست سر آنکھوں پر کرنل!'' میں نے
د آواز میں کہا۔ ''آپ شاید الجھنوں کا ذکر کر رہے تھے' بلاشبہ بہت سی الجھنیں ہیں'
راہ راست میرا تعلق کسی واقعے سے نہیں ہے لیکن میں راج کمار دنیش کا بلاشرکت
ے دوست ہوں' آپ بہت سوجھ بوجھ کے آدمی ہیں کرنل! ایک باخبر اور اطلاعات
مسلح شخص کی حیثیت ہی سے آپ اپنی ذمے داری بحسن و خوبی انجام دے سکتے
میں جانتا ہوں کہ آپ کس قدر جانتے ہوں گے۔ آپ کی ٹھنڈک' نرمی' شفقت اور
پ کے تحمل نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے' آپ ہندوستان پر حکومت کرنے والے
گریزوں سے مختلف ہیں' آپ مجھے اودھ کے کوئی شخص معلوم ہوتے ہیں' دھیمے دھیمے
میٹھے میٹھے' میری کچھ الجھنیں ہیں۔ کچھ زیادہ ہی'' میں نے جھجک کر کہا۔ ''ہم ادھر
ادھر کی گفتگو کیوں کریں۔ راجے پور میں آئے دن جو واقعات رونما ہو رہے ہیں' آپ
ان کے اسباب سے خوب واقف ہیں۔ انگریز کے خلاف ایک ہندوستان گیر تحریک ہے
لیکن راجے پور میں ایسی کوئی متشدد تحریک نہیں ہے۔ راجے پور کے امرا جانتے ہیں کہ

aazzamm@yahoo.com

انگریز کے پاؤں ہندوستان کی زمین میں کس قدر اندر تک ہیں۔ صرف راجے پو
انگریزوں کے خلاف بہت بڑا فساد کرنے سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اس طرح
ہندوستان سے نہیں نکل جائیں گے' راجے پور کے رئیس اتنے بے وقوف نہیں ہیں
انگریزوں سے یہ دشمنی مول لیں۔ وہ تو دوستی چاہیں گے۔ ان کے وسیع تر مفادا
تحفظ دوستی ہی میں مضمر ہے۔ آپ کی دوستی کی تمنا میں لوگ کتنے مضطرب ہیں
آپ سے عشق کرنے کے لئے بے چین ہیں۔"

کرنل ہنسنے لگا۔ "پروفیسر آپ بہت نادر باتیں کر رہے ہیں۔ از را
سلسلہ جاری رکھیئے میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ اب راجے پور میں آپ سے قریب ہونے کی لڑا
رہی ہے۔ کون پہلے آپ کی نگاہ کرم اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیاب ہو
فیصلہ آپ پر اور آپ سے رفاقت کے دعوے داروں کی جدوجہد پر منحصر ہے۔ آ
اونچی نشست پر بیٹھے ہوئے اپنے مشتاقوں کا جلوہ کر رہے ہیں کہ آپ کس کے
میں ہار ڈالیں۔ آپ کی بڑی شان ہے کرنل ایسی صورت میں میری کیا مشکلیں ہو
ہیں اور کیا خواہشیں' آپ سمجھتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ انہیں وضاحت سے بیان
جائے۔ میں آپ سے ایک اور اہم بات کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے پہلے بھی اس
میں شدت سے اصرار کیا تھا' میں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ میرا درجہ
نظروں میں محترم رکھیے کیونکہ میں روایتوں پر یقین رکھتا ہوں۔ آپ کے ذہن
میری آمد کا کوئی مقصد متعین ہوگا۔ آپ نے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا ہے مگر میں
مختلف آدمی ہوں کرنل صاحب! مجھے آپ سے یہ تعلق بے حد عزیز ہے' میں ا
لوگوں کی تصویریں اپنے دل کے البم پر چپکا لیتا ہوں کیونکہ میں ایک دل بھی ر
ہوں۔ تمام انسان اپنی اغراض کے رشتے رکھتے ہیں۔ عالی جناب! لیکن زندگی صر
فولاد اور پتھر نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ غرض کے سوا بھی آ سکتے ہیں۔ کچھ لوگوں سے یو
ملنے اور باتیں کرنے کو طبیعت چاہ سکتی ہے' کچھ لوگ اچھے بھی لگ سکتے ہیں آپ
رہے ہیں کرنل کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

"میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں۔" اس نے مستعدی سے کہا۔

"نہ جانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی زبانی اپنے متعلق آپ کا
سنوں' میں آپ کی نظروں میں اپنا نرخ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں انگریز چھاؤنی میں

ہوں کرنل! یہ خیال رہے کہ میری جیب میں ایک پستول ہے میں بلند آواز سے گفتگو کرنے کی جسارت بھی کر رہا ہوں' ایسا شخص کون اور کیا ہو سکتا ہے' ہم بہت صاف صاف باتیں کر رہے ہیں' آپ نے عمر گزاری ہے جناب!" میں نے خوش گوار برہمی سے کہا۔ "میں آپ سے صاف گوئی کی درخواست کروں گا۔" یہ کہہ کے میں خاموش ہوگیا۔

"ایکسیلنٹ۔" کرنل نے بردباری سے کہا۔ "آپ نے ایک مشکل سوال کیا ہے۔ پروفیسر! جو آپ کہنا چاہتے ہیں' وہ پوری طرح مجھ تک منتقل ہو چکا ہے۔"

"لیکن میں کچھ اور پوچھ رہا ہوں۔" میں نے جذباتی ہو کے کہا۔ "میں سوال کر رہا ہوں مجھے واپسی کا راستہ معلوم ہے۔"

"آپ نے ایک سانس میں بہت سی باتیں کر دی ہیں۔"

"لیکن ان سب کا مقصد ایک ہی ہے۔"

"میں آپ کا احترام کرتا ہوں پروفیسر! کرنل نے شستہ انداز میں کہا۔ کیا آپ کے ساتھ یہ خوب صورت وقت گزارنا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ میں آپ کو سفیر اور وکیل سے زیادہ ایک شخص' ایک دوست سمجھتا ہوں؟"

"آپ نے مجھے دوستی کا اعتماد بخشا ہے کرنل! میں آپ کا ہرکارہ یا ملازم نہیں ہوں۔ یہ شرف میں آپ کو بھی بخشتا ہوں۔"

کرنل کا قہقہہ نکل گیا۔ "کیا پروفیسر نے کوئی بہت دلچسپ بات کہی ہے؟" ریتا نے اشتیاق کے ساتھ اپنے باپ سے پوچھا۔

"بے حد۔ یہ ایک بے حد عجیب آدمی ہے۔"

"کرنل! میں آپ کو کیسا لگتا ہوں۔" میں نے شوخی کی۔

"بہت شان دار۔ آپ بہت خوب صورت ہیں' آپ میں کوئی کمی نہیں۔ صرف چند چیزیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔"

"یقیناً آپ کا اشارہ اس طرف ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ "زندہ رہنے کے لئے آدمی کو بڑے بڑے بہروپ بھرنے پڑتے ہیں صاحب! اس روپ پر نہ جائیے! میرے اندر جو شخص چھپا بیٹھا ہے' اسے دیکھنے کی کوشش کیجئے۔"

"میرے سامنے وہی ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

''تو پھر کوئی مسئلہ نہیں۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

کھانا کھا کے ہم لان میں بیٹھ گئے۔ لان میں دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ میں بہت مطمئن تھا۔ اس موقع پر میں اپنی داڑھی اتار کے کرنل کے لئے کچھ اور دلچسپی سامان فراہم کرسکتا تھا۔ اب داڑھی کے بال چبھنے لگے تھے مجھے اور یہ کچھ زائد سی معلو ہونے لگی تھی لیکن کرنل کا سکون دیکھ کے میں نے وہ چہرے پر برقرار رہنے دی۔ لان پہلے ہی گیلا تھا۔ اب دوبارہ پھوار پڑنے لگی تھی۔ اس لئے ہم واپس اندر آ گئے۔ کرنل نے غالباً دانستہ راجے پور کے سیاسی حالات کا ذکر شروع کر دیا تھا۔ ہماری بات چیت کا یہ انتہائی نازک وقت تھا۔ میں نے کوشش کی کہ میں کم گوئی اختیار کروں اور کرنل کلام بلاغت نظام سنتا رہوں مگر کرنل ایک ذہین شخص تھا۔ شراب کے خمار کے باوجود بہت سنبھل سنبھل کے، ٹھہر ٹھہر کے اشاروں کنایوں میں بات کر رہا تھا' اگر میں انگریز ہوتا تو اسے ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے سب سے اعلیٰ عہدے پر تعینات کر دیتا مگر میں اتنا خوش نصیب کیوں ہوتا کہ برطانیہ عظمیٰ میں پیدا ہونے کا اعزاز حاصل کرتا۔ سارا قصور پیدائش کے محل وقوع کا ہے' کوئی زرخیز زمین میں پیدا ہوگیا۔ کوئی بنجر میں کسی نے زندگی بھر محنت کی اور کفن بھی نصیب نہ ہوا۔ کوئی آیا تو اس کے غلام اس سے پہلے آ چکے تھے۔ کوئی پرکاش بھون میں پیدا ہوا۔ کوئی آلہ آباد کے ایک متوسط گھر میں۔ ہماری بات چیت ابھی جگدیپ کی حویلی تک پہنچی تھی کہ فون نے پھر دخل در معقولات کی۔ میں چوکنا ہوکے بیٹھ گیا۔

''کیا وہ ابھی تک نہیں آیا؟'' کرنل نے درشتی سے پوچھا۔ ''اسے معلوم تھا کہ میس میں رقص کا پروگرام ہے؟'' جواب دیا گیا ہوگا۔ ہاں اسے معلوم تھا' کرنل کے ماتھے پر مکڑی نے جالا بن لیا۔ ''پھر گشتی گاڑیاں روانہ کرو۔ سنو' آپ اسے مختلف جگہوں پر پوچھنے کی کوشش نہ کرنا۔ ایک گھنٹے اور انتظار کرو' میں سمجھتا ہوں۔ آج اس نے کسی جگہ زیادہ پی لی ہوگی۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی بہن مونا سے کہو کہ وہ اطمینان سے آرام کرے میجر کسی وقت بھی آ جائے گا۔ ممکن ہے' وہ کسی اور اہم کام سے نکل گیا ہو۔'' کرنل نے فون پٹخ دیا۔ ''یہ میجر رابرٹ۔ نان سنس۔''

''کیا میجر رابرٹ ابھی تک واپس نہیں آئے؟''

''نہیں۔'' کرنل نے جھنجلا کے کہا۔

''آ جائیں گے' ایسی گھبراہٹ کی کیا بات ہے۔'' میں نے بے پروائی سے

فرخانہ لائبریری' ویڈیو اینڈ ریکارڈنگ سنٹر
محمود چھت کر ستہ ابھونوال

کہا۔

''میجر کو آ جانا چاہیے تھا۔'' کرنل فکرمندی سے بولا۔

''چھوڑیئے بھئی' ان کی عمر ابھی جلدی گھر آنے کی نہیں ہے۔ راجے پور میں حسین عورتوں کی کثرت ہے' کسی طرف نکل گئے ہوں گے۔''

کرنل کچھ مکدر سا ہوگیا تھا اس لئے میں نے اس سے اجازت لینی چاہی مگر میرے کچھ کہنے سے پہلے ریتا نے کہا۔ ''ڈیڈی اب آپ کے سونے کا وقت ہوگیا ہے' آپ آرام کیجئے' اب پروفیسر سے میں باتیں کرتی ہوں۔ آپ انہیں آزاد کر دیجئے۔''

''ابھی ہم نے باتیں شروع کہاں کی ہیں ریتا!'' کرنل اپنی بیٹی سے غیر معمولی محبت کرتا تھا۔ ریتا اس کی اکلوتی لڑکی تھی۔ ریاست پر کرنل کا حکم چلتا تھا اور کرنل پر ریتا کا۔ وہ تحکم سے بات کرتی تھی۔ کرنل نے کہا۔ ''پروفیسر کو بہت دیر ہوگئی ہے' راستہ طول ہے' میرا خیال ہے' ہمیں پروفیسر کو آج کی شام کے شکریے کے ساتھ رخصت کر دینا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے' آپ اپنے کمرے میں آرام کیجئے۔'' وہ ناز سے بولی۔ ''میں پروفیسر کو روک لوں گی' جب سے وہ آئے ہیں۔ آپ ہی باتیں کیے جا رہے ہیں۔''

''پروفیسر! یہ لڑکی جو تم دیکھ رہے ہو'' کرنل نے مسکراتے ہوئے ریتا کی کمر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''یہ لڑکی میری بیٹی ہے' اس کا نام ریتا ہے' یہ ابھی تک بہت بچی ہے' ضد کرتی رہتی ہے۔ اسے سمجھاؤ۔ یہ اس وقت تمہیں مزید روکنا چاہتی ہے۔''

''آیئے' اٹھئے پروفیسر!'' ریتا نے میری انگلیاں اپنی نازک انگلیوں کی گرفت میں لے لیں۔ میں نے پھولوں کی زنجیریں پہن لیں' میں نے بظاہر بے بسی سے کرنل کی طرف دیکھا۔ کرنل شفقت کے انداز میں سر کو حرکت دے رہا تھا۔ انگریز باپ ہوکے کیسا بدل جاتا ہے' اس میں اور ایک ہندوستانی میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ وہ ایک مربیانہ تبسم' ایک بوڑھا تبسم' میں نے راجے پور میں لندن کی سیر کی' کئی ٹن کا انگریز دیکھا۔ ریتا نے اپنے باپ کے سامنے میری انگلی پکڑ لی تھی' انگلستان کے اطوار ہی انوکھے تھے۔ غالباً یہ ذات کے زیادہ اعتماد کی دلیل تھی۔ انگریزوں نے ذات کا سفر ذرا تیز کیا تھا۔ ہندوستان میں ہر جگہ پردے لٹکے ہوتے ہیں مگر انگلستان والے کھلی فضاؤں کے قائل ہیں' وہ چلمن نہیں لگاتے' ان کے دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں' وہ جھانکتے نہیں' صاف سامنے آ جاتے ہیں۔ کرنل نے مخمور نگاہ سے ہمیں دیکھا۔

aazzamm@yahoo.com

''اب آپ سے کب ملاقات ہوگی پروفیسر؟'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''کسی وقت بھی' جب بھی آپ نے شدت سے یاد کیا۔ مجھے پتہ چل جائے گا۔ شرط یہی ہے کہ آپ یاد کریں۔'' میں نے یاد کے لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''میں نے آپ کو بھلایا کب ہے؟ آپ بھلائے جانے والے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔'' کرنل یہ کہہ کے جھومتا ہوا پہلو کے دروازے سے کہیں گم ہوگیا اور میں ریتا کی مخروطی انگلیوں کی ڈوری سے بندھا بندھا سیڑھیاں چڑھنے لگا' سب کچھ خواب سا معلوم ہوتا تھا۔ رگوں میں گردش کرتا ہوا خون جل رہا تھا۔ شہزادی کے آنے کی سرسراہٹ پر سارے ملازم مودب ہوگئے' ریتا انہیں نظر انداز کرتی ہوئی مجھے کوٹھی کے سب سے اونچے کمرے میں لے آئی۔ یہاں سے چھاؤنی کی عمارتوں کی روشنیاں بکھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔ نیچے لان کا گداز سبزہ تھا۔ اوپر آسمان پر ستاروں کا جھرمٹ۔ نیچے درختوں کی شاخیں کھڑکیوں کو بار بار بوسے دے رہی تھیں۔ جدید سازو سامان سے آراستہ اس کمرے سے چاروں سمتوں کی ہوائیں گزرتی تھیں۔ رات کا وقت تھا۔ گہری رات کا وقت' سب کچھ موجود تھا' کمرے کی ہلکی سرخ روشنی جیسے اس کے رخساروں سے پھوٹ رہی تھی۔ اس کے ابروؤں کی کمانیں کھنچی ہوئی تھیں۔ تیز دھار کے چاقو سے کٹے ہوئے اس کے ہونٹ رخساروں کی پلیٹ میں رکھے ہوئے تھے جیسے کسی نے لال امرود کی قاشیں کمال نفاست سے کاٹی ہوں۔ میں نے اس کے دونوں شانے تھام لیے اور گم سم ہوکے اس کا نظارہ کرتا رہا۔ وہ بھی اضطراب آمیز خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ کبھی وہ نظریں جھکا لیتی۔ کبھی سٹ پٹا کے مجھے دوبارہ دیکھنے لگتی۔

''ریتا!'' مجھے اپنی آواز پر خود حیرت ہوئی۔ وہ جھنجھنا رہی تھی۔

''ہاں۔'' اس نے لرزتے ہوئے کہا۔

''ٹھہرو!'' مجھے یاد آیا کہ دنیش نے میری جیب میں ایک انگوٹھی رکھ دی تھی۔ میں نے عجلت میں انگوٹھی جیب سے نکال کے اسے پہنا دی۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ اشتیاق سے انگوٹھی دیکھتی ہوئی بولی۔

''کچھ نہیں' بس جی چاہا کہ جا رہا ہوں تو تمہارے لئے کوئی چیز لے کے جاؤں۔'' میں نے اس کی انگلی کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

''اوہ پروفیسر!'' وہ بار بار انگوٹھی دیکھتی تھی۔ ''تو تم نے محسوس کرلیا' تم نے محسوس کرلیا۔'' اس نے تکرار کی۔ ''میں تم سے ملنے کے لئے شدید بے قرار تھی' میں نے

کتنی ہی بار تمہیں فون کیا مگر تم نہیں ملے۔'' اس کا سیلاب رکا ہوا تھا۔ صرف ایک اشارے سے امڈ پڑا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم کتنی بے قرار تھیں۔ میں پرکاش بھون میں موجود تھا لیکن تم سے فون پر بات نہیں کرسکتا تھا۔'' میں نے صاف انگریزی میں کہا۔ وہ میری زبان کی شستگی اور روانی پر حیرت زدہ تھی۔

''تمہاری حیرانی بجا ہے میں تمہیں کچھ بھی نہیں بتا سکا۔ میں سوچتا تھا کہ تم ایک معزز انگریز افسر کی لڑکی ہو اور میں ایک گم گشتہ' گم کردہ راہ مسافر' وہ ایک جذباتی تاثر جو تم پر مہاراجا کی دعوت میں قائم ہوگیا ہے' وہ خودبخود ختم ہو جائے گا لیکن تم نے پھر مجھے اپنے پاس کھینچ لیا۔ آج میں یہ سوچ کے آیا تھا کہ تمہیں سب کچھ بتا دوں گا لیکن تمہارے مغربی قالب میں ایک مشرقی لڑکی کی روح موجود ہے۔ تمہیں کچھ کہنے کا موقع نہیں ملا اور تم نے سب کچھ کہہ دیا۔ تم اچانک اتنی تیزی سے لپکیں کہ مجھے خوف لاحق ہوگیا کہ کہیں تم آگے جاکے گر نہ جاؤ۔ تمہیں چوٹ لگ جائے گی۔ ممکن ہے' تمہارے ڈیڈی نے میرے بارے میں تم سے کچھ مبہم باتیں کی ہوں۔ تم بہت سادہ اور معصوم ہو لیکن تم کچھ نہیں جانتیں۔'' میں نے بے چینی سے کہا۔

''میں صرف تمہیں جانتی ہوں۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔

''مجھے بھی تم نہیں جانتیں۔ یہ پروفیسر جو تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ یہ دیکھو۔'' میں نے اپنی مونچھیں کھینچ لیں۔ ''یہ دیکھو۔'' پھر میں نے وحشت میں اپنی داڑھی نوچ لی اور چشمہ اتار کے کرسی پر پھینک دیا۔ ''میں یہ ہوں۔'' میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے دزدیدگی سے میرے جسم پر ایک نظر ڈالی۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ ''اوہ تم یہ ہو۔'' اس نے کشمکش کے لہجے میں کہا۔

''ہاں میں یہ ہوں' تم مجھے پہلے بھی دیکھ چکی ہو۔'' میں نے نڈھال ہو کے کہا۔ ''میں راج کمار دنیش چندر کا ایک ادنیٰ ملازم' محکوموں کا محکوم ہوں۔ میرا نہ کوئی گھر ہے نہ در' میں دنیا کا سب سے تنہا آدمی ہوں۔ میں یہ ہوں موہن داس! تم نے دیکھا ریتا؟ اسی لئے میں تم سے درخواست کرنے آیا ہوں کہ تم واپس چلی جاؤ۔''

''میں نے اسی دن تمہیں پہچان لیا تھا۔'' وہ میری توقع کے خلاف پرمسرت لہجے میں بولی۔ وہ لرزیدہ تھی۔ ''مجھے یقین تھا کہ تم وہی ہو تم......'' وہ اچانک میرے

aazzamm@yahoo.com

سینے سے لگ گئی۔ ''تمہیں یہ بہروپ بھرنے کی ضرورت کیوں پڑی ؟'' اس طرح کوئی سینے سے نہیں لگتا۔ جب تک وہ خوابوں اور خیالوں میں اس کی ریہرسل نہیں کرلیتا۔ میں نے اپنا روپ ریتا پر اس وقت ظاہر کیا تھا' جب مجھے یہ اعتماد حاصل ہوگیا تھا کہ میں اپنا چہرہ سیاہ کرکے بھی اس کے سامنے پیش کرسکتا ہوں' یہ اعتماد میری مساعی سے حاصل نہیں ہوا تھا۔ خود ریتا نے آگے بڑھ کے اتنی جلدی ایسا مکمل اظہار کیا تھا کہ کوئی بھی بڑے سے بڑا دعویٰ کیا جاسکتا تھا۔ میں نے اسے اپنے بازوؤں میں قید کرلیا۔ اس سے پہلے میں نے کسی انگریز کو روتے اور سسکتے نہیں دیکھا تھا۔ اس چشم گنہگار نے یہ منظر بھی دیکھا۔ میں نے اسے خود سے علیحدہ کیا اور اس کا چہرہ سامنے کر کے کہا۔ ''مجھے معاف کر دؤ میں نے تم سے بہت جھوٹ بولے لیکن میں بہت مجبور آدمی ہوں۔ یہ سچ بھی تم نے بلوایا ہے' سچ بولنے کی منزل آ گئی تھی۔ میں نے سوچا' میں زیادہ دیر جھوٹا رہا تو تمہاری نظروں میں گر جاؤں گا۔ میں نے سوچا' میں تمہیں سب کچھ صاف صاف بتا دوں تا کہ ایک خوبصورت لڑکی جلد سنبھل جائے' زیادہ دیر تو نہیں ہوئی ؟''

''یہ سب کیوں ہے پروفیسر ؟'' اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

''یہ سب ایک لمبی داستان ہے۔ سنو گی ؟ حوصلہ رکھتی ہو؟ آؤ بیٹھ جاؤ۔'' ہم دونوں ایک ہی کرسی پر بیٹھ گئے اس کے ہاتھ میری گرفت میں تھے۔

''میں تمہیں سب کچھ کیوں بتا رہا ہوں' اس میں کون سا جذبہ شامل ہو سکتا ہے' یہ تم ضرور محسوس کرو گی۔'' میں نے اس کے رخساروں پر لرزتے ہوئے قطرے پھونک مار کے اڑا دیے۔'' سنو ریتا ! میں آج بھی کرنل کو بتانے والا تھا لیکن پھر چند مصلحتیں آڑے آ گئیں' وہ تم سے میرے متعلق کوئی بات کریں تو اشارتاً انہیں بتا دینا کہ وہ جتنا کچھ سمجھتے ہیں۔ صحیح سمجھتے ہیں' ضروری نہیں کہ میں ان کے سامنے اصل چہرے کے ساتھ ہی آؤں' راج کمار دنیش چندر کے ملازم کی حیثیت سے میرا یہاں آنا مناسب نہیں ہے۔ دنیش چندر ایک نیک اور شریف النفس نوجوان ہے۔ پہلے وہ بھی مجھے ملازموں کی طرح برتتا تھا۔ پھر وہ میرا دوست ہوگیا۔ بہت گہرا دوست۔ میرے سارے عزیز مر چکے تھے اس لئے میں دل شکستہ درماندہ پرکاش بھون میں آ کے پڑ گیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہاں ایسے حالات پیش آئے کہ مجھے بہت سے معاملوں میں ملوث ہونا پڑا۔ تم نئی نئی آئی ہو۔ تمہیں راجے پور میں ہونے والی سازشوں اور خوں ریزیوں کا علم نہیں ہوگا۔ یہ ریاست اور سیاست ایک گورکھ دھندا ہے' میرا دوست دنیش چندر بھی انہی

سازشوں کا شکار ہے' ہم نے اپنی بقا کے لئے کسی نہ کسی طرح سازشوں کا جواب دیا ہے۔ کوئی بھی ہماری جگہ ہوتا تو یہی کرتا مگر سازشیں ختم نہیں ہوئیں۔ دنیش چندر سے قربت کے باعث میں بھی زد پر ہوں' حالات معمول پر ہوتے تو دنیش چندر یہ اعلان کرنے میں کوئی تاخیر نہ کرتا کہ میں پوری طرح اس کا دوست ہوں۔ بھون میں میری حیثیت اور ذمہ داریاں بڑھا دی جاتیں' میری نمائشی اور مصنوعی حیثیت ختم ہو جاتی لیکن بھون میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے آشیانے سے مخلص نہیں ہیں۔ میں پس پردہ رہ کے اپنے دوست دنیش چندر کے زیادہ کام آ سکتا ہوں۔ سب کو یہی معلوم ہے کہ میں دنیش کا خاص ملازم ہوں۔ اس دن جب تم آئیں تو اور لوگ بھی موجود تھے۔ تم نے فون کیا اور آنے پر اصرار کیا تو ہمیں یہ بہانہ بنانا پڑا کہ پروفیسر زاہدی باہر گیا ہوا ہے' پروفیسر زاہدی کو بھون میں کوئی نہیں جانتا اس لئے وہ تمہارے سامنے نہیں آ سکتا تھا اور نہ موہن داس ایک ملازم اور انگریز آفیسر ان کمانڈ کی لڑکی کا میل جول بھون کے لوگوں کو پسند آتا۔ وہ ملازموں کو کم تر درجے کی نسل سمجھتے ہیں جس طرح بعض انگریز ہندوستانیوں کو سمجھتے ہیں۔ ایک دن دنیش کو نہ جانے کیا سوجھی کہ وہ میرا بھیس بدل کے مجھے مہاراجا کی خصوصی دعوت میں لے گیا۔''

''یہ راج کمار دنیش چندر نے میرے ساتھ احسان کیا ہے۔ میں ان کی ممنون ہوں۔'' ریتا مسکرا کے بولی۔ وہ بہت محویت سے میرا بیان سن رہی تھی۔

''اور میرے ساتھ بھی۔'' میں نے اس کی گردن میں بازو حائل کر دیے۔

''تم نے اندازہ کیا کہ ہمیں تم سے کوئی معقول عذر پیش کرنے میں کیسی مشکل پیش آئی ہوگی۔ سمجھ رہی ہو نا ؟ جب کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی تو میں نے تمہارے پاس آنے اور سب کچھ کھل کر بتا دینے کا فیصلہ کرلیا۔ اب تمہارا مجرم تمہارے سامنے پیش ہے۔''

''تم داڑھی کے بغیر کتنے اسمارٹ اور دلکش نظر آتے ہو۔'' وہ شگفتگی سے بولی۔ ''اوہ تم نے کتنا اچھا کیا کہ یہ اندھیرا دور کر دیا۔ اف تم کتنے بڑے اداکار ہو۔ مجھ سے غلط سلط انگریزی بولتے رہے' تم نے مجھے بہت ستایا۔''

''اور اب تمہیں جھوٹ بولنا ہے' یہ باتیں میں نے تمہیں بتائی ہیں' ایک لڑکی ریتا کو' انگریز کرنل کی بیٹی کو نہیں' میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم یہ تمام تفصیلات کرنل کے گوش گزار نہ کرنا۔ صرف یہ بتا دینا کہ پروفیسر زاہدی وہ نہیں ہے جو نظر آتا ہے' وہ خود بھی یہی کہتے ہیں لیکن تم میری انگریزی دانی وغیرہ کے متعلق کچھ نہیں بتاؤ

aazzamm@yahoo.com

گی۔ ورنہ کرنل سے مجھے بڑی ندامت ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ تم میری ہدایت پر عمل کرو گی اور چھاؤنی میں مجھے کمزور نہیں کرو گی۔"

"لیکن یہ صورت حال تو اب بھی موجود رہے گی۔ میں تم سے اب بھی نہیں مل سکتی۔ نہ میں بھون آ سکتی ہوں اور نہ تم یہاں۔"

"کیوں نہیں۔ تم دنیش کی دعوت پر کچھ دنوں کے لئے بھون میں آ جاؤ۔ اب تم مجھے دیکھ کر چونکو گی نہیں۔ بھون کے دوسرے لوگوں کے سامنے مجھ سے تمہارا رویہ بے نیازی کا ہوگا جیسا ملازموں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اور جب دوسرے لوگ سامنے نہیں ہوں گے تو ہم دونوں کو تنہائی کا خوب موقع ملے گا' خوب باتیں کریں گے' خوب ملا کریں گے۔ صرف میرا دوست دنیش چندر میرے اور تمہارے تعلق کا راز دار ہو گا اور اس کی کوشش یہی ہوگی کہ وہ اپنے دوست کو ہر حال میں آسودہ رکھے۔ ادھر میں پروفیسر زاہدی کے روپ میں کبھی کبھی کرنل سے ملنے آتا رہوں گا۔ کسی کو یہ علم بھی نہیں ہوگا کہ دنیش چندر کا ایک ملازم آفیسر ان کمانڈ سے ملنے آتا ہے تو کیوں آتا ہے۔ تم وہاں آؤ گی تو بہت کچھ ہو سکتا ہے' میں تمہیں راجے پور کی سیر کراؤں گا' اپنی سیر کراؤں گا۔"

"اوہ' یہ سب کچھ کتنا دل کش' کتنا پراسرار اور خواب ناک ہے۔" ریتا اچھل کے بولی۔ "میں ڈیڈی سے اجازت لے کے بھون میں ضرور آؤں گی۔ یہ ایک دلچسپ ایڈونچر ہوگا۔"

رات خاصی گزر چکی تھی۔ وہ اب میرے پہلو میں آ گئی تھی' اتنی باتیں ہونے کے بعد کوئی دور کیسے بیٹھ سکتا ہے۔ میرا حال عجیب تھا۔ جی چاہتا تھا کبھی صبح نہ ہو' میں نے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔ "اب میں چلوں گا۔" دنیش میری وجہ سے اب تک سویا نہیں ہوگا۔ مجھے اجازت دو۔"

"کچھ دیر اور بیٹھو۔" تمام عورتیں ایک جیسی باتیں کرتی ہیں' میں نے اسے اور اپنے پہلو میں سمیٹ لیا' اتنا کہ کوئی گنجائش نہیں رہی۔ ہم دونوں خاموش ہوگئے۔ وہ میرے تناور درخت کی چھاؤں میں آنکھیں موندے بیٹھی تھی اور میں اس کے بدن کی جنت پہلو میں سمیٹے ہوئے تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی سانسیں سنتے رہے' گہری طویل سانسیں اور دل کی دھڑکنیں۔ "ریتا!" میں نے مدھم روشنی کی طرح مدھم آواز میں اسے آواز دی۔

"ہاں۔" اس نے غنودگی میں کہا اور سر اٹھایا تو اس کے گلابی ہونٹ میری نکھوں کے سامنے آ گئے' میں نے وہ آگ اپنے منہ میں رکھ لی۔ اس میں ایسی بجلی تھی ۔ میں لرز گیا' پھر میں اچانک تیزی سے اٹھ گیا۔ وہ بہکے ہوئے قدموں سے میرے ۔زوں پر جھولتی ہوئی آگے بڑھی۔ ہم نے دروازہ عبور کیا تو دفعتاً مجھے خیال آیا کہ میں ی داڑھی اور مونچھیں اور عینک چھوڑے جا رہا ہوں۔ انہیں اٹھا کے میں نے چپکایا' ریتا کراتی رہی' میری ٹیڑھی مونچھ اس نے سیدھی کی' پتہ نہیں' میں پہلے کی طرح لگ بھی تھا یا نہیں لیکن اس وقت میک اپ کی اتنی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ہم دونوں سیڑھیاں ز کے ایک کمرے میں آ گئے۔" ڈیڈی جاگ رہے ہیں۔ اس نے حیرت سے کہا۔ یہ کمرے کی کھڑکیوں سے روشنی آ رہی تھی۔ ہم قریب پہنچے تو کرنل کی گرج دار آواز ت کے سناٹے میں صاف سنائی دے رہی تھی' وہ فون پر احکام صادر کر رہا تھا۔ ریتا تھ نہ ہوتی تو میں چھپ کر اس کے الفاظ ضرور سنتا' جو بات میرے کان میں پڑی' وہ ت مختصر تھی' کرنل اپنے ماتحتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میجر رابرٹ کی آج کی اور گزشتہ ن کی سرگرمیوں کی رپورٹ تیار کرو۔ وہ کس کس سے ملا اور کہاں کہاں گیا؟ مجھے ن پر بڑا ترس آیا۔ ذرا سی بات تھی' کرنل کو جاگنا نہ پڑتا۔ میں صرف اتنا کہہ دیتا' ریوں کرتے ہوئ رابرٹ راجے پور کے نواحی علاقے کی ایک سبزہ زار پہاڑی پر م کر رہا ہے۔ میں نے خود اسے دیکھا تھا۔

ہم پورچ میں آ گئے تھے۔ ریتا نے اصرار کیا کہ چھاؤنی کے کسی ڈرائیور یا دلی کو ساتھ لیتا جاؤں مگر میں نے انکار کر دیا۔ کسی ہندوستانی ڈرائیور یا اردلی پر اعتبار ں کیا جا سکتا تھا۔ ریتا کے سامنے کچھ سکی بھی محسوس ہوتی تھی' راستہ طویل اور خطرناک اور وقت بھی بہت گمبھیر تھا۔ میں صبح ہونے تک کرنل کے ہاں ٹھہر سکتا تھا مگر مجھے ں چندر کی فکر تھی۔ ادھر کسی وقت بھی انگریزی فوج کے گشتی دستے میجر رابرٹ کی ں دریافت کر سکتے تھے۔ اس کے بعد راجے پور میں پھیلنے والے انتشار کا کوئی اندازہ ں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے جلد سے جلد بھون میں ہونا چاہیے تھا۔ جب میری گاڑی چلی و پورچ میں کھڑی حسرت سے ہاتھ ہلاتی رہی' میں اس کی نم آنکھیں زیادہ دیر تک ں دیکھ سکا۔

گیٹ اسی سعادت مندی سے کھول دیا گیا۔ جس کا مظاہرہ آتے وقت کیا گیا تھا۔ اب میرے سامنے شہر کی طرف جانے والی سڑک تھی اور میں تھا۔

aazzamm@yahoo.com

ہر سمت ایک بھیانک سکوت چھایا ہوا تھا۔ یہ ایک سیاہ رات تھی۔ آسمان پر ابھی تک گہرے بادل چھائے ہوئے تھے' زمین گیلی تھی' کچھ دور جاکے اونچے نیچے چکر دار پہاڑی راستے شروع ہوجاتے تھے۔ میں نے گیلی زمین کی وجہ سے گاڑی کی رفتار بہت کم رکھی۔ ذہن پر بیک وقت متضاد خیالوں کی یورش تھی۔ گاڑی کسی شرابی کی طرح آگے بڑھ رہی تھی' جب چھاؤنی سے ملحق ہموار راستہ گزر گیا تو پہاڑیاں شروع ہوگئیں۔ میں نے اور احتیاط کا مظاہرہ کیا اور خوب اطمینان کرنے کے بعد موڑ کاٹتا رہا۔ ایک تنگ راستے سے گاڑی گزر رہی تھی۔ آگے جاکے ایک بڑا موڑ تھا۔ ہارن بجاتا ہوا میں اس موڑ پر آیا تو اچانک گاڑی کا توازن بگڑ گیا۔ میں نے تیز بریک لگائے' بریک کی چیخیں اردگرد کی پہاڑیوں میں دور تک گونج گئیں' سامنے سڑک پر دو آدمی ڈھاٹے باندھے کھڑے تھے' گاڑی کی تیز روشنی میں نہائے ہوئے۔ بے اختیار میرے ہاتھ ہارن پر گئے مگر وہ لوگ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں بندوقیں تنی ہوئی تھیں۔ جن کا رخ میری جانب تھا۔ یہ بات ایسی نہیں تھی کہ جلد سمجھ میں نہ آجاتی۔ ان کے تیور باغیانہ' سرکشانہ تھے۔ میں نے براہ اخلاق ایک بار پھر ہارن بجایا اور انہیں ہٹانے کے لئے گاڑی اور آگے کی۔ وہ ذرا سے ٹھٹکے' کچھ گھبرائے مگر دیکھتے دیکھتے ادھر ادھر کے پہاڑی اندھیروں سے کچھ آدمی سڑک پر کود گئے۔ ان سب کی بندوقوں کا رخ میری گاڑی کی جانب تھا۔ ایک لمحے میں مجھ پر لاکھوں چیونٹیوں نے حملہ کر دیا۔

سارا جسم یخ ہوگیا۔ کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی' رگ پٹھے جیسے کسی نے چمٹے سے پکڑ لیے۔ ایک لمحے میں ہزاروں فیصلے کیے اور مسترد کیے' اب میں گاڑی روک دی تھی اور بہ سرعت پستول اندر کی جیب سے نکال لیا تھا۔ بڑی آسانی سے میں ان میں سے دو تین کو نشانہ بنا سکتا تھا۔ روشنی میں ان کا نشانہ لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ یوں بھی میرے نشانے کی خاصی دھوم مچی ہوئی تھی۔ لیکن یہ نشانے بازی کے جوہر دکھانے کا وقت نہیں تھا' بہت سنجیدہ وقت تھا۔ میری دو تین گولیوں کے بعد میں ساری گاڑی چشم زدن میں چھلنی کی جاسکتی تھی۔ میں نے تصور میں اپنے جسم کی دھجیاں اڑتی دیکھیں۔ اگر میں تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دیتا تو تین چار کو دبوچ کر پھاڑ کے رکھ دیتا۔ لیکن آگے صاف سڑک نہیں تھی۔ جگہ جگہ موڑ تھے' گاڑی تیز نہیں بھگائی جا سکتی تھی۔ پیچھے سے گولیوں کی ایسی بوچھاڑ ہوتی کہ گاڑی چند قدم چل کر اوسان کھو بیٹھتی۔

ایک لمحہ دو لمحے' تین لمحے' چند لمحوں بعد میں اپنے خلاف خود کو بدترین فیصلہ سناچکا تھا۔ کاش میں ریتا کی بات مان لیتا اور چھاؤنی سے ایک شخص کو ساتھ بٹھا لیتا۔ گر صورت حال پھر بھی مختلف نہ ہوتی مگر ایسی ویرانی تو نہ ہوتی۔ اس شخص کی زندگی بری تھی جسے میں ساتھ نہ لا سکا۔ پستول سے گولی چلاؤں؟ گاڑی ان پر چڑھا دوں یا نیچے اتر کے خود کو سامنے پیش کردوں؟ ممکن ہے یہ محض لیٹرے ہوں اور دنیش کی دی ہوئی رقم نکال کے اپنا راستہ لیں' فضول خون خرابے میں کون پڑتا ہے۔ گاڑی ٹھہرانے کے بعد وہ ادھر ادھر منتشر ہوگئے اور دو آدمی آگے بڑھے۔ ان کی چال سے اطمینان ظاہر ہوتا تھا جیسے انہیں کوئی جلدی نہ ہو۔ میں نے ایک ہاتھ سے پستول تھاما۔ دوسرے سے ہینڈل لوز کیا اور ان کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ وہ جلد ہی گاڑی کے نزدیک آگئے۔ میرا ایک ہاتھ ابھی تک دروازے کے ہینڈل پر جما ہوا تھا۔ جیسے ہی وہ دروازے سے آدھے قدم کے فاصلے پر آئے' میں نے دروازے کو پوری طاقت سے جھٹکا دیا۔ وہ ٹھیک ان کے سینوں پر تیزی سے جا لگا اور ان کی گھٹی ہوئی چیخیں بندوق کی گولی کی طرح اچانک فضا کا سناٹا چیرتی ہوئی بکھر گئیں۔ ایک ثانیے کی دیر ہوجاتی تو میں اپنی نشست پر بیٹھا رہ جاتا۔ پستول کی نوک سے میں نے آناً فاناً روشنی کا بٹن دبایا تاکہ ہر طرف اندھیرا پھیل جائے۔ ادھر وہ گرے' ادھر تاریکی پھیلی ادھر میں بجلی سے زیادہ تیز پھرتی کے ساتھ گاڑی سے کود گیا۔ اور اندھیرے میں لپک گیا۔ زندگی اور موت میں ایک آن کا فاصلہ ہوتا ہے' نشانے پر آیا ہوا ہرن جتنا تیز دوڑ سکتا ہے' اس سے زیادہ تیز میں نے یہ سب کچھ کیا۔ چند ہی قدم بھاگا تھا کہ پاؤں رپٹا اور ایک گڑھے میں آپڑا۔ ادھر گاڑی کے اردگرد افراتفری مچ گئی تھی۔ تیز سرگوشیاں گالیاں اور برہم قدموں کی تیز چاپ' میں دم سادھے بیٹھا رہا۔ اندھیرے نے زندگی کی امید برقرار رکھی۔ ورنہ اتنی بندوقوں کے سامنے زندگی کا چراغ کہاں ٹھہر سکتا ہے۔ زندگی کو بندوقوں اور گولیوں سے رغبت نہیں ہے۔ میں جس جگہ زمین سے چپکا ہوا تھا۔ وہ سخت غیر محفوظ تھی' مجھ سے بہت قریب وہ اشتعال انگیز سرسراہٹ کے ساتھ مجھے تلاش کر رہے تھے۔ ان میں سے چند گاڑی میں گھس گئے۔ چند گاڑی کے نیچے' کچھ ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے سر اوپر کرکے دیکھا اور موقع غنیمت دیکھ کے گڑھے سے آہستہ آہستہ بلند ہونا شروع کیا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے پھر اپنا سر گردن میں چھپانا پڑا۔ میری عافیت اسی میں تھی کہ کسی طرح یہاں سے کچھ فاصلے پر منتقل ہو

aazzamm@yahoo.com

جاؤں۔ پستول نے اس وقت اپنے دل سے زیادہ ساتھ دیا۔

اور اس وقت میرے پاس کوئی چارہ نہیں رہا۔ جب میں نے اپنے سر کے قریب تین وحشت زدہ شورہ پشتوں کو محسوس کیا۔ کسی بھی لمحے ان کا پیر میرے جسم پر پڑسکتا تھا یا ان کی اندھیرے سے مانوس ہوتی ہوئی نگاہیں میری طرف اٹھ سکتی تھیں' میں نے کسی آہٹ کے بغیر اپنا ہاتھ اوپر کیا اور یکے بعد دیگرے تین فائر کئے جواب میں بندوق کی گولی بھی چلی مگر اس مختصر ترین مدت میں وہ تینوں تڑپتے ہوئے گر گئے تھے۔ میں مینڈک کی طرح گڑھے سے اچھلا۔ دوسرے حرام زادے ذرا دور تھے۔ اس لئے مجھے ایک درخت کا سہارا لے کے پہاڑی پر چڑھنے کا موقع مل گیا تھا۔ جھاڑیوں' کانٹوں اور درختوں کی پروا کیے بغیر میں گرتا پڑتا چڑھتا چلا گیا۔ اندر درختوں میں اندھیرا اور گہرا ہوگیا تھا۔ میں کسی بھی جگہ ٹھوکر کھا کے نشیب میں گرسکتا تھا مگر میں موت سے نبرد آزما تھا۔ زندگی بچانے کے لئے آدمی اپنے جسم کی جاتی ہوئی طاقت کا آخری سرا مشکل سے چھوڑتا ہے۔ میں کانٹوں اور جھاڑ جھنکار کی زمین پر لیٹ گیا اور رینگتا ہوا ایسی جگہ آ گیا جہاں میں نیچے کی طرف دیکھ سکتا تھا۔ نیچے گولیاں چل رہی تھیں اور چیخ و پکار ہو رہی تھی۔ ان کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ تھی' میرے پستول میں صرف تین گولیاں باقی رہ گئی تھیں لیکن ایک پستول میرے پاس اور موجود تھا۔ جس نے دوپہر میجر رابرٹ کی طاقت مفلوج کر دی تھی۔ میں نے اسے اندر سے نکال کے باہر کی جیب میں رکھ لیا۔ سڑک اور گاڑی کے قریب میری تلاش میں ناکامی کے بعد ان کا سڑک کے دونوں طرف کی پہاڑیوں پر چڑھنا لازم تھا۔ ان میں سے چند میرے مقابل کی پہاڑی پر چڑھے' چند ادھر بڑھے جہاں میں دبکا ہوا تھا۔ آنکھیں اندھیرے سے کچھ کچھ مانوس ہونے لگی تھیں اور ایسے وقت تو تمام حواس حق رفاقت نبھاتے ہیں۔ میں نے ان کے لپکتے ہوئے سایوں اور گالیوں کی آوازوں پر یکے بعد دیگرے گولیاں چلائیں۔ دو تو اسی وقت زمین پر ڈھیر ہوگئے۔ تیسری گولی ضائع گئی لیکن اس طرح ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ شاید کوئی اندھا دھند نیچے بھاگنے کی کوشش میں سڑک پر گر پڑا۔ ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ جو نیچے پہنچ چکے تھے' انہوں نے اوپر کی سمت گولیاں داغنی شروع کردی تھیں۔

☆......☆......☆

0300-4104209

میرے اندازے کے مطابق چھ آدمی ٹھنڈے ہوچکے تھے۔ باقی کا حوصلہ جواب دے گیا تھا۔ میں نے دوسرا پستول جیب سے نکال کے چھاؤنی کی سمت بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ پھر پہاڑی کا ایک مختصر چکر کاٹ کے میں دوبارہ سڑک پر آ گیا اور سڑک پر ان کے تھرکتے ہوئے سایوں کا نشانہ باندھا۔ سابقہ ریکارڈ ٹوٹ گیا۔ دوسرا پستول بھی خالی ہوگیا لیکن چار پانچ کو گرا کے خالی ہوا اب وہ میری سمت آنے کے بجائے پہاڑیوں پر چڑھنے لگے اور میں آہستہ آہستہ گاڑی کی طرف رینگنے لگا۔ مجھے ان کی گولی لگنے یا گرفت میں آنے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ اتنا بہت تھا۔ ان میں سے چند کا زندہ رہنا ضروری تھا تاکہ وہ اپنے ساتھیوں کی لاشوں سے سڑک صاف کر سکیں۔ یقیناً ان غنڈوں میں سے کوئی یہ پسند نہیں کرے گا کہ ان کا کوئی ساتھی شناخت کرلیا جائے۔ میں انہیں گن تو نہیں سکا تھا۔ چار پانچ ہی زندہ ہوں گے یا دو تین اور۔ وہ پہاڑیوں میں بے تحاشا بھاگ رہے تھے۔ گاڑی کے پاس پہنچ کے میں اچک کر اسٹیرنگ پر بیٹھ گیا۔ چابی سوئچ میں لگی ہوئی تھی لیکن میں نے اسے فوراً اسٹارٹ نہیں کیا۔ ہینڈ بریک آہستہ سے لوز کیا تو گاڑی پیچھے کی طرف لپکی' میں نے تیزی سے گیر ڈالا اور کلچ دبا کے چابی گھما دی۔ انجن نے دہاڑنا شروع ہی کیا تھا کہ میں نے کلچ سے پیر اٹھا کے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالا۔ گاڑی فراٹے سے بھاگی۔ انہوں نے گاڑی کی آواز پر مڑ کے دیکھا ہوگا۔ گولیاں چلیں لیکن گاڑی ان کی زد سے دور آ چکی تھی۔ چیختی چنگھاڑتی ہوئی گھومتی ہوئی چکر کھاتی ہوئی۔ ایک میل کے فاصلے پر پہنچ کے میں نے سانس لیا اور گاڑی کی رفتار کم کی۔

خوب! بہت مناسب اور موزوں جگہ کا انتخاب کیا گیا تھا' صرف آدمی کے بارے میں غلط اندازہ لگایا گیا تھا۔ شاید شگون نہیں لیا تھا' میری سانس پھول رہی تھی اور لباس پسینے سے تربتر تھا' سامنے سڑک پر نظر تھی۔ لیکن ذہن سڑک پر نہیں تھا' وہ

aazzamm@yahoo.com

لٹیرے نہیں تھے۔ لٹیرے کسی آدمی کے خلاف اتنے متشدد نہیں ہوتے ہر ممکن احتیاط برتی گئی تھی' پھر کیسے خبر ہوگئی ؟ کیا کرنل نے مخبری کردی ؟ ریتا نے فریب کیا ؟ یہ ساری بات صاف تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انگریزی چھاؤنی پر تعینات ہندوستانی سنتریوں کا گزارا ان کی مقررہ تنخواہوں میں نہیں ہوتا تھا اور انہیں ادھر ادھر سلام دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے پڑتے تھے۔ پرکاش بھون سے چلتے ہوئے ایک ہی شخص راستے میں ٹکرایا تھا۔ اس نے اس سے پہلے پروفیسر کو بھون میں نہیں دیکھا ہوگا۔ یقیناً رابرٹ اور دوسرے انگریزوں کے ذریعے اسے خبر ہوئی ہوگی کہ انہیں دنیش کے ساتھ ایک پروفیسر مہاراجا کی دعوت میں ملا تھا۔ باتوں میں بہتا دریا تھا' قد و قامت میں اونچا درخت تھا' رنگ روپ میں گلاب کا پھول تھا' اس کا نشانہ سچا تھا۔ جب اس نے داڑھی والے اس شخص کو دنیش کی خاص گاڑی میں جاتے دیکھا ہوگا تو اسے شبہ ہوا ہوگا' تصدیق کے لئے اس نے موہن داس کو پوچھا ہوگا۔ موہن داس غائب تھا۔ پھر جگدیپ سے رابطہ قائم کیا ہوگا تو چھاؤنی کے گیٹ پر ہندوستانی پہرے داروں نے اطلاع دی ہوگئی کہ ایک باریش شخص کرنل ہارڈنگ سے ملنے گیا ہے۔

پریت' جتنا وقت گزر رہا تھا' میرے دل میں اس کی قدر و منزلت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس میں کیا تیزی وطراری تھی۔ گھوڑا بھی خوب بھگاتی تھی' آدمی بھی خوب بھگاتی تھی' کتنی چوکنی رہتی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ بتدریج اس کے دل میں بھی میرا درجہ بڑھ رہا ہوگا۔ شہر کی حدود میں آتے آتے مجھے کچھ قرار آیا اور میں نے ٹھنڈی ہوا میں لمبی لمبی سانسیں لیں اور گاڑی کو ڈھیل دے دی۔ گرم گھاؤ میں چوٹ کا پتہ نہیں چلتا۔ ٹھنڈی ہوا زخموں پر لگی تو کرب بڑھ گیا' اور پرکاش بھون کے صدر دروازے پر آ کے تو عالم ہی دوسرا ہوگیا۔ بند دروازے پر گاڑی ٹکرا کے نکل جانے کو جی چاہا' سارا خون آنکھوں میں سمٹ آیا۔ رگیں کھنچنے لگیں' میں نے اضطراب میں ہارن بجایا' اونگھتے ہوئے دربانوں نے لالٹین اٹھا کے میرا چہرہ دیکھا۔ داڑھی بے ترتیب ہوگئی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے' کپڑوں پر دھول جمی ہوئی تھی۔ ''دروازہ کھولو۔'' میں نے ڈپٹ کر کہا۔

''کون ؟'' دربان نے چندھی آنکھوں سے میرا چہرہ ٹٹولا۔ ''کون صاحب ہیں۔''

''یہ گاڑی نہیں پہچانتے ؟ میں راج کمار کا مہمان ہوں۔''

''گاڑی تو انہی کی ہے مگر راج کمار کے مہمان اتنی رات گئے ؟'' وہ بڑبڑا کے بولا اور کچھ سوچنے لگا۔

''راج کمار کو مطلع کرو کہ پروفیسر واپس آ گیا ہے۔''

''وہ اس وقت آرام کر رہے ہوں گے سرکار !''

''نہیں' وہ جاگ رہے ہیں اور میرا انتظار کر رہے ہیں۔'' میں نے حکمیہ کہا۔

''سرکار کو میں نے پہلے نہیں دیکھا۔'' وہ تسائل سے بولا۔ ''برا مت مانیے حضور آج کل پہرا سخت ہوگیا ہے۔''

''زیادہ باتیں نہ کرو۔'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

اس عرصے میں دوسرا دربان بھی اونگھتا اور آنکھیں ملتا ہوا باہر آ گیا تھا۔ قریب آ کے وہ سرپٹ بھاگا اور پہلے والے دربان کو ہٹا کے مجھے جھک کے سلام کیا۔ ''کھول دو۔ سرکار کا حکم ہے کہ ان کی گاڑی جب بھی آئے' دروازہ کھول دیا جائے۔''

میں نے ان کے سلام کو جواب نہیں دیا کیونکہ میں اپنے توازن میں نہیں تھا۔ نہ جانے کس طرح یہاں تک گاڑی کھینچتا ہوا لایا تھا۔ اندر جا کے میں نے گاڑی ایک کونے میں پارک کردی اور داڑھی مونچھیں نوچ کے کوٹ کی جیب میں ڈال لیں۔ راہ داری کے پاس بیٹھا ہوا دربان بھی اونگھ رہا تھا۔ میں چپکے سے اندر کھسک گیا اور دنیش کے کمرے ہی میں پہنچ کے رکا۔ وہ جاگ رہا تھا۔ اس کے پاس میز پر فون رکھا تھا۔ میرے کھٹکے پر وہ بے چینی سے اٹھا۔ میرے پیر ڈگمگانے لگے۔ میں نے خود کو اس کے بازوؤں میں گرا دیا۔ ''کیا ہوا موہن؟'' وہ سراسیمگی سے بولا۔

''کچھ نہیں۔ مجھے ایک گلاس پانی پلایئے اور میرا سر کاٹ دیجئے اب یہ سر مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔'' میں نے اپنے بال جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

''تم یہیں بیٹھو۔'' اس نے مجھے صوفے پر لٹایا اور بھاگ کے گلاس میں پانی لے آیا۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے پانی پلا کے اس نے میرا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا اور میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

صبح کے قریب مجھے ہوش آیا۔ میرے سر کے نیچے تکیہ رکھا ہوا تھا۔ اور دنیش ٹانگیں پھیلائے صوفے پر غنودہ تھا۔ میں بوکھلا کے اٹھ بیٹھا۔ ٹائی میرے گلے میں نہیں تھی۔ پیر میں موزے اور جوتے بھی نہیں تھے۔ میری آہٹ پر وہ بیدار ہوگیا۔ میں نے ندامت میں اسے دیکھنے کی کوشش کی' اس کے لبوں پر دکھ بھری مسکراہٹ تھی۔ ''کیسی طبیعت ہے؟'' اس نے مضمحل آواز میں پوچھا۔

aazzamm@yahoo.com

"بالکل۔ بالکل ٹھیک ہے۔" میں نے خجالت سے کہا۔ "مگر آپ سوئے نہیں' ساری رات یہیں گزار دی' مجھے خبر ہی نہیں کہ میں کب آیا اور آتے ہی یہ کیا ہوگیا۔"

"تم بہت تھکے ہوئے تھے' بے حد۔ اب اٹھ کے جلدی سے نہالو۔ میں چائے منگواتا ہوں۔" میرے نہانے سے پہلے ہی اس نے مجھے گھڑوں پانی میں بھگو دیا تھا' میں اس کا سامنا کرتے ہوئے گھبرا رہا تھا اس لئے اسے دزدیدہ نظروں سے دیکھتا ہوا اس کے کمرے میں چلا گیا۔ غسل کے بعد' میں چولا بدل کے آیا تو چائے تیار تھی۔

"دونوں پستول خالی کر دیئے ؟" اس نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے اطمینان سے پوچھا۔

میں اچھل پڑا' چائے کی پیالی گرتے گرتے رہ گئی۔ کیا صبح صبح اس کے پاس کہیں سے کوئی اطلاع آ گئی ہے ؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرے اندازے کے برعکس وہ ناہنجار اپنے ساتھیوں کی لاشیں سڑک پر چھوڑ کے فرار ہوگئے۔ پھر فوراً مجھے خیال آیا کہ نہیں' بات یہ ہے کہ اس نے میرے کوٹ کی تلاشی لی ہوگی اور دونوں پستول خالی دیکھے ہوں گے۔ میں نے نظریں جھکا کے کہا۔ "ہاں۔"

"کتنی گولیاں ضائع ہوگئیں ؟" اس نے بظاہر سرد مہری سے پوچھا۔

"شاید دو یا تین۔"

اس کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔ "کتنے بچ نکلے ؟"

گن نہیں سکا۔ اندازاً پانچ چھ یا کچھ اور۔"

اس نے سکون سے چائے پیالی میں انڈیل لی اور دوسری پیالی بنانے لگا۔

"اب ایک مدت تک تم بھون سے باہر قدم نہیں نکالو گے۔" اس نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

"بہتر ہے۔" میں نے آہستگی سے جواب دیا۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں مہاراجا راجے پور کی جانشینی سے دست برداری کا اعلان کروں گا۔" وہ پرعزم لہجے میں بولا۔

"ہونہہ۔" میں نے زہرخند سے کہا۔ "گویا موت دوسرے عنوان سے قبول کی جائے گی۔"

"وہ زندگی بے کار ہے جس کا یقین نہ ہو۔"

"زندگی ہمیشہ بے یقین ہوتی ہے۔"

"یہ باتیں کم از کم مجھے متاثر نہیں کرسکتیں۔" اس نے بے دلی سے کہا۔

"آپ نے رات کے خونیں واقعے سے اثر لیا ہے تو یہ ایک روٹین کی بات تھی۔ ہمیں اس کا پہلے سے اندازہ تھا۔ آپ نے چلتے وقت کسی خطرے کے پیش نظر ایک پستول میرے جیب میں رکھ دیا تھا۔ ایک پستول پہلے سے میرے پاس تھا۔ انہی اندیشوں کے لئے یہ ہتھیار ایجاد کیے گئے ہی۔ حالانکہ خاصے غیر جمالیاتی ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس ہتھیار ہیں' انہیں چلانے کے لئے مضبوط ہاتھ ہیں' نمک خواروں کے لئے نمک کا ذخیرہ موجود ہے۔ سوچنے سمجھنے کے لئے گردنوں پر سر بھی رکھے ہوئے ہیں۔ بس ایک ذرا سے عزم کی ضرورت پڑتی ہے۔ چھاؤنی سے واپس ہوتے وقت میں پوری طرح محتاط تھا۔ کسی وقت بھی کہیں سے آفت آ سکتی تھی۔ کوئی بھی خلاف توقع واقعہ رونما نہیں ہوا۔ وہی ہوا جو ان حالات میں ہونا چاہیے۔ زندگی ایک میدان کار زار ہے۔ خارجی اور داخلی عناصر کا توازن قائم رہے تو بقا ہے ورنہ فنا ہے۔"

وہ زیر لب مسکرا رہا تھا۔ "خارجی حالات کی اب کیا صورت ہے' کسی نے دیکھا تو نہیں ؟"

"اندھیرا موافق خارجی عنصر ثابت ہوا۔ دن ہوتا تو وہ بھی یہ جرات کرتے ہوئے دس مرتبہ سوچتے۔ فیصلہ عجلت میں کیا گیا۔ اندھیرے سے انہوں نے فیض حاصل کرنا چاہا۔ مجھے بھی مدد ملی۔ لیکن کچھ اور چیزیں ان کے موافق نہیں تھیں' مثلاً انہوں نے اپنے مطلوب کا تخمینہ نہیں لگایا تھا۔"

"کون لوگ ہیں ؟"

"کون ہوسکتے ہیں۔" میں نے سرسری انداز میں کہا اور شروع تا آخر تمام واقعہ اس کے گوش گزار کر دیا۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ نتیجہ سامنے موجود تھا' میں بقید حیات تھا۔ میری رو داد سن کے وہ حیرت کیساتھ مجھ سے لپٹ گیا۔ میں نے اس سے پریت کا ذکر نہیں کیا کہ وہ مجھے باہر صدر دروازے پر ٹکرائی تھی۔ خدشہ تھا کہ پریت کا ذکر سن کے کہیں اس کے تحمل کا ظرف چھلک نہ پڑے۔ وہ فکر میں پڑ گیا کہ آخر کس نے میری مخبری کر دی تھی ؟ کسے معلوم ہوگیا تھا کہ پروفیسر زاہدی کرنل ہارڈنگ سے ملنے چھاؤنی گیا ہوا ہے۔ میں نے اسے پرسکون رہنے کی تلقین کی مگر وہ پریشان ہی رہا۔ آٹھ بجے کے قریب ملاقاتی کمرے کا دروازہ عام لوگوں کے لئے کھول دیا گیا اور میں صوفے سے اٹھ کے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ میں پریت کا انتظار کر رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

میرے قیاس کے مطابق وہ بروقت دنیش کے محل میں نمودار ہوئی۔ میں سوچا اندر کمرے میں چھپ گیا۔ اور کان باہر ہی رہنے دیئے' دیکھیں' وہ ستم پیشہ کیسے شعر سناتی ہے۔

''ارے پریت تم ؟ لباس بھی تبدیل نہیں کیا۔ خیریت تو ہے؟'' دنیش کی آواز آئی۔

''یہاں بھی اداسی ہے۔'' پریت نے جھرجھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیوں ؟'' دنیش نے پوچھا۔ ''تمہاری آنکھیں سوجی ہوئی ہیں جیسے رات بھر جاگتی رہی ہو' کیا بات ہے؟''

''طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ میں واقعی رات بھر جاگتی رہی ہوں۔''

''اب تمہارا کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔'' دنیش نے شوخی کی۔

''کیا بندوبست ؟'' میں اندر کسمسانے لگا۔ شرم کی حالت میں وہ کیسی لگتی ہوگی۔

''ارے کسی کو پکڑ کے لانا پڑے گا۔''

دیر تک اس کی آواز نہیں آئی شاید وہ شرما رہی تھی۔ ''چائے کا انتظام نہیں ہوسکتا ؟ یہاں کوئی ملازم بھی نظر نہیں آرہا ہے۔ سب کہاں مر گئے ؟ موہن داس کہاں گیا ؟'' پریت نے تلخی سے کہا۔

میں الرٹ ہوگیا۔ زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا۔ دنیش نے کہا۔ ''موہن داس اندر موجود ہے۔''

''اندر ؟'' پریت نے حیرت سے کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی آواز کچھ گھٹ گئی تھی۔ اس لمحے دنیش نے مجھے آواز دے کے بلایا۔ میں ہانپتا ہوا باہر آ گیا۔

''نمسکار دیدی جی !'' میں نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔ میرے پہنچنے پر اس کی آنکھوں میں ایک ناقابل بیان بے چینی پیدا ہوئی۔ اس کی یہ اضطرابی کیفیت دیکھ کے میری رات کی ساری تھکن دور ہوگئی۔ ''کیا سیوک سے کوئی کام پڑ گیا ؟'' میں نے خالص ریاستی ملازموں کے لہجے میں کہا۔ ''بڑے بھاگیہ کہ آج کماری پریت دیدی نے یاد کیا۔ میں سرکار سے کہہ کے سفارش کروانے ہی والا تھا کہ کماری مجھے کبھی خدمت کا موقع نہیں دیتیں۔ کماری ناراض رہتی ہیں۔''

وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگی کوئی جواب نہیں دے سکی۔ وہ شدید ذہنی کشمکش میں نظر آتی تھی۔ متذبذب' پریشاں حال' واقعی اس کی آنکھیں سوج رہی تھیں۔ میرا تصور

ہی کہاں کہاں تک تھا۔ وہ مجھے بار بار گھور کے دیکھتی تھی اور پہلو بدلنے لگتی تھی۔ اس بت بلاشبہ وہ دنیش سے یہ کہہ سکتی تھی کہ اس نے کل رات ایک داڑھی والا شخص دیکھا تھا۔ وہ کون تھا ؟ پہلے تو کبھی یہاں نظر نہیں آیا مگر اس نے کمال ذہانت کا ثبوت دیا' کوئی لفظ نہیں کہا۔ کم سخنی ویسے بھی بڑی مفید چیز ہوتی ہے۔ آدمی فلسفے کی کتاب معلوم ہوتا ہے۔ میں بڑی باقاعدگی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی اڑی اڑی سی رنگت' بے قراری' شب خوابی کے لباس میں اس کا نازک سراپا۔ ''موہن داس ! پریت کی خاطر تواضع کا اہتمام کرو۔'' دنیش نے تیکھے پن سے کہا۔

''جناب !'' میں نے گردن جھکالی اور گھنٹی بجا کے ایک ملازم کو طلب کیا اور دنیش کا حکم آگے بڑھا دیا۔ کیوں کہ وہاں سے ہٹنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ پریت کا پورا سامنے کھلا ہوا تھا۔ چھوئی موئی کا پودا۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' دنیش نے بانکپن سے کہا۔ ''موہن داس نے کچھ کہا ہے پریت اس کی خطائیں معاف کردو۔''

''اوہ۔'' اسے جیسے کسی نے کاٹ لیا۔ ''موہن داس...'' اس نے اپنی زبان کی لگام تھامی' اس وقفے میں اسے اپنی برہمی کم کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا۔'' وہ تندی سے بولی۔ ''یہ شخص کیا بک رہا ہے' یعنی...''

''پریت !'' دنیش اشتعال میں اسے مخاطب کر رہا تھا۔ میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے منع کیا۔ اس کا لہجہ احتجاجی ہوگیا۔ اس نے انگریزی میں کہا۔ ''تم موہن داس کو مس کر رہی ہو' یہ بہت خدمت گزار آدمی ہے۔''

''کیا مطلب ؟'' اس نے انگریزی کے بجائے ہندوستانی میں حیرت کا اظہار کیا۔ ''کیا تم میرے پاس اس کا تبادلہ کرنے کی سفارش کر رہے ہو؟''

''نہیں'' دنیش نے بے پروائی سے کہا۔ ''چائے بناؤ۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اچھے ملازموں کو پہچاننا ضرور چاہیئے' وہ ہمدردانہ نظروں کے لئے ترستے ہیں۔''

پریت کے ہاتھ میں چائے کی پیالی کانپ رہی تھی۔ وہ کم بولنا چاہتی تھی لیکن دنیش کوئی نہ کوئی بات کہہ کے اسے چڑا دیتا تھا۔ ''مجھے اس سے ہمدردی ہے۔'' اس نے طنز سے کہا اور میری طرف دیکھا۔ شاید اسے میری آنکھوں کی چمک اور ہونٹوں کی مسکراہٹ پسند نہیں آئی۔

میں نے درمیان میں دخل دیا۔ ''سرکار ! جان کی امان پاؤں تو ایک بات

aazzamm@yahoo.com

کہوں ؟"

"کہو موہن داس !" دنیش نے فراخ دلی سے کہا۔

"جناب ! راج کماری پریت سے زیادہ ذہین اور بہادر کماری پورے بھو
میں نہیں ہے۔ انہیں تو کسی راجا کی رانی بننا چاہیے۔ میرے دل میں ان کی بڑی قد
ہے۔ لیکن جب میں یہ سوچتا ہوں کہ یہ مجھ سے ناراض رہتی ہیں تو مجھے اپنے دل سے
نفرت ہونے لگتی ہے۔ صاحب ! نہ جانے کیوں میرا من کرتا ہے کہ یہ اپنے ہاتھوں سے
مجھے سزا دیں۔ میرا گلا گھونٹ دیں۔"

دنیش اس پر بے ساختہ ہنسنے لگا۔ پریت کا چہرہ تمتما گیا لیکن دنیش کو ہنتے
دیکھ کے وہ بھی مسکرا پڑی' پھیکی' زہریلی' جلتی ہوئی' خوف زدہ مسکراہٹ۔ "سنا تم نے
یہ تمہارے لئے اپنے دل میں کیسے جذبات رکھتا ہے۔"

"یقیناً" وہ ترشی سے بولی۔ "میں تمہاری سفارش پر اسے سمجھنے کی کوشش
کروں گی۔ میں ضرور نظر ثانی کروں گی۔"

دروازے پر کسی کے چہکنے کی آواز آئی جیسے مکئی کے دانے گرم بالوں میں
چٹخیں۔ جیسے پھل جھڑیاں چھوٹیں' جیسے پتنگے اڑیں' وہ اس طرح سرشار جھومتی گنگناتی
ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اکھڑ' بدمست' خود سے بیگانہ سندھیا۔ لالالالالالالارا۔ تنانا تنی نی
تنا نارا۔ اس نے ایک ہاتھ اٹھا کے دونوں کو مستانہ انداز میں سلام کیا اور جب میں اس
کی نظر کے نشانے پر آیا تو اس کا غنچہ چٹک گیا۔ "اوہ۔ موہن!" اس نے بے ساختہ
مجھے پکارا۔ "شام کو تم کہاں تھے ؟"

"یہیں تھا سندھیا جی ! میں کہاں جاتا۔ کہئے مجھ سے کچھ کام پڑ گیا؟"

"میں نے تمہیں ہر جگہ تلاش کیا۔" اس نے بے باکی سے کہا حالانکہ میں
نے کل ہی اسے تلقین کی تھی کہ وہ اپنے اور میرے تعلق کا ذکر کسی سے نہ کرے' شاید
اسے یاد آ گیا۔ وہ تمکنت سے بولی۔" ہمیں تم سے کام تھا۔ انکل دنیش سے پوچھو' میں
تمہیں پوچھتی ہوئی آئی تھی یا نہیں ؟"

"سندھیا ! ہم نے تمہیں بتایا تھا نا کہ موہن ضروری کام سے گیا ہوا ہے"
دنیش نے ناگواری سے کہا۔ "تم اپنا کام کسی اور شخص سے کروا لیتیں' یہاں ملازموں کی
کمی نہیں ہے۔"

"انکل ! سارے ملازم گندے اور حرام خور ہیں۔ موہن داس سب سے اچھا

ہے۔" سندھیا نے دنیش کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

اسے قرار نہیں تھا وہ بے کل تھی۔ دنیش نے اس کے بال پکڑ لیے۔ "سندھیا
تمہاری زبان اب تیز چلنے لگی ہے۔ میں تمہیں انگلینڈ بھیج دوں گا۔ تم وہاں صحیح تربیت
پاؤ گی اور تمہیں اندازہ ہوگا کہ یہاں کے اور وہاں کے ملازموں میں کیا فرق ہے۔
تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی' اس طرح باتیں نہیں کرتے پیاری بچی!"

اس نے اپنا سر دنیش کی آغوش میں دے دیا تھا اور وہیں سے مجھے تک رہی
تھی۔ شوخی پھوٹی پڑتی تھی لیکن میری نظر اس پر زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکی۔ ادھر پریت
بیٹھی تھی۔ ہم دونوں کی پتلیاں بار بار آمنے سامنے ہو جاتی تھیں۔ اس کے چہرے کے
رنگ بدل رہے تھے' مجھے یقین تھا کہ آج دن میں کسی وقت انگریز فوج کی گشتی گاڑیاں
میجر رابرٹ کی لاش دریافت کرلیں گی' اس کے بعد بھی پریت کی حالت دیدنی ہوگی
جیسے لال مرچ کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دی جائے۔ اس نے تھک کے صوفے سے
سر ٹکالیا تھا اور چھت کے نقش و نگار دیکھ رہی تھی۔ اس کا بدن کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا
تھا۔ اس کی کھنچی ہوئی گردن کی نسیں ابھری ہوئی تھیں۔ آدمی کی سوچ پر کس نے قدغن
لگائی ہے؟ میں نے تصور میں اس کے سوا بھی اسے نئے نئے زاویوں سے دیکھا اور
سوچا۔

ابھی سندھیا کو آئے دیر نہیں ہوئی تھی کہ پارو لپکتی ہوئی کمرے میں نمودار
ہوئی' اس نے پیازی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اس میں سے اس کا سراپا چھلک رہا تھا۔
معلوم ہوتا تھا جیسے آج ہی بنی ہے' تر و تازہ شگفتہ بالکل نئی۔ پارو پر یہ الزام تھا کہ وہ
آں جہانی پرکاش چندر کی آخری رانی تھی' کسی ایسی نئی نئی لڑکی کی شادی نہیں ہوتی اور
ہوتی ہے تو وہ اتنی نئی نہیں ہوتی۔ آں جہانی پرکاش چندر نے موت سے پہلے شاید اسے
دیکھنے ہی پر اکتفا کیا تھا۔ اس کے صرف نظارے کے لئے شادی کی تھی کیونکہ اس کے
بدن کی ٹہنی بڑی سرسبز تھی۔ وہ جاہ و جلال سے' ایک شان دل ربائی سے اندر داخل
ہوئی۔ میرے سینے میں ہلچل سی مچی اور میری گردن تن گئی۔ دنیش' پریت اور سندھیا سے
دو چار باتوں کے بعد اس نے اپنی نگاہ کی کمند مجھ پر پھینکی اور ایک ثانیے میں ساری
شکایتیں کر ڈالیں۔ میں نے آنکھیں میچ لیں کہ میرے پاس ان شکایتوں کے باقاعدہ
جواز ہیں۔ پھر شکنتلا آ گئی۔ سریش آ گیا پھر چند رانیاں آئیں دیکھتے دیکھتے خاصا
اژدہام ہوگیا۔ غالباً جس نے کسی کا دروازہ کھٹکھٹایا اسے یہ خبر ملی کہ وہ دنیش کی طرف

aazzamm@yahoo.com

گیا ہے' چنانچہ سب کا رخ اسی طرف ہوگیا مگر وہ نہیں آیا جسے میری آنکھیں ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ نہ جانے کس عالم میں ہوگی؟ کتابوں میں بیٹھی ہوگی اور گبن کے ساتھ ہوگی یا ملٹن کی انگلی پکڑ کے انگلستانوں کی سیر کر رہی ہوگی یا مارکس کے ساتھ برٹش میوزیم میں بیٹھی ہوگی یا ڈارون کے ساتھ بیگل پر سفر کر رہی ہوگی' موپساں اسے ستا رہا ہوگا۔ یا وہ یو سے ڈر رہی ہوگی۔ اس کی سیاہ دراز زلفیں' سیاہ زلفیں' رخساروں کے آنگن میں کھیل رہی ہوں گی' شاردا وہاں نہیں تھی۔ اس لئے میں دنیش کی خواب گاہ میں چلا آیا۔ میں ان سب لوگوں کی نگاہوں کی تاب نہ لاسکا جو مجھ پر مرکوز ہوتی جاتی تھیں۔

میری پشت دروازے کی جانب تھی اور میں کرسی پر بیٹھا دنیش کے سرہانے رکھے ہوئے انگریزی رسائل کی تصویریں دیکھ رہا تھا۔ اچانک مجھے جھرجھری آ گئی۔ کسی نے میرے کان میں تنکا کیا۔ میں کرسی سمیت گھوم گیا' وہ سندھیا تھی۔ وہ ان سب لوگوں کے سامنے آ گئی تھی۔ ''آپ؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔ ''آپ اندر کیسے آ گئیں؟''

''ایسے۔'' وہ پھرتی سے دو قدم پیچھے ہٹ کے پھر آگے آ گئی مجھے وہ نور جہاں لگی۔ نور جہاں نے کبھی سلیم کو ایسا ہی جواب دیا تھا۔ یہ ادا مجھے کچھ ایسی بھائی کہ بے اختیار میرے دونوں بازو پھیل گئے اور وہ میرے سینے میں اتر پڑی۔ میں نے اسے دونوں بازوؤں سے جکڑ لیا اور اس کی گردن پر اپنے ہونٹوں کی آگ رکھ دی' شاید وہ جل گئی۔ تڑپنے لگی اور مجھے بروقت کسی نے اندر سے ٹہوکا مارا۔ میں نے اسے فوراً آزاد کر دیا۔

''جایئے۔'' میں نے گھبراہٹ میں کہا۔ ''کوئی بھی اندر آ سکتا ہے۔''

''آنے دو۔'' وہ سرکشی سے بولی۔

''پھر میں مر جاؤں گا۔ آپ کا کچھ نہیں ہوگا۔''

''میں بھی مر جاؤں گی۔''

''اس وقت آپ چلی جایئے۔'' میں نے منت کرتے ہوئے کہا۔ ''ورنہ میں

''رات کو فون کرو گے نا؟ جب میں ہاں کہہ دوں' چلے آنا۔''

''فون کسی اور نے اٹھالیا تو؟''

''میں اسے اپنے قریب ہی رکھ لوں گی۔''

''گھنٹی کی آواز سے کوئی جاگ گیا تو؟''

اس کا چہرہ بجھ گیا۔ ''ہمارے لیے بڑی مشکلیں ہیں۔''

ایک بار پھر میرے ہاتھ اسے آغوش میں لینے کے لئے مچلے لیکن دروازہ کھلا تھا۔ مجھ پر خوف طاری ہوگیا اور میں نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ رات کو سونے سے پہلے اس طرف آئے' میں کوئی تدبیر سوچ کے رکھوں گا' اگر میں یہ نہ کہتا تو سوال و جواب میں نہ جانے کتنی دیر لگ جاتی۔ میرا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ دروازے پر آہٹ ہوئی' میں سنبھل کے دور جا کھڑا ہوا۔ پارو تیزی سے اندر آئی تھی۔ سندھیا کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اس کے لب مرتعش ہوئے' وہ واپس ہونا چاہتی تھی' کچھ سوچ کے ٹھہر گئی۔ مجھے اس کے اضطراب کا حال معلوم تھا۔ وہ رات بھر کروٹیں بدلتی رہی ہوگی۔ ہوا سندھیا کو اب یہاں سے چلا جانا چاہیے تھا۔ میں گومگو کی حالت میں کھڑا تھا کہ اس سے کیا کہوں کیا نہ کہوں؟ رات کو نہ آنے کا عذر کس طرح بیان کروں؟ کیا بتاؤں کہ رات کو تو میں مر گیا تھا۔ آج میرا نیا جنم ہے۔ سندھیا بہت تیز لڑکی تھی۔ کہاں کہاں نہ رسوا کرے گی۔ وہ آپس میں گفتگو کرنے لگیں' میں چپکے سے باہر جانے لگا' یہی ایک بات مناسب نظر آئی لیکن پارو کی آواز نے میرے قدم روک لیے۔ ''بھون سے باہر جاؤ تو مجھے اطلاع دے کے جانا۔'' اس نے سختی سے کہا۔

''آج موسم خراب ہے۔'' میں نے جرات کی۔ ''گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں' شاید بارش ہو۔ رات بھی بجلی چمک رہی تھی اور گھن گرج ہو رہی تھی' میں رات راج کمار کے کام سے گیا' راستے میں پھنس گیا۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ رانی صاحبہ! آج میں کہیں نہیں جاؤں گا۔''

اس نے میرا بیان نظر انداز کر دیا اور سندھیا سے باتیں کرنے لگی' میں باہر آیا تو وہاں پرکاش بھون کی آدھی آبادی جمع تھی۔ پریت ان میں نہیں تھی۔ میں اس سے گزرتا ہوا راہ داری میں آ گیا۔ شاردا اپنے محل میں نہیں تھی۔ مالتی نے بتایا کہ وہ لائبریری میں بیٹھی ہے۔ میں لائبریری کی طرف نکل گیا۔ وہ ایک موٹی کتاب کے مطالعے میں منہمک تھی۔ وہاں تنہائی نہیں تھی مگر مجھے تو اسے بس دیکھنا تھا۔ اس نے کنگھی کر کے بال کھلے چھوڑ دیے تھے۔ میں ان سیاہ بالوں کے برقع میں اس کا بے حجاب چہرہ دیکھتا رہا اور آنکھوں میں سرمہ لگا کے چلا آیا۔ پھر میں اپنے کوارٹر میں آ کے دراز ہو گیا۔ ڈالی موجود نہیں تھی۔ تنہائی آوارہ خیالوں کا نشیب ہوتی ہے۔ میں

aazzamm@yahoo.com

نے کمر ٹکائی ہی تھی کہ خیالات بہنے اور اودھم مچانے لگے۔ میری آنکھ لگ گئی لیکن خیالوں کو جسم کی نیند سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اور سرشور ہو جاتے ہیں۔ سارا میدان صاف ملتا ہے' چوکیدار سو جائے تو یہی ہوتا ہے۔

دوپہر کے وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میری آنکھ کھل گئی۔ دروازے پر پرنام کرتا ہوا پنڈت ایشوری لال موجود تھا۔ میں نے اسے اندر بلا لیا۔ "آج مہاراج استھان پر ہی مل گئے۔" وہ ریشہ خطمی ہو کے بولا اور میرے چرن چھو لیے۔

"کیا ارادہ ہے ایشوری لال؟" میں نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"جو مہاراج کا ارادہ ہو' سیوک تو تیار بیٹھا ہے۔"

"اب یہاں سے جی اکتا گیا ہے' کہاں چلو گے؟"

"ایک دن ایسا ہی ہونا تھا۔" پنڈت نے اشتیاق سے کہا۔ "ویسے تو دیوی کا جو استھان بھائے پر ہمالیا کی طرف زیادہ شانتی ہو گی۔"

مجھے پنڈت کے غیر معمولی اشتیاق سے تجسس پیدا ہوا۔ سادھو دیوراج اور پنڈت دونوں مجھے بھون سے نکلنے اور ویرانوں میں چلنے کی تلقین بار بار کرتے رہے تھے اور میں نے کبھی ان سے یہ پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ کیوں ایسا کہتے ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ میں کیچو کے بارے میں اپنی کم علمی کا اظہار کرنا نہیں چاہتا تھا کیچو کی وجہ سے وہ مجھ پر مہربان تھے۔ یہ اور بات ہے کہ خود مجھے کیچو کے اسرار کا علم نہیں تھا۔ ایشوری لال اور سادھو کی سنجیدگی بے سبب نہیں ہو سکتی تھی۔ "کچھ اور کام نمٹانے رہ گئے ہیں پنڈت!" میں نے گھمبیر آواز میں کہا۔

"سنسار کے کام کبھی ختم نہیں ہوتے اور دیوی کی آشا سے بڑا کون سا کام ہے۔ سمے پر نہ پہنچے تو دیوی ناراض ہو جائے گی۔" وہ ایسے دبے دبے لفظوں میں بولا جیسے میری شان والا صفات میں گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہے۔

"نہیں پنڈت ایشوری لال! دیوی کیوں ناراض ہو گی۔ تمام کام نمٹا کے چلیں گے تو من شانت رہے گا۔"

"تم بڑے بھاگیہ والے ہو مہاراج! میری اتنی بنتی ہے کہ مجھے بھول نہ جانا تمہارے چرنوں میں رہوں گا تو جیون سپھل ہو جائے گا۔"

"ہاں ایشوری لال! تم سے اچھا سیوک کہاں ملے گا۔"

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں مہاراج! میں نے تمہیں پہچاننے میں کتنی دیر

... میں نے تمہیں دکھ دیئے اور تم نے مجھے شما کر دیا۔ میرے ہردے میں اب بھی یہ ... چھا ہوا ہے کہ میری طرف سے تمہارا من پوری طرح صاف ہوا ہے یا نہیں؟" وہ ... نادمانہ انداز میں بولا۔

"تم نے مجھے کب پہچانا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"جانے دیجئے مہاراج!" پچھلی باتیں دہرانے سے کیا ہو گا۔" وہ ندامت ... بولا۔ "میں بڑا ابھاگی تھا۔ میں سمجھا کہ وہ کوئی معمولی کالی شکتی ہو گی جو تمہارے ... ہے' پھر مجھے پتہ چلا کہ وہ تو دیوی ہے' جس کی شکتی اونچی ہے' میرے من میں ... آیا اور مجھے تم سے بیر ہو گیا۔ میں یہاں بیٹھ کے اور آسن جما کے دیوی کو راضی ... چاہتا تھا لیکن یہی مجھ سے بھول ہو گئی۔ دیوی نے پہلے ہی تمہیں چن لیا تھا۔"

میرے ذہن میں بہت سے سوال آئے۔ وہ سب ابتدائی نوعیت کے سوال ... مثلاً دیوی کون ہے؟ اس کی شکتی کیا ہے؟ وہ کیا چاہتی ہے؟ ہمالیا کی پہاڑیوں ... جانے سے کیا فرق واقع ہو گا؟ میں اتنا کم عقل نہیں تھا کہ سادھو دیوراج اور پنڈت ... لال کی غیر متوقع نوازشوں سے کچھ نہ سمجھ سکتا۔ کوئی بات ضرور تھی۔ کوئی انوکھی ... کیچو کیسے کیسے مشکل موقعوں پر نمودار ہوئی تھی۔ عقل نے کیسی غیر عقلی باتوں کا ... کیا تھا۔ میں نے پنڈت کی کمر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس اثناء میں ڈالی بھی آ گئی اور ... کو گھر میں دیکھ کے اس کی تیوری چڑھ گئی۔ اس نے رسمی انداز میں پنڈت کو سلام ... جس کا جواب پنڈت نے بہت تپاک سے دیا۔ لیلا کی کتیا بھی بڑی شے ہوتی ... کتیا ڈالی آ گئی تھی۔ میں اس کے غرانے اور بھونکنے کا منتظر تھا۔ اپنا پلا صحن میں ... کے وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ گڈا کھل کھلاتا ہوا میری سمت تیزی سے بڑھنے ... مجھ پر سوار ہو گیا۔

"پھر کب کا ارادہ ہے مہاراج؟" پنڈت نے چپکے سے پوچھا۔

"سمے نہیں آیا ہے پنڈت انتظار کرو اور مجھ سے ملتے رہو۔"

"اگر تم حکم کرو تو میں یہیں ڈیرا ڈال دوں؟ یہاں یا کوارٹر کے باہر پیپل کے نیچے استھان جما لوں؟"

"نہیں' تم مندر ہی میں رہو۔" میں نے حکماً کہا۔ "اب جاؤ۔"

"جیسی اچھا مہاراج!" پنڈت نے اٹھ کر پھر سے میرے پیر پکڑ لیے۔ ڈالی ... سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

ڈالی نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی البتہ مجھے خوب جی بھر کے کھانا کھلایا' وہ شاید اس انتظار میں رہتی تھی کہ میں اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھاؤں۔ میں سامنے بیٹھا رہوں اور وہ توے پہ روٹیاں ڈالتی رہے۔ میں نے یہ بات محسوس کی تھی کہ وہ کھانے کے دوران میں میرا منہ چلتا ہوا دیکھ کے خوش ہوتی تھی اور میں اسے چولھے کے قریب دیکھ کے خوش ہوتا تھا۔ چولھا عورت کا وجود مکمل کر دیتا ہے ورنہ عورت خالی خالی' آدھی آدھی سی محسوس ہوتی ہے' چولھے کی گرمی سے رخساروں پر پسینے کے جو قطرے ابھرتے ہیں' وہ موتی سے لگتے ہیں۔ چولھے کے قریب بیٹھ کے کھانے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔

میرا خیال ہے' ایسا کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں دباؤ نہیں ہوتا۔ ادھر ادھر کے دباؤ کیا کم ہوتے ہیں' زندگی میں آدمی جتنا شامل ہوتا جاتا ہے' دباؤ بڑھتے جاتے ہیں اور میری زندگی؟

میں نے چپ چاپ وہاں سے نکل جانے میں عافیت سمجھی۔ ایسے عالم میں جب رات' راجے پور میں گزشتہ رات نو دس قتل ہوگئے ہوں اور انگریز افسر میجر رابرٹ پراسرار طور پر غائب ہوگیا ہو' مجھے گھر میں بیٹھ کے وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر لاشیں سڑک سے نہ اٹھائی گئی ہوں گی تو راجے پور کی پولیس کا کھانا پینا اور سونا جاگنا حرام ہوگیا ہوگا' اور آئی جی مہتا صاحب کو ایک بار پھر میرے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ جتنا سوچتا تھا' پیچیدگیاں ہی پیچیدگیاں نظر آتی تھی۔ اس لئے میں نے سوچنا کم کردیا۔ میں نے سندھیا' پارو' شاردا اور پریت کے حسن و جمال اور خدوخال پر شاعری شروع کر دی۔ بہت سے شعر لفظوں میں منتقل نہیں ہوتے۔ انہیں آدمی اپنے اندر کہتا سنتا اور سر دھنتا رہتا ہے مگر دوپہر کا وقت تھا۔ آفتاب عالم تاب شباب پر تھا اور یہ وقت شعر و شاعری کے لئے موزوں نہیں تھا۔ پھول بھی ایسے وقت بوجھل ہو جاتے ہیں۔ بارش کے بعد جب سورج نکلتا ہے تو انتقام لیتا نظر آتا ہے۔

دنیش کے پاس سے بھیڑ چھٹ چکی تھی۔ اس نے کمرہ بند کر دیا اور سیکرٹری کو ہدایت کرکے مجھے خواب گاہ میں لے گیا' وہ کچھ پریشان معلوم ہوتا تھا۔ ''موہن!'' اس نے منتشر لہجے میں کہا۔ ''ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ راجے پور کی ہر سڑک پر انگریزی فوج کی گاڑیاں گشت کر رہی ہیں۔''

''کیا لاشیں دریافت کرلی گئیں؟'' میں نے اطمینان سے پوچھا۔

''معلوم نہیں ہوسکا۔ میں نے ایک پولیس افسر کو فون کیا تھا۔ وہ ہمارے خاندان کا قدیم نمک خوار ہے۔ اس نے اشاروں میں بتایا کہ میجر رابرٹ گم شدہ ہے۔''

''اور لاشوں کا کوئی ذکر نہیں کیا اس نے؟''

''نہیں۔ اس نے کچھ اور نہیں بتایا۔'' وہ وحشت میں بولا۔

''تو پھر آرام کیجئے۔ اصل مسئلہ لاشوں کا تھا۔ اگر ان میں سے ایک آدمی بھی پہچان لیا جاتا تو جگ دیپ کے بہت سے لوگوں کو پریشان ہونا پڑتا۔ ادھر میں گرفتار کر لیا جاتا لیکن جگ دیپ بابو بہت سمجھ بوجھ کے آدمی ہیں۔ انہوں نے میرے ساتھ بھی سلوک کیا۔ خود بھی محفوظ رہے' یار زندہ صحبت باقی۔ آپ مطمئن رہیے۔ یہ پتہ نہیں چلے گا کہ مقتول کبھی پیدا بھی ہوئے تھے یا نہیں اسے راجے پور کی پہاڑیوں کے قبائل کا ہی جھگڑا سمجھا جائے گا ویسے بھی یہ ایک ناممکن بات ہے کہ صرف ایک طرف کی لاشیں گری ہوں۔ یہ تو صریحاً آپس کا فساد ہے اور انگریز کو ہندوستانیوں کی لاشوں سے کیا دل چسپی کیوں ہونے لگی۔ ان کی تعداد جتنی کم ہوں گی۔ انگریزوں کے لئے مسرت کا سبب بنے گی۔ وہ تو ہندوستان میں کوئی ہندوستانی دیکھنا نہیں چاہتے۔''

''تمہارا تجزیہ قرین قیاس ہے مگر یہ رابرٹ کہاں غائب ہوگیا؟'' اس نے انکھیوں سے مجھے دیکھا۔ رات بھی اس کے سلسلے میں فون آیا تھا۔ تم اس بات کو کوئی اہمیت کیوں نہیں دے رہے ہو؟''

''اسی خبر سے تشویش مہاراجا اور راج کمار جگ دیپ کو ہونی چاہیے۔ مہاراجا کے نظم و نسق پر داغ آیا اور جگ دیپ کا ایک دوست لاپتہ ہوگیا۔ آپ کیوں پریشان بیٹھے ہیں۔''

''اگر میجر کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تو یہ ریاست کے لئے ایک لرزہ خیز بات ہوگی۔'' دنیش نے میری صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے مگر ریاست جوں کی توں قائم رہے گی۔ شک ہم پر بھی کیا جائے گا' ممکن ہے' بعد میں ہمارے حق میں مفید نتائج برآمد ہوں کیونکہ یہ بے بنیاد شک ہوگا۔''

''تم بہت ...... بہت وثوق سے باتیں کر رہے ہو۔'' دنیش نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

aazzamm@yahoo.com

''شدید خواہشوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔''

میں نے میجر کی گم شدگی پر دنیش سے غیر محتاط تبصرہ کیا تھا۔ فون کی گھنٹی بروقت بجی۔ دنیش نے جلدی سے ریسیور اٹھایا اور نہایت توجہ سے مخاطب ہوا۔ مگر پھر اس کے چہرے پر شادمانی بکھر گئی۔ میں سمجھا تھا کہ راج کماری کنول ہے مگر وہ ریتا تھی۔ دنیش نے اس سے شکایت کی کہ اس نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اب تک کیوں نہیں آئی ؟ وہ اس سے رسمی شگفتہ باتیں کرتا رہا۔ پھر اچانک کرسی سے اچھل پڑا۔ ''موہن داس۔'' اس نے حیرت سے دہرایا۔ ''وہ ...... موہن داس ؟ چند لمحے ٹھہریے'' اس نے مجھے گھور کے دیکھا اور ریسیور پر ہاتھ رکھ کے کہا۔ ''وہ تمہارا نام لے رہی ہے۔''

''لائیے' فون مجھے دیجئے۔'' میں نے مسکرا کے کہا۔ دنیش پر ایسی حیرت کبھی طاری نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ریسیور میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہوگئی تھی۔ ''او ہیلو ریتا!'' میں نے شائستہ انگریزی میں اسے مخاطب کیا۔ ''تم کیسی ہو؟''

''مجھے رات بھر فکر رہی' تم خیریت سے تو پہنچ گئے تھے؟''

''ہاں' یہ ایک خوب صورت سفر تھا۔ تم کب آرہی ہو؟ بس اب آجاؤ؟ سنو رات کی باتیں یاد ہیں نا۔''

''میں انہیں کبھی نہیں بھول سکتی۔'' اس نے عزم سے کہا۔

''یہاں آؤ تو پروگرام بنائیں۔ تم نے کرنل سے اجازت لے لی ہو گی اور ہاں کرنل کا کیا حال ہے ؟ میرا خیال ہے' رات میرے اور ان کے درمیان ایک دلچسپ مناظرہ ہوا تھا۔''

''ڈیڈی تم سے بہت متاثر ہیں' انہوں نے مجھے اجازت دے دی ہے۔''

''تو کب آرہی ہو تم ؟''

''شام تک' سر شام آجاؤں گی۔'' اس کے لہجے سے خوشی ٹپک رہی تھی۔

دنیش چندر کی حالت ناقابل بیان تھی' میں اس کے سامنے رواں اور شستہ انگریزی میں ریتا سے باتیں کر رہا تھا' وہ مجھے تیز اور وحشت زدہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ میں نے ریتا سے پوچھا۔ ''سنو میجر رابرٹ کا کیا ہوا ؟ کیا واپس آ گیا ؟''

''پتہ نہیں' ڈیڈی ابھی ابھی کسی سے فون پر کہہ رہے تھے کہ اسے ہائی کمان

نے اچانک طلب کرلیا ہے' مجھے ان باتوں سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔'' وہ اکتاہٹ سے بولی۔

''تو ہم بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ ظاہر ہے مجھ میں دنیش سے نظریں ملانے کی جرات نہیں تھی۔

چند لمحوں تک کمرے میں بھیانک سناٹا طاری رہا۔ پھر دنیش چندر کی گلوگیر آواز آئی۔ ''شرما کیوں رہے ہو؟'' وہ میرے قریب آ گیا تھا۔ اس نے مجھے بازو سے پکڑ کے اٹھایا اور بے تحاشا گلے سے لگا لیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے مجھے گریجویشن کی ڈگری آج ملی ہے' وہ مجھے گلے سے لگائے کمرے میں ناچنے لگا۔ پھر تھک کر مسہری پر گر گیا۔ ''تم نے بہت ستایا ہے موہن ! میں تمہیں شوٹ کردوں گا۔'' میں سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ ''تم نے خود کو اس قدر کیوں چھپایا ؟ اور تم کتنی اچھی انگریزی بول رہے تھے۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ شدید جذباتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اور اور یہ سب تمہیں تمہارے منہ پر گالیاں دیتے رہے اور تم سنتے رہے' تم کیا بلا ہو موہن ؟ تم تو مجھے تباہ کر دو گے۔''

''میں شرمندہ ہو رہا ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ شرمندہ ہو رہے ہیں یا شرمندہ کر رہے ہیں۔ کرنل کی لڑکی ہم سے زیادہ تیز نکلی' جو ہم نہیں جان سکے' وہ اس نے جان لیا۔''

''اس کے سوا اور کیا صورت تھی' وہ یہاں آرہی ہے اور اسے یہاں آنا چاہیے۔ میں نے کل رات اپنے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب ہم اطمینان سے اس کی مہمان نوازی کرسکیں گے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ہم سے آپ کب تک دور رہیں گے ؟''

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' میری آواز بھرا گئی۔

''موہن !'' اس نے والہانہ انداز میں مجھے پکارا۔ ''سب پردے اٹھا دو موہن ! بعض اوقات بہت دوری' بہت اجنبیت محسوس ہوتی ہے۔''

''اب کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ بس آنکھوں کا حجاب رہ گیا ہے۔''

وہ کچھ اداس سا ہو کے آرام کرسی پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کی گردن ڈھلک گئی۔ میں نے اس کی پیشانی چوم لی۔ جی میں آیا' اب سب کچھ اسے صاف صاف بتا دوں کہ میرا اصل نام کیا ہے۔ میں کون ہوں اور یہاں دیواروں میں چھپنے کیوں آیا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

''وہ پردے رہنے دیجئے دنیش بابو! جن سے کسی کی پردہ پوشی ہوتی ہو اور آپ کے لئے وہ بے ضرر بھی ہوں' میں تو آپ کو ان پردوں کے اندر سے بھی نظر آ رہا ہوں۔'' میں نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے اٹھایا۔ اب آیئے۔ اٹھیے۔ ریتا کی مہمان نوازی کے احکام صادر کیجئے اور میرے چند مشورے بھی دل پر نقش کر لیجئے۔ خیال رہے' آقا زادی آ رہی ہے۔ غلاموں کو ہر اعتبار سے مستعد اور چاق و چوبند ہو جانا چاہیے۔ ان کی خوشی میں ہماری خوشی' ان کی رضا میں ہماری رضا ہے ملکہ برطانیہ کی مہمان نوازی کا اعزاز حاصل کیجئے۔''

''میرا اعزاز تو ہے موہن! اب مجھے خوف رہنے لگا ہے کہ مجھ سے یہ اعزاز چھن نہ جائے۔'' اس نے میرے کاندھوں پر ہاتھ ڈال کے کہا۔ ''میں تجھے تہہ خانے میں بند کر دوں گا یا تیرے لئے ایک پنجرا بنوا دوں گا۔ کاش تو لڑکی ہوتا۔''

''میں سمجھتا ہوں کہ میری آپ سے شادی ہو چکی ہے۔''

بظاہر یہ لفظ شاعری نظر آتے ہیں مگر اس شاعری میں اثر نہیں ہوتا جسے سینے کی تپش سے سینکا نہ گیا ہو' جس کے آمیزے میں خون کے چھینٹے نہ ڈالے گئے ہوں۔ لفظوں کا ایک چہرہ ہوتا ہے اور چہرے پر سب کچھ نظر آ جاتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے یا سچ؟ میں دنیش چندر سے بہت کچھ چھپا رہا تھا مگر میرا چہرہ بھی تو سلگ رہا تھا۔ وہ جب میری آنکھیں دیکھتا تو اپنے تمام مطالبے اپنے تمام سوال واپس لے لیتا تھا۔

عزت مآب کرنل ہارڈنگ کی لڑکی کے لئے دنیش کے برابر والے خصوصی مہمانوں کے کمرے مختص کر دیئے گئے۔ ملازموں اور باندیوں کی ایک فوج وہاں تعینات کر دی گئی۔ آناً فاناً بھون میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ آفیسر ان کمانڈ کی دختر نیک اختر جلوہ افروز ہو رہی ہے۔ میرے مشورے پر پارو کو ریتا کے پروٹوکول کا انچارج بنایا گیا۔ بھون کے پرانے ملازموں کو بلا کے رقص گاہ' طرب گاہ' میوزیم' لائبریری' ریس کے میدان' اصطبل' ہاتھی خانے اور باغ کی صفائی کا حکم دیا گیا۔ حوض کا پانی بدلنے کا بھی حکم صادر ہوا اور راجے پور کے نواح سے بازیگر' جوگی' سازندے' طوائفیں اور بھانڈ طلب کر لئے گئے' باورچیوں کو اعلیٰ قسم کی پکوان بنانے کی ہدایت کی گئی۔ شام تک دنیش حکم پر حکم دیتا رہا۔ حکم دیتا ہوا آدمی کتنا بڑا لگتا ہے' زندگی میں کامیاب آدمی کی ایک ہی نشانی ہے کہ وہ کتنے زیادہ حکم دینے پر قادر ہے۔

شام کو بھون میں ہر طرف ہلچل مچ گئی۔ ریتا کا جلوس شان و شوکت سے

aazzamm@yahoo.com

بھون میں داخل ہوا۔ وہ ایک بڑی سیاہ گاڑی میں رونق افروز تھی۔ پیچھے دو گاڑیاں اس کی نگراں تھیں۔ ایک باڈی گارڈ دستہ' اینگلوانڈین گورنس' باقی گاڑیاں رخصت ہو گئیں۔ راج کمار اور اس کی بہنوں اور رانیوں نے ریتا کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ہندوستانیوں کی یہی باتیں تو انگریزوں کو بہت مرغوب تھیں' ہندوستانی ہر فرنگی کو بادشاہ اور ہر فرنگن کو ملکہ سمجھتے تھے' ایک طرف پارو' دوسری طرف دنیش' دائیں بائیں بہت سی رانیاں' شاردا ان میں سب سے پیچھے تھی اور پریت کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ سب نے رنگ برنگے لباس پہن رکھے تھے' بدن کے رنگ کیا کم تھے کہ لباس کے رنگوں نے دھوم مچا دی۔ ریتا بے قراری سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ ملاقاتی کمرے میں دنیش نے سب سے اس کا تعارف کرایا۔ میں دور کھڑا ہوا یہ عبرت ناک نظارہ کر رہا تھا۔ آخر ریتا کی آوارہ نظر مجھ پر آ پڑی۔ میں نے ادب سے گردن خم کر دی' میں اس کا تاثر نہیں دیکھ سکا۔

کرنل ہارڈنگ نے اپنی لڑکی ریتا کو نازک وقت میں دنیش کے ہاں بطور مہمان آنے کی منظوری دے دی تھی اور میجر رابرٹ کی گم شدگی کا عذر تراش لیا تھا۔ اس سے کرنل کی فراست کا اظہار ہوتا تھا' وہ ریاست کے عوام کو یہ تاثر دینا نہیں چاہتا تھا کہ اب انگریز آسانی سے غائب کیے جا سکتے ہیں۔ اقتدار کا پہلا نکتہ برداشت ہے' زندگی کے اقتدار کا بھی یہی نکتہ ہے' یہ بات ابھی تک لاینحل تھی کہ انگریزی کھوجی میجر کی لاش دریافت کرنے میں کامیاب ہوئے یا نہیں؟ یا یوں ہی حفظ ماتقدم کے طور پر کرنل نے میجر کی گم شدگی کو دوسرا رنگ دے دیا؟ بہرحال کچھ بھی ہو۔ مجھے راج کمار جگ دیپ کا خیال آ رہا تھا' باپ سے محرومی' یار جانی پرشوتم سے جدائی' رات دس جاں نثاروں سے دائمی انقطاع' میجر رابرٹ جیسے دوست کا روٹھ جانا اور اب پرکاش بھون میں ریتا کی آمد۔ ان صدموں سے اسے جاں بر تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کچھ دیر بعد پتہ چلا کہ انگلستان سے تازہ وارد اس کی بہن انیتا بھی بطور مہمان پرکاش بھون میں جلوہ فرما ہو چکی ہے' اسے دوبارہ دیکھنے کو ویسے بھی طبیعت چاہ رہی تھی' رات تک نہ جانے کیا کیا ہنگامے ہوتے رہے' عشائیے کی طویل میز سج گئی۔ شاردا نے آنکھوں آنکھوں میں مجھ سے درخواست کی کہ میں وہاں سے دفع ہو جاؤں کیونکہ میری موجودگی میں کھانا اس کے حلق سے نہیں اترے گا۔ میں نے دنیش کے اس کمرے میں پناہ لی جہاں کی دیواریں میرے بہت سے مناظر کی شاہد تھیں۔

مجھے پروگرام معلوم تھا۔ کھانے کے بعد بڑے ہال میں نغمہ و سرود کی محفل

بجنے والی تھی۔ ہم نے ترنم کو جان بوجھ کر اس میں شامل نہیں کیا تھا۔ یہ شب راجے پور کی مشہور طوائفوں کے گلے کی نمائش کے لئے مخصوص کر دی تھی۔ گانا شروع ہو چکا ہوگا لیکن ادھر میں تنہا اس وسیع وعریض کمرے میں پڑا ہوا تھا کہ دنیش نے آ کے مجھے اٹھایا اور اصرار کر کے محفل میں لے گیا۔ مجھے یہ دیکھ کے حیرت ہوئی کہ ان میں سے ایک حسین وجمیل لڑکی میری شناسا نکل آئی۔ حسین چہرے آسانی سے کوئی نہیں بھولتا' یاد کیا تو یاد آیا کہ وہ راگنی ہے جسے ایک بار میں نے راجے پور کے بازار حسن میں دیکھا تھا۔ راگنی نے میری شناخت کے لئے کچھ دیر آنکھیں پٹ پٹائیں' پھر بڑے ناز سے سلام کیا۔ اس کا یہ غمزہ اتنا براہ راست اور واضح تھا کہ میں سب کی نگاہوں کا ہدف بن گیا اور وہیں زمین میں دھنس گیا جہاں کھڑا تھا۔ نشست فرشی تھی اور ہجوم کم نہیں تھا۔ میں نے پریت کو تلاش کیا۔ اس نے شاید رات کے واقعے اور میجر کے سانحے سے اتنا گہرا تاثر لیا تھا کہ ریتا کی پذیرائی کے لئے بھی نہیں آئی۔ پریت اداس ہو کے اور دل کش ہو جاتی تھی۔ گو یہاں بڑی نادر روزگار حسین دوشیزاؤں کا اجتماع تھا لیکن میرا دل پریت کو دیکھنے کے لئے تڑپنے لگا۔ دنیش دور بیٹھا تھا اور میں خالی ہاتھ پریت کے پاس نہیں جاسکتا تھا۔ دنیش کے پاس سب سے آگے جا کے اس کے کان میں کچھ کہنا آداب محفل کے خلاف تھا۔ نہ جانے کیسے سندھیا کھسکتی ہوئی جوتیوں کے قریب آ گئی۔ ادھر مغنیہ نے راگ چھیڑا۔ ادھر اس نے چپکے سے کہا۔ "چلو۔ سب لوگ یہاں موجود ہیں' میں اپنے کمرے میں جاتی ہوں اور دروازہ کھلا رکھتی ہوں۔ یا جہاں تم کہو۔ تھوڑی دیر میں تم آ جانا۔"

"میری ملازمت خطرے میں پڑ جائے گی۔" میں نے خوف سے جواب دیا۔

"ہشت' تم کیسے آدمی ہو۔ میں تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں' یہ گانا تو تم روز سن سکتے ہو۔ ایسا موقع پھر کب آئے گا۔"

"آپ یہاں بیٹھئے۔ میں باہر کا جائزہ لے کے آتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

میں وہاں سے اٹھ کے لہراتا ہوا عمارتوں کے درمیان سے گزرنے لگا اور میرے پیر اپنے آپ پریت کی جانب بڑھنے لگے' جیب میں کوئی کام کی چیز نہیں تھی' دونوں خالی پستول صبح دنیش نے جیب سے نکال لیے تھے۔ پریت کی قیام گاہ کی کھڑکیوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ جب سے بینا رانی کا قتل ہوا تھا۔ یہاں خاصی احتیاط

کی جانے لگی تھی۔ میں ایک آڑ سے محل وقوع کا جائزہ لیتا رہا۔ خون ایک آتش سیال تھا جو رگوں میں گرج اور دھمک رہا تھا۔ اردگرد سناٹا تھا۔ جن درباتوں اور محافظوں نے مجھے دیکھا' میں نے انہیں چوکس رہنے کا مشورہ دیا جیسے میں حفاظتی اقدام کے معائنے کے لئے نکلا ہوں۔ سب جانتے تھے کہ راج کمار کی نظروں میں میری کیا حیثیت ہے۔ میں چلتا ہوا دوبارہ موسیقی کی بزم میں پہنچ گیا۔ سندھیا اب کھسکتے کھسکتے دروازے پر آ گئی تھی۔ میں نے مایوسی کے اظہار میں اپنے کاندھے اور ہونٹ سکیڑے۔ وہ تلملا گئی۔ "ہر جگہ پہرا ہے۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔ "تمام دربان جاگ رہے ہیں۔"

مجھے احساس تھا کہ اس محفل کے اختتام کے بعد میری مصروفیت کس قدر بڑھ جائے گی' جب سے ریتا آئی تھی' آنکھوں آنکھوں میں بات ہوئی تھی۔ دل پر عجب بے چینی سی طاری تھی۔ مجھ سے وہاں بیٹھا نہیں گیا۔ جیسے ہی سندھیا کی توجہ کسی اور جانب مبذول ہوئی' میں دھیرے سے اٹھ گیا اور ہال کے باہر اندھیرے صحن میں آ کے ستارے تکتا رہا۔ یہاں بھی اندر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں کچھ اور دور چلا گیا۔ اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے۔ کسی دل کش آواز نے اندھیرے میں آہستہ سے مجھے پکارا۔ "سنو۔"

میرے قدم زمین نے جکڑ لیے' کون ہو سکتا ہے؟ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ اندھیرے میں اس کی شکل صاف نظر نہیں آئی البتہ اس کے لباس کی سرسراہٹ اور خوشبو سے کسی بھی حسین ترین لڑکی کا تصور کیا جا سکتا تھا۔ "کون؟" میں نے اپنی جگہ ٹھہر کے پوچھا۔

وہ اور قریب آ گئی۔ جب میں نے اسے شناخت کیا تو میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں' وہ انیتا تھی' جگ دیپ کی بہن اور اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پستول موجود تھا۔ "میرے ساتھ آؤ۔" اس نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

0300-410420

aazzamm@yahoo.com

اس کی سرد آواز مجھے اپنی رگوں میں جمتی ہوئی محسوس ہوئی۔ چند لمحوں کے لئے تو مجھے اپنی بینائی پر شبہ ہوا اور سارے جسم پر ایک سناٹا چھا گیا۔ میں حرکت کرنے کی بجائے اپنی جگہ ٹھٹھر کے رہ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بالکل نیا پستول چمک رہا تھا۔ شاید اسے اس سے پہلے استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس اچانک افتاد پر مجھے کیا کرنا چاہئے جہاں ہم دونوں کھڑے تھے وہ جگہ رقص و سرود کے ہال سے دور تھی۔ درمیان میں دبیز اندھیرا حائل تھا۔ میرے ارادے کی قوت اتنی منتشر کبھی نہیں ہوئی تھی۔ پستول کی کرشمہ کاری کا مجھ سے زیادہ معترف کون ہو گا۔ کوئی اور ہوتا تو میں اسے مذاق سمجھتا۔ وہ کنور جگ دیپ کی بہن تھی اور اپنے باپ کے سوگ میں شریک ہونے آئی تھی۔ جسے دنیا سے جلد از جلد بھیجنے کا انتظام میں نے کیا تھا۔ میری وجہ سے اس کے بھائی جگ دیپ کی پرکاش بھون میں رسوائی ہوئی تھی۔ اس نے انگلینڈ سے واپس آ کے میرے بارے میں کیا کیا داستانیں نہ سنی ہوں گی۔ میں اس کا مزاج آشنا بھی نہیں تھا۔ جو لڑکی رقص کی ہنگامہ خیز محفل میں میری نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہو اور ایک نئی جگہ میرا تعاقب کرنے کی جرأت بھی رکھتی ہو' اس سے کچھ بعید نہیں تھا' بعد میں چاہے کچھ ہو' وہ کسی بھی لمحے یہ افسانہ تراش سکتی ہے کہ میں نے اس پر مجرمانہ حملہ کیا تھا' وہ ہزار عذر پیش کر سکتی تھی۔ بعد میں جو ہوتا سو ہوتا اس وقت کیا ہونا چاہئے؟ میری ذہنی گمشدگی پر اس نے سرد آواز میں دوبارہ مجھے اپنے جارحانہ حکم کا ٹھوکا مارا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

جیسے ہی اس نے یہ کہا اندھیرے میں اچانک کسی کے بھاگتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دی اور وہ چاپ قریب آنے کے بجائے بتدریج دور ہوتی گئی۔ میرا خیال تھا کہ چاپ کی وجہ سے وہ متزلزل ہو جائے گی مگر اس کے پائے ثبات میں جنبش نہیں ہوئی۔ یقیناً کوئی تیزی کے ساتھ ادھر سے گزرا تھا اور یہ منظر دیکھ کے دہشت میں

بھاگ نکلا تھا۔ مجھے اس پر غور کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ انیتا نے ایک بار پھر مجھے سخت لہجے میں مخاطب کیا گویا وہ مجھے کسی ایسی سنسان جگہ لے جانا چاہتی تھی جہاں اس کے پستول کی آواز لوگ نہ سن سکیں اور جہاں سے اسے اندھیرے میں گم ہونے میں بھی آسانی ہو۔ اس کا نشانہ سیدھا اور صاف معلوم ہوتا تھا۔ گولی چلتی تو ٹھیک میرے دل پر لگتی۔ میری کسی قسم کی پھرتی مجھے بدترین نتائج سے دوچار کر سکتی تھی۔ پستول کو شرارتیں ناپسند ہوتی ہیں۔ مجھے پستول کی برہمی سے کئی بار واسطہ پڑ چکا تھا مگر اس بار صورت حال مختلف اور خطرناک تھی۔ میں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے اور اسی ردعمل کا اظہار کیا جو پستول ایجاد ہونے کے بعد دنیا کے تمام لوگ کرتے آئے ہیں۔ خوف اور خلجان کے وہ برفیلے لمحے لمحوں میں گزر گئے پھر میں نے بڑی مشکل سے اپنے ارادے کا اڑتا ہوا سرا پکڑا۔ ''راج کماری انیتا!'' میں نے مودبانہ اسے مخاطب کیا۔ ''آپ ؟ میں سیوک موہن داس ہوں' شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟''

''ادھر آؤ۔'' اس نے پستول والے ہاتھ کو حرکت نہیں دی بلکہ دوسرے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''میں جناب راج کمار دنیش چندر کا خاص ملازم ہوں۔''

''اور میں تمہی سے مخاطب ہوں۔'' اس نے تیزی سے کہا ''چلو۔''

''کہاں؟ آپ مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہیں؟''

''تم مجھے یہیں پستول چلانے کے لئے مجبور کر رہے ہو؟''

''کیا آپ مجھے مارنا چاہتی ہیں؟'' میں نے خوف زدگی سے کہا۔

''کیا تمہیں اب بھی زندہ رہنے کی توقع ہے۔''

''راج کماری! آپ کو ضرور کسی نے بہکایا ہے۔'' میں نے اضطراب میں کہا۔ ''میں یہاں کا ایک ادنا ملازم ہوں اور بس۔ آپ' آپ میری جان لے کر کیا کریں گی؟''

وہ دو قدم آگے بڑھ آئی اس نے پستول والا ہاتھ نخوت سے اٹھا لیا جیسے وہ مجھے ابھی نشانے پر لے لے گی میں بائیں جانب مڑ گیا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا گفتگو کو طول دینے کا بہانہ بھی ناکام ثابت ہوا۔ میرا خیال تھا کہ شاید کوئی بھٹکتا ہوا ادھر آ جائے اور جو شخص یہ منظر دیکھ کے بھاگا ہوا اندر گیا ہے۔ وہ ضرور اندر اس ما[illegible]ے کی خبر کر دے گا اور بہت سے لوگ اس طرف دوڑ پڑیں گے۔ ممکن ہے' سندھیا ہی

aazzamm@yahoo.com

مجھے ڈھونڈتی ہوئی یہاں آ نکلے مگر کوئی نہیں آیا۔ پرکاش بھون کے سب سے بڑے ہال میں رقص اور نغمے کی بزم بجی ہوئی تھی۔ میں اس رنگ محل سے گھبرا کے اس ویران اور اندھیرے گوشے میں پناہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ انگلستان سے تازہ تازہ درآمدہ جگ دیپ کی بہن ایک الھڑ اور بدمست لڑکی تھی۔ اس کی عمر سے مجھے ڈر لگتا تھا کیونکہ یہ عمر فیصلے کرنے میں محتاط نہیں ہوتی۔ کرنل ہارڈنگ کی لڑکی ریتا کی پرکاش بھون میں آمد پر اس کا اچانک یہاں مہمان بن کے آ جانا خالی ازعلت نہیں تھا لیکن کوئی ذی ہوش یہ قیاس تک نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اتنی تیزی سے سرگرم عمل ہو جائے گی۔ میرے اندازے کے مطابق وہ مجھے اندھیرے اور آڑ میں چھپائے چھپائے باغ تک لے جانے میں کامیاب ہو گئی۔ بھون کا وسیع باغ سب سے قریب اور سب سے محفوظ جگہ تھی۔ رات کے وقت یہ باغ موت کے مسافروں کے لئے ایک عمدہ سرائے کی حیثیت رکھتا تھا۔ راستے میں کئی بار میں نے مڑ کے دیکھنے کی جسارت کی مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکا۔ اس نے مجھے فرار کا کوئی موقع نہیں دیا۔ میں زندگی کی کسی مبہم اور موہوم سی میں اس کے اشارے پر پل صراط سے گزرتا ہوا باغ کے آباد ویرانے میں آ گیا تھا۔ وائے قسمت کہ خلوت کی تلاش میں کوئی جوڑا بھی کسی درخت کے سائے میں یہاں چھپا ہوا نہیں تھا۔ جب وہ مجھے اس بڑے درخت کے سائے میں لے آئی جہاں کچھ کا مہربان سایہ کبھی کبھی نظر آ جاتا تھا تو میں نے وحشت میں ادھر ادھر دیکھا۔ ممکن ہے کچھ ہی میری مدد کو آ جائے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انیتا نے پہلے سے باخبر ہو کے اس طرف کا رخ کیا تھا۔ باغ میں ٹھنڈی ہوا کی سرسراہٹ' پتوں کی کھڑکھڑاہٹ اور جھینگروں کے شور کے سوا کچھ نہیں تھا اور میرے اندر پہلے ہی یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں' اندھیرا' سناٹا' پستول اور ناراض شخص سامنے ہو تو فیصلہ ہونے میں دیر نہیں لگتی' ندامت ... بات پر تھی کہ میرا مقدر ایک نادان لڑکی کے ہاتھوں پھوٹنا رہ گیا تھا۔ اب تک جو تگ و دو کی تھی اس کا حاصل صرف یہ تھا کہ ایک خوبصورت لڑکی انگلستان سے سراسراتی ہوئی آئے اور جو کام پرشوتم جیسے بدمعاش' راجے پور کے مادر پدر آزاد غنڈے' زہریلے سانپ اور سرکش گھوڑے نہ کر سکے' وہ کارنامہ اس کا مقسوم ٹھہرے' ساری زندگی توہین برداشت کی تھی مگر ایسی توہین مجھے گوارا نہیں تھی اگر اس شخص نے جو شاید میرے سامنے انیتا کو پستول بکف دیکھ کے بھاگ نکلا تھا کسی کو جا کے خبر کی ہوتی تو اب تک کسی نہ کسی کو آ جانا چاہئے تھا۔ باغ میں آنے کے بعد یہ ٹمٹاتی روشنی بھی معدوم ہو گئی تھی میں نے

...ن طعن کی۔ میرے خوف کی وجہ غالباً یہ تھی کہ مجھے پستول کی معجز نمائی کا کچھ ...رفان ہو چکا تھا۔ آگہی اندیشے اور بزدلی کی پرورش کرتی ہے۔ مجھے اس کا بھی ...تھا کہ انیتا مجھ سے مکمل طور پر واقف نہیں ہے ورنہ وہ یہ قلندرانہ قدم اٹھاتے ...ہزار بار جھجکتی میرے پہلو میں' سامنے اور سر پر' ہر طرف موت ہی موت تھی میر...ب سے اس کی زد پر تھا۔

"موہن داس!" اس نے پہلے کے مقابلے میں نسبتاً اونچی آواز سے ...اعتراف کرو کہ تمہی وہ ظالم شخص ہو جس نے راجے پور کے بے شمار گھر اجاڑے

"راج کماری انیتا کو غلط فہمی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تم ایک آسان موت مر رہے ہو۔" اس نے سرد مہری ...کہا "تم اسے غلط فہمی کہتے ہو؟ اگر میں تمہارے جرائم کی سنگین روداد سے واقف نہ ... مجھے تمہارے چہرے کی مصنوعی شرافت پر ضرور دھوکا ہو جاتا اور ممکن ہے' میں ... معاف کر دینے کی غلطی کر بیٹھتی۔"

اس کے لہجے میں گداز اور نرمی کا نام و نشان نہیں تھا' اب تک میں نے یہی ...کی تھی کہ مجھے اس کے کسی غافل لمحے کی رعایت مل جائے۔ میں اس سے الجھنا ... اشتعال دلانا نہیں چاہتا تھا میرے عجز کا اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوا تھا بلکہ ...بد ور برا فروختہ ہو گئی تھی۔ زندگی کی پروا آدمی اسی حد تک کرتا ہے جس حد تک ...کی امید باقی رہتی ہے۔ اس کے بعد وہ تمام اندیشوں سے بالا ہو جاتا ہے۔ پھانسی ...جانے والے شخص کے قدم لڑکھڑائیں تو وہ بزدل اور احمق ہے' انیتا نے باغ ...نے کے بعد میرا افسانہ تمام کرنے میں دیر کی تھی' دیر شاید اس لئے کی ہو گی کہ وہ ...رے آخری لمحوں کی اذیت کا دیر تک نظارہ کرنا چاہتی تھی۔ اس کی خواہش یہ ہو گی کہ ...اس کی انا کا پوٹا تر کرنے کے لئے اس کے قدموں پر سر رکھ دوں گا۔ مجھے اس کے ...موں پر سر رکھنے میں کوئی عار نہ تھی۔ وہ اتنی حسین تھی کہ سر خم کروایا کرے' لوگ اس ...کی بارگاہ میں نذرانے پیش کیا کریں۔ "راج کماری انیتا!" میں نے پہلی بار کسی قدر ...ہموار آواز میں کہا۔ "آخر آپ کیا چاہتی ہیں؟"

"میں تم سے کیا چاہ سکتی ہوں۔" وہ زہریلے لہجے میں بولی۔ "تو قصہ ختم ...کیجئے۔" میں نے اپنا سینہ آگے کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو حقائق کا علم نہیں ہے اور

aazzamm@yahoo.com

آپ کچھ جاننا بھی نہیں چاہتیں تو دیر کیوں کر رہی ہیں' چلائیے گولی۔"

"میں بھون کے کسی اور ملازم کو یہاں نہیں لائی ہوں۔" وہ نفرت
بولی۔"یہ تم ہو موہن داس ! مجھ پر ہر حقیقت منکشف ہو چکی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ
نے کن کن لوگوں کو رلایا اور ستایا ہے' تم ایک وحشی ہو۔"

میں نے اس کا اور اپنا فاصلہ کم کر دیا۔"آپ کچھ نہیں جانتیں کہ کس نے کس
کو رلایا ہے آپ سمندر پار سے آئیں' آپ نے سنا اور یک طرفہ فیصلہ کر لیا۔ کیا آپ
یہ سمجھتی ہیں کہ راجے پور میں فساد کی جو بنا پڑ گئی ہے' وہ میرے خاتمے کے بعد ختم
جائے گی۔ دیکھ لیجئے گا اتنے خون ہوں گے کہ شمار تک نہیں کئے جا سکیں گے' کہیں لا
نہیں ملے گی۔ راج کماری! ہوش میں آیئے۔ بلاشبہ آپ کے ہاتھ میں پستول ہے لیکن
آپ کے حسین چہرے پر دو آنکھیں بھی ہیں میں آپ کو آخری بار کوئی انتہائی قدم
اٹھانے سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہوں۔ میرا خون اتنا ارزاں نہیں ہے کہ اسے
دریغ بہا دیا جائے۔ آپ نے میرے متعلق جو باتیں سنی ہیں' وہ اس حد تک ضرور
ہیں کہ ہم نے جواب دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ آپ نے انگلستان سے آنے میں
دیر کر دی اب میری موت اتنی غیر اہم بات نہیں رہی ہے جتنا آپ نے سمجھ رکھا ہے
بہتر ہو گا کچھ اور سوچ لیجئے تاکہ آپ اس عجلت پر پچھتانے کی زحمت سے
جائیں۔ میں آپ کے لئے کچھ مہلت لینے کی تجویز پیش کرتا ہوں میری موت کے
التواء سے آپ کو کچھ فائدہ ہی ہو جائے گا ورنہ میں نے تو خود کو آپ کے سپرد کر
دیا ہے' آپ کے ہاتھ میں میری موت کی کنجی ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ کل یا پرسوں
جب آپ مناسب سمجھیں میں خود کو آپ کے سامنے اسی صورت میں پیش کر دوں گا
اس میں کوئی فریب نہیں کیا جائے گا۔ اس وقت آپ جو فیصلہ چاہیں' کیجئے گا' میں حیلہ
و حجت نہیں کروں گا۔ ہو سکے تو ایک یہ تماشا بھی دیکھ لیجئے۔"

"تم بہت بڑے مسخرے ہو۔" اس نے زہر خند سے کہا۔

"آپ اسے مسخرہ پن کہتی ہیں؟ یہ آپ کی زندگی کا سب سے نادر مشورہ
ہے۔ راج کماری! مجھے یقین ہے' جب آپ اپنے بھائی کنور جگ دیپ کی لگائی ہوئی
عینک بدل کے چیزیں دیکھیں گی تو وہ بہت مختلف نظر آئیں گی۔"

"جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو' آگے بڑھنے اور حرکت کرنے کی حماقت
مت کرو۔" اس کی آواز میں مجھے کچھ تبدیلی محسوس ہوئی۔

فرزانہ لائبریری، وڈیو اینڈ ریکارڈنگ سنٹر

یہ وضاحتیں کرنے کا وقت نہیں تھا مجھے جو کچھ کہنا تھا' اس کا موثر خلاصہ پیش
مناسب تھا۔ امتحان ختم ہونے کی گھنٹی کسی وقت بھی بج سکتی تھی۔ ان آخری لمحوں
کاپی پر جو بھی لکھا جا سکتا تھا' وہ میں بے تحاشا لکھ رہا تھا۔"راج کماری انیتا!" میں
نے تلے قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔"میرا سینہ حاضر ہے' آپ گولی
نے میں جھجک کیوں رہی ہیں؟ ہمت سے کام لیجئے۔"

"آگے مت بڑھو۔" اس نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔"میں شوٹ کر دوں

میں اس کے بہت قریب جا کے ٹھہر گیا۔ اب میں اس کے چہرے کے
ات آسانی سے دیکھ سکتا تھا' اس کی آنکھیں مجھ پر ٹکی ہوئی تھیں۔ میں نے ان میں
آنکھیں ڈال دیں۔ وہ سٹ پٹائی اور اس نے بے اختیار پستول اپنے دونوں
وں سے پکڑ لیا۔

"آپ نے میری گزارش پر غور نہیں کیا؟" میں نے سرگوشی کی۔"میں موت
نہیں ڈرتا اس کی شہادت آپ کو گزشتہ واقعات سننے سے بھی مل چکی ہو گی۔" میں
پرعزم لہجے میں کہا۔"زندگی تو ایک حادثہ ہے موت کی عمر بے حد و حساب ہے اسی
میں زندگی کو حادثہ کہتا ہوں۔ یہ حادثہ چاہے آپ کے ہاتھ سے انجام پائے یا کسی
کے ہاتھ سے مگر یہ واردات کسی نہ کسی دن رونما ضرور ہو گی۔ آپ مجھے نہیں مار
ں۔ آپ بے حد حسین لڑکی ہیں' کوئی حسین لڑکی اتنی تند خو اور شقی القلب نہیں ہو
یہ پستول سامنے سے ہٹا لیجئے راج کماری!"

"موہن داس! تمہاری زندگی میرے قبضے میں ہے۔" اس نے اپنی آواز کا
ختم کرنے کی ناکام کوشش کی۔"تم اپنی زندگی بچانے کے لئے بہترین صلاحیتوں کا
ظاہر کر رہے ہو' ممکن تھا کہ مجھے تمہاری عمر اور اس قد و قامت کا خیال آ جاتا لیکن
میں ان واقعات پر غور کرتی ہوں جو تم سے منسوب ہیں اور جن پر اب مجھے مکمل
یقین ہوتا جا رہا ہے تو تم پر ترس کھانے کی گنجائش نہیں رہتی۔"

"میں آپ سے فریاد نہیں کر رہا ہوں۔" میں نے تیز و تند لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں ایک موقع دے سکتی ہوں۔" وہ بہت احتیاط سے ادھر ادھر
نظر ڈالتے ہوئے بولی۔"تم کسی تاخیر اور تردد کے بغیر راجے پور سے دفع ہو جاؤ
دوبارہ یہاں بھٹکنے کا خیال بھی دل سے نکال دو۔ تم مجھے نہیں جانتے تم نے اب

aazzamm@yahoo.com

تک جن لڑکیوں کو دیکھا ہے' میں ان سے بہت علیحدہ ہوں۔"

"اور اگر میں انکار کر دوں؟" میں نے کسی قدر تحمل سے کہا۔

"تو تم اس کے نتیجے سے آگاہ ہو گے' مجھے اندازہ ہے' تم اتنے بیوقوف نہ ہو کہ موت سے زندگی کا یہ سستا سودا نہ کرو۔"

"اس کی کیا ضمانت ہے کہ میں یہ نازک مرحلہ گزر جانے کے بعد آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کے وعدے پر کاربند رہوں گا۔"

"تم اگر ایسا نہیں کرو گے تو شدید نقصان اٹھاؤ گے' پھر تم سے کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی موہن داس!"

مجھے حیرت تھی کہ وہ جرات مند لڑکی ایسی باتیں کیوں کر رہی ہے؟ کیا اس کا مقصد بھی وہی ہے جو میرا ہے؟ میری طول کلامی کا مقصد صاف تھا' میں اپنے تمام حواس سمیت کسی مہربان لمحے کا منتظر تھا مگر اس کی تاخیر کا کیا سبب تھا؟ اسے تو اتنی دیر نہیں کرنی چاہئے تھی جتنی جلد وہ موسیقی کی محفل میں واپس ہو جاتی' اتنا ہی اچھا تھا۔ پھر ایک اندیشہ پستول کی گولی کی طرح سنسناتا ہوا میرے ذہن میں آیا اور میرا جسم جھنجھنا گیا۔"آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔" یہ کہتا ہوا میں آہستہ آہستہ اس کے اس قدر قریب آ گیا کہ کسی جرات کا خطرہ مول لے سکوں' اس مختصر مدت میں میں نے اس کی توجہ منعطف کرنے کے لئے کیا کیا تدبیر نہ کی ہو گی۔

مگر وہ ایک ستون کی طرح کھڑی تھی اور مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔ اس کے تیوروں میں لچک ضرور پیدا ہوئی تھی مگر ایسی نہیں کہ اس پر اعتبار کیا جا سکے۔ مجھے اپنی بے بسی پر غصہ آ رہا تھا' ایک نازک لڑکی نے اعصاب چمٹی سے دبا رکھے تھے' جسم کے اندر ایک طوفان رہ رہ کے اٹھ رہا تھا' یکا یک میں نے بجلی جیسی سرعت سے بائیں طرف مڑ کے اس کے ہاتھ پر جھپٹا مارا۔ اس نے پستول چلا دیا۔ باغ میں ہر طرف گولی کا ترنم گھل گیا۔ جو پرندے پیڑوں پر سوئے ہوئے تھے' وہ پھڑپھڑانے لگے۔ میں نے اس کی کلائی مضبوطی سے پکڑ لی تھی' چوڑیاں ٹوٹ کر نیچے گر گئی تھیں بچے ہوئے شیشے کے ٹکڑے میرے ہاتھ میں چبھ گئے۔ وہ چیخنے لگی میں نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا' اس کی نازک کلائی میری مضبوط گرفت کی متحمل نہ ہو سکی۔ پستول پکے ہوئے پھل کی طرح اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ میں نے اسے جوتے کی نوک سے دور پھینکنے کا ارادہ کیا لیکن پھر وہیں پڑا رہنے دیا۔ اس کے ہونٹوں

رخساروں کا ریشم میری سخت انگلیوں سے خراب ہو رہا تھا۔ پستول نیچے گر گیا تو میں نے پشت کی طرف سے اس کی صراحی دار گردن میں ہاتھ ڈال کے اس پر قبضہ جما لیا۔ وہ تڑپنے لگی جیسے آوارہ طائر پنجرے میں نیا نیا قید ہو کے تڑپتا ہے۔ جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا تو اس سے دوبارہ ملنے کی شدید خواہش دل میں ابھری تھی۔ اب صورت حال عجیب تھی' مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی بے آب و گیاہ صحرا میں ایک طویل سفر کے بعد پانی کا کوئی سوتا نظر آ گیا ہو' اس کے بدن پر ہاتھ پھسلے جاتے تھے اور اسے زور سے دباتے ہوئے جھجک ہوتی تھی۔ کہیں کوئی چیز ادھر ادھر نہ ہو جائے۔ کانچ کا بدن ہے' ٹوٹ نہ جائے' پھول کا بدن ہے' بکھر نہ جائے' اندھیرے میں صاف طور سے نظر نہیں آیا' اس وقت وہ کتنی سرخ ہو گئی ہو گی۔ ہاتھ دھنسے جاتے تھے' اسے کرنٹ لگ گیا تھا' وہ بری طرح تڑپ اور مچل رہی تھی' میں نے سوچا' اس کا گلا گھونٹ دوں یا اس کی پتلی کمر میں دونوں ہاتھ ڈال کے برابر کر دوں کہ جو ایک ذرا سا ڈورا نظر آتا ہے' وہ بھی نہ رہے' دو حصوں کی عورت کیسی ہوتی ہو گی۔ میں نے بہت کچھ سوچا مگر کسی بات پر عمل نہیں کیا' جو احتیاط اس نازک بدن نے نہیں برتی تھی اس کا مظاہرہ میں نے کیا' میں نے اسے آزاد کر کے ایک جھٹکے سے سبزے پر پھینک دیا' اس نے چیخنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کے وہیں ٹھٹک کے رہ گئی پستول کا رخ اس کی جانب کر کے میں نے گہری سانسیں لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔"راج کماری! یہاں قریب ہی ایک بڑا حوض اور گہرا کنواں ہے' میں آپ کا دل کش سراپا کہیں بھی چھپا سکتا ہوں' آپ کو وقت کی اس نزاکت کا احساس ہے؟ کسی نے مجھے اور آپ کو یہاں آتے ہوئے بھی نہیں دیکھا ہے۔"

وہ دزدیدہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔"ممکن ہے' آپ یہ سوچ رہی ہوں کہ آپ نے خوامخواہ تاخیر کر دی آپ نے اچھا کیا راج کماری انیتا! آپ نے راجے پور میں قتل و غارت گری کا ایک نہ تھمنے والا سیلاب روک لیا۔ کیا آپ مجھ سے یہ توقع کرتی ہیں کہ میں آپ کو ختم کر دوں گا' میں ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا' میں اتنا بدذوق نہیں ہوں' آپ تو ایک خوبصورت شعر' ایک شاہکار تصویر ہیں۔ آپ تو ایک دل کش ساز ہیں' بھلا ان چیزوں پر بھی کوئی گولی چلاتا ہے' از راہ کرم کھڑی ہو جایئے ہال میں بہت سی نظریں آپ کی متلاشی ہوں گی' چلئے کچھ موسیقی سے لطف اندوز ہوئیے۔ آپ کا یہ پستول میرے پاس بطور تحفہ محفوظ رہے گا اور مجھے

aazzamm@yahoo.com

آپ کی یاد دلاتا رہے گا۔" میں نے پستول جیب میں رکھ کے ہاتھ بڑھائے اور اسے فرش سے اٹھنے میں مدد دی۔ وہ دم بخود سی تھی۔ "میری طرف سے اب بھی وہی پیش کش ہے' یقیناً آپ کو راجے پور کے سنگین حالات و واقعات پر سنجیدگی سے سوچنے کے لئے وقت چاہئے' اعتبار کیجئے' جب آپ مجھے مجرم سمجھ لیں تو اشارہ کر دیجئے گا۔ میں اپنی گردن لے کے حاضر ہو جاؤں گا۔"

وہ کچھ نہیں بولی اور اپنا لباس جھاڑتی ہوئی اٹھی اس نے میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ باغ کے آخری سرے تک ہم دونوں خاموشی سے ایک ساتھ چلتے رہے۔ ابھی ہم باغ کے خاص دروازے کے بجائے باڑھ کے درمیان کٹے ہوئے تنگ راستے سے باہر نکلنے والے تھے کہ قریب ہی کہیں کوئی تیز رفتار گاڑی اچانک رکنے کی آواز آئی اور بریک چیخے۔ میں انیتا کا ہاتھ کھینچ کر اسے باڑھ کے ساتھ ساتھ کچھ دور تیزی سے آگے لے گیا۔ گاڑی رکنے کے فوراً بعد باغ کی سمت بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز بڑھتی گئی۔ میں نے بھر کے انیتا کی طرف دیکھا' وہ بھی گھبرائی ہوئی تھی' یعنی میرا اندیشہ میرے وہم و گمان کے ترازو میں پورا اترا تھا۔ انہوں نے چشم زدن میں باغ کا سبز پوش دروازہ عبور کر لیا' میں نے انیتا کا منہ سختی سے دبانے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی۔ وہ تعداد میں چار تھے اور آتے ہی دو دو کی ٹکڑیوں میں ایک دوسرے کو اشارے کرتے ہوئے دائیں بائیں ہو گئے تھے' وہ بہت پھرتیلے اور لمبے تڑنگے معلوم ہوتے تھے۔ ان کے سروں پر صافے بندھے ہوئے تھے اور کمریں پٹکوں سے کسی ہوئی تھیں۔ میں اندھیرے میں ان کے چہرے نہیں دیکھ سکا لیکن ان کی جسامتوں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا' میں نے جیب سے پستول نکال کے غضب آلود سرگوشی میں انیتا کو متنبہ کیا کہ اس کی ایک بھی لغزش جگ دیپ کے خاندان کو ایک اور شخص سے محروم کر دینے کا سبب بن جائے گی۔ اس نے اس وقت کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اتنی ذہانت تو ایک عام آدمی میں بھی ہوتی ہے' یہ بہت آسان تھا کہ میں انیتا کو وہیں چھوڑ دیتا اور باڑھ کے کسی بھی کٹے ہوئے درمیانی راستے سے فرار ہو جاتا مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میری سوچ ایسی ہوتی تو میں بہت پہلے راجے پور کو خیر باد کہہ چکا ہوتا۔

پستول میں چھ گولیاں تھیں اور شکاری کل چار تھے۔ اندھیرے میں یہ ایک نشانے باز کے لئے بہت مناسب تناسب ہے۔ کاش پستول میں اپنا شکار سونگھنے کی خوبی

موجود ہوتی۔ جس طرح پستول کے بغیر آدمی نکما ہے' اسی طرح پستول بھی آدمی کے بغیر بچوں کا کھلونا ہے' ویسے دیکھا جائے تو اصل نشانہ آنکھیں لیتی ہیں۔ میرے ہاتھوں میں انیتا دبی ہوئی تھی اور آنکھوں نے پستول تھام رکھا تھا جو حرام خور مجھے زندہ گرفتار کرنے کی جستجو میں آئے تھے' وہ غیر مسلح نہیں ہوں گے بلکہ اپنے تمام بہترین ہتھیار ساتھ لے کے چلے ہوں گے۔ بس ان سے یہ چوک ہو گئی کہ ذرا دیر سے آئے' انیتا نے تو اپنی بساط کے مطابق ان کا بہت انتظار کیا۔

آدمی کو گھاٹا اپنی انہی غلطیوں کے سبب ہوتا ہے۔ میں پرکاش بھون کی اس پرسکون رات میں گولیاں چلا کے ہلچل مچا دینے کی تائید میں نہیں تھا مگر اس کے سوا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا اور مجھے گنتی کی بھی فکر تھی' ان میں سے چار اور کم ہو جائیں گے۔ یہ چار زخم خوردہ باقی رہے تو بہت فتنہ و فساد کر سکتے ہیں' گولی چلے تو چلے' آواز آئے تو آئے' مگر فہرست سے چار نام تو حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گے پھر شاید جگ دیپ بابو اپنے رویے پر نظر ثانی کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں گے۔ جگہ بھی غیر نہیں تھی کسی خطرناک وقت پر انیتا کو یرغمال بھی بنایا جا سکتا تھا۔ اتنا اچھا موقع ہاتھ سے جانے دینا دانش مندی کے خلاف تھا۔ مجھے ان کے قریب آنے کا انتظار تھا۔ میں دم سادھے اور انیتا کا دم روکے ہوئے پوری طرح مستعدی سے درخت کے کالے سائے میں کھڑا تھا' وہ ہمیں باغ میں حوض کے نزدیک تلاش کر رہے ہوں گے' وہاں سے ناکام ہو کے ان کے پلٹنے میں کچھ ہی وقت رہ گیا ہے۔

جلد ہی مجھے لرزتا ہوا ایک سایہ نظر آ گیا' میں نے اس کے دوسرے ساتھیوں کے انتظار میں توقف کیا۔ دوسرا بھی اس کے پاس ہی کہیں تھا ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر میری سمت بڑھے مجھے دیکھ کر نہیں بلکہ ایک ہی گوشہ ان کی تلاش میں باقی رہ گیا تھا۔ انیتا بری طرح کسمسانے لگی۔ میں نے اس کا چہرہ اپنے پنجے کے شکنجے میں اور کس لیا۔ وہ نڈھال ہو گئی اس اثناء میں وہ اور نزدیک ہو گئے تھے یہی وہ لمحہ تھا جس کا میں شدت سے منتظر تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے میرے پستول سے دونوں گولیاں ایک ساتھ نکلی ہوں' اتنی تیزی اور برجستگی سے کہ اگر انیتا کا منہ کھلا ہوا ہوتا تو وہ داد دیئے بغیر نہ رہتی۔ دو گولیوں کی آواز اور مرنے والوں کی آخری گھٹی ہوئی چیخوں نے ان کے باقی دو ساتھیوں کو بھی اس طرف متوجہ کر دیا۔ میں انیتا کو کھینچتا ہوا اپنی جگہ سے کھسک کے کچھ فاصلے پر ایک دوسرے درخت کی آڑ میں ہو گیا۔ وہ دحشت میں

aazzamm@yahoo.com

بھاگتے ہوئے ادھر آئے۔ انہوں نے اپنے دوساتھیوں کو زمین پر بے جان دیکھا تو سرپٹ بھاگنے کی کوشش کی۔ میری خواہش یہ تھی کہ لاشیں باغ میں ادھر ادھر بکھری ہوئی نہ پڑی ہوں تاکہ انہیں اٹھانے میں زیادہ زحمت نہ ہو۔ ایک تو کسی تردد کے بغیر اپنے ساتھیوں پر جھکے جھکے گر گیا۔ بیوقوف کو گھبراہٹ میں یہ خیال بھی نہیں رہا کہ نشانہ یہیں لیا گیا ہے' دوسرا کچھ تیز تھا۔ وہ اپنی جان بچا کے دروازے کے پار ہو جانا چاہتا تھا۔ میں نے انیتا کی کمر میں ہاتھ ڈال کے اسے اٹھا کے بھاگنا شروع کر دیا' ایسے موقع پر اس کا چیخنے کا ارادہ نہیں ہوگا' مگر اس سے بے اختیار یہ حرکت سرزد ہوگئی۔ بھاگنے والے شخص نے ایک نظر مڑ کے دیکھا' اس نے گولی چلانے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ میری گولی اس کے کلیجے میں پیوست ہوگئی۔ تکلیف کی شدت میں ٹریگر اس کے ہاتھ سے دب گیا۔ گولی کسی درخت میں جا کے چھپ گئی۔

میں نے انیتا کو آزاد کر دیا۔ وہ گم سم حیرت زدہ کھڑی تھی۔ شاید اسے اپنے پیروں پر کھڑے رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ میں اپنے بازو کا سہارا دے کر اسے آخری لاش کے پاس لے گیا اور لاش کھینچتا ہوا اس کے تینوں ساتھیوں تک لے آیا' ساتھ مرنا اور ساتھ جینا اسے کہتے ہیں۔ یہ مرحلہ تو کسی نہ کسی طرح نمٹ گیا مگر اب سب سے بڑا مسئلہ انہیں باغ سے ہٹانے کا تھا۔ بیک وقت کئی گولیاں چلی تھیں جن کی آواز صدر دروازے پر تعینات سنتریوں نے بھی سنی ہوگی حالانکہ وہ بہت فاصلے پر تھے مگر عمدہ سماعت کے حامل تھے۔ اگر وہ اس طرف نہ آتے تو میں صبح دنیش چندر سے کہہ کے انہیں جھوٹے برتن صاف کرنے کے کام پر لگوا دیا۔ میرا خیال صدفی صد درست ثابت ہوا۔ چند لمحوں بعد ہی تیز آوازوں کا شور سنائی دیا۔ ان کا رخ صریحا باغ کی جانب تھا۔ باغ میں انیتا' میں اور چار لاشیں موجود تھیں۔ یہ بہت نازک وقت تھا' میں نے ندامت کے ساتھ انیتا کی گردن پر اپنے ہاتھ کی بھرپور ضرب لگائی' اس کی حالت پہلے ہی شکستہ تھی وہ میرے بدن کے ساتھ جھولتی ہوئی زمین پر گر گئی۔ میں نے اسے وہیں چھوڑا اور باڑھ کے درمیان سے نکل کے تیزی کے ساتھ سنتریوں کے باغ میں داخل ہونے سے پہلے باہر پہنچ گیا۔ ''یہ گولیاں کیسی چل رہی ہیں رام نواس؟'' میں نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

''پتہ نہیں موہن بابو! ہم بھی اسی لئے اس طرف آئے ہیں' یقیناً گولیاں ادھر ہی چلی ہیں اور ایک ساتھ چلی ہیں کچھ دیر پہلے بھی ایک آواز آئی تھی' اس وقت بھی

ہمیں شبہ ہوا تھا مگر پھر سناٹا چھا گیا' باغ میں ضرور خون خرابا ہوا ہے موہن بابو!'' رام نواس گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

''احتیاط کی ضرورت ہے' اندر مسلح لوگ موجود ہیں۔'' میں نے راز دارانہ لہجے میں کہا۔

''دم سادھے ہوئے اندر چلو' سنگین تیار رکھو اور سارے باغ میں آدمی پھیلا دو۔''

''بہتر ہے موہن بابو!'' سنتری رام نواس نے جواب دیا۔

''گھبراؤ نہیں' میں آگے آگے چلتا ہوں' اب بہت تماشا ہو چکا ہے رام نواس! ذرا ہمت کرو۔'' میں نے ان سب کے آگے ہو کے کہا۔

جیسے ہی ہم باغ کا دروازہ عبور کر کے اندر داخل ہوئے میں نے اشاروں اشاروں میں انہیں ہدایت دے کر ادھر ادھر بکھیر دیا اور خود اپنے لئے وہ گوشہ اختیار کر لیا جہاں انیتا اور چار لاشیں پڑی ہوئی تھیں' میری نگاہ کا دائرہ ایک بڑے حلقے پر پھیلا ہوا تھا۔ ان کے پاس دو ٹارچیں تھیں' ان میں سے ایک میں نے اپنی تحویل میں لے لی تھی اور رام نواس کو ٹارچ سمیت مخالف سمت میں بھیج دیا تھا ساتھ ہی اسے ٹارچ کم سے کم استعمال کرنے کی ہدایت بھی کر دی تھی۔ ان کے ادھر ادھر منتشر ہونے کے فوراً بعد میں نے ایک لاش کے سر سے صافہ اتار کے اسے اپنے جسم کے گرد اچھی طرح لپیٹ لیا اور مشینی انداز میں انہیں یکے بعد دیگرے اٹھا اٹھا کے موٹی اور اونچی باڑھ کے اوپر رکھ دیا۔ ان کے وزن سے باڑھ اندر کی طرف دب گئی بے ہوش انیتا کو بھی میں نے باڑھ کے اوپر دھر دیا۔ اس کے بدن میں ٹہنیاں چبھ گئی ہوں گی۔ لیکن اب ٹارچ کی روشنی ان میں سے کسی کو دیکھنے کی اہل نہیں تھی بشرطیکہ کوئی درخت پر چڑھ کے اوپر سے روشنی نہ پھینکے پھر جو جو سنتری تلاش میں ناکام ہو ہو کے اس طرف آتا گیا میں نے اسے دور ہی سے جا لیا اور رفتہ رفتہ سب کو باغ کے باہر کر دیا۔

''اندر تو کوئی بھی نہیں ہے۔'' ایک ساتھ کئی سرگوشیاں ابھریں۔ ''شاید ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے' گولی کہیں اور چلی ہے۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''صدر دروازے کے باہر جا کے دیکھو۔''

انہوں نے میرے حکم کی تعمیل اس طرح کی جیسے میں ہی راج کمار دنیش چندر ہوں یا اس لئے کہ وہ خود کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے' بھون میں آئے دن کی

aazzamm@yahoo.com

خون ریزیوں سے ہر شخص پہلے ہی خوف زدہ تھا۔ جب وہ صدر دروازے کی طرف کوچ کر گئے تو میں نے اطمینان کی سانس لی۔ باغ کے قریب گاڑی کھڑی ہوئی تھی جس میں وہ چار بدمعاش آئے تھے' وہ ضرور ڈکی میں اور سیٹوں کے نیچے چھپ گئے ہوں گے۔ اسی لئے ان پر دربانوں کی نظر نہیں پڑی' دربانوں نے صرف ڈرائیور کو دیکھا ہوگا اور تھوڑی بہت باز پرس کر کے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی ہو گی۔ جاتے جاتے سنتریوں نے اس پر ٹارچ پھینکی گاڑی خالی کھڑی تھی' اس لئے وہ مطمئن ہو کے آگے بڑھے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے یہ آدھا گھنٹہ قیامت کا گزارا تھا تاکہ سنتری پرسکون ہو جائیں اور گولیوں کی آواز ایک وہم سمجھ کے حسب عادت مراقبے میں ڈوب جائیں۔ آدھے گھنٹے بعد پوری احتیاط کے ساتھ میں نے باڑھ سے لاشیں اتاریں' ڈرائیور کی جیب سے چابی نکالی اور ست رفتاری سے پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے ہوئے دو کو تو کسی نہ کسی طرح گاڑی کی ڈکی میں ٹھونس دیا' باقی دو کو سیٹوں کے نیچے خالی جگہ میں چھپا دیا۔ اس کام میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو گیا۔ لاش اٹھانا ادھر ادھر دیکھ کے لے جانا اور گاڑی میں ڈالنا ایک اذیت ناک مشقت تھی مگر قسمت ہی نامراد تھی۔ اس کام سے نمٹ کے میں نے انیتا کو باڑھ سے اٹھایا اور تمام تر نزاکت و نفاست سے حوض کے کنارے لے گیا۔ میں نے اس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا اور اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے' اس کی ہتھیلیاں سہلائیں اور کمر پر مالش کی۔ جلدی میں ضرب کچھ شدید پڑ گئی تھی اس لئے اسے ہوش میں آتے آتے وقت لگا۔ وہ آنکھیں کھول کے کچھ دیر وحشت زدہ نظروں سے مجھے دیکھتی رہی' اس کا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہوا پھر جیسے ہی وہ پوری طرح ہوش میں آئی' تڑپ کر میری آغوش سے نکل گئی۔ میں نے اس کا راستہ روک لیا اور اسے بازو سے پکڑتا ہوا گاڑی تک لے آیا۔ اپنے جسم سے خون آلود صافہ اتار کے میں نے اس سے گاڑی میں لاشیں ڈھانک دیں' اور ایک صاف ستھرا صافہ سر پر باندھ کے انیتا کے پاس بیٹھ گیا پھر میں نے پستول کی نال اس کی عریاں کمر میں ٹکا دی۔ ''گاڑی باہر لے چلئے انیتا دیوی۔'' میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''کہاں؟'' وہ سراسیمگی سے بولی۔

''بھون سے باہر۔ آگے کا راستہ میں بتاؤں گا۔''

''مجھ سے اس وقت گاڑی نہیں چلائی جائے گی۔'' اس کی ڈوبتی ہوئی آواز

فرزانہ لائبریری' وڈیو ...

بھری۔

''آپ کو حوصلہ کر کے چلانی ہو گی۔ زیادہ دور نہیں آگے جا کے میں گاڑی سنبھال لوں گا۔''

''تم کہاں چلنا چاہتے ہو؟'' اس نے شکستہ آواز میں پوچھا۔

''آپ نے بہت الھڑپنے کا ثبوت دیا۔ یہ سب آپ کی ایجاد کی ہوئی مصیبت ہے' میں ادھورا کام کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ وقت خاصا گزر گیا ہے' جلدی کیجئے۔''

اس نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔ سر سے نیچے میرا آدھا چہرہ صافے سے ڈھکا ہوا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کے دور سے ہارن بجایا۔ صدر دروازے پر گاڑی کی رفتار ست پڑ گئی میں نظریں جھکائے ہوئے ڈیش بورڈ میں کسی چیز کی تلاش میں مصروف ہو گیا۔ دربانوں نے جیسے ہی انیتا کو دیکھا سلام کر کے دروازہ کھول دیا۔ انہوں نے پچھلی نشستوں پر بھی نظر ڈالی ہو گی اور مجھے ڈیش بورڈ پر جھکے ہوئے دیکھا ہو گا' کوئی ایسی تشویش کی بات نہیں تھی۔ کنور جگ دیپ کی معزز بہن گاڑی چلا رہی تھیں۔ کون شک کرتا؟

صدر دروازے سے باہر نکل کے میں گاڑی زیادہ فاصلے پر نہیں لے گیا۔ راستے میں بہت سے سنسان مقام پڑتے تھے' ایک مناسب جگہ گاڑی ٹھہرا کے میں نے چاروں لاشیں ایک دوسرے کے اوپر گڑھے میں پھینک دیں۔ انیتا کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

''آیئے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کے کہا۔ ''گانے کی محفل شاید دم توڑ گئی ہو۔ جو کچھ ہو چکا ہے' اسے بھول جایئے' چلئے'' میں نے ادب سے اس کی انگلیاں پکڑ لیں۔

''موہن داس!'' اس کے ہونٹ کپکپا کے رہ گئے۔

''راج کماری!'' میں نے اشتیاق آمیز آواز میں کہا۔

وہ متذبذب اور مرتعش ہونے کے سوا کچھ نہ کر سکی۔ جھٹ گاڑی میں بیٹھی اور تیز رفتاری سے بھون میں داخل ہو گئی' گاڑی دوسری گاڑیوں کے ساتھ کھڑی کر کے مضمحل انداز میں اتری' میں نے کچھ دور تک اس کا ساتھ دیا پھر جب میں نے اس سے رخصت ہونا چاہا تو وہ ٹکٹکی باندھے میرا چہرہ دیکھتی رہی اور اپنی پریشان زلفیں جھٹک

aazzamm@yahoo.com

کر آگے بڑھ گئی۔ میں عمارتوں کے درمیان سے گزرتا ہوا بڑے ہال کے نزدیک پہنچا۔ لوگ باہر نکل رہے تھے میں نے ان سب کو جانے دیا اور اس سے پہلے کہ دنیش اپنے محل میں پہنچتا' میں وہاں پہنچ کے اور باتھ روم میں ٹھنڈے پانی کے شاور کے نیچے اپنا حال درست کر کے ملاقاتی کمرے میں آ گیا۔ دنیش چندر کو اپنے محل کے پر شکوہ ایوان میں آتے ہوئے دیر لگ گئی۔ وہ گرامی قدر مہمان ریتا کو اس کی خواب گاہ تک رخصت کرنے گیا ہو گا اور ریتا تخلیے کے کسی ایسے لمحے کی منتظر تھی جب وہ اس سے میرے بارے میں استفسار کر سکے۔ جب سے وہ آئی تھی' مجھ سے دور دور رہی تھی لیکن میں نے اس پر پہلے ہی تمام صورت حال واضح کر دی تھی کہ بھون میں پروفیسر زاہدی کس روپ میں متحرک رہتا ہے۔ انگریزوں اور ہندوستانیوں کی باہمی کشمکش کے اس دور میں آفیسران کمانڈ کرنل ہارڈنگ کا اپنی نوجوان اور حسین و جمیل لڑکی کو پرکاش بھون میں بھیج دینا ایک چونکا دینے والا اقدام تھا۔ یہ سعادت راجے پور میں صرف دنیش چندر کے خاندان کو نصیب ہوئی تھی۔ آقا راضی تو جہاں راضی' غلاموں کے ہاں آقا مہمان' اللہ اللہ' چھچھوندر کے سر میں چنبیلی کا تیل۔ مجھے احساس تھا کہ کنور جگ دیپ نے کیسے یہ زہر پیا ہو گا۔ مہا راجا کا منہ بھی خاصا کڑوا ہو گیا ہو گا۔

راجے پور کے بہت سے امرا جو تین خاندانوں کی تائید و تردید میں بٹے ہوئے تھے انہوں نے ریتا کی آمد دل چسپی کی نظر سے دیکھی ہو گی اور نجی محفلوں میں مختلف قیاس آرائیاں ہو رہی ہوں گی حالانکہ ساری داستان کا جو سادہ سا نکتہ تھا' کسی کی نظر بھولے سے اس پر نہ گئی ہو گی۔

آدھی رات کا وقت تھا' میں نہانے کے بعد کچھ تازہ اور نیا محسوس ہو رہا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ دنیش آتے ہی کیسا برہم ہو گا موسیقی کی محفل سے میری غیر حاضری سب نے محسوس کی ہو گی۔ دنیش کی نظریں بار بار دروازے کی جانب اٹھتی ہوں گی۔ پارو اور شاردا بھی بیتابی سے پہلو بدل رہی ہوں گی' بے قرار سندھیا تو مچلتی مچلتی دروازے کے پاس آ گئی تھی۔ راگنی کو وہاں دیکھ کے مجھے کم از کم اتنا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ محفل دیر تک جمی رہے گی۔ صرف ایک بار ہذیانی کیفیت میں راگنی سے ملاقات ہوئی تھی۔ بانو کی یاد نے ستایا تو زیادہ دیر وہاں نہ ٹھہرا گیا لیکن راگنی کو دوبارہ دیکھنے کی آرزو ذہن کی کسی تاریک گلی میں چھپی ہوئی تھی۔ حسن کی کسوٹی شاید یہی ہے کہ دوبارہ اس کی دید کی آرزو دل میں ابھرے۔ ذہن کی حالت اس بار بھی دگرگوں

تھی۔ ادھر سندھیا سوئیاں چبھو رہی تھی' ادھر پریت کا کانٹا دل میں چبھ رہا تھا میں نے فرض کیا کہ راگنی کی آنکھوں نے بھی مجھے ڈھونڈا ہو گا۔ بہرحال ایسے خوش خیال مفروضے ممکن ہے زندگی میں ایک لمحے کا اثبات بخش دیتے ہوں۔ مجھے معلوم تھا' دنیش چندر آ کے کہے گا کہ راگنی کا گلا زخمی ہے' میں نے زخموں کا یہ جشن نہیں دیکھا۔ میں نے درد کا منظر نہیں دیکھا' میں نے ایک خوبصورت رات مس کی' اسے کیا معلوم تھا کہ میں دنیا ہی سے مس ہونے والا تھا' آدمی آدمی کا چہرہ دیکھ کے سکون کی سانس لیتا ہے کہ وہ ابھی زندہ ہے مگر وہ کس طرح زندہ ہے اور کس طرح شعلوں پر چل کے کیسے کیسے طوفان چیرتا ہوا چہرہ دکھانے آیا ہے' اس کا اندازہ نہیں ہوتا۔ جو آدمی زندہ ہے' وہ بس اس لمحے کا منت کش ہے جو آتے آتے راستہ بھول گیا۔ پھر کسی اور طرف نکل گیا۔

دنیش چندر کو آنے میں دیر ہو گئی کمرے میں کوئی نہیں تھا' در و بام تھے' تصویریں تھیں' فانوس تھے' مخملیں پردے تھے اور میں تھا۔ میں اکتا کے صوفے پر نیم دراز ہو گیا یہ خیال بھی نہیں رہا کہ اگر اچانک کوئی دوسرا آ جائے اور ملازم کو اس گستاخانہ انداز میں بیٹھے ہوئے دیکھے تو کیا کہے گا' ملازموں کی نشست و برخاست علیحدہ ہوتی ہے۔ سامنے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور کوئی بھی اندر آ سکتا تھا لیکن مجھے کچھ ہوش ہی نہیں تھا۔ میرا جسم یہاں دھرا ہوا تھا اور روح راہ داریوں' خواب گاہوں میں اور راجے پور کی سڑکوں پر آوارہ پھر رہی تھی۔ ممکن ہے' انیتا نے کنور جگ دیپ کو فون پر اطلاع دے دی ہو۔ اس بات کا زیادہ امکان تھا کہ وہ اب کہیں کوئی رابطہ قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتی ہو۔ انیتا کیا سوچ رہی ہو گی' انیتا بستر پر کروٹیں بدل رہی ہو گی' اس کی بانہیں اس کا چہرہ' اس کی کلائیاں' اس کے بدن کے تار جہاں جہاں میرے جسم و جاں سے مس ہوئے تھے' وہاں وہاں سنسناہٹ تھی۔ اس وقت تو کچھ پتہ ہی نہیں چلا' جب ٹھنڈی ہوا چلی تو محسوس ہوا۔ انیتا نے راج کمار جگ دیپ کی نیند بھی حرام کر دی ہو گی۔ وہ فون کے قریب بیٹھا کوئی جاں فزا مژدہ سننے کے لئے مضطرب ہو گا' اب ہارن کی آواز آئی اب آئی' وہ فون کی گھنٹی بجی' وہ بجی۔ مجھے اپنے سامنے دیکھنے کے تصور میں وہ ایک لمحے بھی سکون سے نہیں بیٹھا ہو گا۔ کہا گیا ہو گا کہ مجھے فی الفور اس کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ میرے گالوں پر خوب طمانچے لگائے جائیں' مجھے اعلیٰ نسل کے گھوڑوں سے روندا جائے' میری کھال بیدوں اور کوڑوں سے ادھیڑ دی

aazzamm@yahoo.com

جائے اور میرا جسم گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے اور میرا گوشت کتوں کے آگے ڈال دیا جائے اور میرا سر دنیش چندر کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کر دیا جائے۔

یہی ہوتا اور یہ کسی وقت بھی ہو سکتا تھا' اس بار ہاتھ اوچھا پڑ گیا' لکیریں بار بار کہاں تک زور کر سکتی ہیں؟ کنور جگ دیپ کی یہ رائے بہت صائب تھی کہ سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے۔ انیتا کے ارادے اور جوش میں کوئی کمی نہیں تھی۔ جہاں تک بنا' اس نے اپنا کام خوب کیا' ایک بہن اپنے بھائی کے لئے اس سے زیادہ کیا کر سکتی ہے' اس زمانے میں اتنا بھی کون کرتا ہے۔ ایک بہن پریت بھی تھی' شان اس کی بھی نرالی تھی' میں نے ان دونوں کو تعظیم دی' انیتا کے لئے خاص طور پر جی چاہا کہ اڑ کے اس کے پاس پہنچ جاؤں اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کے بہت سی باتیں کروں۔ ابھی ابھی وہ رخصت ہوئی تھی مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے دیکھے ہوئے برس بیت گئے ہیں اور اس کی خیریت کا خط برسوں سے نہیں آیا ہے۔ دل کا عجب حال تھا۔

اچھا خاصا متوازن آدمی بھی کبھی کبھی پاگل ہو جاتا ہے بلکہ کچھ یوں ہوتا ہے کہ ہر شخص مکمل طور ہمیشہ متوازن نہیں رہتا اکثر و بیشتر پاگل ہوتا رہتا ہے۔ یہ میرے پاگل پن کا وقت تھا طرح طرح کے خیال' اونگے بونگے' ٹیڑھے میڑھے' لنگڑے لولے خیالوں کی یورش تھی۔

ایک لمحے میں یہاں' ایک لمحے میں وہاں' ایک آن زمین پر' ایک آن آسمان پر۔ کبھی محسوس ہوتا جیسے پورا راج پورا اٹھا کے میرے سر پر رکھ دیا گیا ہے' کبھی سامنے کچھ سائے کچھ ہیولے سے نظر آتے' کبھی میجر رابرٹ کی لاش کے قریب گدھ بن کے بھٹکا' کبھی اپنے آگے سلاخیں دیکھیں' کبھی سادھو دیوراج اور پنڈت ایشوری لال یاجوج ماجوج کی طرح دائیں بائیں ایستادہ ہو گئے' کبھی بانو آنکھوں میں آنسو بھر کے چلی گئی اور ڈالی گڈے کو مارتی روتی جھینکتی چلی آئی' کبھی چچا جان یاد آ گئے' بختیار سامنے آیا تو مٹھیاں بھنچ گئیں اور ترنم' موسیقی' گولیاں کبھی تھپ تھپ' کبھی ٹھک ٹھک' کبھی تھا تھا' کبھی دھا دھا' کبھی روں روں' کبھی شوں شوں' تنہائی میں آدمی نیم پاگل ہوتا ہے۔

دروازے پر سرگوشیاں ابھریں تو میں نہ جانے کس ویرانے سے بھاگتا' ہانپتا ہوا واپس آیا سر کو کئی جھٹکے دیئے۔ جیسے خیالات پتوں کی طرح جھڑ جائیں گے' میں نے چند گہری گہری سانسیں لیں اور اٹھ کر ایک کونے میں کھڑا ہو گیا کیوں کہ دنیش چندر تنہا نہیں تھا بلکہ اپنے ساتھ سموچا گلستاں لے آیا تھا' ایک طرف پاروتی' اور دوسری طرف شاردا' ایک نسترن تھی

تو دوسری سوسن' ایک ساون تھی' دوسری بھادوں' ایک رتن جوت تھی' ایک رکت چندن۔ کمرے میں ان کی سانسوں کی خوشبوئیں بس گئیں۔ میں سوچنے لگا اگر پارو اور شاردا کا عطر کشید کیا جائے تو کیسا نشاط انگیز ہو گا؟ ایک میں بھینی بھینی خوشبو ہو گی' ایک میں کچھ تیز مجھے وہاں موجود پا کے وہ تینوں چند ثانیوں کے لئے اچانک خاموش ہوئے۔ سب کی نظروں میں بیک وقت ایک ہی سوال تھا جو آسانی سے پڑھا جا سکتا تھا۔ توقع کے مطابق دنیش نے سکوت توڑا اور برہمی سے محفل موسیقی سے میری عدم موجودگی کا سبب پوچھا۔ ''میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔'' میں نے نیچی آواز میں جواب دیا۔

''کیا ہوا تمہیں؟'' شاردا مچل کے بولی۔

''بس کچھ جی گھبرا رہا تھا۔''

پارو لپکتی ہوئی میرے قریب آ گئی اور اپنی تشویش چھپا نہ سکی۔ ''تو تم جاگ کیوں رہے ہو؟ گھر جا کے آرام کرو۔''

میں نے گردن سینے میں ڈال دی۔ میرے نیاز مندانہ اطوار سے دنیش اور متذبذب ہو گیا۔ شاردا' پارو کی موجودگی میں اور پارو ان دونوں کی موجودگی میں کسی ملازم سے اتنا ہی کہہ سکتی تھی۔ اس نوٹنکی پر مجھے ہنسی آ گئی گو کسی نے مجھے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ ''تم جب سے اب تک یہیں موجود تھے؟'' دنیش کچھ اور نہ پوچھ سکا تو اس نے اپنا تجسس اس طرح دور کرنا چاہا۔

''جی جناب!'' میں نے دانستہ جھجک کر کہا۔ ''کچھ دیر باہر رہا۔''

''کوئی خاص بات؟'' دنیش کے منہ سے وحشت میں نکل گیا۔

''نہیں جناب بس طبیعت خراب ہے۔'' میرے مودبانہ جوابات سے وہ جھنجلا گیا اور گھور کے مجھے دیکھنے اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ میری گم شدگی بے سبب نہیں ہو گی۔ یہ خیال اس کے ذہن سے چمٹا ہوا ہو گا۔ شاردا اور پارو بھی نگاہوں نگاہوں میں بے شمار سوال کر رہی تھیں۔

''کیا مجھے اجازت ہے؟'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''کہاں؟ تم اب کہاں جاؤ گے؟'' وہ چونک کر بولا۔

''گھر' اپنے کوارٹر میں۔'' میں نے سادگی سے جواب دیا۔

''نہیں' یہیں ٹھہرو اور برابر کے کمرے میں جا کے سو جاؤ۔ مجھے شاید تمہاری ضرورت پڑے۔'' میرے نزدیک آ کے وہ آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

aazzamm@yahoo.com

میں نے بے چارگی سے شاردا اور پارو کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کی آنکھوں کی روشنیاں جل بجھ رہی تھیں وہ دونوں بھی کھڑی ہو گئیں۔ مجھے یہ منظر بہت اچھا لگا سب ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور نظریں ملا کے نظریں پھیر لیتے تھے۔ آخر پارو نے جرات کی ''موہن داس!'' وہ طمطراق سے بولی۔ ''تم ایک اچھے فنکشن سے محروم رہ گئے مجھے حیرت ہے' تم تو موسیقی میں بہت دلچسپی لیتے ہو۔ پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟ ادھر آ جاتے تو طبیعت بہل جاتی۔''

راج کماری شاردا کے لئے رانی پارو کا ایک ملازم سے یہ اندازِ تخاطب حیرت انگیز تھا۔ شاردا ایک ذہین اور حساس لڑکی تھی۔ اسی لمحے دنیش نے مجھے حکم دیا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

میں حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے زمین پر بیٹھنے لگا۔ اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ''معلوم ہوتا ہے جیسے آج تمہاری ملازمت کا پہلا دن ہے' رانی پارو اور شاردا اور بھون کے بہت سے لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ تم ہم سے کس قدر قریب ہو۔ یہ کوئی رسمی نشست نہیں ہے' ہمارے دل میں تمہارا عہدہ محفوظ ہے اور ان دونوں کے سامنے ہم کوئی تکلف روا نہیں سمجھتے۔'' دنیش کے تیور جارحانہ تھے۔ اتنی بات وہ ضرور جان گیا تھا کہ پارو سے میرے مراسم عام نوعیت کے نہیں اور میں نے پارو کو اس کے حق میں ہموار کرنے کا مشکل کام بھی انجام دیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ پارو کو ریتا کی مہمان نوازی کا نگراں بنایا گیا تھا۔ مجھے دنیش اور پارو کے سامنے صوفے پر بیٹھنے میں کوئی اعتراض نہیں تھا' وہ نرم و گداز جگہ تھی مگر مجھے شاردا کا خیال تھا۔ دنیش کا حکم قبول کرتے ہوئے میں نے جھجک محسوس کی تو پارو اور شاردا نے بھی ایک ساتھ دنیش کی تائید کی۔ میں کچھ فاصلے پر سمٹ کے بیٹھ گیا۔ پھر وہ تھوڑی دیر پہلے ختم ہونے والی محفل کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ انہیں کوئی اور موضوع نہیں مل رہا تھا۔ ''کیا خیال ہے موہن داس! راگنی کے مقابلے میں ترنم کی آواز زیادہ جمی' سچی اور کھنچی ہوئی نہیں ہے؟'' دنیش آج میری رسوائی پر اتر آیا تھا۔ میرے جواب دینے سے پہلے انہوں نے دنیش سے شکایت کی کہ اس نے اب تک ترنم کو کیوں ان سے چھپائے رکھا۔ ''ترنم تو سربسر ترنم ہے۔''

دنیش نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''سر اس کے آگے پر نام کرتے ہیں' موہن جانتا ہے کہ وہ کیا ہے' وہ سر کی دیوی ہے۔''

''کیوں موہن دنیش سچ کہتے ہیں؟'' پارو نے مجھے مخاطب کر کے رہا سہا حجاب بھی ختم کر دینا چاہا۔

''راج کمار مجھ سے بہتر رائے قائم کر سکتے ہیں۔'' میں نے سر جھکا کے کہا۔

''راج کمار۔'' دنیش جزبز ہو کے بولا۔ ''صاف صاف باتیں کرو موہن داس! کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرو۔''

میں عجب مخمصے میں پڑا ہوا تھا۔ ابھی میں دنیش کی رائے کی تائید ہی کر رہا تھا کہ اندر دنیش کی خواب گاہ میں فون کی گھنٹی بجی' جانا دنیش کو چاہئے تھا' اس نے مجھے اشارہ کیا کہ فون میں ریسیو کروں' اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ کیا کنور جگ دیپ کا فون ہے؟ غالباً اس نے برہم ہو کے دنیش سے براہ راست بات کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کے گرگوں سے مزاحمت کرنے کی کوشش کیوں کی گئی؟ موہن داس کو تھال میں کیوں پیش نہیں کر دیا گیا؟ ایک ملازم نے اپنا سر آگے کیوں نہیں کر دیا۔ گھنٹی بجتی رہی ممکن ہے سوچتے سوچتے انیتا ہی اس نتیجے پر پہنچی ہو کہ دنیش کو رات کی واردات کا حال مجھ سے پہلے سنانا بہتر ہے۔ میں دنیش سے یہ روداد نہ جانے کس انداز سے بیان کروں' وہ تاویل پیش کرے گی کہ موہن داس نے اس کی زلفیں چھونے کی گستاخی کی تھی۔ بالفرض اگر انیتا بھی نہیں ہے تو پھر اتنی رات گئے کون ہو سکتا ہے؟ راجے پور میں کوئی اور حادثہ تو پیش نہیں آ گیا؟ یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے چار آدمیوں کی مرگ ناگہانی کا صدمہ کنور جگ دیپ کو برادشت نہ ہو اور وہ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا ہو؟ اچھی خبریں انتظار کرا کے آتی ہیں' کہیں میجر رابرٹ کی لاش تو پولیس نے دریافت نہیں کر لی؟ پھر تو پولیس نے کمال کر دیا۔ میں نے دھڑکتے دل سے ریسیور اٹھایا۔ دوسرے ہی لمحے میرے کانوں میں جل ترنگ بج اٹھے۔ وہ ریتا تھی اور بہت مدھم سروں میں کہہ رہی تھی۔ ''راج کمار! میں ریتا ہوں۔''

میں نے اپنی آواز کی لے بہت دھیمی کر دی اور بائرن کی انگریزی میں کہا ''پروفیسر زاہدی سے بات کرنی ہو تو بتائیے۔''

''اوہ تم۔'' اس کی آواز تمتمانے لگی جیسے کوئی ستار کے تاروں پر انگلیاں پھیر دے۔ ''تم نے مجھے کیوں بلایا تھا؟''

''ہاتھی دکھانے' گانا سنوانے' ہندوستان کی سیر کرانے کے لئے۔''

''میرے لئے ہندوستان تم ہو۔''

aazzamm@yahoo.com

"شام سے کوئی ایسی صورت ہی نہیں بنی۔ یہ انگلستان نہیں' ہندوستان ہے' یہاں کے لوگ شرماتے زیادہ ہیں۔ رفتہ رفتہ تمہاری سمجھ میں بہت سی باتیں آئیں گی۔"

"میں سمجھتی تھی کہ آج رات راج کمار کے ہاں تم سے ملاقات ہو گی مگر وہ بھی کچھ پریشان اور بے بس نظر آئے تھے کیا میں وہاں آ جاؤں؟"

"یہاں اب بھی لوگ موجود ہیں ایسا تو انگلستان میں بھی ہوتا ہو گا۔ وہاں بھی لوگ انتظار کیا کرتے ہیں۔ ورنہ اتنی بڑی شاعری کیسے تخلیق ہو جاتی۔"

"میں ان لوگوں کے سامنے بھی آ سکتی ہوں۔"

"الجھن اور بڑھ جائے گی' میں پورٹریٹ کی صورت دیوار پر لٹکا رہوں گا۔ تم دیکھتی رہنا' دیکھو اگر ممکن ہوا تو ادھر آنے کی کوشش کروں گا۔"

"ادھر بھی کچھ یہی صورت ہے۔ مناسب نہیں ہے۔"

میں نے چند لمحے توقف کیا۔ پھر بولا۔"آج کی رات شمار مت کرو۔"

"نیند نہیں آ رہی ہے۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

"جاگنے میں اور لطف آئے گا۔ دیکھ لینا' تجربہ شرط ہے۔"

"اوہ' یہ یہ سب کیا ہے؟" وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔

"ششش' احتیاط۔" میں نے چپکے سے کہا۔"سب عارضی ہے۔"

"میں صرف تمہارے لئے آئی ہوں۔" اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اتنی واضح باتیں نہیں کرتے' ہندوستان کے طور سیکھو۔"

"یہ کیسا عجیب ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ فون رکھتے رکھتے بولی۔"ہیلو۔"

"ہاں کہو۔" میں نے اداسی سے کہا۔

"تمہارا ملنا ضروری ہے۔" اس نے اٹکتے اٹکتے کہا۔

میرے سر میں اچانک سوزش ہوئی اور میں نے ریسیور مضبوطی سے پکڑ لیا۔"تمہاری دید بھی ایک ضرورت ہے۔ پیاسے لوگوں کو پانی ملنا چاہئے۔"

وہ کچھ جھجکی۔"کچھ اور بات ہے۔"

"اسی وقت ضرورت ہے؟"میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں۔" وہ الجھتے ہوئے بولی۔ کوئی ایمرجنسی نہیں' بس احتیاطاً۔

"یعنی یعنی۔" میں نے اس سے مزید کچھ پوچھنے کی حماقت کی۔

"کوئی اتنی اہم بات ہوتی تو سب سے پہلے میں اسی کا تذکرہ کرتی۔"

"گویا میں صبح کا انتظار کر سکتا ہوں۔"

"ایک لاکھ صبحوں کا۔" وہ خوش دلی سے بولی۔"یہ' یہ کیا ہے؟"

"یہ زندہ ناچ گانا ہے' تماشا ہے' عبرت کے لئے اسے دیکھو۔"

"میری آنکھیں یقین نہیں کرتیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے فون رکھ دیا۔

جیسے کسی نے ہوا رخ کھڑکی بند کر لی' مجھے خواب گاہ میں حبس محسوس ہونے لگا' ریسیور ہاتھ میں لئے میں چند لمحے وہیں بیٹھا رہا۔ ریتا' دنیش کے محل کے حصے ہی میں مہمان تھی' چند قدم کا فاصلہ تھا اور انگلستان موجود تھا۔ رودبار سے بھی کم فاصلہ مگر ہندوستان کی قسمت میں غلامی' انگریز کی قسمت میں مصلحت لکھی ہے' میرے اعصاب کھنچنے لگے۔ اس نے لہجہ ہی ایسا اختیار کیا تھا جو مردوں کو زندہ کر دے اور زندوں کو عذاب میں مبتلا کر دے' میں کسی اور کے قدموں سے باہر آیا۔

"کس کا فون تھا؟" شاردا نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

"غلط نمبر تھا۔" میرا جواب کسی کو مطمئن نہیں کر سکا۔ انہوں نے میرے چہرے پر صحیح جواب تلاش کرنا چاہا' گو ریتا کے آخری جملوں نے بڑی ابتری پیدا کر دی تھی لیکن میں نے کہیں نہ کہیں سے سکون سمیٹ کر اپنے چہرے پر بکھیر لیا۔ ہر صبح غیر یقینی تھی' پھر آنے والی صبح کیوں خاطر میں لائی جائے۔ دنیش چندر جانتا تھا کہ فون پر مجھ سے کون مخاطب تھا۔ اس نے ایک جماہی لے کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اب اس پر نیند غالب آ رہی ہے۔ اس کے باوجود کسی نے وہاں سے جانے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ انہوں نے گفتگو کے لئے ایسے ایسے موضوع تلاش کر لئے جن کا کبھی اختتام نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ آدمی مر جاتا ہے۔ حسین لوگ عالمانہ گفتگو کرتے ہیں تو یقین نہیں آتا' دونوں نے کئی بار اٹھنے کا ارادہ کیا مگر کسی نے پہل نہیں کی' دونوں اپنے صبر و ضبط کا امتحان دے رہی تھیں' میں قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ شاردا نے مجھے تاکید کی کہ میں اندر جاکے آرام کروں' مجھ میں اتنی جرات نہیں تھی کہ پارو کے سامنے اندر چلا جاتا اور گویا اس سے یہ کہتا کہ اب وہ چلی جائے اور نہ مجھ میں جرات تھی کہ شاردا کی موجودگی میں اپنے گھر جانے کا عذر کر کے پارو کے ہاں چلا جاتا۔ پھر میں نے ایک ہی فیصلہ کیا' میں اندر سے بساط اٹھا لایا اور میں نے ہاتھی گھوڑے بادشاہ وزیر سپاہی ان کے سامنے بکھرا دیے۔ یہ کھیل شاہوں کو بہت مرغوب ہوتا ہے جب ہمہ وقت جنگ ناممکن ہو گئی تو

aazzamm@yahoo.com

انسانوں نے اپنی تسلی کیلئے اسے ایجاد کر لیا۔

سب نے مفاہمت کر لی' ضروری نہیں کہ تخلیے ہی میں شوق کا اظہار کیا جائے استواری ہو تو ہجوم میں بھی آنکھیں سیراب ہو جاتی ہیں' ہم سب ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھول دیکھنا بھی بڑی بات ہے' ضروری نہیں کہ اسے توڑ کے ہی مشام جاں آسودہ کیا جائے۔ یہ قربت بھی کہاں نصیب ہوتی ہے۔ اس مل بیٹھنے اور دیکھنے کے لئے لوگ ترستے ہیں جب لفظوں کی پابندی عائد ہوتی ہے تو آنکھیں ہونٹ بن جاتی ہیں اور ہونٹ آنکھیں۔ آنکھیں بولتی ہیں' لب لرزتے ہیں' چہرے پر عجب عجب رنگ آتے ہیں' انگلیاں رقصاں ہو جاتی ہیں۔ میں ان دونوں کی سیر کرتا رہا اور ان سے کسی کو سنائے بغیر چھپ چھپ کے باتیں کرتا رہا۔ میں نے جان بوجھ کے شطرنج میں دخل دینا شروع کر دیا تھا' اس سے سرگرمی پیدا ہو گئی دونوں میں سے کوئی نہیں گیا۔ انہوں نے دنیش کو بھی نہیں سونے دیا۔ ادھر دلہن انتظار کرتے کرتے سو گئی ہو گی' صبح ہونے سے کچھ پہلے دنیش نے ایک گرم بازی پر ہاتھ مار کے سارا نقشہ ہی بگاڑ دیا' تب کہیں انہیں اپنی خبر ہوئی۔ انہوں نے گھڑی دیکھی اور باری باری مجھے دیکھا۔ پھر اپنا لباس درست کیا جب شاردا اندر اپنے رخسار پانی سے تازہ کرنے گئی تو دنیش بھی اٹھ گیا اور پارو کو مجھ سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔''موہن داس!'' اس نے ادھر دیکھ کے آہستہ سے کہا۔''آج رات مجھے کچھ خوف سا محسوس ہوا۔''

''کیوں؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔''یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔''

''میں نے پہلے کبھی ایسا محسوس نہیں کیا۔'' اس کے نازک لب کانپنے لگے۔

''شاید تم نے میجر کے واقعے سے کچھ زیادہ ہی اثر لے لیا ہے۔''

''نہیں۔'' وہ سر جھٹک کے بولی۔''میں اپنے آپ سے خوف زدہ ہوں مجھے بڑی گھٹن ہو رہی ہے میں پہلے کبھی نہیں ڈرتی تھی' اب نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔''

''تم اور حسین ہو گئی ہو۔''

''میں نے تم سے کہا تھا کہ تم میرے حسن کا حوالہ مت دیا کرو۔ اس سے میں خود کو کمزور اور غریب محسوس کرتی ہوں' موہن داس! کب تک اس کھیل سے تمہارا جی اکتا جائے گا؟''

''ڈراپ سین ہونے ہی والا ہے' پھر راوی چین لکھتا ہے۔''

''مشکل ہے۔'' وہ مایوسی سے بولی۔''گتھیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔''

''میں نہیں سمجھتا' ہر کشمکش' تصادم' پیچیدگی کے بعد ایک سکون ابھرتا ہے۔ اگر ہم اپنی ذات کی حدود سے الگ ہو کے سوچیں تو اس بڑے کام کا اندازہ ہو گا۔''

مجھے حیرت ہے' مجھے اس بھنور سے تم نے نکالا تھا اور اب تم خود......'' وہ شکستگی سے بولی۔''پتہ نہیں' تمہاری کون سی بات سچ ہے؟''

''وقت کم ہے مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی تھیں......'' میری بات ادھوری رہ گئی۔ شاردا اپنا چہرہ صبح کی طرح تازہ اور اجلا کر کے واپس آ گئی تھی۔ پارو نے اس کی پیروی کی' جیسے ہی وہ اندر گئی' شاردا نے تیزی سے مجھے مخاطب کیا۔

''موہن! تم سے تو بات کرنا مشکل ہو گیا۔'' اس کے لہجے سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ میں نے اسے بتایا کہ میں صبح اس کی طرف گیا تھا اور لائبریری میں اس کا چہرہ دیکھ کے چلا آیا۔''تم نے خبر کیوں نہیں کی؟'' وہ ناراضی سے بولی۔

میں نے سوچا تمہیں ڈسٹرب کیوں کروں' نہ جانے تم کن دنیاؤں کی سیر کر رہی ہو۔ بس تمہیں دیکھنے کی خواہش تھی' وہ پوری ہو گئی تو میں چلا آیا۔

''اور تم نے کچھ خیال ہی نہیں کیا؟ میں تو اب تمہاری دنیا میں رہتی ہوں' تمام دنیائیں تمہارے مقابلے میں ہیچ ہیں۔''

''شاردا!'' میں نے پارو کی واپسی کا خیال کئے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔''تمہیں دیکھ کے اکثر بہت سے اندیشے لاحق ہو جاتے ہیں تمہیں دیکھ کے ہمیشہ اپنا وزن کرتا ہوں اور ترازو کے پلڑے کبھی یکساں نہیں رہتے' تمہارا پلڑا جھکا ہی رہتا ہے' تم اتنی ہلکی پھلکی ہونے کے باوجود بہت بھاری ہو' کچھ تمہارے بے مثال حسن کا بوجھ ہے' کچھ اس حسن کا جو تمہارے اندر موجود ہے مگر باہر سے نظر نہیں آتا۔''

''ترازو صرف تمہارے پاس نہیں ہے' میرے پاس بھی ہے اور جب میں اس میں خود کو تولتی ہوں تو تم سے مختلف نتیجہ نکلتا ہے۔ پھر میرا جی چاہتا ہے کہ میں تم پر کوئی جادو کر دوں تاکہ تمہارا وزن کم ہو کے میرے برابر ہو جائے' موہن!'' وہ خوابیدہ لہجے میں بولی۔''تم اتنے گم شدہ رہتے ہو کہ مجھے ہمیشہ تمہارے کھونے کا ڈر رہتا ہے' کاش میرے اندر کوئی ایسی خوبی ہوتی جو تمہیں مکمل طور پر اپنی طرف کھینچ لیتی' تم زندگی سے بے نیاز ہو جاتے۔ میں تمہیں خود پر فنا کر لیتی' اس کے بعد خود فنا ہو جاتی تاکہ زندگی کی نظر لگنے کا اندیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا۔''

''شاردا!'' میری آواز بھرا گئی۔''تمہاری قیمت ویسے بھی کوئی ادا نہیں کر سکتا۔

aazzamm@yahoo.com

ایسی باتیں کر کے تم اور حواس باختہ کر دیتی ہو۔"

دروازے سے پارو برآمد ہوتی نظر آئی تو مجھے واپس ہوتے میں بڑی مشکل پیش آئی۔ شاردا کو بھی سنبھلنے میں دشواری ہوئی پگلی کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے مجھے رلا کے خود بھی رو دی کیسی تعلیم یافتہ لڑکی تھی؟ کتابوں نے کیا تحمل سکھایا تھا؟ ذرا سی بات پر پیمانہ چھلک پڑا۔ پارو کو دیکھتی کہ آنسو کس طرح چھپائے جاتے ہیں۔ دنیش چندر بھی لباس تبدیل کر کے ان کے درمیان آ گیا تھا۔ اس کے آتے ہی وہ رخصت ہوگئیں۔ پتہ نہیں ریتا کا کیا ہوا؟ اسے نیند بھی آئی یا نہیں؟ دنیش نے خود آگے بڑھ کے دروازہ بند کر لیا اور مجھے گھورتا ہوا صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ "آیئے اب میں اور آپ شطرنج کھیلیں۔" اس نے زہر خند سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے مگر کیا کر سکتا تھا۔ آپ نے مجھے روک لیا۔"

"آپ کے تعلقات روز بہ روز وسیع ہو رہے ہیں۔ اب ہم کہاں جائیں۔"

"آپ سے روحانی تعلق ہے۔" مجھے ہنسی آ گئی۔

"نہیں، آپ ہم سے جسمانی تعلق ہی قائم رکھیے۔" وہ ناراض لہجے میں بولا۔ "ہاں کیا واقعہ پیش آیا؟"

"کچھ نہیں بس یونہی معمولی سا واقعہ تھا۔"

وہ صوفے پر اچھل گیا۔ "یعنی رات بھی کوئی واقعہ پیش آیا تھا؟"

☆......☆......☆

Scanned By Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

0300-4104309

"ہاں آپ نے دونوں پستول کل صبح جیب سے نکال لئے تھے، بڑی پریشانی ہوئی۔ بہرحال جیسے تیسے معاملہ نمٹایا، اب تفصیل مت پوچھیے۔"

"کہاں؟ میں نے تم سے منع کیا تھا کہ تم بھون سے باہر نہیں جاؤ گے۔"

"میں بھون ہی میں تھا صرف چند منٹ کے لئے باہر گیا تھا۔"

میرے اطمینان سے وہ بوکھلا گیا۔ اس سے اپنی جگہ نہیں بیٹھا گیا۔ "تم مجھ سے پستول مانگ سکتے تھے، چابیاں لے سکتے تھے۔"

"آپ مصروف تھے اور مجھے ایسی خاص ضرورت بھی نہیں تھی۔"

"یعنی تمہارا ارادہ نہیں تھا پھر کیا ہوا؟" وہ میرا شانہ جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔

"بس یوں ہی ذرا سی گرما گرمی ہو گئی۔"

"کون لوگ تھے؟" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"وہی جو مجھے آپ سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔"

"ہمارے رقیب؟ پوری بات کیوں نہیں بتاتے؟"

"انہوں نے مجھے اغوا کرنا چاہا تھا۔"

"اور تم اغوا نہیں ہوئے۔"

"آپ کی محبت نے زور کیا، ورنہ اس بار نشانہ بہت صحیح تھا۔"

"میری برداشت اب تمام ہوئی، میں احتجاجاً خاموش ہوتا ہوں۔"

"ایک گزارش ہے۔" میں نے سادگی سے کہا۔ "بلکہ شرط سمجھیے۔"

"مجھے ہر شرط منظور ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔

"آپ حسب سابق ضبط و تحمل کا مظاہرہ کریں گے میرے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے ورنہ میرے لئے اور دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔"

"معاملہ خاصا سنجیدہ ہے۔" وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "بتاتے ہو یا نہیں؟" اس

aazzamm@yahoo.com

نے میرے گال پر ہلکا سا چپت مارتے ہوئے کہا۔

اچھا نہیں لگتا تھا کہ اس کے سامنے انیتا کا نام لیا جائے۔ اب تک میں نے ناموں سے حتی الامکان پرہیز کیا تھا۔ میں نے سادہ مختصر اور غیر موثر لفظوں میں اسے رات کی رام کہانی سنا دی لیکن میرا اختصار سادگی اور سرسری پن تاثر سوا کرنے کا سبب بن گیا۔ اس نے میرے چہرے پر بے تحاشا بوسے نچھاور کرنے شروع کیے اور اس کی بے تابی اس قدر بڑھی کہ اس نے مجھے اٹھا اٹھا کے کئی بار سینے میں جکڑ لیا۔ میں نے اسے مشکل سے صوفے پر بٹھایا' راج کمار دنیش نے میرے گلے میں بانہیں ڈال کر اپنا سر میری چھاتی میں چھپا دیا تھا۔ میں اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتا رہا پھر اچانک چونک کر اس نے اپنے ہاتھ میرے آگے کر دیئے۔ ''مجھے چوڑیاں پہنا دے موہن!''

میں نے اس کے ہاتھ چوم لئے۔''شاہ ہمیشہ پیچھے رہتے ہیں جب تک میں زندہ ہوں آپ کو آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں مارا گیا تو مجھے یقین ہے آپ کے ہاتھوں میں اتنی طاقت اور سینے میں میرے لئے اتنی گنجائش ہے کہ آپ آگ لگا دیں گے' خون کی ندیاں بہا دیں گے' آپ کے ہاتھ میرے ہاتھ ہیں' اپنے ہاتھوں میں بھی کوئی چوڑیاں پہناتا ہے۔ میں نے آپ کو محفوظ کر کے رکھا ہے' جب میرے ہاتھ شل ہو جائیں گے تو میں اپنے ان دوسرے ہاتھوں سے کام لینا شروع کر دوں گا۔''

''میں انیتا کو تہہ خانے میں بند کر دوں گا۔'' وہ مشتعل ہو کے بولا۔

''آپ اپنی شرط بھول گئے ابھی کیا وعدہ کیا تھا۔''

''میں اسے اپنے محل میں برداشت نہیں کر سکتا۔''

''وہ بہت حسین ہے' اس کی تو آپ کو تعریف کرنی چاہئے۔ ایسی بہنیں اب نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔''

''تم سچ کہتے ہو۔'' وہ اداسی سے بولا۔

''تو پھر وعدہ کیجئے آپ انیتا کے سامنے اپنے کسی رویے سے یہ تاثر نہیں دیں گے کہ آپ کے دل میں اس کے لئے کینہ موجود ہے۔''

''یہ بہت مشکل ہے' تاہم میں کوشش کروں گا۔''

''دیکھئے اب انیتا کیا کرتی ہے' وہ بہت جذباتی لڑکی ہے۔''

''وہ پھر کوئی ہنگامہ کر سکتی ہے۔''

''ہاں' اس کا بھی امکان ہے مگر بہت کم۔''

''تم وثوق سے کس طرح کہہ سکتے ہو؟''اس نے تلخی سے کہا۔

''میرے پاس کوئی دلیل نہیں' بس مجھے وہ بہت اچھی لگی ہے۔''

''کتنی اچھی لگی؟'' میرے انداز بیان پر وہ بے ارادہ مسکرا پڑا۔''تو اس نے تمہیں مختلف طور سے متاثر کیا۔ وہ گولی چلانے میں تو کامیاب نہ ہو سکی مگر تیر کا نشانہ لگا دیا۔''

''ایسی بات نہیں ہے' میں تو اسے موقع واردات پر کئی طرح زخمی کر سکتا تھا میں اس بات سے متاثر ہوا کہ اس نے نازک وقت میں کمان پر تیر نہیں چڑھایا' حالانکہ اس کے پاس تیر کمان موجود تھے۔ چنانچہ میں نے اسے ایک راج کماری کے شایان شان رخصت کیا۔ میں نے اس سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔'' وہ میری بات قطع کرتے ہوئے بولا۔

سورج کی روشنی ملاقاتی کمرے میں گھس آئی تھی اور راہ داری میں چہل پہل کی آوازیں ابھرنے لگی تھیں۔ مجھے ریتا کی فکر تھی۔ آج پرکاش بھون میں اس کی خوشنودی کے لئے متعدد پروگرام بنائے گئے تھے اس لئے میں دنیش کے سامنے چائے پی کے اپنے گھر آ گیا۔ ڈالی سے بول چال بند تھی' میں چپکے سے چارپائی پر پھیل گیا اور آنکھیں بند کیں تو سارا جسم بند ہو گیا۔ گیارہ بجے کے قریب میرے مقفل جسم میں ڈالی نے چابی لگائی وہ مجھے جھنجوڑ رہی تھی۔''کیا ہے ری؟'' میں نے منہ بناتے ہوئے پوچھا۔

''اٹھ تیرے رشتے دار آ گئے۔'' وہ زہریلے لہجے میں بولی۔

''کون ہے؟''میں نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

''تیرے چاہنے والے' تیرے خصم۔'' اس نے مجھے جھٹکے دیئے۔

''صاف صاف کیوں نہیں بتاتی۔'' میں نے بگڑ کے کہا۔

''خود باہر جا کے دیکھ لے اندر بلاؤں گی تو تیری ہی ہیٹی ہو گی۔''

میں نے اسے کھینچ لیا' وہ مزاحمت کرنے اور بھن بھنانے لگی۔''مجھ سے کیوں مسخری کرتا ہے۔''

''ناراض ہے ری؟''میں نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کے کہا۔

اس نے منہ پھیر لیا۔''مجھے کیا حق پہنچتا ہے۔''

''تجھے سب حق ہے' ایسی دل توڑنے والی باتیں مت کیا کرو۔''

aazzamm@yahoo.com

''چل باہر چل' وہ انتظار کر رہی ہے۔''

''کون؟''میں نے اچھل کر کہا۔''کیا کوئی لڑکی ہے؟''

''ہاں اور بہت خوبصورت ہے۔''

''تجھ سے زیادہ نہیں ہو گی۔ کون ہے؟''

''میں اسے نہیں جانتی پر تجھے پسند ہے تو میرے لئے سب کچھ ہے۔''

کون ہو سکتی ہے میں بے چینی سے اٹھا اور باہر آ کے دیکھا تو مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ ترنم چوکی پر گڈے کے ساتھ کھیل رہی تھی اور گڈا چینی کی اس گڑیا کو حیرت سے گھور رہا تھا۔''تم' تم یہاں کیسے آ گئیں؟''

''آپ کا پتہ پوچھتے ہوئے آ گئے۔ آپ نے تو ہماری طرف رخ ہی نہیں کیا جب کئی دن ہو گئے تو ہم خود چلے آئے۔''

مجھے چند لمحوں کے لئے سکتہ ہو گیا۔''تو یہاں کیوں بیٹھی ہو' اندر آ جاؤ' اس سے ملو یہ ڈالی ہے۔'' میں نے ڈالی کی کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ہماری بات ہو چکی ہے' ہم نے انہیں منع کیا تھا۔ انہوں نے آپ کو بے آرام کیا۔'' وہ پرسوز لے میں بولی۔

''اچھا ہوا' تم نے یہ گھر دیکھ لیا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''ہمیں یہاں آنے کی بڑی تمنا تھی۔'' وہ جھکی جھکی نظروں سے بولی۔

''سارا افسانہ یہ ہے' اب کب جانے کا ارادہ ہے؟''

''ہم نے گھر والوں کو واپس بھیج دیا ہے' ایک ساتھی رہ گئی ہے' وہ بھی چلی جائے گی۔'' اس نے پرعزم لہجے میں جواب دیا۔

''پھر تم یہاں تنہا رہ جاؤ گی؟''

''تنہا کیوں؟ ہم یہاں بہت آسودہ رہیں گے۔''

''ڈالی سے یہاں کی آسودگی کا حال پوچھو۔''

''ہم نے سوچا ہی کچھ اور ہے' ہم نے اپنے آپ کو ترک کر دیا ہے۔''

''تم مجھے گنہ گار کرو گی۔'' میں نے اضطراب میں کہا۔

''ہم سے بڑا گنہگار کون ہو گا؟ ہماری تو نجات ہو جائے گی۔'' یہ سنتے ہوئے ڈالی اچانک ہنسنے لگی' ترنم نے بے چارگی سے اسے دیکھا۔ اس کی جبیں پر پسینے کے موتی لرزنے لگے۔''کیا ہم نے کوئی غلط بات کہہ دی۔''

''نہیں۔'' ڈالی خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔''بس ہنسی آ گئی۔''

''ڈالی یہاں کی نیرنگی پر ہنس رہی ہے' یہ کبھی ہنستی ہے' کبھی روتی ہے' یہ بہت ہو گئی ہے' تمہارے لئے آئینے کا کام دے سکتی ہے۔''

''تم اندر آؤ' تمہاری آواز میں بہت دکھ ہے اور تمہاری نظریں نیچی ہیں' ن سے بیٹھو یہ گھر بہت چھوٹا ہے لیکن یہاں دل کے بڑے لوگ رہتے ہیں۔'' ڈالی یں بولی۔

''ہم انہی لوگوں سے ملنے آئے ہیں۔''وہ ڈالی کے ساتھ اندر کمرے میں ہوئے بولی اور بوسیدہ چارپائی پر بیٹھ گئی۔''عمارتیں تو آدمیوں سے چھوٹی بڑی ں۔''

''میں تمہاری کیا خاطر کروں۔''ڈالی اشتیاق سے بولی۔''تمہارا رنگ انار کی لال ہے۔ مکھڑا دیکھو پھول کی طرح لگتا ہے' تم دیر تک یہاں بیٹھیں تو رنگ اڑ گا اور یہ شخص جس سے تم ملنے آئی ہو بہت بدتمیز ہے''ڈالی شاعری کرنے لگی تھی رب بننے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تم نے ابھی تک یہ نہیں پوچھا کہ ڈالی کون ہے؟''

''ہم نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ہم نے یہاں آتے ہوئے خود کو آمادہ یا تھا اور سوچ لیا تھا کہ آپ کے ساتھ جو ہو گا' وہ اچھا ہی ہو گا' ہم نے آتے ہی سے اتنی گزارش کی تھی کہ ہم آپ سے صرف چند لمحوں کے لئے ملنا چاہتے ہیں' ں نے احسان کیا' ہمیں اندر بٹھا لیا۔ ہماری درخواست ہے کہ یہ کبھی کبھی ہمیں ں آنے کی اجازت دے دیا کریں۔''

''اجازت؟ تم جب چاہو شوق سے آؤ۔ یہ غریبوں کا گھر ہے۔''

''یہاں بڑے امیر لوگ رہتے ہیں۔''وہ مترنم لہجے میں بولی۔

ڈالی اس کی طرف حیرت و اشتیاق سے دیکھ رہی تھی۔ اس میں خاصی تیزی آ گئی' وہ باہر چائے بنانے چلی گئی تو ترنم نے سر جھکا لیا۔''مجھے حیرت ہے کہ تم نے چے بغیر یہاں آنے کا فیصلہ کر لیا کہ یہاں کون کون ہو گا اور کس طرح پیش آئے

''بخدا ہم نے بہت ضبط کیا مگر۔'' اس کے گلے میں کانٹا چبھ گیا۔''آج دل نہیں مانا' ہم نے سوچا' آپ کے ہاں کوئی بھی ہو' ہم اس کے سامنے آپ کو شرمندہ کبھی

aazzamm@yahoo.com

نہیں کریں گے' آپ کا چہرہ دیکھیں گے اور چلے آئیں گے۔ یہاں آئے تو ہماری امید کے خلاف پزیرائی ہوئی۔ خدا گواہ ہے ہم نے کوئی ایسا تاثر نہیں دیا تھا جس سے آپ کی الجھن بڑھ جاتی۔ ہم اپنے ذہن میں بہت سے بہانے سوچ کے آئے تھے کہ اپنے آنے کا کوئی بھی جواز پیش کر دیں گے' اگر ہماری زبان کچھ بہک گئی ہو تو ہمیں معاف کر دیجئے' ہم کبھی یہاں نہیں آئیں گے مگر آپ سے یہ منت ضرور کریں گے کہ کبھی کبھی مہمان خانے کا رخ کر لیا کیجئے۔"

"تم۔" میں نے ہذیانی انداز میں کہا۔ "تم مجھے زندہ نہیں رہنے دو گی۔"

وہ کھڑی ہو گئی اور سراسیمہ ہو کے بولی۔ "ہم قسم کھاتے ہیں' آپ کی زندگی کے لئے نچھاور ہو جائیں گے' شاید ہم نے آپ کو پریشان کیا' اب ہم اف بھی نہیں کریں گے ہونٹ سی لیں گے ہم سے نادانی ہو گئی۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو' میں تمہارے یہاں آنے سے اتنا متردد نہیں ہوں جتنا اور باتوں کا خیال ڈنک مارتا ہے۔ تمہارا کم خواب چہرہ دیکھتا ہوں' تمہارا سانچے میں ڈھلا ہوا یہ سراپا دیکھتا ہوں۔ یہ سرگیں آنکھیں' یہ عنبریں زلفیں' دیکھتا ہوں تو مجھے ان کے زیاں کا احساس ستانے لگتا ہے۔ ڈالی کی بات نہیں مجھے خود معلوم نہیں کہ ڈالی سے میرا کیا رشتہ ہے' میں تمہیں شاداب دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اب بار بار فردا کا ذکر نہ کیجئے' ہم ہمیشہ شاداب رہیں گے آپ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ فیصلہ ہم نے خود اپنے لئے تجویز کیا ہے اور ہم اسے آپ پر مسلط کر رہے ہیں' نہ ہماری کوئی ضد ہے نہ جبر' ہم تو نیاز مندانہ آئے ہیں' سرکشانہ نہیں۔" ڈالی نے آ کے یہ راگ درہم برہم کر دیا' وہ طشتریوں میں نہ جانے کیا کیا الابلا سجا کے لے آئی تھی۔ "آپ نے تکلف کیا۔" ترنم متانت سے بولی۔

"تم شیرو کی مہمان ہو' اگر آدمی کا گوشت کھانے کا رواج ہوتا تو میں شیرو کے مہمان کے لئے اپنے جسم سے کچھ حصہ کاٹ کے اور بھون کے یہاں لے آتی۔"

"شیرو؟ کیا آپ انہیں شیرو کہتی ہیں؟"

وہ سٹ پٹا گئی۔ "میں اسے شیرو ہی پکارتی ہوں' ویسے اس کا نام موہن داس ہے' یہ بڑا نٹ کھٹ ہے۔"

"آپ نے بہت کرم کیا۔" ترنم نے نشیلی آواز میں کہا۔

"تم نے یہاں آ کے ہمارا مان بڑھایا' بھلا ایسے پیارے لوگ ہمارے

اجڑے گھر میں کہاں آتے ہیں۔" ڈالی وارفتگی سے بولی۔

"آپ ہمیں نادم کر رہی ہیں' ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم کبھی کبھی یہاں آتے رہیں ہمارے ہاتھ کام کے لئے ترس گئے ہیں۔"

"تم شوق سے آیا کرو لیکن یہاں تو بیٹھنے کی جگہ بھی نہیں ہے۔"

"آپ ہمیں اپنی آنکھوں پر بٹھا لیا کیجئے۔" وہ شوخی سے بولی۔

وہ دونوں پرانے شناساؤں کی طرح ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگی تھیں۔ میں نے دھوپ دیکھ کے ترنم سے وقت پوچھا اس کی کلائی سے بندھے ہوئے سنہرے وقت نما میں ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ ریتا کے اعزاز میں گیارہ بجے بھون میں بازی گری کا تماشا ہونے والا تھا۔ ویسے یہ تماشا اس سے زیادہ دلچسپ نہیں تھا میں نے اس سے اجازت لی۔ ترنم نے جھجک کر کچھ کہنا چاہا پھر کہنے لگی۔ "اچھا جایئے آپ کو دیر ہو رہی ہے۔"

"کیا بات ہے؟" میں نے تجسس سے پوچھا اور دروازے سے لوٹ آیا۔

"پھر سہی' آپ اپنا راستہ کھوٹا مت کیجئے۔"

"پھر یہ تمہیں کہاں نظر آئے گا' جو کہنا ہے ابھی کہہ دو۔" ڈالی بولی۔

"کل شام......" اس نے ٹمٹماتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کل شام کسی کام سے چھوٹے راج کمار سریش چندر مہمان خان میں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا پھر اپنے ہرکاروں سے ہمیں طلب کیا۔ ہم نے راج کمار دنیش چندر کا حوالہ دے کے اس وقت تو انہیں ٹال دیا ہو سکے تو آپ ذرا خیال رکھئے گا۔"

"راج کمار سریش چندر؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"جی۔ وہی" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک طویل سانس لے کے کہا۔ ڈالی ہمہ تن گوش تھی۔ اس لئے میں نے تفصیل پوچھنا مناسب نہیں سمجھا لیکن میں بھول گیا کہ مجھے جلدی جانا ہے۔ ترنم نے مجھے ٹوکا تو میں اپنے ہونٹ مسلتا باہر آ گیا' باہر آ کے میں نے اپنے بال شدت سے پکڑ لئے مجھے اس سر پر ترس آیا جسے اسی جسم پر نصب ہونا رہ گیا تھا جو کم بخت کسی بھی دن ناراض ہو جائے گا۔ پھر میں اس سے بے نیاز ہو کے تیز قدموں سے اس میدان کی طرف بڑھنے لگا جہاں مجھے بہت پہلے پہنچ جانا چاہئے تھا۔ ادھر ادھر ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا' جیسے پرکاش بھون میں اب کوئی رہتا ہی نہ ہو۔ ریس کے

aazzamm@yahoo.com

میدان میں ایک خلقت جمع تھی۔

پرکاش بھون کی آبادی کے علاوہ راجے پور کے بہت سے معززین بھی یہاں نظر آ رہے تھے' اوپر تلے کی سب سیڑھیاں بھری ہوئی تھیں۔ نچلی سیڑھیوں پر چار انگریز باڈی گارڈ اپنی وردیوں میں دور سے چمک رہے تھے' ان کے قریب ہی کچھ اور انگریز طنطنے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ریتا کے ایک جانب دنیش تھا اور دوسری جانب پارو تھی۔ یہ راجے پور کے چمکتے دمکتے چہروں کا اجتماع تھا۔ ادھر حسب مراتب' ہوشیار' خبردار' باادب با ملاحظہ ملازمین اپنی اپنی جگہوں پر جمے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں پنڈت ایشوری لال کچھ اور پنڈتوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ بازی گر اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ سبھی کی نظریں ان کی طرف مرکوز تھیں۔ بچے غباروں کی طرح اچھل رہے تھے اور لڑکیاں بالیاں حیرت و استعجاب کا مرقع بنی ہوئی تھیں۔ بعض ملازموں نے ریاست کا روایتی سرکاری لباس سجا رکھا تھا اور سینہ تانے اکڑے ہوئے تھے۔ ہندوستان انگریز کو مرعوب کر دینے کے لئے مضطرب نظر آ رہا تھا۔ میدان میں ایک طرف ہاتھی' ایک طرف رنگین لباس میں بینڈ باجے والے' مداری' لٹھ باز' اپنی اپنی باری کے منتظر تھے' نفیری والا نفیری منہ سے لگائے تناروں رواں کر رہا تھا۔ انگریز کو ہندوستان کے رنگ' اس کی دلکشی دکھانے کا بڑا زبردست اہتمام کیا گیا تھا۔ انہیں چونکانے کا ارادہ تھا۔ یہ دیکھو' وہ دیکھو' یہ عجائب خانہ تمہیں اور کہاں نظر آئے گا۔ یہ ہاتھی ہے جو دو ٹانگیں اٹھا اٹھا کے ٹھمک ٹھمک کے چلتا ہے۔ سلام کرتا ہے۔ یہ گونگے غلاموں کی ایک فوج ہے جو زبان رکھتے ہوئے بھی نہیں بولتے۔ یہ مداری ہے' یہ شکاری ہے' یہ وہ شخص ہے جو ایک مہینے تک سر کے بل کھڑا رہتا ہے' ریتا کی دل بستگی کا ہر سامان موجود تھا' اب وہ اپنے باپ سے جا کے ضرور کہے گی یہ ہندوستان تو کمال کی زمین ہے۔ یہاں کے لوگ کیسے سادہ ہیں' گدھوں کی طرح سیدھے' کتوں کی طرح وفادار۔ وہ اپنے پاپا سے کہے گی کہ ریٹائر ہونے کے بعد یہیں بسیرا کریں گے' بھلا ایسے شریف لوگ اور کس خطے میں دستیاب ہوں گے۔

میں دور کھڑا طائرانہ نظر سے یہ سازو سامان' یہ لاؤ لشکر دیکھتا رہا۔ ریتا کا خیال نہ ہوتا تو میں اسی محفوظ جگہ محظوظ ہوتا رہتا۔ مہمان حاضر' میزبان غائب' مدعی چست گواہ ست۔ ریتا کی نگاہیں بار بار بھٹک جاتی تھیں' مجھے ریتا کو اپنا چہرہ ضرور دکھانا تھا۔ چنانچہ میں ملازموں کا ہجوم چیرتا ہوا آگے نکل آیا اور میں نے سیڑھیوں کے اس

سرے سے اس سرے تک جانے کا ارادہ کیا' یہ بے ادبی ضرور تھی مگر دنیش چندر کے پاس ملازم کو اس غلطی کے ارتکاب کا حق پہنچتا تھا' درمیان کی خالی جگہ میں بازی گروں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اس لئے جب میں وہاں نمودار ہوا تو سب کی نظر مجھ پر گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہاں سے وہاں تک ایک تیز لہر گزر گئی جو سب کو بے قرار کر گئی ہے' اپنا ذکر بھی کہاں کہاں ہوتا ہو گا۔ یہی میدان تھا جہاں کنور جگ دیپ نے سرکشی اختیار کی تھی اور مجھے رسوا کیا تھا۔ بہر حال یہ میرا وہم تھا کھلبلی صرف میرے ذہن میں برپا ہوئی تھی' یہ شاید لاشعور میں چھپا ہوا کوئی غرور تھا جو اپنے مہمان کے شان دار خیر مقدم پر مجھے کچھ ایسا تاثر دے گیا کہ مجھے اپنا قد لمبا اور جسم بھاری محسوس ہوا۔ ممکن ہے کولمبس ایک بار اور پیدا ہو کے امریکہ جائے اور اسے کوئی نہ پہچانے مگر جب وہ اونچی عمارتیں اور جگ مگ جگ مگ روشنیاں دیکھے گا تو اس کا دل کیسا سرسبز ہو گا' کھیت اپنے کسان کو کب پہچانتے ہیں۔

میں سیڑھیوں پر سرسری نظر ڈالتا ہوا دنیش چندر اور ریتا تک پہنچنے کے لئے چہرے عبور کرتا رہا۔ سرگوشیاں' بھن بھناہٹیں' اشارے۔ میں کسی جگہ نہیں ٹھہرا لیکن ایک جگہ زمین نے میرے پیر جکڑ لئے' ہیما' کسم اور شکنتلا کے پہلو میں پریت جلوہ افروز تھی۔ سرمئی ساڑی میں کھنچی ہوئی پریت' میان میں تڑپتی ہوئی تلوار' مجھے اپنے منہ میں ریت محسوس ہوئی جیسے کوئی دیوار پر ریگ مال ملے یا لوہے پر ریتی چلائی جائے۔ کچ کچ' کچ کچ' کررارا' مجھے جھرجھری آ گئی' اس کی آنکھیں بھی تھرتھرانے لگیں اور ہونٹ متزلزل ہو گئے' پھر اس کے پیر تیزی سے گردش کرنے لگے۔ میں ایک ثانیے تک مبہوت ہو کے اسے تکتا رہا۔ سامنے سے ہٹو' کسی شوخ چشم نے دھتکارا تو مجھے اپنی غفلت کا احساس ہوا۔ اور کچھ آگے میری نظر شاردا پر جا کے ٹھہر گئی اس کا چہرہ بدلیوں سے نکل آیا' مجھے دیکھتے ہی اس کے رخساروں کی چاندنی چھٹکنے لگی' ریتا کے سامنے پہنچ کے میں نے سر کو خفیف سی جنبش دی' یہ میری نظر کا دھوکا نہیں تھا کہ میری آمد پر ریتا کے پیچھے بیٹھے ہوئے انگریز باڈی گارڈوں اور افسروں کے سرخ چہرے کچھ اور تاب ناک ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو اشارے کئے نہ جانے کیوں مجھے آں جہانی میجر رابرٹ یاد آ گیا۔ سب انگریز ایک ہی ماں سے پیدا ہوئے لگتے ہیں۔ ریتا نے شدت میں دنیش کا بازو پکڑ لیا تھا اور شاید ہندوستان کی زمین کا خیال آنے پر فوراً چھوڑ دیا۔ "تم نے آنے میں دیر کر دی۔" دنیش نے یہ جملہ دھیمے لہجے میں صرف مجھے

aazzamm@yahoo.com

سنانے کے لئے کہا تھا مگر تمکنت کے ساتھ۔ اس کے قریب بیٹھی ہوئی پارو کے کان بہت تیز تھے' وہ مسکرانے لگی۔ ''نزدیک ہی رہنا نظروں کے سامنے'' دنیش نے دوبارہ سرگوشی کی۔

میں نے اپنا آدھا جسم جھکا دیا اور وہاں سے دوسری طرف نکل آیا' میرا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ جب میں پنڈت ایشوری لال کے قریب سے گزرا تو اس نے پھر وہی پرانی حرکت کی' بھرے مجمع کے سامنے اٹھ کر مجھے پرنام کیا اور اپنی جگہ خالی کر کے مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی۔ میں اسے گھورتا ہوا وہیں بیٹھ گیا۔ میرے پہلو میں سکڑ کے وہ بھی براجمان ہو گیا۔ یہاں سے میں آدھے انڈے کی شکل میں بنی ہوئی سیڑھیوں پر سب کو دیکھ سکتا تھا۔

پہلے نٹ کا کھیل ہوا پھر ہاتھی آئے اور ریتا کے سامنے کورنش بجا لائے' پھر بازی گروں کا ایک گروہ آ گیا اور طرح طرح کے چمتکار دکھانے لگا۔ جو لوگ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں' انہوں نے کمال کے ہنر دکھائے۔ ریتا اور دوسرے انگریزوں نے تمام تر جوش سے تالیاں بجائیں۔ کسی میلے کا سماں تھا جو ٹولی سامنے آتی' پہلے راج کمار دنیش اور ریتا کے سامنے سر جھکاتی' راجے پور کا مشہور کرتب باز اس کا تعارف کراتا اور وہ میدان میں اتر کے اپنے فن کا مظاہرہ شروع کر دیتے۔ ہجوم پر کبھی مکمل سکوت طاری ہو جاتا' سب سن ہو جاتے اور کبھی یکا یک ایسا شور گونجتا کہ قیامت کا منظر ہوتا۔ دن کا ایک بج گیا تو سب سے آخر میں لمبے بالوں والا ایک مہیب شکل کا جوگی ریتا کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ بڑا بے پروا سا تھا۔ اس کا لمبا جسم پھیلا ہوا اور رنگ کوئلے کی طرح سیاہ تھا۔ وہ کھدر کا کرتا اور دھوتی پہنے ہوئے تھا۔ اسے دیکھ کے ریتا کچھ پیچھے ہٹ گئی۔ یقیناً اس کی بڑی بڑی سرخ آنکھوں میں بڑی ہیبت تھی۔ وہ کچھ غصے اور جلال میں نظر آ رہا تھا۔ جیسے اسے زبردستی کھینچ کر لایا گیا ہو۔ میدان میں جانے سے پہلے وہ ریتا کے سامنے انگلی کا اشارہ کر کے خاموش کھڑا ہو گیا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سے اس کی کیا مراد ہے پھر پارو نے ریتا کے کان میں کچھ کہا اور ریتا نے خوف زدہ نظروں سے سر ہلا کر اقرار کیا۔ اس نے اپنے گلے سے ہیروں کا نیکلس اتارنا چاہا تو جوگی نے انگلی سے انکار کر دیا اور کچھ فاصلے پر میدان میں آ گیا۔ اس نے اپنی انگلی آسمان کی جانب کر دی اور بدبدانے لگا اور ایک ہاتھ اٹھا کے فلک شگاف چیخ ماری۔ میں نے پنڈت ایشوری لال کی طرف تجسس سے دیکھا' وہ

مسکرا رہا تھا۔

جوگی نے زمین پر کئی قلا بازیاں کھائیں اور زمین پر بے تحاشا لوٹتا ہوا اور تڑپتا ہوا ساکت ہو گیا۔ ہر طرف رات سی ہو گئی تھی' رات کا سکوت' پھر وہ آہستہ آہستہ لہراتا ہوا اٹھا اور سیدھا کھڑا نہیں ہوا بلکہ اس کے پیر اوپر کی جانب اٹھنے لگے۔ پنجوں کے بعد اس نے حیرت انگیز طور پر اپنے جسم کا بوجھ ایک انگلی پر اٹھا لیا' زمین میں اس کی انگلی گڑی ہوئی تھی اور سارا جسم کسی حرکت کے بغیر اس پر کھڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک تو وہ یوں ہی ایک ستون کی طرح اپنی انگلی پر جما رہا پھر اس نے اچھل اچھل کر اور صرف انگلی کے سہارے زمین پر چلتے ہوئے بار بار اپنے الٹے جسم کا توازن قائم رکھ کے سب کو دنگ کر دیا۔ انگریزوں کا برا حال تھا' تالیاں' بجاتے اور صدائیں بلند کرتے ہوئے ان کے ہاتھ اور منہ دکھنے لگے ہوں گے۔ ادھر پنڈتوں کے حلقے سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔ میں بھی جوش میں تالیاں بجاتے بجاتے رہ گیا۔ آدمی پر اپنے گرد و پیش کا کیسا جبر ہوتا ہے' جوگی نے اٹھ کے پھر اپنے مخصوص انداز میں ایک انگلی آسمان کی جانب کر دی' اب وہ سیدھا کھڑا تھا' اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا' جب باہر نکالا تو ایک سنسناتا ہوا سانپ اس کے ہاتھ پر سراسر رہا تھا۔ اس کے کرتے میں بے شمار جیبیں تھیں' جن میں سانپ ہی سانپ موجود تھے' پھر اس نے میدان میں ایک بڑا چکر لگایا اور تمام سانپ زمین پر چھوڑ دیئے۔ لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ سانپ پھن کاڑھے ہوئے اس کے اردگرد جمع ہو گئے اور ایک اشارے پر اس دیو زاد کے جسم پر چڑھنے لگے جوگی نے اپنا کرتا اتار کے پھینک دیا اندر سے ایک سیاہ جسم نکلا' ایک سانپ اس کے ہاتھ پر لہرا رہا تھا اسی عالم میں جوگی ریتا کے پاس گیا ریتا کے چہرے پر سفیدی غالب آ گئی تھی۔ اس برہم اور مشتعل جوگی کی قربت سے سبھی لوگ سنجیدہ ہو گئے تھے۔ دنیش چندر نے ہاتھ اٹھا کے پسندیدگی کا اظہار کیا' تب کہیں جوگی وہاں سے ہلا اور لوگوں کے چہروں پر اطمینان نظر آیا پھر جوگی نے کرتب باز سے کچھ کہا کرتب باز نے دنیش سے اور دنیش نے ریتا سے کچھ کہا۔ ریتا پہلے تو سٹ پٹائی پھر اس نے جھجکتے ہوئے ملازموں کے ایک گروہ کی طرف انگلی اٹھا دی' جوگی اس طرف چلا گیا اور چار ملازموں کے سینوں پر آنکھ بند کر کے انگلی رکھ دی' وہ خوف سے لرزنے لگے تھے' جوگی کی ایک ہیبت ناک دہاڑ سے تھرا گئے اور اس کے ساتھ میدان کے درمیانی حصے میں ڈگمگاتے ہوئے آ گئے۔ جوگی نے انہیں خود سے دور رکھا

aazzamm@yahoo.com

اور اپنے ہاتھوں کو ایک خاص انداز میں حرکت دینے لگا' اس کی آنکھیں انگارا بن گئی تھیں اس کے سر پر سینگ ہوتے تو سب اسے بھوت' شیطان سمجھتے' سینگ نہ ہونے ہی سے وہ کچھ آدمی کی قسم میں سے معلوم ہوتا تھا۔

ہاتھیوں' مداریوں اور بازی گروں کے تماشے میں تو میری نظریں مسلسل وہاں بیٹھے ہوئے مجمع کا طواف کر رہی تھیں' رنگ برنگے ملبوسات میں شوخ چہروں کی فصل سیڑھیوں پر اگی ہوئی تھی میں انیتا کو تلاش کر رہا تھا' وہ مجھے سامنے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ شاردا' پارو' ریتا اور پریت سے میری نگاہ کا رابطہ قائم تھا۔ کچھ اور حسین لڑکیاں بھی کبھی کبھی یہ اعزاز بخش دیتی تھیں' سندھیا دور بیٹھی تھی مگر جیسے ہی اس کی آنکھوں نے مجھے سونگھا' اس کے جسم کی بالی لہلہانے لگی۔ وہ بگولے کی طرح چیرتی پھاندتی میرے قریب ہونے لگی۔ چابی بھری ہوئی ایک گڑیا' پھدکتی' ٹھمکتی مٹی کی صراحی' جسے بھٹی میں تپانا رہ گیا تھا لیکن میدان میں جوگی کی آمد پر سندھیا بھی اپنی جگہ سہم کر رہ گئی۔ میری توجہ بھی اس مغلوب الغضب شخص پر مبذول ہو گئی۔ جب چار ملازم اس کے مقابل کچھ فاصلے پر ہاتھ جوڑے بید مجنوں کی طرح لرزتے ہوئے کھڑے ہو گئے تو جوگی نے انہیں قہر کی نظروں سے دیکھا اور اپنا ہاتھ جھٹکے کے ساتھ نیچے گرا لیا اچانک وہ چاروں بری طرح چیخنے لگے اور اپنے بال اور اپنے اعضا کھسوٹنے لگے۔ بظاہر ان پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ وہ کپڑے پھاڑنے اور زمین سے سر پھوڑنے لگے میں نے تجسس سے پنڈت کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسی کی جانب متوجہ تھا' سر ہلانے لگا۔ "کچھ جانتا ہے لیکن بہک گیا ہے" اس نے مختصر تبصرہ کرنے پر اکتفا کیا۔

چاروں ملازم اپنے آپ سے بیگانہ بین کرتے' شور مچاتے' خود کو نوچتے ہوئے ادھر ادھر بھاگے مگر وہ بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بہت دیر بعد لوگوں کی سمجھ میں یہ رمز آئی کہ ابتدا میں جہاں جہاں جوگی نے چل کے دائرہ قائم کیا تھا وہ اس سے آگے نہیں جا سکتے تھے۔ یعنی زمین کا وہ مختصر حصہ جوگی کی سلطنت تھا' جہاں سے باہر جانے کے راستے اس نے مسدود کر دیئے تھے۔ چاروں ملازموں کی حالت اتنی شکستہ اور ناگفتہ بہ ہو گئی تھی کہ کسی طرف سے بہت جلد صدائے احتجاج بلند ہونی چاہیے تھی۔ مگر کوئی آواز بلند نہیں ہوئی کوئی نہیں اٹھا کہ بس یار یہ کھیل ختم کر' سب انگشت بدنداں تھے اور شاید ہر شخص اس لمحے کا منتظر تھا کہ اب جوگی کوئی کرشمہ' کوئی معجزہ دکھا کے ان بدبخت لوگوں کو پرسکون کر دے گا یا ممکن ہے ان کے دلوں پر جوگی کی ہیبت بیٹھ گئی ہو'

انگریزوں کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں' چاروں ملازم بھاگتے چیختے نڈھال ہو کے زمین پر گرنے لگے تو جوگی کے منتشر سانپوں نے اس کے پاس آ کے ادب سے پھن کاڑھے پھر اپنے مالک کی ہدایت پر بے بس ملازموں کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ یہ نئی افتاد دیکھ کے ملازموں کی درد ناک چیخیں بلند ہوئیں انہوں نے سانپوں کی دست برد سے بچنے کے لئے اچھلنا کودنا شروع کر دیا تھا زندگی اور موت کا کھیل اسی کو کہتے ہیں' چار آدمی تقریباً چالیس بھانت بھانت کے سانپوں کے ساتھ ایک ایسے احاطے میں چھوڑ دیئے گئے تھے جس کی دیواریں نہیں تھیں مگر کوئی باہر نہیں جا سکتا تھا' نہ سانپ نہ آدمی' آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا' سانپ آدمیوں پر غالب آ گئے بیک وقت کئی کئی سانپوں نے ایک ایک ملازم پر حملے پہ حملہ کیا اور دیکھتے دیکھتے سارے ملازم ان کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے زمین پر بے ہوش ہو گئے یا مر گئے۔ سارے مجمع کو سکتہ ہو گیا' دہشت کی وجہ سے کسی کی سسکیاں بھی نہیں نکلیں ہر طرف آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔

میرے قریب بیٹھے ہوئے ایشوری لال کا چہرہ تمتمانے لگا اور اس کے ہاتھ تیزی سے کرچھے پر مچلنے لگے۔ اس سناٹے میں اس کے کرچھے کی آواز دور تک گئی جوگی نے بھی حیرت سے دیکھا اور برہمی سے منہ پھیر کے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ چاروں زمین پر بے حس و حرکت پڑے تھے۔ جوگی نے دھتکار کر سانپوں کو منتشر کر دیا۔ سانپ اس کے دائرے کی سرحدوں پر جا کے آہستہ آہستہ رینگنے لگے' سانپوں کی تیزی بھی ختم ہو گئی تھی لیکن جوگی کی وحشت کچھ سوا ہو گئی تھی۔ وہ اپنی سرخ آنکھوں کے ساتھ ہاتھ ہلاتا ہوا ایک بار پھر ریتا کے سامنے آیا۔ ریتا نے دزدیدگی سے دنیش اور پارو کو دیکھا۔ پھر میری طرف نظر کی۔ دنیش نے اپنی شیروانی کے اوپر گلے میں لٹکی ہوئی موتیوں کی مالا جوگی کی طرف اچھال دی۔ جوگی نے اسے مٹھیوں میں سختی سے بھینچ کر دانہ دانہ الگ کر دیا اور تمام دانے ان ملازموں کے اوپر پھینک دیئے جو موت کے بہت قریب تھا اور جنہیں اب زندگی کا ہوش بھی نہیں رہا تھا جوگی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ان کے پاس پہنچا اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کے آسمان سے کچھ فریاد کی پھر زمین چومی اور اپنی پیشانی پر خاک مل لی اور ملازموں پر ٹھوکریں لگائیں' وہ بے جان دور تک لڑھکتے چلے گئے پھر اس نے ایک شخص کو اٹھایا' اس کی گردن' ہاتھ اور پیر قابو میں نہیں تھے جیسے اس نے کسی مردے کو قبر سے اٹھا لیا ہو' اٹھا کے اس نے اس کا سینہ ٹھونکا اور اپنا منہ اس نیم جاں کی کلائی پر لگا دیا۔ وہ باری باری تھوکتا اور منہ بناتا

aazzamm@yahoo.com

رہا۔ رفتہ رفتہ بے ہوش ملازم کے جسم میں سختی آتی گئی اور وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو گیا۔ دفعتاً مجمع سے داد و تحسین کا شور گونجا۔ بہرحال اس نے باری باری یہ عمل کر کے سب کو زندہ کر دیا' زندہ کر دیا یا موت کے منہ سے بچا لیا' اس میں کوئی فریب نہیں تھا' میں ان ملازموں سے واقف تھا۔ جوگی کے اشارے پر موتی کے تمام دانے چاروں ملازموں نے زمین سے لوٹنے شروع کر دیئے۔ جس کے ہاتھ جو آیا' وہ اس نے اپنے منہ اور جیب میں ڈال لیا اور دوسرے دانے کے حصول میں زمین ٹٹولنے لگا پھر وہ چاروں خوف کے عالم میں جوگی کے چرن چھوتے اور سانپ پھلانگتے ہوئے دائرہ پار کر گئے۔

بعد میں جوگی یوگا کی حیرت انگیز مشقتوں اور اپنے پراسرار' محیر العقول کمالات کا مظاہرہ کرتا رہا' تمام سانپ اس کے کرتے کی جیبوں میں واپس چلے گئے تھے اور اب وہ ستون کی طرح زمین پر خاموش کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ترجمان کرتب باز کو اشارہ کیا جس نے دنیش چندر کو اس کا مفہوم سمجھایا' پھر دنیش کے اصرار پر ریتا نے بعض ملازمین کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور کرتب باز نے ملازموں کے ہجوم کے پاس جا کے بار بار اس سے تائید چاہی۔ چھ سات ملازموں کی نشاندہی کرنے کے بعد ریتا نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا۔ کرتب باز نے اسے اور ملازم منتخب کرنے کی دعوت دی جسے ریتا نے منظور نہیں کیا۔ جو سات ملازم بھیڑ سے علیحدہ کئے گئے تھے' وہ سب بہت صحت مند اور توانا تھے لیکن اپنے پچھلے ساتھیوں کا حشر دیکھ کر نہایت درجے خوف زدہ معلوم ہوتے تھے' انکار کی مجال نہیں تھی۔ چھوٹے سرکار کی خواہش پر بڑی سرکار نے انہیں اپنا کس بل دکھانے کے لئے چنا تھا۔ جوگی تمام باتوں سے بے نیاز میدان میں تنہا کھڑا تھا اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا رکھے تھے' کرتب باز نے ملازموں کو ان کے کام کی نوعیت بتا کے میدان میں چھوڑ دیا۔ وہ سمٹتے جھجکتے آگے بڑھے' جوگی نے آنکھیں گھما کے حقارت آمیز مسکراہٹ سے ان کی پزیرائی کی اور زمین پر اتنی زور سے پیر مارے کہ خاک اڑنے لگی تین ملازم اس طرف اور چار اس طرف' جوگی کے دائیں بائیں ہو گئے اور انہوں نے پہلے جوگی کی انگلیاں نرمی سے پکڑیں' پھر اسکا پہنچا پکڑا۔ دونوں جانب رسہ کشی ہونے لگی۔ جوگی اپنی جگہ سے ہل کے نہیں دیا۔ وہ اسے ایک انچ ایک سوت بھی نہیں ہٹا سکے۔ اب سب کو معلوم ہوا کہ یہ تندرست ملازم کیوں منتخب کر کے بھیجے گئے ہیں اور جوگی کیا چاہتا ہے۔ کرتب باز نے ملازموں کو ایک ہی سمت زور

نے کی ہدایت کی چنانچہ وہ سب اس کا بایاں ہاتھ پکڑ کے اسے ایک طرف کھینچنے لگے
ر جوگی ٹس سے مس نہیں ہوا۔ وہ لوہے کا کوئی شخص بن گیا تھا' لوہے کا مجسمہ جسے
ین میں گہری بنیادیں ڈال کے نصب کیا گیا تھا۔ جب ساتوں آدمی پسینے پسینے ہو گئے
جوگی نے اپنا آزاد ہاتھ اٹھایا اور مستانہ انداز میں اور لوگوں کو دعوت دی۔ مظاہرہ
ت دلچسپ صورت اختیار کر گیا تھا۔ مجمع کے ہر شخص کی آنکھ تجسس سے لبریز تھی۔ اس
پھر ریتا کے انتخاب پر کچھ اور ملازم باہر نکالے گئے اور انہیں اپنے ساتھیوں کے
تھ جوگی کو اپنی جگہ سے ہٹانے کے لئے میدان میں چھوڑ دیا گیا۔ بارہ آدمی تمام تر
ت سے زور کر رہے تھے اور جوگی تھا کہ اس کے ماتھے پر ایک شکن تک نہیں تھی۔

یہ صورت حال دیکھ کے ریتا کے پیچھے' پچھلی نشستوں پر بیٹھے ہوئے انگریز
بانوں اور افسروں میں جھرجھری پیدا ہوئی' ایک دربان نے اس کے کان میں کچھ کہا'
رتب باز نگاہ شناس تھا' سمجھ گیا کہ بڑی سرکار کا مدعا کیا ہے۔ اس نے اشاروں
شاروں میں جوگی کا عندیہ لے کے انہیں بھی پیشکش کی کہ وہ میدان میں آ کے جوگی کو
ں کی جگہ سے متحرک کرنے کا شوق ضرور پورا کریں' چار مہم جو انگریز میدان میں اتر
ئے' ان میں سے دو دربان تھے' چاروں پر ہندوستان کی چربی چڑھی ہوئی تھی' صحت
ثال تھی' خون چھلکا پڑتا تھا۔ انہوں نے زور لگانے سے پہلے جوگی کا بہ غور سروے کیا۔
زم ادب سے پیچھے ہٹ گئے کہ سرکار نے ہندوستان فتح کیا ہے' دیکھیں' اب جوگی کو
یے فتح کرتے ہیں مگر سرکار کے جسم میں طاقت کے علاوہ دماغ میں گودا بھی تھا جس
ں ہندوستانیوں میں بڑی کمی ہے۔ انہوں نے تنہا طاقت آزمانے کی کوشش نہیں کی'
زموں کو بھی ساتھ ملایا' کوئی جوگی کے جسم سے چمٹا' کسی نے ہاتھ پکڑا' کسی نے
ہیں زمین سے اکھاڑنے کے لئے زور مارا۔ غرضیکہ کوئی حربہ ایسا نہیں تھا جو روا نہ رکھا
یا ہو' زمین نے جوگی کو پکڑ لیا تھا اور ضد پر اتر آئی تھی۔ جوگی آہنیں چٹان کی طرح
رہا۔ انگریز بھی نادم ہو گئے۔ پھر چار اور ملازم ان کی مدد کو آئے۔ بیس آدمیوں کی
شترکہ توانائی سے بھی کام نہ بنا۔ کرتب باز کچھ اور آدمیوں کو بلانے کے لئے دنیش
ے حضور پیش ہوا۔ ریتا نے انکار کر دیا۔ صرف ایک آدمی اتنے بڑے مجمع کو ہوٹ کر
تھا' مزید آدمی بھیجے جاتے اور وہ بھی ناکام ہو جاتے تو بڑی اہانت ہوتی۔ بیس
دمیوں کی فوج جوگی پر یلغار کرتی رہی۔ تیز رفتاری میں دور سے آ کے دھکے بھی
ارے گئے مگر جوگی کا بت نہیں گرا' آخر دنیش چندر کی ہدایت پر سب کو میدان سے ہٹا

aazzamm@yahoo.com

لیا گیا۔

یہ جوگی کا آخری مظاہرہ تھا' دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا بلکہ گز
تھا لیکن مظاہرہ اتنا دلچسپ اور حیران کن تھا کہ سب اپنی نشتوں پر آخر تک
رہے۔ سندھیا بھی مجھ سے کچھ فاصلے پر آ کے ٹھہر گئی تھی' خیال تھا کہ جوگی ا
دائرے سے باہر جائے گا مگر وہ وہیں نصب رہا' اس نے صرف اپنا سر ہلایا اور اس
گردن ادھر سے ادھر گھومتی ہوئی پنڈتوں کے گروہ کی جانب ٹھہر گئی۔ اس نے اپنا دبلا
ہاتھ غضب ناک انداز میں ہماری طرف بلند کیا۔ کرتب باز بھاگا ہوا پنڈت ایشوری
لال کے پاس آیا اور دہائی دینے لگا۔ ''مہاراج کوئی اپائے کیجئے' وہ چاہتا ہے کہ اسے
آپ ہٹائیں۔''

پنڈت ایشوری لال ناراضی سے اپنے کرچھے کو حرکت دینے لگا۔ اس کی
آنکھیں لال ہو گئیں اور اس نے اپنے برابر بیٹھے ہوئے ایک پنڈت کے کشکول سے
راکھ اٹھا کے اس پر پھینک دی۔ وہ دفعتاً بلکنے لگا۔ پھر اس نے مضبوطی سے پنڈت کے
پیر پکڑ لئے۔ ''شما کیجئے مہاراج! یہ میری نہیں' اس کی اچھا ہے۔'' اس نے گڑگڑا کر کہا۔
ہر شخص پنڈت ایشوری لال کا ردعمل جاننے کا مشتاق تھا۔ بھون میں پنڈت کو احترام کی
نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ پنڈت کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے اور کرتب باز اس سے
مسلسل التجائیں کر رہا تھا۔ ادھر جوگی کی قہر آلود آنکھ اور اس کا اٹھا ہوا ہاتھ بدستور
ہماری جانب تھا' کرتب باز ایک نظر اسے دیکھتا' دوسری نظر پنڈت پر ڈالتا۔ مجھے پنڈت
سے گہری ہمدردی ہوئی' جوگی کے تیور شروع سے اشتعال انگیز تھے۔ میں پنڈت کی
مجبوری سمجھتا تھا۔ دونوں صورتوں میں اس کی توہین تھی۔ اگر وہ اٹھ کر چلا جاتا اور
کامیاب ہو جاتا تب بھی اور ناکام ہو جاتا تب بھی' وہ شش و پنج میں مبتلا تھا اور بار بار
اپنا کرچھا زمین پر مار رہا تھا۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ کر بدبداتا' آنکھیں بند کر لیتا' کو
جاتا اور کرتب باز کو دھتکارتا۔ پھر پنڈت کو اچانک جوش آیا' اس نے کرتب باز کے
بال پکڑ کر اس کا منہ میری گود میں دے دیا۔ ''مجھے بعد میں لے جانا' پہلے اسے لے
جا۔'' اس نے یہ کہا تو میرے جسم میں اچانک سنسنی دوڑ گئی۔

''میں؟'' میں نے کھلے ہوئے منہ سے کہا۔

''ہاں جاؤ مہاراج! اس بڑبولے کو اپنی شکتی دکھا دو اور ہمارا مان بڑھاؤ۔''

''تم کیا کہہ رہے ہو؟'' میں نے اس کا کرچھا چھین کر کہا۔

''جاؤ مہاراج!'' وہ ملتجی ہو کے بولا۔ ''جاؤ۔''

''مگر پنڈت۔'' میں نے جزبز ہو کے کہا۔ ''تم' تم۔''

پنڈت نے میری کمر پر ہاتھ رکھ کے وحشت میں کہا۔ ''جاؤ' جاؤ۔''

مجمع کے ہر شخص نے دیکھ لیا تھا کہ پنڈت مجھے میدان میں جانے پر اکسا رہا
ہے۔ پنڈت نے اچانک بھرے مجمع میں اپنی بلا مجھ پر ٹال دی تھی۔ اس نے مجھے داؤ
پر لگا دیا تھا۔ میں گنگ ہو گیا۔ چند لمحوں کے لئے تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کس
طرح انکار کروں؟ میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ جوگی کی طاقت کا مظاہرہ میں
خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ پستول چلانا اور گھوڑا پھینک دینا اور بات ہے' یہ تو
معاملہ ہی مختلف تھا حالانکہ کئی بار جی تو میرا بھی مچلا تھا کہ میں اس سرکش خوں خوار اور
غضب ناک جوگی کو جا کے آزماؤں۔ میرے تذبذب اور ہچکچاہٹ پر پنڈت کا اصرار
بڑھتا گیا۔ ''جاؤ مہاراج! آج سب کو بتا دو کہ تم کیا ہو۔''

''تم کیوں نہیں جاتے؟'' میں نے گرج کر کہا۔

''تمہارے سامنے میں کیسے جا سکتا ہوں۔'' وہ عاجزی سے بولا۔

پنڈت کے وثوق سے میرے ذہن میں کیچو کا ہیولا لپکا اور ایک طوفان سا برپا
ہو گیا اور فیصلہ کرنے میں مجھے چند لمحے لگے۔ یوں بھی اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں
تھا کہ میں اپنے آپ کو داؤ پر لگا کے میدان میں اتر پڑوں کیونکہ سب نے پنڈت کو مجھ
سے اصرار کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میرے پاس انیتا کا پستول تھا جس میں دو گولیاں
باقی بچی تھیں۔ میں ناکامی کی صورت میں اسے اپنے کام میں لا سکتا تھا' جیت ہوئی تو
ان مہہ وشوں کے سامنے سر اٹھانے کی جرأت ہو جائے گی' ہار ہوئی' تب بھی جیت اپنی
ہی ہو گی' وہ بھی کیا یاد کریں گی کہ ایک غیرت مند شخص تھا۔ اپنا تذکرہ تو ٹھاٹ سے
ہوتا رہے گا۔ زندگی ادھار کی ہے۔ اسی شان سے یہ قرض ادا ہو جائے' میں اٹھ کے
نیچے آیا تو ہجوم میں کھلبلی مچ گئی۔ اس بار یہ میرا گمان نہیں تھا۔ دنیش' ریتا اور پارو بے
اختیارانہ اپنی جگہ سے اٹھ گئے' ادھر اور بھی بہت سے لوگ بے تابانہ کھڑے ہو گئے تھے'
مجھے ان کا شمار کرنے کی فرصت نہیں تھی۔ ''ادھر آؤ۔'' اسی لمحے دنیش نے چیخ کر مجھے
آواز دی۔ میں نے اپنے دوست راج کمار کی بات نہیں مانی اور بھاگتا ہوا اس دائرے
میں داخل ہو گیا جو جوگی نے اپنے پیروں سے بنایا تھا۔ یہاں آ کے میں نے غور سے
گوشت کے اس ستون کا جائزہ لیا جس نے اپنے کمال اور طاقت سے سب کو ششدر

aazzamm@yahoo.com

کر رکھا تھا۔ میری آہٹ پر اس نے اپنی آنکھیں میری آنکھوں میں پیوست کرنے
چاہیں۔ میں نے انہیں اپنے اندر نہیں گھسنے دیا۔ پہلی بار اس کی پیشانی پر شکن نمودار
ہوئی اور اس کی پتلیاں مرتعش ہوئیں۔ وہ ایک دیوقامت اور کریہہ المنظر آدمی تھا لیکن
گوشت کا بنا ہوا تھا۔ یکایک اس نے ایک لرزہ خیز چیخ ماری جسے میں نے برداشت کر
لیا اور سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کے سامنے منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ میں ان سب کو
ایک بار دیکھنا چاہتا تھا' میری نظر چہروں پر پھسلتی رہی مجھے بے قرار شاردا نظر آئی جو
ہذیانی اشاروں سے مجھے منع کر رہی تھی۔ مجھے پارو نظر آئی جس نے اپنا چہرہ دونوں
ہاتھوں سے چھپا لیا تھا' مجھے ریتا نظر آئی جو دنیش کا بازو جھنجھوڑتی ہوئی اسے مجبور کر رہی
تھی کہ وہ مجھے کسی طرح روکے' مجھے سندھیا نظر آئی جو رونے لگی تھی' میں نے پریت کو
دیکھا۔ اس کی حالت بھی دوسروں سے مختلف نہیں تھی۔ قرار تو اسے بھی نہیں ہونا چاہئے
تھا کیونکہ اس سے میرے مراسم بالمشافہ نہ سہی' غائبانہ تو خاصے تھے پھر ان میں مجھے
ایک چہرہ نظر آیا جسے میں دیر سے تلاش کر رہا تھا۔ وہ انیتا تھی' کنور جگ دیپ کی مایہ
ناز بہن۔ میں نے اسے توجہ سے دیکھا' مجھے کچھ سکون ہوا۔ عجیب بات ہے کہ جب بھی
کبھی کسی کو سوگوار دیکھ کے بھی سکون ملتا ہے۔

جوگی نے ایک اور چیخ مار کے مجھے متنبہ کیا۔ میں نے ان سب سے منہ موڑ
کر اس کی جانب نگاہ کی اور اس کے گرد گھوم کے اپنے ہاتھ بڑھائے۔ میں اسے کولہوں
سے پکڑنا چاہتا تھا' ایک ہی لمحے میں فیصلہ ہونے والا تھا۔ نہ جانے کیوں اس پر ہاتھ
ڈالنے سے پہلے میں نے پنڈت ایشوری لال کا نشانہ لینا بھی مناسب سمجھا۔ میں نے
سوچا چلتے چلتے ایک گولی اسے بھی مارتا جاؤں گا۔ میرے ہاتھ کھلی قینچی کی طرح پھیلے
ہوئے تھے۔ احتیاط سے میں نے انہیں جوگی کے کولہوں کے نچلے حصے پر رکھا۔ وہ
گوشت ہی کے کولہے تھے' پھر میں نے کسی قدر جھک کے ہاتھ اٹھائے اور اپنے
بازوؤں سے اس کے نچلے دھڑ کا محاصرہ کر لیا' میں سمجھتا تھا کہ وہ زمین میں گڑا ہوا ہے'
اس خیال سے جیسے ہی میں نے اسے جھٹکا دیا' وہ زمین سے مولی کی طرح اکھڑ گیا اور
میں پیچھے کی طرف گرتے گرتے بچا' مجھے یقین نہیں آیا لیکن اس کا زندہ لاشہ میرے
کاندھے پر موجود تھا اور ہر طرف شور مچ رہا تھا۔ وہ گینڈا میرے پنجے سے آزاد ہونے
کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا' میں نے اسے کچھ اور اچھال کے اس کی دونوں ٹانگیں
پکڑ لیں' سیڑھیوں پر افراتفری مچ گئی تھی۔ اوپر کے لوگ کود کر نیچے آ گئے تھے اور نیچے

کے میدان میں میری طرف بھاگتے ہوئے بڑھ رہے تھے' میں اسے اپنی کمر پر ڈالے
ریتا کے پاس لے آیا۔ وہ اپنی نشست سے اٹھ کر میدان میں آ گئی تھی۔ میں
نے جوگی کو حقارت سے اس کے قدموں میں پھینک دیا۔ وہ دہاڑتا ہوا گرا اور مچلا' پھر
ٹھ کر غصے میں میری طرف بڑھنا چاہتا تھا کہ میں نے اس کے منہ پر ایک بھرپور ٹھوکر
رسید کی۔ شاید اس کا منہ ہمیشہ کے لئے ٹیڑھا ہوا گیا تھا۔ مجھے اسے دوبارہ دیکھنے کا
موقع نہیں ملا کیونکہ چاروں طرف سے مجھے گھیر لیا گیا تھا۔ دنیش چندر نے جوشیلے انداز
میں دونوں ہاتھوں سے میرے شانے پکڑے ہوئے تھے اور انگریز مجھ سے ہاتھ ملانے
کی کوشش کر رہے تھے۔ اتنے بہت سے لوگوں کے درمیان گھر کے میری حالت دگرگوں
ہو گئی۔ ان سب نے چاروں طرف سے اڈ کے اتنی تیزی سے میرے گرد حلقہ بنایا کہ
مجھے اپنا رویہ متعین کرنے کا وقت نہیں مل سکا۔ میں نے گھبرا کے دنیش کو دیکھا۔ اس کا
بس چلتا تو وہ مجھے صندوق میں بند کر کے بھگا لے جاتا مگر وہاں شہر' چھاؤنی اور بھون
کے ممتاز لوگ موجود تھے۔ ادھر انگریز تھے' ادھر راج کماریاں' رانیاں' راج کمار سریش
چندر اور خصوصاً ریاستی امراء کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں وہ سب حیرت زدہ تھے۔ مجھے
ایک ملازم کا انکسار برتنے میں بھی پس و پیش تھا کیونکہ اس ہنگامی موقع پر میرے تصنع
سے دنیش' پارو' ریتا اور شاردا پر اچھا تاثر قائم نہیں ہوتا۔ ویسے بھی عقل و شعور کا اطلاق
بر وقت نہیں ہو پاتا۔ ایسا ہوتا تو یہ دنیا دیکھنے کی جگہ ہوتی۔ بھیڑ دیکھ کے مجھے اپنی بدمستی
کا احساس ہو گیا۔ مجھے اس گرمی و سرگرمی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے تھے۔ مجمع میں کون تھا
جسے جوگی نے چیلنج نہیں کیا تھا' پنڈت ایشوری لال صورت حال سے جیسے تمتما' تمتما'
میں اس کا رشتے دار کیوں بن گیا؟ اصل میں جوگی نے اپنی طاقت کے لاف و گزاف
سے جسم خشک کر دیا تھا۔ پنڈت کے دیا سلائی دکھاتے ہی وہ بھڑک اٹھا۔ وہ لحہ ٹل جاتا
تو یہ بدنامی نہ ہوتی سنا ہے' عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ انہی چیزوں پر کیا
منحصر ہے اور بھی چیزیں ہیں۔ مثلاً زر' طاقت وغیرہ۔ جب طوفانی ہوائیں چلتی ہیں تو
کھڑکیوں سے پردے اور چہروں سے نقابیں کھسوٹ لے جاتی ہیں۔ جو طوفان میں خود
کو بچا لے گیا' وہ کندن ہو گیا' پارس ہو گیا۔ میر جمشید عالم تو بڑے برخوردار سعادت
آثار واقع ہوئے تھے۔

پنڈت ایشوری لال کے آنے پر لوگوں نے گلی بنا کے اسے راستہ دیا۔ اس
وقت پنڈت کا چہرہ قندھاری انار کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے آتے ہی اپنا کرچھا

aazzamm@yahoo.com

میرے گرد گھمایا اور میرے ماتھے پر انگوٹھے کا نشان ثبت کیا' انگریزوں کے لئے یہ منظر دیدنی تھا' میں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں پنڈت کو لتاڑا تو وہ اپنی عقیدت کے اظہار میں کچھ محتاط ہوا۔ پھر بھی وہ چرب زبان تبصرہ کرنے سے نہیں چوکا۔ کہنے لگا۔ ''دھنیہ ہیں وہ استھان جہاں ایسے بلوان موجود ہیں۔''

میں اب تک یکسر خاموش تھا' جو کچھ ہوا' وہ آناً فاناً ہوا' سنبھلنے اور سوچنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ میدان میں ہر طرف انتشار ہو گیا تھا۔ میں ایک نظر اس گرانڈیل جوگی کو دیکھنے کی فکر میں تھا مگر وہ اپنا انعام لئے بغیر چپ چاپ نکل گیا۔ پارو نے میری کیفیت کا اندازہ لگا کے ریتا کو کھینچنا چاہا۔ ریتا' دنیش چندر کے پہلو سے لگی جمی ہوئی کھڑی تھی۔ کسی نے میرے ہاتھ میں چٹکی لی تو میں نے اچھل کر دیکھا' نازک اندام سندھیا' پستی ہوئی کسی نہ کسی طرح اندر گھس آئی تھی اور اس نے اپنے تیز ناخن چبھو کے مجھے الگ پریشان کر رکھا تھا' پارو ریتا کو وہاں سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئی تو رفتہ رفتہ سبھی میرے پاس سے ہٹنے لگے' ثابت ہوا کہ میرے نزدیک انگریز آفیسران کمانڈ کرنل ہارڈنگ کی بلند اختر صاحبزادی کی موجودگی بھی لوگوں کو کشاں کشاں لے آئی تھی۔ رفتہ رفتہ سبھی میرے پاس سے ہٹ گئے' صرف پنڈت اور اس کے ساتھی رہ گئے۔ ''جاؤ پنڈت' جاؤ۔'' میں نے برہم ہو کے کہا۔

''کیوں مہاراج! سیوک سے کیا غلطی ہو گئی؟'' وہ گھبرا کے بولا۔

''میں کہتا ہوں' مجھے تنہا چھوڑ دو۔'' میں نے غصے سے کہا۔ پنڈت اداس ہو گیا۔ وہ مایوسی سے سر ہلاتا رہا اور کوئی لفظ کہے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اس اثنا میں بہت سے لوگ واپس جا چکے تھے' پریت اور انیتا تو شاید سب سے پہلے چلی گئی تھیں۔

شارد ایک کونے میں خاموش کھڑی تھی' میں دانستہ اس کی طرف سے گزرا۔ وہ آہستگی سے بولی۔ ''اچھا نہیں لگا۔''

''خود مجھے بھی۔'' میں یہ کہتا ہوا گزر گیا اور اپنے خاص ملازم ساتھیوں کے درمیان آ گیا۔ وہ بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے' انہوں نے مجھے کاندھوں پر اٹھا لیا۔ ان میں وہ ملازم بھی شامل تھے جنہوں نے جوگی کو اس کی جگہ سے اکھاڑنے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی۔ وہ مجھ سے جوگی کو کسی پھول بدن لڑکی کے مانند اٹھانے کا راز پوچھنا چاہتے تھے۔ میں انہیں کیا بتاتا کہ اس کا وزن تو چند سیر بھی نہیں تھا اور وہ فٹ بال کی طرح میرے ہاتھوں میں آ گیا تھا۔ مجھے وہ سب کچھ بہت

آسان لگا تھا البتہ جس انداز سے اسے اہمیت دی جا رہی تھی' وہ بہت عجیب سا معلوم ہوا۔

میدان عبور کر کے میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بھون کی عمارتوں کی طرف آ رہا تھا کہ ایک انگریز نے میرا راستہ روک لیا اور کسی قدر شستہ ہندوستانی میں بولا۔ ''مسٹر موہن! تم بہت دلچسپ شخص ہو' مجھے تم سے مل کے خوشی ہوئی۔ میرا نام جیکسن ہے۔'' اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا' اس کے لہجے کی کاٹ سے میں چونک پڑا اور میں نے عاجزانہ انداز میں اسے سلام کیا۔ ''سنا ہے' اس سے پہلے تم نے اسی میدان میں ایک تیز رفتار گھوڑا' اس کے سوار سمیت لوٹ دیا تھا؟'' وہ میرے سلام سے مطمئن نہیں ہوا تو بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''تم نے اور کیا کیا' کیا؟'' یہ آخری جملہ مجھے خاصا بھاری محسوس ہوا۔

جواب تو میرے پاس بہت تھے لیکن کوئی ایک جواب بھی مجھ سے نہیں دیا جا سکا۔ ''ابھی تو کچھ زیادہ نہیں کیا جناب! زندگی رہی تو شاید کچھ کر جانے کا موقع مل جائے۔'' میرا لہجہ شرم آلود تھا' انگریزوں کو ہندوستانیوں کی زبان کی حیا بہت بھاتی ہے عورتوں اور بچوں والی شرم۔

''بہت خوب۔'' وہ مسکرایا۔ ''میں تم سے دوبارہ ملنے کی کوشش کروں گا۔'' اس نے پھرتیلے انداز میں کہا اور مشتاق نظروں سے میرا جائزہ لیتا رہا' مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی آنکھوں کی جگہ ترازو رکھی ہو۔

''ضرور جناب' خدمت کا موقع دیجئے' ہم لوگ تو خدمت ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔'' میں ہندوستانی کہتے کہتے رہ گیا۔

اس نے خسروانہ شان سے ہنکاری بھری اور کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''تم نے کبھی میجر رابرٹ سے ملاقات کی ہے؟''

زمین اچانک میرے پیروں کے نیچے سے کھسکنے لگی۔ آنکھوں کے آگے دھند چھا گئی۔ میں نے اپنا گرتا ہوا جسم سنبھالنے کی کوشش کی اور پتہ نہیں کس لہجے میں جواب دیا۔ ''نہیں جناب! میں انہیں نہیں جانتا۔''

''ہنھ۔'' وہ کچھ اور سوال کرنا چاہتا تھا مگر کچھ خیال کر کے چپ ہو گیا' میں بھی کچھ خیال کر کے خاموش رہا۔ کم گوئی ہزار بیماریوں سے نجات دلاتی ہے۔ خصوصاً ملازموں کے لئے یہ تیر بہدف ٹوٹکا ہے' زر کی جھنکار کے ساتھ کچھ بولو تو بات میں

aazzamm@yahoo.com

عجب کیف پیدا ہو جاتا ہے۔

میں ادب سے کھڑا ہوا اس کے دوسرے سوال کا منتظر تھا۔ پھر میں نے اچانک ایک قدم آگے بڑھا کے کہا۔ ''اجازت ہے جناب؟''

''ہا آں'' وہ چونکتے ہوئے بولا اور مجھے شاباش دیتا ہوا خود راستے سے ہٹ گیا۔ مجھے اس کی صحبت سے کافور کی بو آئی۔ انگریز ناپ تول میں بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں' اس نے میرا صحیح تخمینہ لگایا بھی یا نہیں؟ کہیں قبر چھوٹی نہ ہو جائے۔ مجھے پسینہ اس وقت آنا چاہئے تھا جب میں نے جوگی کا قلعہ نما جسم اٹھایا تھا مگر پسینہ اب آ رہا تھا۔ جیکسن کے لہجے میں ایسا تاثر تھا کہ زندگی بے حقیقت معلوم ہونے لگی تھی۔ یہ بہت مناسب ہوا کہ اس نے ریس کے میدان سے باہر نکلتے ہی ٹوک دیا۔ کدھر جا رہا ہے بنجارے؟ سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا۔ بنجارہ اطمینان سے دنیش چندر کے محل میں داخل ہو گیا۔ راہ داری میں کچھ ایسے لوگ نظر آئے' جن سے ادھار لینا اور جنہیں ادھار واپس کرنا تھا' بس ایک ہی الجھن تھی کہ قرض واپس نہ کرنے کی شرمندگی نہ رہ جائے' بنجارہ سکون سے جا سکے۔

رات' ریتا نے بھی فون پر کچھ ایسی ہی ڈرا دینے والی بات کی تھی۔ رابرٹ کی لاش ابھی تک دریافت نہیں ہوئی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ چھاؤنی کے لوگ اپنے فرض شناس اور ہر دل عزیز افسر کی تلاش میں کہاں کہاں کمند نہ پھینک رہے ہوں گے' ریتا کیا بات کہنے والی تھی؟ مجھے بے چینی ہونے لگی تھی مگر رات ہونے سے پہلے اس سے ملاقات کا کوئی امکان نہیں تھا اور رات ہونے میں بہت وقت باقی تھا' میں ذہنی طور پر اتنا ناپختہ بھی نہیں تھا کہ جیکسن کی اچانک شرف باریابی کی فیاضی اور نوازش و التفات سے معانی اخذ نہ کرتا۔ ضرور کہیں کوئی پیچ پڑ گیا تھا حالانکہ دیواروں کو سنانے میں بھی احتیاط برتی گئی تھی۔ ایک بات تو پہلے ہی واضح تھی کہ انگریز جب میجر رابرٹ کے سلسلے میں راجے پور کے متوقع گدی نشین ہز ہائی نس کنور جگ دیپ' ہر ہائی نس کماری پریت سے رابطہ قائم کریں گے تو وہ دنیش چندر اور اس کے غلام کے متعلق کنایوں اور علامتوں میں یقیناً مشق سخن فرمائیں گے لیکن انگریزوں کی سخن فہمی سے یہ توقع تھی کہ وہ دوسری طرف کا کلام سنے بغیر ملک الشعراء کا منصب عطا کرنے میں تحمل سے کام لیں گے۔ سو یہ جو کچھ تھا' جیکسن صاحب کا حقیر کے پاس چند لمحے کھڑے ہو کے اعزاز بخشا' یہ سب اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا جسے ایک نہ ایک دن بہر حال کسی

نتیجے پر پہنچنا تھا۔ اندر لنچ کا زور و شور تھا کھانے کے بڑے کمرے میں تمام لوگ جمع ہو چکے تھے مجھے حیرت ہوئی کہ اس موقع پر دنیش چندر اپنی خواب گاہ میں موجود تھا اور سخت پریشان نظر آتا تھا۔ وہ میرا ہی انتظار کر رہا تھا۔ ''موہن۔'' اس نے بے چینی سے کہا۔ ''میرے پاس وقت کم ہے' بہت مشکل سے ناسازیٔ مزاج کا بہانہ کر کے لنچ سے اٹھ کے آیا ہوں۔ تم نے آج بہت بڑا خطرہ مول لے لیا ہے۔ تمہیں بیٹھے بٹھائے یہ کیا ہو گیا تھا؟''

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو اور خود کو رسوا کیا۔'' میں نے پشیمانی سے کہا۔ ''اب راجے پور کی گلی گلی میں چرچا ہو گا۔''

''ایک اعتبار سے تو خیر یہ درست ہوا لیکن تم اتنے یقین سے اس کے پاس کیسے پہنچ گئے تھے؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ شاید میرے یقین ہی نے اسے متزلزل کر دیا۔''

''ہاں۔'' وہ الجھتے ہوئے بولا۔ ''تمہارا یقین ایک چٹان ہے' کوئی دن بھی ایسا نہیں جاتا' جب تم چونکانے سے باز رہو۔''

''یہ بہت برا ہوا کہ میں فوکس میں آ گیا ہوں۔''

''پھر۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔ ''میں تو پہلے ہی یہ اعلان کرنے کی فکر میں تھا۔ مگر اعلان تو اس شان سے ہونا تھا۔''

''انیتا کا کیا حال تھا؟'' میرے منہ سے نکل گیا۔

''اوہ انیتا۔ موہن!'' وہ شیدائیت سے بولا۔ ''اس نے تمہیں ضرور زخمی کر دیا ہے۔ آج میں نے اس کی ایک ہی جھلک دیکھی۔ خاصی سوگوار معلوم ہو رہی تھی لیکن یہ باتیں بعد میں ہوں گی' مجھے تم سے ایک بے حد ضروری بات کرنی ہے۔ فی الحال تم جوگی والے واقعے پر میری پرجوش مسرت التوا میں ڈال دو۔'' اس نے دروازہ بند کر لیا۔

''لیکن اس سے پہلے۔'' میں نے جھجک کر کہا۔ ''میں آپ سے ایک بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔''

''کہو۔'' وہ میرے پاس بیٹھ کے حیرانی سے بولا۔

''میں نے آپ کو ایک اہم بات نہیں بتائی تھی لیکن شاید اب اس کا منکشف

aazzamm@yahoo.com

کرنا ضروری ہو گیا ہے۔‘‘ میں نے سنجیدگی اور اداسی سے کہا۔

’’اگر تم میرے اور اپنے تعلق کے بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہو تو زبان روک لو۔‘‘ وہ عجلت میں بولا۔

’’نہیں۔‘‘ میں نے بے اختیار اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ ’’میں آپ سے کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔‘‘

’’تمہیں سب چیزوں کا اختیار ہے۔‘‘ وہ مجھے بھینچ کر بولا۔

’’میں جانتا ہوں پر میں۔ میں اپنے اختیار کا غالباً غلط استعمال کر بیٹھا ہوں۔‘‘ میرے لہجے کے تاسف سے وہ پریشان ہو گیا اور میری صورت دیکھنے لگا۔

’’میں نے میجر رابرٹ کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔‘‘ میں نے آہستگی سے کہا۔

’’کیا؟‘‘ اس پر جیسے بجلی گری، وہ تڑپ کر اٹھا اور میری جھکی ہوئی ٹھوڑی اٹھا کے سوچا میری آنکھوں میں گھس گیا۔ میرے چہرے پر سکون چھایا ہوا تھا۔ ’’کیا کہہ رہے ہو؟‘‘ وہ ہذیانی انداز میں بولا۔

’’آپ کو پریشان کرنا مقصود نہیں تھا لیکن اب یہ بتانا کچھ ضروری ہو گیا ہے۔‘‘ میں نے سرد مہری سے کہا۔ اس کے اوسان معطل ہو گئے۔ ’’کیا یہ سچ ہے؟‘‘ اس کی آواز میں لرزش تھی۔

’’ہاں۔‘‘ میں نے سر ہلا کر کہا۔

’’کب اور کہاں؟‘‘

’’راجے پور کے نواح میں، بستی سے دور ایک پہاڑی پر۔‘‘

’’مگر یہ کس طرح ممکن ہوا؟‘‘ وہ ابھی تک سٹ پٹایا ہوا تھا۔

’’میں نے سوچ لیا تھا، وہ صریحاً ہمارے مخالفوں کا دوست تھا۔ اسے راغب کرنے میں دیر لگتی۔ میں نے یہ کام طوالت سے بچنے کے لئے کیا ہے۔‘‘

’’تمہارے ساتھ کوئی شریک بھی ہو گا۔ تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں؟ اوہ، یہ تم نے کیا کر دیا موہن!‘‘ وہ وحشت میں مبتلا ہو گیا۔

’’ظاہر ہے میجر رابرٹ سے میرے ایسے مراسم نہیں تھے کہ وہ میری دعوت پر قتل گاہ میں سربکف چلا آتا۔ صرف ایک بار مہاراجہ کی دعوت میں اس سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ بھی پروفیسر زاہدی کے روپ میں۔‘‘

’’پھر تم نے کون سا منتر پڑھا؟‘‘ وہ جھنجلا کر بولا۔

’’کوئی خاص نہیں۔‘‘ میں نے تفصیل نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔

’’کون شریک تھا؟‘‘

’’آپ کے پرستار ہی ہوں گے، نام پوچھ کے کیا کیجئے گا۔‘‘

’’نام بتاؤ موہن؟‘‘ وہ مچلنے لگا۔

’’اس نے قسم کھلا دی ہے۔‘‘ میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

’’میں قسموں پر یقین نہیں رکھتا۔‘‘

’’کوئی سامنے آنا نہیں چاہتا تو پردہ پڑا رہنے دیجئے۔ بس یہ دیکھ لیجئے کہ آپ کے کیسے کیسے جاں نثار کہاں کہاں پڑے ہیں۔‘‘

’’کمال ہے، میں ان سے واقف نہیں۔‘‘

’’صرف میری واقفیت کافی ہے۔‘‘

’’مجھے یقین ہے کہ وہ صرف تمہارے جاں نثار ہیں۔‘‘

’’میں سمجھتا ہوں، ایک ہی بات ہے۔ آپ کیا بات کہنے والے تھے؟‘‘ میں نے موضوع بدلنے کے لئے کہا۔

’’میں بھی اسی مسئلے پر بات کرنے والا تھا۔ ابھی ابھی مہاراجہ کا فون آیا تھا کہ میجر رابرٹ کی لاش ایک ویران پہاڑ کے نیچے ہزاروں فٹ گہرے غار سے نہایت شکستہ حالت میں برآمد ہوئی ہے، جیپ کے پرخچے اڑ گئے ہیں۔ بظاہر یہ ایک حادثہ ہے مگر انگریز اسے حادثہ ماننے کے لئے کیوں تیار ہوں گے، راجے پور کے عام لوگوں سے اب تک یہ خبر چھپائی گئی ہے، مہاراجہ سخت پریشان معلوم ہوتے تھے۔ کرنل ہارڈنگ اور دوسرے انگریز افسروں نے راج محل میں تقریباً ڈیرہ ڈال دیا ہے، یہ یقیناً مہاراجہ کی حکومت پر بدنامی کا ایک بدنما داغ ہے۔ چھاؤنی کے انگریز افسر ہائی کمان کی توجہ مبذول کرنے کے لئے سارا الزام مہاراجہ پر ڈال دیں گے اور اس نازک صورت حال کا خوب استحصال کریں گے۔‘‘

’’یہ تو معاملے کا ایک رخ ہے، میرے پیش نظر دوسرے پہلو بھی ہیں۔‘‘

اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا اور کسی گہری فکر میں ڈوب گیا۔ ’’ادھر بھون سے نزدیک چار آدمیوں کی لاشیں پولیس نے دریافت کر لی ہیں اور قاتل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔‘‘

’’دنیش بابو! ایک بات بتائیے۔‘‘ میں نے اشتیاق سے پوچھا۔ ’’اگر یہ

aazzamm@yahoo.com

واقعات تسلسل سے آپ کے ساتھ پیش آتے؟'

''تو میں راجے پور چھوڑ دیتا۔ بلکہ زندہ ہی کیوں رہتا۔ اس روز اگر تم مجھے سانپ سے بچانے کی کوشش نہ کرتے تو میں کب کا پرانا ہو چکا ہوتا۔ یہ زندگی تو تمہاری دی ہوئی ہے۔''

''اور مجھے آپ نے زندگی دی ہے۔''

''میں نے کیسے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''کیونکہ میری زندگی آپ سے مشروط ہے۔''

''اور میری زندگی تم سے۔'' وہ عزم سے کہنے لگا۔ ''میرا خیال ہے اب کرنل پہلی فرصت میں ریتا کو واپس بلوا لے گا۔ تانا بانا بہت الجھ گیا ہے۔''

''ایسے مشغلوں میں یہی ہوتا ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ ''کرنل ریتا کو واپس بلانے کی کوشش کرے' نہ کرے' ریتا کی مرضی بھی تو کوئی چیز ہے۔''

''ہوں۔ ریتا آمادہ کیوں نہ ہو گی۔ تم نے بڑی شان دار مہمان نوازی کا ثبوت دیا ہے نا۔''

''وہ سب جانتی ہے' انگریز کی بچی ہے' معاملے کی نزاکت کو سمجھتی ہو گی' آپ ہی بتائیے' رات وہ کس طرح یہاں آتی؟''

''موہن!'' وہ برہمی سے بولا۔ ''مجھے ڈر ہے کہ ستارے کہیں ناراض نہ ہو جائیں یا تم مجھے یہ یقین دلاؤ کہ تمہارے پاس ہر زہر کا تریاق موجود ہے یا تم غیر طبعی طاقتوں کے حامل ہو جیسا کہ تم نے متعدد موقعوں پر ثابت کیا ہے۔ میجر رابرٹ کا واقعہ۔'' وہ سنسنی خیز آواز میں بولا۔ ''سب سے حیرت انگیز ہے' کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے یہ کام کس طرح انجام دیا۔ میں تم سے عاجزانہ درخواست کروں گا کہ ایک ذرا سکون سے کام لو۔ کچھ دنوں کے لئے تم اپنے آپ کو محل کے اس حصے میں محدود کر لو۔ ورنہ میری جان جلتی رہے گی یا پھر ہر معاملے میں مجھے بھی شریک کرو۔''

''دنیش بابو! آپ مجھ سے سکون کی بات کرتے ہیں۔ وہ صبح و شام کی مہلت نہیں دے رہے ہیں۔ پرسوں رات انہوں نے چھاؤنی کے راستے میں مجھے گھیر لیا تھا۔ کل رات یہاں چار آدمی بھیج دیئے۔ رات بھی میں بھاگ سکتا تھا اور پرسوں رات اندھیری پہاڑیوں میں چھپ کے جان بچا سکتا تھا لیکن کیا میں واقعی انہیں چھوڑ دیتا؟ کیا انہیں خود پر حملہ کرنے کی دعوت میں نے دی تھی۔ کس کم بخت کا جی ان باتوں میں

گتا ہے' یقین کیجئے بہت برا لگتا ہے گولی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا' اگر میں یہ گولیاں ان کی طرف نہ لوٹا دوں تو یہ بھون کے ہر اس شخص کے سینے میں پیوست ہو جائیں گی جو ان کے راستے میں کھڑا ہوا ہے۔ پھر جو وہ چاہتے ہیں' وہی ہو گا اور آپ دیکھتے رہ جائیں گے۔''

مجھے منانے کے لئے اس نے میری کمر میں اپنے بازو حمائل کر دیئے۔ ''میرا مطلب یہ نہیں ہے جان من' میں اس گولی سے ڈرتا ہوں جو کہیں سلپ نہ ہو جائے۔ میں احتیاط کا مشورہ دے رہا ہوں۔ اب تم رات تک یہیں مقید رہو گے تاکہ میں ریتا کی پذیرائی اطمینان سے کر سکوں اور میجر رابرٹ کی موت کے سلسلے میں رونما ہونے والے سیاسی اثرات پر غور کر سکوں۔''

''میں خود رات تک یہیں رہنا چاہتا ہوں۔ باہر کا موسم اس وقت ناگوار لگ رہا ہے' ہر شخص مجھے یوں گھور کے دیکھتا ہے جیسے میں کوئی آدمی نہیں' جانور ہوں۔ ہو سکے تو پریت اور انیتا کا خیال رکھیے گا۔''

''کہو تو میں انیتا کو یہاں بھیج دوں؟'' وہ مسکرا کے بولا اور میرے گال کا بوسہ لے کر باہر نکل گیا۔ خواب گاہ کے برابر کے کمرے میں جا کر میں نے دروازہ بند کر لیا لیکن ذہن کی کھڑکیاں بند نہیں ہو سکیں بلکہ ذہن میں تو الاؤ دہکنے لگا۔

سوچا تھا کہ اس نیم تاریک ٹھنڈے کمرے میں فراغت کے چند لمحے نصیب ہو جائیں گے مگر یہاں تو باہر سے زیادہ بھیڑ تھی۔ ضروری نہیں ہے کہ جن لوگوں سے آپ بچنا اور ملنا چاہتے ہوں' ان کی طبعی موجودگی اور ناموجودگی یقینی ہو' وہ آپ کی آنکھوں کے سامنے کپڑوں میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں مگر جب وہ سامنے نہ ہوں تب بھی موجود رہ سکتے ہیں اور اس وقت لباس کی قید نہیں رہتی' آپ انہیں جیسا دیکھنا چاہتے ہیں' دیکھ سکتے ہیں' جس طرح چاہیں' برت سکتے ہیں اور وہ جس طرح چاہیں آپ کو پریشان کر سکتے ہیں۔ میں نے یہاں بہت سے لوگوں کو موجود پایا' کوئی دور کھڑا تھا اور آگے آنے کے لئے بے چین تھا' کوئی قریب کھڑا حملہ کرنے کے لئے پر تول رہا تھا' کوئی مارنے کی فکر میں تھا' کوئی بچانے کی' کوئی خنجر بدست تھا' کوئی پھول بدست' کوئی لباس میں تھا اور کوئی بے لباس۔

میں اٹھ کے بیٹھ گیا تو سارا کمرہ خالی ہو گیا مگر کوئی کب تک آنکھیں کھلی رکھ سکتا ہے اور کب تک دھوپ میں ایک پاؤں پر کھڑا رہ سکتا ہے' بزرگ ایک بات

aazzamm@yahoo.com

کہتے ہیں کہ آنکھیں کھلی رکھنے اور دھوپ برداشت کرنے ہی سے کچھ حاصل ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ سب سے بڑی دانائی تو زندگی کو ٹھوکر مارنا ہے۔ نہ دھوپ کی فکر نہ آنکھوں کی جلن۔ اگر زندگی نے انسانوں سے اپنے عشق کی کبھی کوئی ایک مثال بھی قائم کی ہوتی تو یہ بات دل کو لگتی۔ دانا بھی بے وقوف ہیں۔ جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ جو موت سے ڈرتے ہیں' ایسی جہالت کی باتیں وہ کرتے ہیں۔ پاگل آدمی دنیا کی پرواہ نہیں کرتا' سو جو موت کے خوف سے بالا ہوتے ہیں' وہ زندگی کو ٹھوکروں پر اڑاتے ہیں۔ اصل میں آدمی کسی وقت بھی مرنے کا فیصلہ کر سکتا ہے لیکن یہ فیصلہ کرنے سے پہلے زندگی سے اس کا ربط و ضبط بہت گہرا ہو چکا ہوتا ہے۔ کچھ زخموں سے سینہ فگار ہوتا ہے۔ کچھ لذتوں سے حواس کو رغبت ہو جاتی ہے' سو وہ ادھیڑ بن میں مبتلا رہتا ہے' اتنی دور تک گاڑی کھینچنے کے بعد یہی سوچتا رہتا ہے کہ کچھ اور کھینچ لو۔ شاید زندگی کا تیور بدل جائے اور بلاشبہ کبھی کبھی بدل بھی جاتا ہے' بہت سے لوگ ضد میں رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ دوسروں کی تقلید میں زندہ رہتے ہیں۔ موت ایک اکھڑ شے ہے' پاس جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ زندگی کے پاس بہت سے کھلونے ہوتے ہیں۔ زندگی بڑی قطامہ ہے۔ لی جمالو ہے' زندگی رنڈی کا کوٹھا ہے' راجے پور کا چمکتا دمکتا بازار ہے' زندگی ایک دوشیزہ ہے جس کے پستان بڑے ہیں اور کمر پتلی ہے اور جس کی عادت خراب ہے اور جو اپنے چمکیلے بدن کی ایک جھلک دکھا کے روپوش ہو جاتی ہے۔

داناؤں کی بات میری سمجھ میں آنے لگی' دریائے ہگلی پر وہ زندگی کی بچی کچھی مجھے روک نہ لیتی تو آج میں کس سکون سے پڑا ہوتا۔ میں پانیوں میں سفر کر رہا ہوتا' کسی مچھلی کے شکم میں آرام کر رہا ہوتا۔ اس وقت یہ فیصلہ کتنا آسان تھا۔ زندگی کے شیطان نے اب کیسے کیسے بت کھڑے کر دیئے تھے۔

دنیش کہتا تھا کہ تانا بانا بہت الجھ گیا ہے۔ وہ مجھے سہا دیتا تھا' تانا بانا تو الجھا ہی گیا تھا کیونکہ زندگی کی تمنا کی گئی تھی' ورنہ ہر کام نہایت آسان تھا۔ یہ صورتیں نظر ہی نہ آتیں جو دل کو اچھی نہیں لگتی تھیں۔ اب بھی فیصلہ کرنے میں کیا دیر لگتی ہے مگر فیصلہ کرنے کی ہمت ہے؟ ضد میں تو کوئی فیصلہ نہیں ہو گا۔ کچھ دور گاڑی اور کھینچ کے دیکھ لی جائے۔

گاڑی آگے بڑھے گی تو نئے نئے مناظر سامنے آئیں گے۔ دن بھی ہو گا' رات بھی ہو گی' موسم بھی بدلیں گے' نزلہ بھی ہو گا' بخار بھی آئے گا۔ دنیش کہتا تھا کہ

مہاراجہ سخت پریشان ہیں اور انگریزوں نے راج محل میں تقریباً ڈیرے ڈال دیئے ہیں' پولیس سرگرمی سے ان چار آدمیوں کا قاتل تلاش کر رہی ہے جو بھون کے نزدیک ایک گڑھے میں پائے گئے تھے۔ یہ وقت راجے پور کے نزلے بخار کا تھا۔ ریاست میں ایسی ہنگامہ آرائی پہلے نہیں ہوئی تھی' تمام چیزیں توقعات کے مطابق تھیں۔ اس کے باوجود دل میں ایک خوف جاگزیں تھا۔ مثلاً یہ خوف کہ انگریز اپنے روایتی تحمل کا وطیرہ ترک نہ کر دیں۔ مثلاً یہ خوف کہ کوئی شخص صدموں سے پاگل نہ ہو جائے اور سامنے آتے ہی اچانک دنادن کرنے لگے۔ مثلاً یہ اندیشہ کہ کوئی میری طرح موت کا فیصلہ کر کے اپنے پسماندگان کے لئے تازندگی ناؤ نوش اور گدوں اور تکیوں کا انتظام نہ کر جائے' اس دنیا میں بڑے سے بڑا جی دار اور ایثار پیشہ موجود ہے۔ میری قیمت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ اس نیلام میں کنور جگ دیپ کی بولی سب سے بڑی ہو گی۔ کسی کا بھی جی چل سکتا ہے' دنیش سلپ ہونے والی گولی سے خوف زدہ تھا مگر کوئی اور راستہ کہاں تھا؟ ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا اور اب اس پر سر جھکا کے جانے کو جی نہیں کرتا تھا' میں نے اپنے ذہن کے گھوڑے کی لگام تیزی سے کھینچی' یہ بار بار بدکتا تھا اور ادھر ادھر منہ اٹھا دیتا تھا۔

میں نے پھر آنکھیں موند لیں مگر لیٹے لیٹے ایسا محسوس ہوا جیسے سارے جسم پر مکڑی نے جالا بن دیا ہو' وہی تنہائی' وہی تنہائی کے عفریت' وہی جہنم کی آگ میں نے سوچا' اس آگ پر دنیش کی الماری سے شراب کی بوتل لا کے لوٹ دوں' شراب کی ضرورت اب سمجھ میں آئی۔ اس سے تو آگ بجھانے کا کام لیا جاتا ہے' شراب شیطان کی رشوت ہے مگر ایک عارضی نجات ہے' جب شراب کا پانی خشک ہو جاتا ہے تو آگ پھر بھڑک اٹھتی ہے اور جب شیطان کا نشہ اتر جاتا ہے تو وہ پھر تنگ کرنے لگتا ہے۔ بسا اوقات جارج کی یاد شدت سے آتی تھی۔ وہ زندگی کو مسلسل ٹھینگا دکھا رہا تھا اور میں موت کو۔ زندگی کا اس قدر مذاق کم ہی لوگوں نے اڑایا ہو گا۔ کون اس سے جا کے کہے کہ اس کا یار کہاں چھپا ہوا ہے' کبھی کبھی اسے تمہاری ضرورت پڑتی ہے۔ وہ تمہیں بہت یاد کرتا ہے اسے معلوم ہوتا تو وہ دوڑتا ہوا چلا آتا' میں بھی اسے اصل جارج بنا دیتا۔ ایک پستول اس کے ہاتھ میں دے دیتا' جلا بھنا آدمی تھا' خوب نشانے لیتا۔ میں نے کئی بار ارادہ کیا' اپنے محسن شیرازی کو لکھوں کہ وہ کسی آدمی کو تلاش کر کے میرے پاس بھیج دے۔ جارج کو بانو کا حال ضرور معلوم ہو گا۔ کوئی مجھ سے پوچھے کہ تو نے

aazzamm@yahoo.com

کلکتے میں کتنے قتل کیے میں اعتراف کروں گا کہ تین کیے' دو آدمیوں کے چھرا مارا ایک کو زندہ درگور کر دیا۔ معاً کسی نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ دنیش کے سوا کون ہو سکتا تھا مگر میں نے دروازہ کھولا تو گھبرا کے پیچھے ہٹ گیا۔ سندھیا لپکتی ہوئی اندر آ گئی' گویا شراب کا منیسچر تھرکتا ہوا آ گیا۔ ''آپ؟'' میں نے جلدی سے دروازہ بھیڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں اور کون۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ''کھانے کے بعد سب لوگ کافی پی رہے تھے' جب تم کہیں نہ ملے تو میں تمہیں تلاش کرتی ہوئی یہاں تک آ گئی۔ دیکھو میں نے تمہیں ڈھونڈ ہی لیا نا۔''

''پر سندھیا جی؟ کوئی آ گیا تو کیا ہوگا؟'' میں نے گھبراہٹ سے کہا۔

''ہشت' اتنی جلدی کوئی نہیں آئے گا۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

''خبر ہے' کیوں آئی ہوں؟'' آنٹی آشا کے پاس پنڈت جی بیٹھے ہیں۔ وہ پنڈت جی سے شکایت کر رہی تھیں کہ انہوں نے جوگی کو اٹھانے کیلئے موہن داس ہی کو کیوں چنا؟ بھون میں اور بھی بہت سے ملازم تھے' وہ کسی پر بھی منتر پڑھ کر اسے میدان میں بھیج سکتے تھے۔ وہ تمہارے بارے میں اچھی باتیں نہیں کر رہی ہیں' تم سے کچھ ناراض معلوم ہوتی ہیں' وہاں کچھ اور لڑکیاں بھی تھیں' پریت دیدی بھی ایک طرف خاموش بیٹھی تھیں۔ آنٹی آشا نے پنڈت جی کو موتیوں کا ایک ہار بھی دیا ہے' وہ ان کے چرن چھو چھو کے انہیں تمہارے خلاف اکسا رہی تھیں۔ جیسے ہی پنڈت جی اندر آئے' انہوں نے مجھے باہر بھیج دیا' میں دوسرے کمرے میں چھپ کے سب کچھ سنتی رہی۔ پھر وہاں سے بھاگتی ہوئی یہاں تک آئی ہوں۔ موہن ! پنڈت جی بہت دھرماتما آدمی ہیں' اگر وہ تم سے ناراض ہو گئے تو؟'' اس نے چند ہی سانسوں میں تمام باتیں کر ڈالیں اور آنکھیں پٹ پٹانے لگی۔

مجھے اس پر بہت پیار آیا۔ دروازے کی چٹخنی نہیں چڑھی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود میں نے دونوں ہاتھ وا کر کے اسے اپنے دل سے لگا لیا۔ سندھیا زندگی تھی۔ ایسے لوگ' ایسے پھول' ایسی کلیاں ہی زندگی کی طرف کھینچتی ہیں۔ میرے اور اس کے درمیان کپڑوں کی باریک سی دیوار حائل تھی لیکن اس وقت مجھے وہ دیوار بھی محسوس نہیں ہوئی۔ وہ میرے دل میں اتر گئی تھی اور وہ کچھ اتنی پریشان تھی کہ دیوار کا سہارا ملتے ہی بے حال ہو گئی۔ ''پنڈت جی بہت بڑے آدمی ہیں موہن۔'' اس کی سانس الجھ رہی تھی۔

''اگر انہوں نے تمہیں کچھ کر دیا تو؟ تم فوراً ان کے پاس جاؤ۔'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔

''پتہ نہیں' یہ لوگ کیوں تمہارے اتنے دشمن ہیں۔ انہیں کیا معلوم' پنڈت جی نے اتنے بہت سے لوگوں میں تمہی کو کیوں چنا۔'' میں نے اسے اٹھا لیا اور اس کے رخسار چوم لیے۔ ''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟''

''آپ بس یوں ہی کھڑی رہیے آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔''

''سچ؟'' وہ چہکتی ہوئی بولی۔ ''اب میں بڑی لگتی ہوں نا؟''

''بہت بڑی۔'' میں نے نشیلی آواز میں کہا۔ ''آپ بہت بڑی ہیں۔''

''لیکن تم تو یہیں کھڑے ہو' ارے بھاگ کر پنڈت جی کے پاس جاؤ' جاتے ہی ان کے چرن چھو لینا۔'' وہ میری آغوش میں کسمساتی ہوئی بولی۔

''پہلے میں آپ کو تو دیکھ لوں۔'' میں نے اسے دور کھڑا کر کے اسے سرتاپا دیکھتے ہوئے کہا' وہ شرما گئی' کچے پتوں کی بیل' کچنار کلی' جاڑوں کی دھوپ' انجور کی چٹنی' آج اسے سینے سے علیحدہ کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ وہ بھی اتنی بے ساختگی اور وارفتگی سے میرے بازوؤں میں سمائی ہوئی تھی جیسے تحلیل ہی ہو جائے گی۔ کوئی بھی اندر آ سکتا تھا اس لیے میں نے اسے بے دلی سے علیحدہ کیا۔ ''اب آپ جائیے۔''

''موہن ! میرا جی نہیں چاہتا۔''

''میرا بھی' مگر کوئی اندر آ گیا تو؟''

''ٹھیک ہے۔'' وہ مایوسی سے بولی۔ ''مگر تم سیدھے پنڈت جی کے پاس جاؤ گے۔ اب وہ وہاں سے واپس آ رہے ہوں گے۔''

''جاؤں گا' ضرور جاؤں گا۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''تم پر کچھ اثر ہی نہیں ہے اگر انہوں نے جادو کر دیا تو؟''

''تو میں مر جاؤں گا۔''

''نہیں۔'' وہ میرے سینے پر گھونسا مارتے ہوئے بولی۔ ''نہیں۔'' میں نے باہر جھانک کے اسے فوراً واپس کر دیا۔ وہ کھٹ مٹھے انگور کھلا کے چلی گئی' قیامت برپا کر کے چلی گئی' اپنے تیور دکھا کے چلی گئی۔ جتا گئی کہ حسن اپنی تکمیل سے پہلے بھی بہت حسین ہو سکتا ہے' کلی میں بھی خوشبو ہوتی ہے۔ خیریت ہوئی کوئی ادھر پھٹکا نہیں تھا۔ میں دروازہ بند کر کے دوبارہ اپنے کنوئیں میں ڈوب گیا۔ بڑی بڑی آنکھوں والی آشا

aazzamm@yahoo.com

دیوی کو میں خوب جانتا تھا۔ وہ راجے پور کے ایک رئیس کی بیوی اور دنیش کی بہن تھی۔ وہ آج بازی گروں کا تماشا دیکھنے خاص طور پر آئی ہو گی اور باتیں تو ٹھیک تھیں۔ سندھیا میرے خلاف زنان خانے میں ابھرنے والے ایک گروہ کی نشاندہی کر گئی تھی اور یہ مژدہ سنا گئی تھی کہ جوگی کے واقعے کو لوگ پنڈت کا اعجاز سمجھ رہے ہیں۔ گویا میں جس نام وری سے خوف زدہ تھا' وہ ایشوری لال کے نام سے منسوب کی جا رہی تھی۔ پنڈت کے تو مزے آ گئے۔ اب تو اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے ہوں گے۔ انگریز ایسے کرشموں پر یقین نہیں رکھتے تھے' اسی لیے جیکسن مجھے مبارکباد دینے آ گیا تھا۔ شروع شروع میں وہاں موجود لوگ بھی یہی سمجھے تھے مگر پنڈت کے ٹونے ٹوٹکے دیکھ کے انہوں نے رائے بدل دی ہو گی۔ اعتراف کرنے کی صلاحیت لوگوں میں کم ہوتی ہے۔ سب سے دلچسپ بات سندھیا کی خبر میں پریت کی موجودگی کا ذکر تھا۔ بات پستول سے جنتر منتر تک آ گئی تھی۔

رات ہونے تک دنیش دوبارہ مجھے دیکھنے آیا اور ریاست میں تیزی سے رونما ہونے والے واقعات سنا کے چلا گیا۔ اس کے بیان کے مطابق موقع واردات کی ایک ایک نشانی محفوظ کی جا رہی تھی۔ مہاراجا نے ریاست سے باہر جانے والی سڑکوں پر چوکیاں قائم کر دی تھیں۔ ہر آنے والے کا نام اور گاڑی کا نمبر نوٹ کیا جا رہا تھا۔ دنیش اس اندیشے میں گھلا جا رہا تھا کہ میں نے عجلت میں کوئی نشان تو نہیں چھوڑ دیا۔ جس سہ پہر میجر رابرٹ کا قصہ تمام ہوا اس رات بارش بھی ہوئی تھی۔ بڑے آدمیوں کی موت پر ایسا ہی ہوتا ہے' بارش نے سڑک پر گاڑیوں کے نشانات مٹا دیئے ہوں گے۔

رات کے وقت بھون میں ناچ رنگ کا پروگرام تھا جو ریتا کی تھکن کے باعث منسوخ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ اسے اپنی خواب گاہ میں پہنچا کے پارو' دنیش کے پاس مجھے پوچھتی ہوئی پہنچی۔ دنیش نے لاعلمی ظاہر کی' وہ اس امید میں جلد واپس چلی گئی ہو گی کہ میں آج رات اس کے پاس ضرور آؤں گا۔ شاردا نے دنیش سے فون پر میرا حال پوچھا تھا اور فون اس لیے کیا تھا کہ کہیں کل رات والی الجھن نہ پیش آ جائے۔ دنیش نے اس سے کہہ دیا کہ میں نے بڑی مشکل سے موہن داس کو سلایا ہے' وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ اس پر شاردا نے اصرار کیا کہ وہ میری نیند خراب نہیں کرے گی' بلکہ نگہبانی کرتی رہے گی۔ وہ کہنا چاہتی ہو گی کہ وہ میرے سرہانے بیٹھی رہے گی اور میرے بالوں میں انگلیاں پھرتی رہے گی مگر دنیش سے کہہ نہ سکی۔ دنیش نے پچیس عذر کر کے اسے

روک دیا۔ جب کسی کے آنے کا شبہ نہیں رہا اور راہ داری میں تیز روشنیوں کے فانوس بجھا دیئے گئے تو دنیش چندر نے مجھے اشارہ کیا کہ میں فون پر ریتا سے رابطہ قائم کروں' اس نے اپنی عظیم الشان خواب گاہ میرے حوالے کر دی اور خود رات گزارنے کیلئے وہ کمرہ منتخب کیا جہاں عموماً میں اپنی تنہائیاں بسر کرتا تھا۔ دل کچھ دھڑکنے لگا تھا۔ دھیمی روشنیاں' ماحول میں بہتی ہوئی موسیقی کی موجیں' یہ خلوت ہو اور کسی کے آنے کا یقین ہو تو دل کی یہی حالت ہو جاتی ہے' جب تک میں نے ریتا کو فون نہیں کیا دنیش میرے قریب ہی بیٹھا رہا اور جب کچھ دیر بعد دروازے پر اس کے آنے کی آہٹ ہوئی تو وہ میرے گال کی چٹکی بھرتا ہوا اندر چلا گیا۔

اور کچھ دیر بعد وہ پری چھم سے اتری میں اسے دیکھ کے دنگ رہ گیا۔ اس نے کمال نفاست سے اپنا انگریز بدن ایک مرصع ساڑی میں چھپا رکھا تھا' ایک رنگ ساڑی کا' دوسرا اس کے بدن کا' جیسے شراب بلوریں صراحی میں ڈال دی گئی ہو' اس پر اس کا وہ شرمایا شرمایا سکڑا سکڑا سا والہانہ انداز' وہ چہرے پر پھوٹتی ہوئی سرخیاں' انگلستان کی مخمل' سمندر پار کا جادو' ساڑی میں اس کا بدن کچھ اور ابھر کے آیا تھا۔ میں ٹک اسے دیکھتا رہا۔ ''یہ تم ہو؟'' میں نے حیرت سے کہا' وہ مجھے ہاتھ جوڑ کے نمسکار کر رہی تھی۔ میں نے لپک کے اس کے جڑے ہوئے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں بند کر لیے۔ وہ ایک عالی شان تمکنت سے مسکراتی رہی' ایک مکمل لڑکی میرے سامنے کھڑی تھی۔ شاداب' لبالب' چھلکنے کی دیر تھی۔ پہلے تو میں دزدیدگی سے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر میں نے بے اختیار اس کی سرخ سرخ نازک کلائیوں کا ہار اپنی گردن میں ڈال لیا اور اسے اپنی زنجیروں میں بے تحاشا جکڑ لیا۔

اس نے کچھ نہیں کہا' بس گہری گہری سانسیں لیتی رہی۔ اس کے سینے کا سمندر گرجتا' شور مچاتا رہا' میں تو بھنور میں پھنس گیا تھا۔ میں تو رود بار کے گرداب میں آ گیا تھا۔ ہمیں صرف چند قدم چل کے صوفے پر بیٹھنے اور خواب گاہ میں جانے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔ اس کے آنے سے پہلے اس کی مہم سر کرنے کا باقاعدہ منصوبہ میرے ذہن میں سمایا ہوا تھا۔ وہ مجھے ایک اونچی پہاڑی معلوم ہوتی تھی جسے سر کرنے کے دوران میں کوہ پیما اوپر چڑھتے ہیں اور شام ہونے کے قریب کسی مناسب جگہ خیمہ لگا لیتے ہیں اور دوسرے دن صبح پھر منزل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے آنے سے پہلے شعور کی یہ حالت تھی لیکن اس نے آتے ہی سب کچھ چھین لیا۔ کسی بات کا

aazzamm@yahoo.com

ہوش نہیں رہا' وہ تو آتے ہی مجھے ایک زقند میں سر بہ فلک چوٹی پر لے گئی اور مجھ سے میرا اختیار چھین لیا۔ انگریزوں میں یہی خوبی ہوتی ہے وہ جہاں جاتے ہیں' اختیار چھین لیتے ہیں۔

"پروفیسر!" اس نے میرے سینے میں سرگوشی کی۔

مجھے افسوس ہے' مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں تم سے قریب نہیں رہ سکا۔" میں نے رواں انگریزی اور پرجوش لہجے میں کہا۔

"میں سوچ رہی تھی کہ شاید آج بھی تم نہ مل سکو' میں تمہارے لیے اس دن کا انتظار کر رہی تھی۔" اس کا غنچہ کھلا جا رہا تھا' سارا بدن لہلہا رہا تھا۔

"آج اگر ایسا نہ ہوتا تو میں نقب لگا کے تمہارے کمرے میں آ جاتا۔"

"اوہ۔ اوہ پروفیسر۔" وہ بے قراری سے بولی۔

"یقیناً تم ایسا کر لیتے' آج تم نے اپنی غیر معمولی طاقت کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا ہے' تم کچھ بھی کر سکتے ہو۔"

"وہ تو ایک شعبدہ تھا۔" میں اسے دنیش چندر کی خوابگاہ میں لے آیا۔ "یہ میرے دوست راج کمار دنیش چندر کی خواب گاہ ہے۔"

"راج کمار کہاں ہیں؟" وہ ادھر ادھر نظریں گھماتے ہوئے بولی۔

"راج کمار ہم سے چھپ گئے ہیں۔" میں نے شگفتگی سے جواب دیا۔

"ریتا! تم سے باتیں بعد میں ہوں گی پہلے مجھے یہ بات بتاؤ کہ کل رات تم مجھ سے کیا کہنا چاہتی تھیں؟" ہم دونوں ایک دوسرے کے بے حد قریب ہو کے کونے پر رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے تھے اور میں نے اس کا سر اپنے دل پر رکھ لیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے لیکن تمہیں بتانا ضروری ہے۔" وہ اداسی سے بولی۔ "میرے ساتھ جو نگران عملہ آیا ہے' اس میں برٹش انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر بھی موجود ہیں۔"

"اچھا؟" میں اپنی حیرت نہ چھپا سکا۔ "ان کے آنے کا مقصد کیا ہے؟"

"وہی سیاسی اغراض جن سے مجھے نفرت ہے۔" اس نے کہا۔ "پہلے میجر رابرٹ کی گمشدگی پر انہیں شبہ تھا کہ اسے ریاست کے کسی خاندان نے اغوا کیا ہے' اب صبح معلوم ہوا کہ وہ قتل کر دیا گیا ہے۔ صورت حال سنگین ہو گئی ہے۔ وہ حقائق جاننے کیلئے بے تاب ہیں۔"

مجھے سردی سی محسوس ہوئی پھر بھی میں نے سنبھل کر کہا۔ "بے شک انہیں ایسا

کرنا چاہیے' میجر کوئی معمولی شخص تو نہیں تھا۔"

"ہوگا۔ میں اس مسئلے پر زیادہ گفتگو نہیں کر سکتی۔ میں تو یہاں تمہیں دیکھنے آئی ہوں۔"

"تو مجھے غور سے دیکھو۔" میں نے اسے سمیٹ کر کہا۔ اسے زیادہ کریدنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے انتشار میں اس کا بدن کریدنا شروع کر دیا۔ اس کے چہرے کی تمام چیزیں دلکش تھیں۔ ترشی ہوئی آنکھیں' لبریز ہونٹ' نگین پیشانی' تلوار ابرو۔ میری انگلیاں اس کے چہرے پر تڑپنے لگیں۔ اس کے سلگتے ہوئے ہونٹ لرز رہے تھے۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی۔ یہ دنیش کی خوابگاہ کا فون تھا' مجھے ریسیور اٹھاتے ہوئے جھجک ہوئی لیکن یہ خیال آنے پر کہ دنیش چندر ہی دوسرے کمرے سے شرارت کر رہا ہوگا میں ریتا کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے فون تک لے آیا۔ "ہیلو۔" میں نے ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

"کون؟" دوسری طرف سے ایک مترنم آواز آئی۔ "دنیش؟"

"نہیں۔ وہ تشریف نہیں رکھتے۔" میں نے شائستگی سے کہا۔ "میں موہن داس' ان کا ملازم بول رہا ہوں' آپ کا شبھ نام؟"

"موہن داس؟" آواز سے اچانک اضطراب نمایاں ہوا۔

"موہن داس! پروفیسر زاہدی! تم کہاں ہو؟"

"جی۔" میں نے تعجب سے کہا۔ "میں موہن داس ہوں۔"

"اوہ۔" وہ مچل کے بولی۔ "ہم ایسے کم فہم بھی نہیں ہیں۔"

"آپ کون ہیں؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہم کنول ہیں۔" فون میرے ہاتھ سے گرتے گرتے رہ گیا۔

☆......☆......☆

0300-4104209

aazzamm@yahoo.com

فرزانہ لائبریری' ویڈیو اینڈ ریکارڈنگ سنٹر
[illegible] خانیوال

فون میرے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔

جسم میں اچانک بجلی سی چمک پڑی۔ زبان سن ہوگئی میں نے مضبوطی سے ریسیور پکڑنے کی کوشش کی اور سٹ پٹائی ہوئی آواز میں کہا۔'' کنول ؟ کون کنول؟ میرے پس وپیش پر وہ لطیف انداز میں کھل کھلا کے ہنسنے لگی۔'' معاف کیجئے میں نے آپ کو پہچانا نہیں ؟'' میں نے ایک لمحاتی وقفے کے تذبذب کے بعد کہا۔

'' سوچ لیجئے پروفیسر ! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

'' شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں کوئی پروفیسر نہیں ہوں' راج کمار دنیش چندر کا خاص ملازم موہن داس ہوں۔'' میں نے جزبز ہو کے کہا۔

' غلط فہمی پہلے ہوئی تھی' صرف ایک بار لیکن جب آپ کو دوسرے روپ میں دیکھا تو سارا شک دور ہو گیا۔ یہ بتائیے پروفیسر کہ آپ ہمارے ہاں دوبارہ کیوں نہیں آئے؟'' وہ اپنی آواز کی مترنم گھنٹیوں کے درمیان بولی۔

'' جی ! '' میں نے حیرانی کا اظہار کیا۔'' میں موہن داس ہوں۔''

'' آپ کو اسی پر اصرار ہے تو چلیے یہی سہی ہم موہن داس صاحب سے مخاطب ہیں۔'' اس نے تمکنت سے کہا۔'' اس دن آپ کو راستے میں دیکھا سواری روکی لیکن آپ نہ جانے کہاں روپوش ہو گئے۔ درمیان میں کئی مرتبہ آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔فون پر بھی آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ہم آپ کا انتظار کرتے رہے۔ یقین کیجئے' آپ سے دوبارہ ملنے کی خواہش کئی بار بیدار ہوئی۔''

'' جناب' جناب !'' میں نے گھبرا کے کہا۔'' میں میں۔''

'' اب تکلف چھوڑیے۔'' اس نے میرا جملہ اچک لیا۔'' ہم پر اعتماد کیجئے۔ ہم اجازت کے بغیر پردہ نہیں ہٹاتے۔ سنیے ! مہاراجہ بھی کئی مرتبہ آپ کو یاد کر چکے ہیں۔ کسی دن زحمت کیجئے ۔ ضروری نہیں کہ یہاں آنے کے لیے آپ راج کمار کی

رفاقت ہی کا انتظار کریں۔ آپ کو دروازے کھلے ہوئے ملیں گے یا پھر ہمیں دعوت دیجئے۔''

'' آپ بسر وچشم تشریف لائیے۔'' میں نے پسپائی سے کہا۔

'' لیکن آپ سے وہاں بات کیا ہو سکے گی؟''

'' جی۔'' میں نے ہچکچاہٹ سے کہا اور نیچی آواز میں پوچھا۔''مہاراجہ کیسے ہیں؟ اصل میں آپ کے ہاں آتے ہوئے خاصا ڈر لگتا ہے۔''

'' اور ہمیں یہاں رہتے ہوئے ۔ مہاراجہ بھی ان دنوں کچھ متفکر نظر آتے ہیں۔ممکن ہے' آپ کی آمد ان کے لیے خوشگوار ثابت ہو سکے۔''

'' جی ۔'' میں نے مہذب انداز میں کہا۔'' میں حاضری کی کوشش کروں گا۔''

'' بس آپ کا ذکر سنتے رہتے ہیں' کیسی دلچسپ بات ہوئی' آج خود آپ نے فون اٹھا لیا۔'' وہ شادابی سے بولی۔ مسرت اس کے لہجے سے چھلکی پڑ رہی تھی۔ آپ اس وقت مصروف ہوں گے؟

مجھے اچانک ریتا کا خیال آیا۔ وہ میرے پہلو سے چمٹی ہوئی تھی اور اس کا سرخ چہرہ اضطراب سے تمتا رہا تھا۔ میں نے غیر اختیاری طور پر اس کی کمر میں اپنے بازو کا حلقہ تنگ کر دیا۔ اس کے گداز نے شربت کا کام کیا۔ اس نے میرے کندھے پہ سر رکھ دیا تھا ۔ وہ اس بے موقع مداخلت پر برہم سی نظر آرہی تھی۔ وہ بار بار تجسس سے سر اٹھا کے دیکھتی تھی۔ یہ فون اس قدر غیر متوقع تھا کہ مجھے اس کی موجودگی کا ہوش ہی نہ رہا۔ ریتا ہندوستانی سے ناواقف تھی مگر میری زبان پر کئی مرتبہ کنول' پروفیسر' موہن داس اور مہاراجہ کا ذکر آیا تھا۔ میری پیشانی پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں ابھری تھیں اور زبان لڑکھڑائی تھی۔ یہ سب اس کے لیے تحیر کا سبب تھا۔ رفتہ رفتہ میرے اعصاب معمول پر آئے۔ یہ ریاست راجے پور کی راج کماری کنول کا فون تھا اور وہ مجھ سے جس لہجے میں مخاطب تھی' اس میں گرد وپیش کا ہوش کہاں رہتا ہے۔ میں نے اسے اپنی شاعری کی داد اور اپنے علم کی سند سمجھا اور ریتا کی تشویش دور کرنے کے لیے اسے خود سے قریب کرلیا۔ جواب دینے میں دیر لگی تو فون پر کنول کی غمگین آواز ابھری ۔'' شاید ہم مخل ہوئے؟''

'' نہیں ' نہیں۔'' میں نے تیزی سے تردید کی ۔'' میں مصروف نہیں تھا۔ اتفاق سے یہاں راج کمار کی خواب گاہ سے گزر ہوا تو آپ کا فون آگیا۔''

aazzamm@yahoo.com

"آپ ایک حیران کن شخص ہیں۔" وہ اشتیاق سے بولی۔ "آپ کے بارے میں جتنا سوچیے' حیرت بڑھتی جاتی ہے۔"

"اس کا بہترین حل یہ ہے کہ سوچنا ترک کر دیجیے۔ یہ دنیا بہت عجیب ہے' کہاں تک اور کن کن باتوں پر سوچئے گا' تھک جایئے گا۔"

"آپ سچ کہتے ہیں' ہم' لوگوں سے بات کرنے کو ترس گئے ہیں۔"

"سنا ہے' آپ کے ہاں تو ایک شان دار لائبریری ہے؟"

"لیکن کتابوں نے مسئلے کہاں حل کئے ہیں۔ کتابیں ہمیشہ ایک طرح کی دوری برقرار رکھتی ہیں۔"

"پھر بھی اس خرابے میں ان کا دم غنیمت ہے۔" ریتا کسمسا نے لگی تھی۔ لفظوں میں احتیاط بھی ایک وقت طلب کام ہے۔ میں نے جلد ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا لیکن میرے پاس ریتا موجود تھی۔ ادھر احتیاط کا خیال رکھتا تھا' ادھر اس کا دامن چھوٹا جاتا تھا۔ "راج کمار کے لیے کوئی پیغام؟" میں نے جھجک کر کہا۔

"نہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "انہیں یہ پیغام دینا تھا کہ انہوں نے اپنے حیرت انگیز دوست کو کہاں چھپا رکھا تھا۔"

"اوہ۔" میں نے مسکرا کے کہا۔ "دیکھیے آپ کو پھر غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"پروفیسر!" وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔ "ہم آپ کے منتظر رہیں گے۔"

"بعض اوقات اپنی سماعت مشکوک معلوم ہوتی ہے۔"

"ہمارے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے۔"

قریب تھا کہ ریتا کریڈل پر ہاتھ رکھ کے فون بند کر دیتی۔ حالانکہ انگریز اتنے بدتمیز نہیں ہوتے مگر شکر ہے کہ کنول نے خود ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں ریسیور ہاتھ میں لیے گم سم کھڑا رہا۔ جسم پر ایک سنسنی سی طاری تھی۔ راج کماری کا وہ شاہانہ انداز' وہ کھنکھناتا ہوا لہجہ' وہ آسانی تخاطب' کنول کا سراپا میری آنکھوں میں لہرا رہا تھا۔ راج محل کی عمارت جتنی پرشکوہ تھی' راج محل کی دیواریں' مجسمے' تصویریں اور سازو سامان جتنا نادر تھا' اتنا ہی نادر کنول کا سراپا تھا۔ وہ راج محل کے عالی شان ایوانوں سے پوری مناسبت رکھتی تھی۔ اتنی دل کش لڑکی انہی محلوں میں پیدا ہونی چاہئے تھی۔ اس دنیا کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ عمارتیں اپنے مکینوں سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ صرف کہیں کہیں ایسا ہوتا ہے۔ ریتا نے مجھے جھنجوڑا۔ میں خواب و خیال کی طلسماتی دنیا

سے دنیش چندر کی خواب گاہ میں واپس آ گیا اور مجھے احساس ہوا کہ میرے پہلو میں کون ہے؟ میرے پہلو میں راجے پور کے انگریز آفیسران کمانڈ کی صاحب زادی ریتا موجود تھی۔ جو صرف میرے لیے چھاؤنی سے پرکاش بھون تک کشاں کشاں چلی آئی تھی۔ "کون تھا؟" اس نے اپنا چمکتا ہوا چہرہ میری آنکھوں کے مقابل کر کے بے قراری سے پوچھا۔

"کون ہو سکتا ہے؟" میں نے خوابیدہ لہجے میں پوچھا۔

"غالباً راج کماری کنول؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے اس کی ذہانت کی داد کے طور پر اس کے شہابی رخسار چوم لیے۔

"وہ نہیں تھی' پہچانو تو جانیں۔"

"پھر میں نہیں جانتی۔ تم کچھ گھبرائے گھبرائے معلوم ہوتے تھے۔ شاید کسی اور کو بھی علم ہو گیا ہے کہ تم موہن داس کے علاوہ ایک پروفیسر بھی ہو۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔

"ہاں۔" میں نے سرہلا کے کہا۔ "میں عریاں ہو رہا ہوں۔ پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا کہ وہ راج کماری کنول ہے لیکن وہ ایک اور لڑکی تھی جسے میرے بارے میں نہ جانے کہاں سے بہت کچھ معلوم ہو گیا ہے۔"

"لڑکیاں تمہارے متعلق جاننے کی جستجو میں رہتی ہوں گی۔ تمہارا چہرہ' تمہارا قد' تم کتنے دل نشین اور وجیہہ آدمی ہو۔ میں جب یہ سوچتی ہوں تو تم کچھ اجنبی سے نظر آتے ہو۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" میں نے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے کہا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ جملہ میں نے پہلے بھی کہیں سنا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ میں نے چند فٹ پیچھے ہٹ کے اسے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اس کے بدن سے سرخ رنگ پھوٹا پڑ رہا تھا۔ جیسے شیشے کے بدن میں خون ہی خون بھر دیا گیا ہو۔ میرے اس غیر معمولی اقدام پر وہ شرما گئی۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ حیرانی سے بولی۔

"تمہیں دیکھ رہا ہوں' بس اسی طرح کھڑی رہو۔"

"نہیں' مجھے اس طرح مت دیکھو۔" وہ مرتعش آواز میں بولی۔

"کیوں؟"

aazzamm@yahoo.com

"میں اپنے پیروں پر کھڑی نہیں رہ سکتی مجھے سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔" وہ گرتی ہوئی میرے سینے پر ڈھیر ہو گئی۔ "پروفیسر! تم بہت خطرناک آدمی ہو۔"

میں نے اسے اپنے بازوؤں میں بند کرلیا۔ اس کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ جیسے وہ کہیں دور سے بھاگتی ہوئی آئی ہو۔ اس وقت انگلستان کے دل میں کوئی بغض نہیں تھا۔ وہ بری طرح دھڑک رہا تھا اور ایثار پر آمادہ تھا۔ میرے جسم میں اسے خود میں شامل کرلینے کے لیے ایک طوفان اٹھا۔ وہ مجھے ایک بچی کی طرح پیاری اور ایک ہرن کی طرح معصوم لگی۔ کسی سفید بلی کی طرح اسے دبوچنے کو جی چاہا۔ اس نے بھی محسوس کرلیا تھا کہ میرے جسم سے کیسی لپٹیں اٹھ رہی ہیں۔ یہ باتیں سبھی محسوس کرلیتے ہیں' ایسے لمحوں میں ہر شخص حکیم بن جاتا ہے اور نبض دیکھے بغیر اندر کا حال جان لیتا ہے' اس کے لیے علم و دانائی کی ضرورت نہیں' بس جب بھی ایسی صورت حال پیدا ہوتی ہے' جذب اور گریز کے عالم میں آسانی سے ایثار کیا جا سکتا ہے' ریتا جیسی ریشمیں لڑکی کہیں موجود ہو اور پوری رات پڑی ہو' کمرے کا دروازہ بند ہو اور اِدھر اُدھر خوش رنگ پردے سرسرا رہے ہوں' دیواروں پر دنیا کے مشہور مصوروں کی تصویریں تیکھی نظروں سے دیکھ رہی ہوں ۔ بستروں' کرسیوں پر ریشم اور گداز بکھرا ہوا ہو' روشنی مدھم سروں میں راگ الاپ رہی ہو تو بدن پگھلنے لگتے ہیں۔ پھر جذب میں آلودگی کہاں رہتی ہے' ایسے میں تو تمام کثافتیں کھرچ کے طاق پر رکھ دی جاتی ہیں مگر یہ سب کچھ نہ ہوتا' یہ خواب ناک حکومت نہ ہوتی' ہم صحرا میں بیٹھے ہوتے اور دھوپ سے ہمارے جسم جھلس رہے ہوتے' تب بھی یہی ہوتا ۔ اس جذب کا سلسلہ تو دور تک جاتا ہے۔ یوں لوگ عارضی مفاہمتیں کرلیتے ہیں جیسے شراب پی اور نشہ ختم ہوا تو جسم پر کپڑے نظر آنے لگے۔ اس مثبت فضا نے آمادگی کی آگ کو ہوا دی' کنول نے مداخلت کرکے کچھ وقفے کے لیے یہ طلسم توڑ دیا تھا مگر ریتا تو سربسر' سوچ میرے سامنے تھی اور اس کا بدن بکھر رہا تھا' سمٹ رہا تھا۔ اس کے بدن پر جگہ جگہ ساڑھی کا نقاب پڑا ہوا تھا۔ انگریزی شراب ہندوستان کے آب خورے میں ڈال دی گئی تھی۔ اس کے قرب میں اتنی تاثیر تھی کہ راج کماری کنول کی آواز کا نشہ ماند پڑ گیا۔ ساڑھی کی ہندوستانی چلمن میں وہ اور حسین' اور طرح دار نظر آرہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے دور ہٹ کے اس کا تفصیل سے مشاہدہ کیا۔ میں نے اس کا سبزہ زار بدن دیکھا۔ میں نے انگلستان

کا اقبال دیکھا۔ انگلستان کا سورج سبھی نے دیکھا ہے۔ میں نے اس کا مہتاب دیکھا۔ اس وقت اس کی خوش نودی میرے پیش نظر نہیں تھی مجھے اپنی خوشنودی مقصود تھی' وہ میرے سینے میں لبی ہوئی تھی اور اس کے بدن کی کچی مٹی کی خوش بو سے دماغ کا رشتہ زمین سے کٹ گیا تھا۔ "ریتا!" میں نے لرزتی ہوئی آواز میں اسے مخاطب کیا ۔ "واقعی تمہیں اجنبیت کا شکوہ ہے؟"

"نہیں' میں نے اجنبیت کا لفظ غلط استعمال کیا تھا' میں کہنا یہ چاہتی تھی کہ ایک موہوم سا خوف ہونے لگتا ہے۔"

"اسی لیے تم نے مجھے ایک خطرناک آدمی کا خطاب دیا ہے؟"

"ہاں شاید یوں ہی پروفیسر! میں محسوس کرتی ہوں کہ میں ایسے عجائب خانے میں کھڑی ہوں جہاں ایک بت کے بہت سے طلب گار ہیں۔ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق بولی لگا رہا ہے۔"

"یہ محض تمہارا خیال ہے' یوں کہو کہ ہر کوئی وہ بت مسمار کر دینا چاہتا ہے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں پستول' خنجر اور کدال ہے۔"

"اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اسے محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں اس شاہکار کی تباہی کا اندیشہ گھلائے دے رہا ہے۔"

"ایسی صورت میں بت کیا کرے؟ ہر دروازے پر پہرا لگا ہوا ہے مگر مجھے حیرت ہے کہ تم نے صرف ایک دن میں کیا کیا قیاس کرلیا' کیسے کیسے اندازے لگا لیے' تم نے کچھ زیادہ ہی محسوس کرلیا ہے۔"

میں نے اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں دیکھیں اور لرزتی ہوئی آوازیں سنیں۔

"پروفیسر! میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔" وہ بے تابی سے بولی۔ "میں نے ہندوستان کے بڑے تذکرے سنے تھے۔ پھر مجھ سے برداشت نہیں ہوا میں یہاں چلی آئی۔ میں نے کبھی ان سیاسی شعبدے بازیوں کے متعلق سوچا بھی نہ تھا۔ یہاں پرکاش بھون میں میرا استقبال ایک ملکہ کی طرح کیا گیا۔ خود میری کوئی ذات نہیں تھی۔ میں انگریز کرنل کی بیٹی ہی رہی۔ کاش میں چھاؤنی سے نہ آتی۔ کاش میری جلد کا رنگ مختلف ہوتا اور میں تم سے کسی چوراہے پر ملتی اور یہ سب نہ دیکھتی۔"

"تمہارا ارادہ کیا ہے؟ تم نے اپنی گفتگو سے بتدریج متاثر کرنے کی ٹھان لی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ تم انگلستان کی ایک شوخ و شنگ لڑکی ہوگی جو اس قدر سنجیدہ نہیں

aazzamm@yahoo.com

ہوتی لیکن تمہاری مٹی میں مشرق کا خمیر معلوم ہوتا ہے۔ شاید تم انگلستان میں غلطی سے پیدا ہو گئیں۔ یہ سچ ہے کہ لوگوں نے تمہارے قد کی پیمائش کرنل ہارڈنگ کے حوالے سے کی ہے لیکن یہ ایک منطقی ردعمل ہے۔ میں تمہارا اعتماد بحال کرتا ہوں۔ تم اپنی ذات سے ایک بہت محترم' محبوب اور خوش نما لڑکی ہو' سمجھیں ؟'' میں نے اسے گدگداتے ہوے کہا۔

'' یقیناً تم نے میرا اعتماد بحال کیا ہے لیکن تم نے اسے متزلزل بھی کیا ہے۔ تمہارے بارے میں یہاں عجیب عجیب چرچے ہیں۔ کچھ کچھ میرے کانوں میں بھی پہنچے ہیں مجھے یہ سب کچھ بہت مضحکہ خیز معلوم ہوا اور خیال آیا کہ تم بھی مجھے انگلستان کی ملکہ سمجھتے ہو۔''

'' تم انگلستان' ایران' توران اور ہندوستان کی ملکہ ہو۔ ایک ملکہ اتنی ہی حسین ہو سکتی ہے' اتنی ہی ذہین' اتنی ہی حساس' اتنی ہی نرم و نازک اور اتنی ہی بے مثال۔''

'' میں تم سے سب کچھ کہہ دینا چاہتی ہوں۔ تم ایک مصروف اور مشکل آدمی ہو۔ کسے معلوم' پھر وقت ملے نہ ملے' یہاں حالات اتنی تیزی سے بدلتے ہیں کہ کل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آج بہت انتظار کے بعد یہ رات آئی ہے۔'' وہ افسردگی سے بولی' مجھے اس کی سنجیدگی پر حیرت ہوئی۔

'' یہ میری زندگی کی ایک یادگار رات ہے۔''

'' اور میری زندگی کی پہلی رات۔ ایسا محسوس ہوتا ہے' جیسے میں انگلستان سے اسی رات کے حصول کے لیے آئی تھی۔''

'' تم کچھ کہہ رہی تھیں۔'' میں نے اس کی زلفیں سنوارتے ہوئے کہا۔ '' میں بار بار بھول جاتی ہوں' تم نے یہ بے ترتیبی دیکھی' میری بات میں کوئی نظم نہیں ہے۔ مجھے معاف کرتے جانا' میں کیا کہہ رہی تھی؟''

'' تم گمان کر رہی تھیں۔''

'' ہاں۔'' وہ سرد آہ بھر کے بولی۔ '' میں کہہ رہی تھی کہ تم اس گورکھ دھندے کے ایک کل پرزے معلوم ہوتے ہو اور اسی لیے مجھے ہول آتا ہے۔ میں خود کو بہت حقیر سمجھتی ہوں۔''

'' سنو ریتا!'' میں نے اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ '' کوئی شخص اپنے

گرد و پیش سے علیحدہ کیسے رہ سکتا ہے اور میں نے تو تمہیں ساری بات بتا دی تھی۔ جب تم ہندوستان نہیں آئی تھیں تب بھی یہی حالات تھے۔ یہ حالات تو اس وقت سے ہیں' جب سے انگریز ہندوستان آئے ہیں' بلکہ اس سے بھی پہلے سے ہیں۔ تمہیں یہاں رہتے ہوئے کچھ دن گزر جائیں گے تو یہ باتیں نئی محسوس نہیں ہوں گی۔ یہاں تمہارا استقبال کرنل ہارڈنگ کی صاحب زادی کے طور پر کیا گیا ہے۔ تمہیں انگلستان کا نمائندہ سمجھا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ مغائرت کی دیواریں ہٹ جائیں۔ یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ اس سے تمہاری ذات کہاں مجروح ہوتی ہے اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ کیا میری یہ کوشش نہیں ہو گی کہ میں جن لوگوں سے متعلق ہوں اور جن اصولوں پر اعتقاد رکھتا ہوں' ان کی سرفرازی کی تمنا کروں۔ اگر تم یہاں نہ آتیں' تب بھی ہماری یہی کوشش ہوتی' یہ ایک سانحہ ہے مگر جذبوں کے ساتھ ساتھ زندگی کا کاروبار بھی چلتا رہتا ہے۔ بدقسمتی سے صورت کچھ ایسی پیدا ہو گئی ہے کہ تم نے اپنے دل میں یہ اندیشے پیدا کر لیے ہیں۔ اپنے قریب ہی کے لوگوں سے دکھ درد بیان کیے جاتے ہیں اور دکھ درد بیان کرنے کے لیے لوگوں کو قریب کیا جاتا ہے لیکن میرا تمہارا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ میں راج کمار کے ساتھ مہاراجہ کی دعوت میں اس مقصد سے نہیں گیا تھا کہ تم سے ملاقات ہو جائے گی اور پھر تم نے مجھے کرنل کے اشارے پر فون نہیں کیا۔ یہ حادثہ تو یوں ہی سرزد ہو گیا۔ بھلا کل کون پیش گوئی کر سکتا تھا کہ ایک رات آئے گی' جب انگلستان کے آسمان سے ایک پری اترے گی اور ایک نہایت بے مایہ شخص کی آغوش میں تڑپے گی۔ رنگ اس کا لال ہو گا' چہرہ اس کا گلال ہو گا۔ وہ ہنستی ہے تو پھول جھڑتے ہیں اور اس کے رخساروں میں ایک گڑھا سا پڑ جاتا ہے۔ جنت کی یہ وادی بار بار ابھرتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے۔'' میں اپنے جواب سے خود مطمئن نہیں ہوا۔ میں نے اس کے شانے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ ''بتاؤ' میں تمہارا اعتماد کس طرح واپس کر سکتا ہوں۔''

'' اوہ نہیں پروفیسر!'' وہ میرے شانے پر اپنا سر مارتے ہوئے بولی۔ '' تم نے میری بات کا زیادہ ہی اثر لے لیا۔ اور تم نے اپنی دلیلوں میں ایک دلیل نہیں دی کہ میں خود تمہاری طرف بھاگی ہوئی آئی تھی مگر تم نے اپنے بازو پھیلانے میں خاصے بخل کا مظاہرہ کیا تھا۔ تم ایک بلیغ شخص ہو۔ ایک جامع اور مکمل شخص تم میں اتنی خوبیاں کہاں سے جمع ہو گئیں؟''

aazzamm@yahoo.com

"میں نے یہ دلیل اس لیے نہیں دی کہ خود میرے دل میں تمہارے لیے ایک چور چھپا ہوا تھا۔ اس دن دعوت میں تم مجھے بہت اچھی لگیں۔ تمہیں پیار کرنے اور سینے سے لگانے کو جی چاہا تھا اور میں نے یہ دلیل اس لیے نہیں دی کہ اس میں ایک فریاد سی محسوس ہوتی تھی' ایک احتجاج ' تم کرنل ہارڈنگ کی بیٹی ہوتا۔ یہ تمہاری ایک ایکسٹرا خوبی ہے۔ بلاشبہ یہ احساس طمانیت پہنچاتا ہے کہ تم ایک بڑے انگریز افسر کی بیٹی ہو ۔ تمہاری قربت میں امان ہے۔ یہ ایک دوآتشہ ہے مگر جزو ہے کل نہیں ہے' میں پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں اپنے بازوؤں کے گداز پر یقین نہیں ہے ؟ تمہارے لب پھڑک رہے ہیں۔ تم ایک شان دار درخت ہو جو زرخیز زمینوں پر اگا ہوا ہے۔ کیا کوئی تمہیں دیکھ کے سرسری گزر سکتا ہے ؟ کیا تمہیں اپنی شخصی خوبیوں کا عرفان نہیں ہے؟ تم نے اپنے آپ کو اس قدر کمزور کیوں سمجھا ؟"

"پروفیسر ! " اس نے میرے ہاتھ چوم لیے۔ " تم میں بیان کی بے پناہ قوت ہے تم ہر کسی کو زچ کر دیتے ہو میں اپنے خوف کا اظہار نہیں کرسکی دیکھو نا۔" وہ اٹک اٹک کے بولی ۔ " میں نے تمہارے متعلق کتنا سوچا ہو گا بہت سوچا ہو گا۔ جتنا میں نے سوچا اتنا ہی مجھ پر مایوسی کا غلبہ ہونے لگا۔ میں پریشان ہوگئی میں تمہارا معاملہ سلجھانے کے بجائے اور الجھا بیٹھی۔ " سنو میرا دل کہتا ہے کہ تمہیں کہیں بند کر دوں۔ میں تمہیں کسی کمرے میں بند کردوں تا کہ تم بلاؤں سے محفوظ ہو جاؤ اور تم پر کسی اور کی نظر نہ پڑ سکے۔"

"اوہ ریتا ! ریتا !" میں نے اپنا سر اس کی آغوش میں ڈبو دیا ۔ میرے لہجے میں نہ معلوم کہاں سے درد سمٹ آیا۔ " واقعی مجھے کہیں بند کر دو' مجھ پر تالا لگا دو۔ میری بینائی اور گویائی سلب کرلو۔ میرے متعلق اتنا مت سوچو اور مجھ میں اتنی مت ڈوبو۔ میرے کنارے معدوم ہیں۔ میرے چاروں طرف بھوت رہتے ہیں۔ گولیوں کی آوازوں سے میرے کان زخمی ہو چکے ہیں۔ جہاں سے آئی ہو' واپس چلی جاؤ ۔ یہ زمین تمہیں راس نہیں آئے گی۔ تمہیں انگلستان کی اور لڑکیوں کی طرح ہوش مندی کا ثبوت دینا چاہیے ۔ تم ایک ذہین اور حساس لڑکی ہو۔ تمہیں اپنے زیاں کی فکر کرنی چاہیے۔ میں اپنے ماضی کی الجھنوں سے کمی ٹیڈ ہوں۔ تم اپنے پیش روؤں کی تقلید کرو۔ میری دیوار کا سایہ بہت بے اعتبار ہے۔ یہ دیوار کسی بھی لمحے گر پڑے گی۔ بہتر ہے کہ کوئی اور راستہ تلاش کرلیا جائے تم اجنتا ایلورا کی نقاشی دیکھو' تاج محل دیکھو' آگرے کا

قلعہ دیکھو' ٹیکسلا میں بدھوں کی عظیم خانقاہ دیکھو' بنارس کی صبح اور اودھ کی شام دیکھو' بنگال کی زلف اور کشمیر کی آنکھ دیکھو' پنجاب کا حسن' لکھنو کی تازگی دیکھو' ہندوستان میں بڑی عجیب عجیب چیزیں دیکھنے کو پڑی ہیں ۔ میرے تہہ خانے میں تو بڑے جالے ہیں' بچھو اور سانپ ہیں اندھیرے ہیں' تم تو ختم ہو جاؤ گی۔"

میں نے اپنی زبان بند کی تو کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ میں اس کے ردعمل کا انتظار کرتا رہا۔ دیر تک اس کی سانسوں کی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں آئی۔ آخر میں نے اس کی آغوش سے سر ابھارا اور اس کی آنکھیں دیکھ کے حیرت زدہ رہ گیا۔ آفیسر ان کمانڈ کی بلند اختر صاحب زادی رو رہی تھی ' انگریز رو رہا تھا ' ہندوستانیوں کو یہ منظر کم ہی دیکھنے کو نصیب ہوئے ہوں گے۔ میرا دل لرزنے لگا میں نے اسے احتیاط سے اٹھا کے دنیش چندر کے بستر پر رکھ دیا۔ اس کے بدن میں بوجھ ہی نہیں تھا' وہ پھولوں کی گٹھڑی تھی۔ پھر میں نے مسہری سے سر ٹکا کے اسے خود پر بکھرا دیا اور بیڈ سوئچ دبا کے روشیاں اور کم کر دیں۔ وہ تو کچھ بھی نہیں جانتی تھی اور جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتی تھی۔ میں نے اسے راجہ پور کی بلاخیز کہانی سنانی شروع کی۔ اس کے باپ نے اسے ہندوستان میں انگریزوں کی حکمت کی تعلیم دی ہو گی اور بتایا ہو گا کہ ہندوستانیوں سے کس لہجے میں بات کرنی چاہیے۔ شاید اس پر اس تعلیم کا اثر مرتب نہیں ہو سکا تھا۔ وہ گیت سننا چاہتی تھی' گلستان میں تتلی بن کر کلی کلی اڑنا چاہتی تھی۔ اس نے کچھ سوچا ہی نہیں تھا ۔ وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے ایک الگ لڑکی تھی۔ ایک لڑکی جو خواب دیکھتی ہے' جو ضد کرتی ہے اور دھومیں مچاتی رہتی ہے' جس کا دل شیشہ ہوتا ہے' ذرا سی ٹھیس سے چکنا چور ہو جاتا ہے۔ کرنل نے کیسی لڑکی پیدا کی تھی۔ اس رات مجھے اسے بہت نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ممکن ہے کرنل نے اسے اسی مقصد سے بھیجا ہو کہ دیکھو' انگریز بھی آدمی ہوتے ہیں۔

وہ میری روداد توجہ سے سنتی رہی۔ سب کچھ اس کے لیے نیا تھا۔ میں نیا تھا' زندگی کی یہ رات نئی تھی' اس کی بے چینی اس امر کی غماز تھی کہ اس کے اس قدر قریب کبھی کوئی نہیں ہوا ہو گا۔ اس کی آنکھوں میں ڈورے پڑ جاتے تھے۔ وہ فاختہ کی طرح پھڑکتی تھی اور پارے کی طرح تھرکتی تھی۔ "تم نے سنا' میں نے کیا کہا ؟ " میں نے بے قابو لہجے میں پوچھا۔

" ہاں ۔" وہ ایک طویل خاموشی کے بعد سرد آہ بھر کے بولی۔ " لیکن تم نے

aazzamm@yahoo.com

یہ نہیں بتایا کہ تمہارے لیے میں کیا کرسکتی ہوں؟"

"کچھ نہیں، بس دعا کرتی رہو۔ میں تم سے یہ نہیں کہوں گا کہ تم کرنل کے حضور پرکاش بھون کی سفارش کرو، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، میری زبان پر یہ لفظ کبھی نہیں آئیں گے، اس گفتگو کا مقصد بھی یہ نہیں تھا کہ تم سے بالواسطہ طور پر یہ گزارش کی جائے۔ ہاں میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ ابتدا کے بعض ناقص لمحوں میں ایسا آلودہ خیال میرے ذہن میں آیا تھا لیکن تم تو ایک اور ہی لڑکی نکلیں۔ تم نے تو مجھے پاک و صاف کر دیا۔ میں تم سے اپنے تعلق کا استحصال نہیں کروں گا۔ تم اطمینان کرسکتی ہو کہ تمہاری ذات میرے لیے ایک اکائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں تمہیں علیحدہ طور پر شناخت کرتا ہوں۔ تم ایک بہت ہی اچھی لڑکی ہوں۔"

"اور تم ایک بہت ہی اچھے لڑکے ہو۔" اس نے میری ناک پکڑ لی۔

"اب کوئی بات نہیں ہو گی تم نے ایک مشکل میدان میں قدم رکھا ہے۔ تو اس کے طور بھی سیکھو۔ دھوپ میں بیٹھو گی تو پسینہ ضرور آئے گا۔ رنگ بھی کالا ہو گا۔ زندگی کی آسائشیں اس آسانی سے مل جایا کرتیں تو لوگ جنت کی تمنا نہ کیا کرتے۔ ریگ زار میں گرد کا طوفان بھی آئے گا اور حلق میں کانٹے بھی پڑ جائیں گے۔ ہمت نہیں ہے تو بس دور سے دیکھ کے واپس ہو جاؤ، ورنہ پھر جسم و جاں سے بے نیاز ہو کے مستانہ وار چلتی چلو۔ آنے والی زندگی تاریکی میں اٹی ہوئی ہے، جو گزر گئی، وہ بھی تاریکی میں ڈوب گئی ہے، جو موجود ہے، وہ روشنی کا ایک جھماکا ہے۔ لوگ آرزوؤں کے چراغ جلا کے زندہ رہتے ہیں۔ سمجھ میں آیا، انگریز کی بچی؟ اب کوئی بات نہیں ہو گی کیا اب اور کوئی تشویش ناک بات رہ گئی ہے، جو کبیدگی ہے، وہ ذہن سے نکال دو۔"

"نہیں، اب کوئی بات نہیں رہ گئی جمع تفریق کر کے صرف تمہی نکلے۔ میں آرزوؤں کے چراغ جلاؤں گی۔ لاؤ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو۔"

"انہیں کاٹ کے رکھ لو۔" میں نے کہا۔

اس نے گرم جوشی سے میرے ہاتھ پکڑ لیے۔ "پروفیسر! میں نے ہندوستان سر کرلیا ہے۔"

"تم نے تو ہندوستان پہلے ہی فتح کیا ہوا ہے۔ خوشی تو مجھے ہے کہ میں نے انگلستان فتح کرلیا۔"

"نہیں، پیش قدمی میں نے کی تھی۔"

"اب تم خاموش ہو جاؤ، باتیں کرتے کرتے میرا گلا خشک ہو گیا ہے۔ اجازت ہے، میں اپنا حلق تر کر لوں؟"

اس نے میز پر رکھی ہوئی صراحی اٹھانے کے لیے اٹھنا چاہا میں نے اسے اٹھنے نہیں دیا۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اسے نوچتے ہوئے کہا۔ "رس تو یہاں موجود ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے سلگتے ہوئے ہونٹوں پر انگلی سے دستک دی، جیسے ابھی شہد ٹپک پڑے گا۔ اس کے لب پھڑپھڑانے لگے۔ وہ شرما گئی۔ اس کے ہونٹوں میں آبِ حیات موجود تھا۔ وہ شکر کی طرح میرے خشک دہن میں گھل گئے۔

سب کچھ بے ترتیب ہو گیا۔ سانسیں، بدن، لباس، ہوش، ایسی بے خبری ہوئی کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ ایسی پیوستگی، ایسا انضمام، ایسی ہمہ جائی جیسے آج کے بعد کل کا دن طلوع نہیں ہو گا۔ زندگی آج کے بعد مر جائے گی۔ جو سمیٹنا ہے، ابھی سمیٹ لیا جائے، جیسے صدیوں کے فراق کے بعد کوئی ملے۔ ایسی آگ بھڑکی، اتنے بڑے بڑے شعلے اٹھے کہ سب کچھ جل کر خاک ہو جاتا مگر میں نے اسے جلنے نہیں دیا۔ تیز ہواؤں میں اس کا لباس جگہ جگہ سے اڑا جا رہا تھا۔ میں نے اسے اس کے بدن پر رہنے دیا۔ یہاں تک کہ صبح قریب آنے لگی۔ اس دوران میں کتنے ہی لمحے ایسے آئے جہاں سے واپس آنا سخت مشکل تھا۔ وہ ایک کلی لڑکی تھی۔ میں بس اس کی خوشبو سونگھتا رہا۔ وہ یوں ہی برقرار رہی، یوں ہی شاداب اور شاخ پر کھلتی مسکراتی ہوئی۔ جب سرِشب وہ یہاں آئی تھی اور میں نے ایک خوب صورت ساڑی میں اس کا کندن سراپا دیکھا تھا تو میرے قدم ڈگمگانے لگے تھے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے بڑی اداس اور بہت نازک باتیں کی تھیں، صبح تک وہ مجھ میں سمائی رہی، ٹوٹ ٹوٹ کر اپنا اظہار کرتی رہی۔ پھر مرغانِ سحر نے بانگ دے کے ہمیں بیدار کر دیا۔ وہ جب بستر سے اٹھی تو اس کی آنکھوں کا منظر عجیب تھا۔ میں اسے اپنے شانے پر بٹھائے ہوئے ملاقاتی کمرے میں لایا۔ اس کی ساڑی منتشر ہو گئی تھی۔ ابھی اندھیرا تھا۔ وہ خاموشی سے راہ داری میں چند قدم کا فاصلہ طے کر کے اپنی خواب گاہ میں داخل ہو سکتی تھی، مگر اس کا جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ وہ میری طرف مخمور نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ بار بار گلے سے لپٹ جاتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ یہ سرشاری اس وقت

aazzamm@yahoo.com

سے مختلف تھی جب اس کا غنچہ چٹک جاتا۔ میں نے اس کے بدن پر جگہ جگہ چراغ جلا دیئے تھے۔ میں نے اس کے نرم و نازک اعضا میں راگ بھر دیئے تھے۔ دروازے پر وہ سیمیں بدن بے اختیار ایک بار پھر میرے سینے سے آ لگی۔ تا دیر مجھ میں جذب ہونے کی کوشش کرتی رہی۔ " جاؤ ریتا ! روشنی پھیلنے والی ہے۔" میں نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

" پروفیسر ! تم ایک بہت بڑے آدمی ہو مجھے یقین دلاؤ کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہے۔" وہ رقت سے بولی۔

" پاگل !" میں نے اس کی زلفیں کھینچتے ہوئے کہا۔

اس نے بڑھ کے میری پیشانی کو بوسہ دیا اور تھرتھراتی ہوئی تیزی سے باہر نکل گئی میں نے سر نکال کے باہر دیکھا، راہ داری میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جب میں نے اطمینان کرلیا کہ وہ اپنی خواب گاہ میں داخل ہو گئی ہے تو میں بے تحاشا ملاقاتی کمرے کے صوفے پر گر گیا۔ میرا رواں رواں لرز رہا تھا اور جسم میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ جانے کے بعد بھی موجود رہی اور میں اس کے نشے میں ڈوبا رہا۔

مجھے خبر ہی نہیں ہوئی کہ دنیش چندر کب سے میرے سرہانے کھڑا مجھے تک رہا ہے۔ "کس خیال میں گم ہو ؟" اس نے چپکے سے کہا۔ میں ہڑ بڑا کے اٹھ بیٹھا۔ مجھے اس سے آنکھیں ملاتے ہوئے جھینپ سی ہونے لگی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ " کہو انگلستان کی زمین پسند آئی ؟" اس نے قریب بیٹھے ہوئے میری چٹکی لی۔ " ارے تم تو باقاعدہ شرما رہے ہو۔ رات کیسی گزری ؟"

" دنیش بابو !" میں سر جھکائے جھکائے اس سے بغل گیر ہو گیا۔

" تمہارے جسم سے عجیب مست کر دینے والی خوشبو آ رہی ہے، تلچھٹ۔" میں نے اس کی چھاتی پر زور سے سر مار دیا۔ وہ کھل کھلا پڑا اور مجھے گدگدانے لگا میں ادھر ادھر پھرکی کی طرح گھومنے لگا۔ " جھوٹ بولا تو تمہاری زبان کالی ہو جائے گی۔ اب سکون سے کسی جھجک کے بغیر ایک ایک بات بتاؤ۔"

" کیا بتاؤں ؟" میں نے برہمی سے کہا۔

" رات کا فسانہ۔ یقیناً ایک پرلطف کہانی ہو گی۔"

" وہ آئی اور چلی گئی۔" میں نے شوخی سے جواب دیا۔

" بس یہی ؟ ٹھیک ہے، مت بتاؤ۔" وہ ناگواری سے بولا۔

" ناراض ہو گئے ؟ بتاتا ہوں جناب ! میں نے ایک لمبی سانس کھینچ کے کہا۔" وہ تو عجیب لڑکی نکلی۔" میں بات کرتے ہوئے اس کے تصور میں گم ہو گیا اور چھت تکتے ہوئے ریتا کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرنے لگا۔ رات جب میں نے خود کو ریتا کی آغوش میں گم کر دیا تھا تو مجھے دنیش چندر کا خیال آیا تھا کہ صبح ہی صبح ایک ایک کیفیت کا حال اسے بتانا ہو گا۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ اچھے شعر کی تشریح کتنی مشکل ہوتی ہے۔ لطیف احساسات کے بیان کے لیے لفظ ہی ایجاد نہیں ہوئے۔ جو محسوس کیا جاتا ہے اگر اسے بہ تمام و کمال لفظوں میں منتقل کر دیا جائے تو ایک شاہ کار بیان وجود میں آ جائے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ دنیش کا اصرار تھا کہ میں ریتا کے ساتھ گزرے ہوئے ہر لمحے کا حال سناؤں مجھے بڑی دقت پیش آئی۔ کوئی یہ کہے کہ نشے کا قصہ بیان کرو۔ پھول میں کس قسم کی خوشبو تھی ؟ راگ نے دل کو زخمی کیا ؟ دنیش کو صرف یہ معلوم تھا کہ وہ رات کو آئی تھی اور صبح سویرے چلی گئی۔ درمیان میں پوری ایک رات کا فاصلہ تھا۔ جو باتیں رات کو اس کے آنے سے پہلے محسوس کی گئی تھیں اس کے جانے کے بعد ان میں بڑا فرق ہو گیا تھا۔ وہ سہیلیاں جو صبح اپنی سہیلی کی عروسی شب کا افسانہ کرید کرید کے پوچھتی ہیں، انہیں ہمیشہ ایک تشنگی محسوس ہوتی ہے کہ ان کی سہیلی کچھ چھپا رہی ہے۔ ان کی سہیلی کیا بتائے کہ ایک رات گزر گئی ہے۔ ایک رات میں ایک شخص دھم سے نہاں خانہ دل میں اتر گیا تھا اور جو رنگین سہیلیوں کی شوخیوں کی دست برد میں نہیں آئی تھیں، اس نے انہیں چھیڑ کے بدن جھن جھنا دیا تھا۔ اس نے بری طرح شرما دیا تھا۔ ایک رات میں اتنا بڑا فاصلہ طے کرلیا تھا کہ سب پیچھے رہ گئے۔ دنیش کا خیال ہو گا کہ میں ریتا کے متعلق ایک حقیقت پسندانہ گفتگو کروں گا۔ میں کہوں گا کہ میں نے چھاؤنی پر قبضہ کرلیا ہے۔ میں نے کرنل ہارڈنگ کے دل میں نشست جمالی ہے، میں نے ایک مہم سر کرلی ہے مگر میں اس سے کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ میں اپنی بساط کے مطابق ریتا کے چمن زار کا دل کش منظر بیان کر رہا تھا۔ میں اس کے جمال کے اوصاف شمار کر رہا تھا اور ایک رات کی دیوار کے پار آ کے مجھے یہ بات بہت پوچ لگ رہی تھی کہ میں اس کے بدن کے احترام کا خیال نہ رکھوں۔ اسے رسوا کروں، چاہے، وہ دنیش جیسے لائق احترام اور عزیز شخص کی جناب ہی کیوں نہ ہو، سو میں نے بچ بیان کیا اور دنیش کو متحیر کر دیا۔

" موہن !" وہ مضطرب ہو کے بولا۔ " تم بہت سنجیدہ ہو ؟ میری سمجھ میں

aazzamm@yahoo.com

کچھ نہیں آرہا ہے' یہ سب کچھ کیا ہے؟ مجھے اپنی بہن شاردا یاد آرہی ہے۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا اور بے تابی سے کہا۔" شاردا بھی ایک سچ ہے' بہت بڑا سچ' کیا سچ ایک متعین اور محدود جگہ ہی دستیاب ہوتا ہے؟ کیا اس کے لیے لازم ہے وہ یکہ و تنہا ہو؟"

"نہیں۔" وہ فکر مندانہ لہجے میں بولا۔ بہرحال تمہارے ذہن پر شاید رات کا خمار باقی ہے' یہ وقت ان فلسفیانہ موشگافیوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔ میں صرف یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے ایک خوش گوار رات گزاری۔"

"ہاں۔ ایک یادگار رات۔" میں نے کھوئے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"آپ کا خیال ہو گا کہ مجھے انگریزوں سے انتقام لینے کا ایک بڑا نادر موقع ملا تھا اور میں نے اسے ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہو گا۔ میں یہ انتقام نہیں لے سکا کیونکہ اسے میں نے انگریزوں کی نمائندہ سمجھا ہی نہیں۔ وہ اندر سے اتنی معصوم سادہ اور دل کش لگی کہ میں اسے پیار ہی کرتا رہا۔ اسے دیکھتا ہی رہا۔"

"یہ تم نے نہایت اچھا کیا۔" وہ جوش میں بولا۔

"اس میں میرے شعور کو کوئی کریڈٹ نہیں جاتا۔ نہ جانے وہ کیا بات تھی مگر یقیناً لاشعور میں چھپی ہوئی کچھ خواہشیں اور مصلحتیں ضرور ہوں گی۔ یا یہ خود اس کا اتباع ہو گا مجھے کئی مرتبہ ترنم یاد آئی' جس نے اپنے آپ کو ترک کر دیا تھا۔ یہ بھی اظہار کا ایک پہلو ہے۔ اصل میں کوئی ایک مفروضہ' کوئی ایک فارمولا قائم ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ترنم کی سپردگی میں بھی' ایک انداز ہے' ایک تڑپتا ہوا اظہار ہے' ایک وارفتگی ہے اسے کم رتبہ قرار نہیں دیا جاسکتا' اور یہ ریتا تھی' جو اپنی شادابی کے ساتھ واپس چلی گئی۔ میرا خیال ہے یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں ہے' پتہ نہیں' آج رات ریتا سے ملاقات ہو تو کیا ہو۔"

"تم آج بہت سہانی باتیں کر رہے ہو' مجھے تم پر ترس آرہا ہے۔ تم کتنے بچے نظر آرہے ہوں۔" وہ میرے گال تھپ تھپاتے ہوئے بولا۔

"چھوڑیے' اپنی بتائیے۔ کماری کنول کا کیا حال ہے؟ دل کا کیا عالم ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"جی بہت خراب ہے' دل خفا ہے۔" وہ پرگداز لہجے میں بولا۔

"کچھ سلسلہ جنبانی کیجیے' اس طرح تو زنگ لگ جائے گا۔"

"کیا کریں' کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کبھی کبھی فون پر بات ہوتی ہے مگر ہر بار یہ محسوس ہوتا ہے کہ کچھ کہتے کہتے رہ گیا۔"

"ایک دن ہمت کر کے کہہ دیجیے۔"

"وہ اتنی مہذب ہو کے بات کرتی ہے کہ کچھ کہتے ہوئے جھجک ہوتی ہے۔" وہ اداسی سے بولا۔" کچھ بات ہی آگے نہیں بڑھی۔ اس لیے میں نے تم سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔"

"کیا آپ انہیں بہت پسند کرتے ہیں؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"کمال ہے۔" وہ ناگواری سے بولا۔" تم بھی یہ پوچھ رہے ہو۔"

"میں ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں' ذرا صاف صاف بات کیجیے' اپنے دل اور دماغ پر زور ڈال کے بتائیے کہ ایک طرف آپ کو راجے پور کا اقتدار دیا جائے اور کنول سے محروم رکھا جائے۔ دوسری طرف آپ ہر چیز سے محروم رہیں اور فرض کیجیے کہ راجے پور پر کنور پردیپ کے خاندان کا کوئی شخص قابض ہو اور آپ کے حصے میں صرف کنول آئے تو آپ کون سی صورت قبول کریں گے؟ آپ کا جواب مجھے معلوم ہے لیکن ایک نہایت اہم نتیجے تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ تمام اخلاق بالائے طاق رکھ کے اور تمام پہلوؤں پر غور کر کے مجھے جواب دیں۔"

وہ مجھے گھورنے لگا اور ناراضی سے بولا۔" حیرت ہے' تم یہ سوال کر رہے ہو' آخر تم کس نتیجے پر پہنچنا چاہتے ہو؟"

"میرا سوال اپنی جگہ ہے۔ آپ کو ایک مختصر جواب دینا ہے۔" میں نے اس کی کبیدگی سے بے پروا ہو کے کہا۔

"میری طرف سے تم جواب دے دو' تمہارا جواب جو بھی ہو' مجھے قبول ہو گا۔" وہ گمبیھر لہجے میں بولا۔

"دنیش بابو! مجھے یقین ہے جو میں کہوں گا۔ وہ آپ ضرور قبول کریں گے لیکن میری درخواست ہے' آپ تمام امور' تمام اندیشے' فردا کی تمام مصلحتیں سامنے رکھ کے نہایت تحمل سے جواب دیجیے۔ عجلت کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ سوچ سکتے ہیں۔ اگر آپ نے اب تک کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے یا ایسی صورت حال پر غور نہیں کیا ہے تو غور کر سکتے ہیں۔"

"تم نے بڑی دل آزار باتیں شروع کر دی ہیں۔"

aazzamm@yahoo.com

"آپ کے جواب سے میرے دل پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوگا کیونکہ میں اس وقت تمام جذبوں سے بے نیاز ہو کے یہ سوال کر رہا ہوں۔"

"بیٹھے بٹھائے یہ تمہیں کیا ہو گیا؟"

"بس یوں ہی۔ آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔"

"جو تم سوچ رہے ہو، وہی میں کہوں گا۔" وہ مایوسی سے بولا۔ "حالانکہ تم ایک اور جواب سننا چاہتے ہو۔"

"میں آپ کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔"

"تم جانتے ہو، مجھے اقتدار سے زیادہ عزیز کنول ہے۔" اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "حالانکہ یہ کتنی عجب بات ہے کہ کبھی کنول پر مجھے اس کے رسمی اظہار کا موقع نہیں ملا ہے۔ ممکن ہے، اس کی آنکھوں نے پہلے ہی کوئی اور شخص منتخب کر رکھا ہو، راجے پور ایک مردم خیز ریاست ہے اور کنول کی سرحدیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں، ہندوستان کی بہت سی ریاستوں کے نوجوان راج کماروں نے اس کے جمال کا شہرہ سنا ہوگا۔ نہ جانے کون کون کہاں کہاں آس لگائے بیٹھا ہو لیکن تم نے مجھے دو چیزوں میں سے ایک کے انتخاب کا حق دیا ہے۔ شاید کنول میرے حصے میں نہ آ سکے لیکن اگر مجھے ایسے انتخاب کا موقع نصیب ہوا تو میں اسی کو اٹھا کے اور کاندھوں پر بٹھا کے لے آؤں گا۔" وہ میری صورت دیکھنے لگا۔

"ظاہر ہے، میں آپ کے اس جواب پر کوئی داد نہیں دوں گا۔" میں نے برجستہ کہا "کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں پہلے ہی متعصب ہو کے بیٹھا تھا۔"

"لیکن میں تمہارا تبصرہ اور نتیجہ ضرور سننا چاہوں گا۔ آخر تم نے یہ بے موقع سوال کیوں کیا، تمہارے ذہن میں کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور ہوگا۔"

"پیش منظر بھی ہے۔ ہر پیش منظر پس منظر سے متعلق ہوتا ہے۔"

"جو بھی ہو، میں اسے سننے کے لیے مضطرب ہوں۔"

"آپ کا اضطراب درست ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"آخر کیوں، تمہیں اس سوال کی ضرورت کیوں پڑی؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں اپنی فکر کا رخ متعین کرنا چاہتا تھا۔ کل رات کماری کنول کا فون آیا تھا۔"

"کیا؟" وہ اچھل پڑا! اس کے چہرے پر کئی رنگ گزر گئے۔

"ہاں" میں نے تحمل سے کہا "وہ آپ کو پوچھ رہی تھیں چونکہ میں آپ کی خواب گاہ میں تھا اس لیے ریسیور مجھے اٹھانا پڑا۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ آپ موجود نہیں ہیں۔ ان کے طرزِ تخاطب سے مجھے یہ احساس ہوا کہ وہ پروفیسر اور موہن داس کی شخصیتیں علیحدہ علیحدہ نہیں سمجھتیں۔"

"وہ کیسے؟ تم سے اور کیا کیا باتیں ہوئیں؟" وہ تیزی سے بولا۔

میں نے دنیش کو یہ نہیں بتایا کہ راج کماری کنول نے مجھے صاف طور پر پہچان لیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ مجھ سے تیکھی باتیں کر رہی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ پروفیسر زاہدی کی شخصیت کے راز کا انہیں علم ہو گیا ہے۔ دنیش کے اطمینان کے لیے میں نے غیر متعلق باتیں تراشیں اور کہا کہ اس کا فون مختصر تھا۔

"مگر اس گفتگو سے تمہارے سوال کا کیا تعلق ہے؟" وہ ایک ذہین شخص تھا اور اس کی یہ جستجو فطری تھی۔

"کچھ نہیں، میں ایک اطمینان کرنا چاہتا تھا بلکہ یوں کہیے کہ میں اپنے اطمینان کی تصدیق کا خواہش مند تھا، میں نے اس مسئلے پر بارہا سوچا ہے کہ کنور جگ دیپ یا ریاست راجے پور کے باہر کی ریاست کا کوئی راج کمار، کماری کنول کے حسن و جمال سے کب تک بے نیازی برتے گا۔ کسی بھی لمحے کماری کنول کے مستقبل کے فیصلے کی دل سوز خبر آ سکتی ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے کچھ تغافل کا مظاہرہ کیا ہے۔ میں جب پیش منظر کی بات کر رہا تھا، وہ یہی ہے۔" میں نے دنیش چندر کو کسی اور جانب سوچنے کی مہلت نہیں دی۔

"اوہ موہن! میری جان موہن! کیا تمہارے ذہن میں کوئی خاکہ ہے؟ بلاشبہ ہے۔" وہ زور دے کے بولا۔ "بتاؤ، مجھے جلدی سے بتاؤ۔"

"ابھی تو نہیں ہے لیکن یکسوئی سے اس طرف فکر ضرور مرکوز کرنی پڑے گی، مجھے آپ کی تنہائی کا احساس ستاتا ہے۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔ "ایک بات تو سامنے کی ہے، ہمیں راج محل سے اس قدر بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیے۔"

"مگر یہاں تو صبح و شام کے ہنگامے ہیں۔" وہ جذباتی لہجے میں بولا۔ "فرصت کسے ملتی ہے۔ یہ لوگ زندہ کہاں رہنے دیتے ہیں۔"

رات کنول کا فون آنے سے جو ایک غبار میرے ذہن پر موجود تھا، وہ بڑی حد تک چھٹ گیا تھا، میں نے دنیش سے ایک بہت نازک سوال کیا تھا۔ زبان اور

aazzamm@yahoo.com

روپے کی ایک ذراسی لغزش کیا کیا ستم ڈھا سکتی تھی۔ دنیش سے گفتگو کر کے اب کچھ اطمینان سا ہورہا تھا جیسے ایک پہاڑ میرے سر سے اتر گیا ہو۔ وہ ابھی تک مصر تھا کہ میرے پاس ضرور کوئی معجزاتی طریقہ کار موجود ہے جو میں اس سے چھپا رہا ہوں اور اب میں جادو کا ڈنڈا گھماؤں گا اور اس کی امیدیں بر آئیں گی۔ میں نے یہ آس ختم نہیں ہونے دی۔ دنیش کے گھنٹی بجانے پر صبح کا ناشتہ اندر کمرے میں سجا دیا گیا اور ہم دونوں نے کمرہ بند کرلیا۔ میں نے اس کے لیے توسٹ پر مکھن لگایا' اس نے چائے بنائی اور ہم دونوں میجر رابرٹ کے قتل سے پیدا ہونے والے سیاسی اثرات پر باتیں کرتے رہے۔ چار آدمیوں کے قاتل کا مسئلہ بھی تشویش ناک صورت اختیار کر گیا تھا۔ دنیش نے فون ناشتے کی میز پر رکھ لیا تھا اور ادھر ادھر سے رات بھر کی خبریں جمع کر رہا تھا۔ راجے پور میں مقتولین کے رشتے داروں کے سوا کسی اور نے ان سے اپنے تعلق کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ انگریز کیا کروٹ لیتے ہیں اور کنور جگ دیپ بہادر اپنی بہن انیتا کی ناکامی پر کس غم اور غصے کا اظہار کرتے ہیں' ایک دن خاموشی سے گزر گیا' ریاست راجے پور میں کسی طرف سے قتل و غارت گری کی خبر نہیں آئی مگر یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔ ادھر انگریز ناراض تھے' ادھر کنور جگ دیپ' اس طرف پرکاش بھون میں لوگ ایک دوسرے سے شدید نفرتوں کے مدعی تھے' اس طرف مہاراجہ کی نیند روز روز کے حادثوں سے اچاٹ ہو گئی تھی۔

میں نے پہلی فرصت میں دنیش چندر کی خواب گاہ میں جاکے پستول بارود سے لبالب بھر لیے۔ دنیش کے کارندے اپنے فرائض انجام دینے آگئے تھے۔ سیکرٹری کو احکام صادر کیے جانے لگے تھے کہ آج گھڑ دوڑ کے میدان کے انتظامات میں کسی قسم کی خامی نہیں رہنی چاہیے ورنہ بڑی بے عزتی ہو گی۔ ریتا کے اعزاز میں بھون کی لڑکیاں اور لڑکے گھڑ دوڑ کے ایک غیر رسمی مقابلے میں شریک ہو رہے تھے۔ ریتا کے لیے آج کئی اور پروگرام بھی بنائے گئے تھے۔ ادھر ریتا کے بیان کے مطابق برٹش انٹیلی جنس کے لوگ کتوں کی طرح بھون کا گوشہ گوشہ سونگھ رہے تھے' انگریزوں کی نظر بھی بیک وقت کتنی سمتوں کو دیکھنے پر قادر ہوتی ہے۔ وہ بڑے کفایت شعار ہوتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ وقت اور آدمی ضائع نہیں کرتے' ریتا کے ساتھ چن چن کے ایسے لوگ بھیجے گئے تھے جو ریتا کی نگرانی کرسکیں اور ہندوستان کے اس جاگیر

دار طبقے کے بدلے ہوئے رجحانات کا جائزہ لے سکیں' پرکاش بھون میں ابھرنے والی قوتوں کا اندازہ لگا سکیں' کھڑکیوں اور پردوں کے پیچھے چھپ کر کچھ کام کی باتیں سن سکیں۔

گو دنیش چندر نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنا بیشتر وقت اس کے محل میں گزاروں۔ چار آدمیوں کے قتل کے الزام میں پولیس پھر اس طرف کا رخ کرسکتی تھی۔ کوئی بھی میری جانب توجہ مبذول کر سکتا تھا۔ دنیش کا خیال تھا کہ میں اس کے کمروں میں محفوظ رہوں گا شاید یہ بات نہیں تھی۔ میری اس روپوشی سے پولیس اور مشکوک ہو سکتی تھی۔ اصل میں دنیش خوف زدہ تھا کہ اگر کھلے میدان میں رہا تو کسی بھی جگہ سے مجھ پر گولی چل سکتی ہے۔ گزشتہ شام جوگی کی شکست سے لوگ اور برافروختہ ہو گئے ہوں گے۔ اس کا ثبوت سندھیا کی اطلاع تھی۔ میں عام راستے سے باہر نکلنے کے بجائے دنیش کے محل سے ملے ہوئے طویل محلاتی سلسلے کی طرف چل پڑا۔ چبوترے اور راہداریاں' برآمدے' مستعد ملازم اور بھاگتی ہوئی باندیاں مجھے اندازہ نہیں تھا کہ جوگی والے واقعے سے لوگ اتنے متاثر ہوں گے۔ سندھیا کی اطلاع کے مطابق اسے پنڈت ایشوری لال کی کرشمہ سازی سمجھا جا رہا تھا اور میں مطمئن ہو گیا تھا لیکن لوگوں نے اس پہلو پر سوچنا شروع کر دیا تھا کہ اتنے بڑے مجمع میں پنڈت نے صرف مجھی کو کیوں منتخب کیا۔ اس اعتبار سے بھی میں ایک نمایاں اور ممتاز شخص کے طور پر سامنے آتا تھا۔ ابھی پہلے کے کئی واقعات ذہن میں محو نہیں ہوئے تھے کہ یہ تازیانہ لگ گیا۔ میں جہاں سے گزرتا تھا' ملازم اپنے کام بھول بھول کے میری جانب رجوع ہونے لگتے تھے۔ میں قدم قدم پر مبارک بادیں وصول کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ کئی رانیوں اور راج کماریوں نے اشارے سے مجھے بلایا اور پوچھنے لگیں' کیا واقعی تمہیں جوگی کا وزن محسوس نہیں ہوا تھا؟ تم نے اسے اتنی آسانی کے ساتھ زمین سے کیسے اکھاڑ لیا جب کہ بیس آدمی اسے ہلانے تک میں ناکام ہو گئے تھے؟ میں انہیں جواب دیتا جاتا تھا کہ جوگی ان پر مسمریزم کر دیتا تھا مگر مجھ پر اس کا یہ حربہ کارگر نہیں ہوا۔ کوئی میری بات پر یقین کرتا' کوئی بے یقینی سے سر ہلا دیتا۔

پھر راج کمار سریش چندر اپنے چند نوجوان دوستوں کے ہمراہ دور سے آتا دکھائی دیا۔ مجھے ترنم کی بات یاد آگئی۔ سریش چندر کی عمر کم تھی مگر وہ وقت سے پہلے جوان ہو گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں ترنم کے بارے میں اس سے کیا کہوں۔

aazzamm@yahoo.com

چھوٹا منہ بڑی بات تھی۔ پرکاش بھون کا ایک ملازم اپنے آقا سے یہ درخواست کیسے کرسکتا تھا کہ وہ فلاں لڑکی پر کرم کی نظر نہ ڈالے' اس مصرف کے لیے بھون میں اور بہت سی لڑکیاں موجود ہیں۔ صرف ایک اشارے پر دنیا جہاں کی رقاصائیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ سریش چندر کے اطوار صاف نظر آرہے تھے کہ آئندہ ______ کوئی شمار قطار نہ ہوگا ۔ وہ بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو مجھ سے دنیش چندر کی خصوصی رغبت ناپسند کرتے تھے۔ میں نے بارہا خود کو ان لوگوں کی جگہ رکھ کے دیکھا تھا اور اپنے رویے میں ترمیم کرلی تھی۔ یہ مفاہمت کا ایک بہترین طریقہ ہے' اس طرح فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ خوش قسمتی سے ایک تو بھون میں راج کماروں کی تعداد راج کماریوں کے مقابلے میں کم تھی' اور جو چند ایک تھے بھی' وہ بیرونی ملکوں میں حکمرانی اور عیاشی کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ وہ سب دنیش چندر سے چھوٹے تھے۔ اگر وہ یہاں ہوتے تو میرا جینا دوبھر ہو جاتا' پھر وہ میری ٹانگیں کاٹ کے مجھے اپنے برابر کر لیتے۔ میری ناک آدھی کر دیتے' میری آنکھوں کی چمک چھین لیتے اور میرے کشادہ سینے کا گوشت اتار لیتے۔ کسی آقا کے لیے سب سے بڑا دکھ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ملازم اس کے قد سے اونچا ہو ۔ قد میں تمام چیزیں شامل کرلینی چاہئیں۔ اگر وہ یہ کتر بیونت کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو ان کے احکام میں سرکشی آجاتی ہے اور وہ کم تروں کو مسلسل اپنی حیثیت اور مرتبے کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے' سرمائے کا نکتہ سب سے پہلے کسی بہت کمزور آدمی نے ایجاد کیا ہوگا' جب اور طاقتوں کی کمی محسوس ہوئی تو سرمائے کا ستون کھڑا کرلیا گیا۔ آپ تلوار چلاتے' بارود اڑاتے اور سر پھوڑتے رہیے۔ سرمایے کی تلوار تو سرمایے ہی سے کٹے گی۔ لوہے کو لوہا کاٹ سکتا ہے' یہ تمام بیش قیمت نکات ابتدا ہی میں میرے ذہن سے چمٹ گئے تھے اور اپنی جڑیں بتدریج راسخ کر رہے تھے۔

میرے پاس آکے راج کمار سریش چندر چند لمحوں کے لیے ٹھٹکا' اس نے خشمگیں نظروں سے میرا جائزہ لیا۔ میں نے ادب سے سر جھکا لیا۔ اس بات سے وہ خوش ہوا اور اپنے احباب سے انگریزی میں کہا۔ "اس ہندوستانی سانڈ کو دیکھا ؟ بھائی صاحب راج کمار دنیش کا خاص ملازم ہے۔ کمال کا آدمی ہے۔"

"اسے پہلے بھی دیکھا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "لڑکیوں کو یہ بہت مرغوب ہوگا۔ ذرا نگاہ رکھنا مجھے سیانا معلوم ہوتا ہے۔"

"ہا" سریش ہاتھ چلاتے ہوئے طنطنے سے بولا۔ "ہم پرکھوں سے ٹانگیں اوپر کرکے چاروں خانے دیکھ کے ملازم رکھتے ہیں' آں جہانی مہیش چندر کو گھوڑوں' کتوں اور ملازموں کی بڑی پہچان تھی۔ اسے انہوں نے ہی رکھا تھا۔ دنیش کے منہ چڑھ گیا ہے مگر کیا مجال کہ آنکھ اٹھا کر بات کر سکے۔"

"راج کمار بہادر !" میں نے شائستگی سے درمیان میں دخل دیا۔ "جناب کو ایک تکلیف دینی ہے۔"

"کہو۔" وہ فیاضی سے بولا۔

"تخلیے میں جناب !" میں نے ادب سے کہا۔

فرزانہ لائبریری، وڈیو اینڈ ریکارڈنگ سنٹر

"اوہ نو نو' یہ سب اپنے دوست ہیں۔"

"اچھا' اس وقت آپ مصروف ہیں' پھر سہی۔"

"اچھا سدھایا ہے۔" ایک نوجوان شوخی سے بولا۔ اس پر ایک قہقہہ پڑا۔

"ٹھہرو جنٹلمین ! موہن داس ایک باخبر آدمی ہے' میں معذرت چاہتا ہوں۔" سریش نے اپنے دوستوں سے کہا اور مجھے ایک گوشے کی طرف آنے کا اشارہ کیا مجھے توقع نہیں تھی کہ اس سے اس طرح راستے میں مڈبھیڑ ہو جائے گی ۔ کانوں میں ترنم کے الفاظ گونج رہے تھے جو اس نے سریش کی سرکشی کے متعلق بڑے حسرت ناک لہجے میں کہے تھے۔ ایک ملازم کی تو ہر چیز آقا کی ملکیت ہوتی ہے۔ ترنم پرکاش بھون کی مہمان تھی اور یہاں کے صاحب ذوق مکینوں کو نغمہ و موسیقی کے جام پلانے کے لیے خاص طور پر دلی سے آئی تھی۔ میرا اس پر کیا حق تھا؟ سریش چندر نے کوئی غیر معمولی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ سبھی راج کمار اور نواب زادے یہی کرتے ہیں' اسے روکنے کو تو میں نے روک لیا لیکن میرے ذہن میں اس لطیف موضوع پر گفتگو کرنے کا کوئی پیرایہ نہیں تھا۔ "کیا بات ہے؟" اس نے اپنے دوستوں سے کچھ دور آکے تشویش ناک انداز میں پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کا راستہ کھوٹا کیا۔"

"بات بتاؤ۔" وہ عجلت میں بولا۔

"ان دنوں سرکار احتیاط سے رہیں۔" میں نے سرگوشی کی۔

"کیوں ؟" اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "کھل کر کہو۔"

"حالات ٹھیک نہیں ہیں' نصیب دشمناں کچھ لوگ سرکار کے خلاف ہیں' پہلے ہی کیا کم ہوا ہے میں آپ سے احتیاط کی درخواست کروں گا۔"

aazzamm@yahoo.com

"کون لوگ ہیں؟ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا؟"

"اڑتی اڑتی کانوں میں پہنچی ہے' مہمان خانے' باغ اور بھون کی دوسری تفریح گاہوں سے پرہیز کیجئے تو بہتر ہے' غیر ضروری لوگوں سے ملنے میں چند دن کے لیے سہی مگر احتیاط برت لیجئے' پتہ نہیں' کس کی آستین میں خنجر یا سانپ چھپا ہوا ہو"، میں نے رازی داری سے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو' ہم احتیاط کریں گے مگر تم ہمارے دشمنوں کی نشان دہی ضرور کرو۔" وہ برہمی سے بولا۔

"بھون ہی کے لوگ ہیں جنہیں اپنے لوگوں کی اقبال مندی ایک آنکھ نہیں بھاتی' ان لوگوں نے راجے پور کے دوسرے خاندانوں سے گٹھ جوڑ کر رکھا ہے وہ یہاں ہر ابھرتی ہوئی قوت ختم کر دینا چاہتے ہیں۔"

"ہونہہ۔" وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا اور فکر مند نظر آنے لگا۔ "موہن داس!" وہ میرا شانہ تھپ تھپا کے مجھ سے انعام و اکرام کے وعدے کرنے لگا' وہ اپنے مخالفوں کا نام جاننے کے لیے بے چین ہو گیا تھا۔ "کسی ایک کا نام۔؟" اس کی آواز قابو میں نہیں رہی تھی۔

"یہ تو میں نے آپ سے ایک اندیشہ ظاہر کیا ہے۔"

"تم شاید بتانا نہیں چاہتے۔ کیا تم خوف زدہ ہو؟"

"اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا' آپ ذرا سا بھی غور کریں گے اور ادھر ادھر نظر ڈالیں گے تو دوست' دشمن کے چہرے صاف نظر آجائیں گے' میں نے آپ سے کہا نا' ابھی میں نے صرف اشارے کنائے دیکھے ہیں' ایسی کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ بھگوان نہ کرے کہ کچھ ہو' میں آپ سے احتیاط کی بات کر رہا ہوں۔"

وہ مضمحل انداز میں سر ہلانے لگا۔ "ہم تمہاری اس اطلاع پر ضرور تمہیں انعام دیں گے۔ کیا تم سے راج کمار دنیش نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں جناب!" میں نے مچل کے کہا۔ "وہ تو آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

اس کے دوستوں نے دور سے آواز دے کے۔ "اکیلے نہیں۔ سریش! اس سے کہو کہ تمہارے دوستوں کا بھی خیال رکھے۔" اس سے پہلے کہ وہ میرے بارے میں کچھ اور کہتے۔ سریش ان کے پاس چلا گیا۔ میں نے ان حرام زادوں کو گھور کے دیکھا

جی میں آئی' دونوں پستول خالی کر دوں' کمینے ہر شخص کو اپنے جیسا سمجھتے تھے۔ کبھی کبھی تو خیال آتا تھا' ان کے لیے انگریز ہی ٹھیک ہے۔ انگریز چلا گیا تو یہ بد زبان بے لگام ہو جائیں گے پھر ان دلالوں کے بچوں کے قدم زمین پر نہیں ٹکیں گے۔ یہ تو جینا حرام کر دیں گے میں سلگتا ہوا درمیان کے ایک راستے سے گزرتا ہوا کھلی فضا میں آ گیا۔ سریش سے اس کے سوا کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی وہ تو کہیے وقت پر دماغ کام کر گیا۔ میں نے کچھ غلط نہیں کہا تھا۔ اس کی عمر ابھی کچی تھی۔ ابھی زندگی کی شدید چاہت ہو گی۔ عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ اصولاً اب اسے مہمان خانے کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے جھجکنا چاہیے تھا۔ اس اچانک گفتگو سے کئی الجھنیں خود بخود دور ہو گئیں۔ اپنے دوستوں کے سامنے سریش چندر نے مجھ سے کس قدر بے نیازی برتی تھی لیکن وہ خوب جانتا تھا کہ اس سے کون مخاطب ہے۔ موہن داس' راج کمار دنیش نے موہن داس کو کسی سبب ہی سے قریب کیا ہو گا اور بھون میں اس کے یہ چرچے کسی بنیاد پر ہی ہو نگے۔ بھون میں سریش چندر کی ذات نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔ بلاشبہ بہت سے لوگ اس تمنا میں ہوں گے کہ پرکاش بھون کی تکیل اس کے ناپختہ ہاتھوں میں آ جائے۔ یہ اسی وقت ممکن تھا جب دنیش چندر کو ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سلا دیا جائے۔ کئی بار ایسی کوششیں بھی کی گئیں۔ قسمت نے دنیش کا ساتھ دیا مگر قسمت کب تک مہربان رہتی ہے۔ سیاسی پیچیدگیاں اور ذہنی الجھنیں خواہ مخواہ ہوتی ہیں۔ ہر الجھن اور پیچیدگی کا حل اس شخص کے پاس ہوتا ہے جو عنقا ہو۔ جب بھی وہ شخص نمودار ہوتا ہے کوئی نہ کوئی فیصلہ ضرور ہو جاتا ہے۔ میری زندگی مستعار تھی۔ کئی بار سوچا کہ نشانہ بہت اچھا ہے سینے میں دم ہے دماغ کھولا ہوا ہے۔ خون کی گردش ہے۔ ہر خوبی موجود ہے۔ تو پھر کیوں نہ بہت سے لوگوں کی نجات کا سبب بن جاؤں' زیادہ سے زیادہ دس آدمیوں کا خون کرنا ہو گا' صرف اچھے انتخاب کا مسئلہ ہے۔ روز ادھر ادھر کے ہزاروں آدمی مرتے ہیں۔ کوئی فرق نہیں پڑتا' اگر منتخب آدمی مر جایا کریں تو بڑا امن ہو جائے۔

سائیس اصطبل سے گھڑ دوڑ کے میدان کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ پرکاش بھون میں گھوڑوں کی ریس کا ذائقہ میں پہلے بھی چکھ چکا تھا۔ بے حد دلچسپ منظر ہوتا ہے۔ پری جمال دوشیزائیں اٹھلاتی' اتراتی ہوئی اس میں شامل ہوتی ہیں اور گھوڑوں پر سوار دوشیزاؤں کی شان ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ چست لباسوں میں سواری کرتے ہوئے ان کی بوٹی بوٹی تھرکتی ہے۔ اس جلوہ گاہ عام میں کون تھا جو جانا پسند نہ کرے'

aazzamm@yahoo.com

میرا رخ ریس کے میدان کی طرف تھا لیکن میرا ارادہ اس بار وہاں جانے کا نہیں تھا کیونکہ اس دن جگ دیپ کی کمر ٹوٹ گئی تھی' کل جوگی کا خمار ٹوٹ گیا تھا۔ آج نہ جانے کیا ہو جائے۔ دور سے مجھے انگریز افسر جیکسن اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ میں نے رخ بدل لیا اور خود کو گھوڑوں میں چھپا لیا۔ جیکسن کی بلا تو ٹل گئی مگر مجھے میدان میں آنا پڑا' کچھ دیر تک میں ایک درخت کے سائے میں دبک کے بیٹھا رہا۔ جیکسن کے تیور اچھے نہیں تھے۔ میدان میں گھوڑوں اور انسانوں کی بھیڑ لگ گئی تھی۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد میں وہاں سے بھاگ آیا کہ جیکسن اور دوسرے انگریز اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے ہیں یا گھوڑوں پر سوار ہو گئے ہیں۔ ڈالی گھر نہیں تھی۔ سوچا ترنم سے کہتا جاؤں کہ کوارٹر میں آجائے لیکن ڈالی کی عدم موجودگی میں یہ مناسب بات نہیں معلوم ہوئی۔ ڈالی درمیان میں آجاتی تو نہ جانے کس طرح محسوس کرتی۔ اس لیے میں نے دنیش چندر کے محل میں جا کے خود کو محصور کر لیا' کئی بار فون کی گھنٹی بجی' میں نے توجہ نہ دی۔ آنکھ بھی ایک پل کے لیے بند نہیں ہوئی' پھر میرا ہاتھ خود بخود فون کی طرف بڑھا۔ میں نے کنور جگ دیپ کا نمبر ملا لیا تھا۔ پوچھا۔ "کون ہے؟" دوسری طرف جگ دیپ ہی کی آواز تھی میں نے کوئی بات کیے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ پرشوتم کے کوچ کے بعد جب راجے پور کے غنڈوں نے مجھے فون پر دھمکی دی تھی تو مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔ افسوس ہوا تھا کہ چھچھورے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے جو فون پر دل کی بھڑاس نکال رہے ہیں۔ میں جگ دیپ کو اپنا نام و نشان کیوں بتاتا مگر وہ لوٹ پھر کے مجھ تک پہنچ ہی جاتا۔ بلکہ لوٹنے پھرنے کا کیا سوال تھا' سب سے پہلے میری ہی تصویر اس کی آنکھوں میں اترتی۔ میں نے فون بند کر کے اسے اس لذت سے محروم کر دیا جو میری آواز سن کے اسے ہوتی۔ وہ خوش ہوتا کہ موہن داس بہکنے لگا ہے' اس کی بہن انیتا نے اپنا چشم دید واقعہ سنا کے اس کی نظر میں میرا جو امیج بنایا ہو گا' وہ خاک ہو جاتا' کبھی کبھی میں بھی بچہ بن جاتا تھا۔

ایک وحشت سوار تھی کہ جو بھی ہو' جلدی ہو۔ آدمی تنہا ہو اور اس کی جیبوں میں ہتھیار موجود ہو تو وحشت کا ٹھکانا نہیں رہتا' جیب میں ہتھیار کی توہین ہوتی ہے۔ انیتا کا بھی کچھ پتہ نہیں چلا کہ اس نے اس رات کے رنگین واقعے سے عبرت پکڑی یا نہیں؟ اس کی جانب سے یہ خاموشی بہت دل جلا رہی تھی۔ سوچنے کے لیے ذہن میں اتنی باتیں تھیں کہ خیال کا طائر کسی ایک جگہ ٹھہرتا ہی نہ تھا۔ خیال کی سرحدیں ہوا کرتیں

تو اس کے پنچھی یوں آوارہ نہ پھرا کرتے۔ ریتا کے لیے بھون میں دن بھر مختلف تقریبات ہوتی رہیں اس لیے کوئی اس طرف نہیں پھٹکا۔ میں بھی اپنا محاصرہ کیے پڑا رہا۔ رات کی نیند تو میرے لیے حرام کر ہی دی گئی تھی اور دن' رات کے سوگ میں بے قرار گزرتے تھے میں نے روشنی بھی نہیں کی۔ پورا دن یوں ہی گزر گیا۔ منہ میں کھیل تک اڑ کے نہیں گئی۔ پھر رات کو باہر سے کچھ آہٹیں اندر آنے لگیں تو میں نے اپنے آپ کو سمیٹا۔ میرا سارا جسم بکھرا ہوا تھا مجھے اٹھ کر کھڑے ہونے میں دیر لگ گئی۔ اس سے پہلے کہ دنیش چندر گھبرایا ہوا اندر آتا اور مجھ پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دیتا' میں نے آہستہ سے دروازے کا پٹ کھولا' ملاقاتی کمرہ روشنی میں جگ مگا رہا تھا میں پیچھے کے باتھ روم کے مانوس راستے سے گزر کے باہر آگیا۔ مجھے پارو کا خیال تھا' اس کی نظریں دن بھر مجھے ڈھونڈتی رہی ہوں گی۔ بھون میں جیکسن اور دوسرے انگریزوں کی نقل و حرکت کی خبریں اس کے کانوں میں بھی پہنچی ہوں گی۔ شاردا بھی اسی کی طرح بے چین ہو گی لیکن اس وقت پارو کو گداز کی زیادہ ضرورت تھی اور وہ گداز آشنا بھی تھی۔

میں نے ایک مختصر راستہ اختیار کیا۔ کاش آدمی اپنی مرضی کے مطابق خود کو چھپانے اور ظاہر کرنے کی ترقی کر لیتا۔ جب چاہتا' سامنے آتا' جب چاہتا غائب ہو جاتا' پھر پستول کے بجائے کوئی اور ہتھیار ایجاد ہو جاتا جس میں ایک ناک بھی نصب ہوتی۔ اب بھی بعض لوگوں کی قوت شامہ پستول سے تیکھی ہوتی ہے۔ ازروئے احتیاط میں نے جو راستہ اختیار کیا تھا' وہ خاصا طویل تھا۔ اصول یہ تھا کہ جو رانی سب سے نئی ہوتی' اس کا مکان مہاراجہ کے بیٹنے کے ساتھ ساتھ محل سے بھی قریب ہو جاتا۔ رانیاں جتنی پرانی ہوتی جاتیں' ان کے مکانات مہاراجہ سے اتنی ہی دور ہوتے جاتے تھے۔ پارو کو رانی کا لقب دینا تہمت تھی۔ بھلا اتنی نازک اور تر و تازہ لڑکی کہیں رانی ہو سکتی ہے۔ پرکاش چندر کے بعد بھون میں جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ سکونتوں کے تبادلے نہیں ہوئے۔ میں اپنے خیالوں میں گم پارو سے غیر حاضری کے عذر تراشتا ہوا عقب کے راستے سے عماراتی سلسلے میں داخل ہو گیا۔ پارو کے خاص کمرے میں اس کی مخصوص باندی موجود تھی' اس نے بتایا کہ پارو نے مجھے انتظار کرنے کی ہدایت دی ہے لہذا میں آرام کرسی پر ٹانک ٹوئیاں مارتا رہوں۔ باندی کو یہ ہدایت دینے سے ظاہر تھا کہ پارو مجھ سے ملنے کے لیے بے حد مضطرب ہے۔ اسی لیے اس نے احتیاط کا خیال بھی نہیں

aazzamm@yahoo.com

کیا۔ پارو کی طرح اس کی باندی بھی بہت تیکھے خدوخال کی حامل تھی۔ وہ مجھے شوخ نظروں سے دیکھتی رہی جیسے کہہ رہی ہو کہ ہم خوب جانتے ہیں۔ ایسی نظروں کا جواب جھینپ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ میں جھینپا جھینپا سکڑا ہوا سا بیٹھا رہا۔ مجھے اس لڑکی سے بہت شرم آئی۔ وہ دبلی پتلی اوسط قد کی لڑکی تھی۔ لہنگے' چولی اور کھلے پیٹ' آدھے ننگے بازوؤں میں اس کا سلونا رنگ خوب کھل رہا تھا۔ ''کچھ پیو گے بابو؟'' اس نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔ میں نے چاہا کہہ دوں کہ خود کو پانی میں گھول کر پلا دے۔ وہ میری نگاہ کا مطلب سمجھ گئی اور بولی۔ ''میں کہہ رہی ہوں' کچھ شربت وربت چائے وائے۔

''بس یہی ہے تیرے پاس؟'' میرے منہ سے نکل گیا۔

وہ لجا گئی مگر تیز وطرار تھی لہک کے بولی۔ ''اور تمہیں کیا چاہئے؟''

''ارے یہ تو روز پیتے رہتے ہیں' کوئی نئی چیز پلا۔''

''جو کہو موہن بابو!'' وہ جھجک کے اور گردن جھکا کے بولی۔

''چل اپنے ہاتھ سے ایک گلاس سادہ پانی پلا دے۔'' اس کی نگاہ میں شراب اتر آئی تھی ' میں نے خود کو بروقت سنبھال لیا۔

''بس؟'' اس نے کسی قدر مایوسی سے کہا۔

میں نے کوئی آدھے گھنٹے پارو کا انتظار کیا۔ میں تمام وقت باندی کی نظروں کے حصار میں رہا۔ میں نے طے کیا کہ رات کو کسی وقت بہت سی روشنیاں کر کے اپنی شکل غور سے دیکھوں گا۔ ضرور کوئی بات ہے' جس کا مجھے بھی علم نہیں ہے۔ وہ مجھے روکتی رہ گئی مگر میں اٹھ گیا۔ کمرے سے نکل کے میں نے دوبارہ وہی راستہ اختیار کیا کچھ دور آگے جا کے ایک تنگ راستے سے گزر ہوا۔ یہاں ایک چکردار زینہ اوپر کی منزل کی طرف جاتا تھا۔ زینے کے نیچے کوئی تنگ و تاریک جگہ سانس روکے چھپا کھڑا تھا۔ جیسے ہی میں آگے بڑھا تیزی سے ایک ہاتھ باہر نکلا اور آناً فاناً میرے سینے پر پھیل گیا۔ میرا دم حلق میں گھٹ کے رہ گیا۔ ''ٹھہرو۔'' کسی نے سرگوشی کی آواز مردانہ تھی۔

میرے ہاتھ جیبوں میں محفوظ پستول کی طرف لپکے مگر وہ مجھ سے پہلے ہی تیار تھا' اس نے اپنے دوسرے ہاتھ میں دھرے ہوئے پستول کی نوک میرے کولہے پر ٹکا دی میں نے پھرتی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ لمحہ سخت اذیت ناک ہوتا ہے جب جیب میں رکھے ہوئے ہتھیار سسکتے رہ جائیں۔ ''گھبراؤ نہیں'' اس نے سخت لہجے میں

کہا۔ ''میں جیکسن ہوں۔''

''جیکسن صاحب!'' میری آواز بھرا گئی۔ ''آپ؟'' حیرت سے میری آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ ہٹالیے تھے۔

''چپکے سے میرے پیچھے پیچھے اس طرف اندھیرے میں چلے آؤ۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی' آگے آگے وہ بڑھا' پیچھے پیچھے میں۔ اسے یقین تھا کہ میں فرار کی کوشش نہیں کرسکتا۔ تیس' چالیس قدم بعد وہ ادھر ادھر دیکھ کے ٹھہر گیا۔ اوپر ایک چھجا تھا جس پر ایک محراب دار کمرہ بنا ہوا تھا۔ کمرے کی کھڑکیاں بند تھیں' روشنی بھی نہیں ہو رہی تھی۔ میں چھجے کے نیچے آگیا۔ اس طرف آمد و رفت شاذ شاذ ہی ہوتی تھی۔ میں ایک مجرم کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہوا گیا۔ ''تمہارے پاس پستول ہے؟'' اس نے پہلا سوال کیا۔ میں نے جواب میں گردن اور جھکالی۔ ''ٹھیک۔ کوئی بات نہیں' مجھے معلوم تھا تمہارے پاس پستول رہتا ہے۔ تمہاری بابت اور بھی بہت سی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ دوپہر بھی ہم نے تم سے ملنے کی کوشش کی لیکن تم نہ جانے کہاں غائب ہو گئے۔''

''میں تو ادھر ہی تھا جناب!'' میں نے ادب سے جواب دیا۔

''اب تم کہاں سے آرہے ہو؟''

''میں۔ میں جناب ایک باندی کے پاس گیا تھا۔''

''تم رانی پارو کے کمرے سے آرہے ہو؟'' اس نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔ گویا وہ میرا تعاقب کر رہا تھا۔ میں نے ایک جھرجھری لی۔

''جناب! وہاں ایک باندی رہتی ہے۔'' میں نے جھینپ کر کہا۔

''ہونہہ۔ کیا تمہیں پارو رانی بہت پسند کرتی ہے؟''

''جناب وہ مجھ پر مہربان ہیں۔'' میں نے محجوبی سے جواب دیا۔

''دیکھو موہن داس!'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''ہم لوگ ادھر خالی نہیں بیٹھے۔ ہمیں ایک آدمی کی تلاش ہے اور ہمارا خیال ہے ' وہ آدمی تم ہو۔''

''جی؟'' میرے قدم زمین سے اکھڑنے لگے۔ ''جی جناب؟''

''تم ہماری طاقت جانتے ہو؟'' اس نے سختی سے کہا۔

''آپ مالک ہیں جناب! آپ ان داتا ہیں۔''

aazzamm@yahoo.com

اردو لائبریری ڈیجیٹل

" ویل ۔ ہمارے ہاتھ بہت بڑے ہیں ۔ ہم اپنی برتری ہی کے سبب ہندوستان پر حکومت کر رہے ہیں۔ ہمارے وفادار ہر جگہ موجود ہیں۔ ہر جگہ ہمارے جاسوس ہیں۔ ہم سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔"

" جناب کا اقبال بلند رہے۔" میں نے دعائیہ لہجے میں کہا۔

" ہم جانتے ہیں کہ کون کیا ہے' کون کیا کرتا ہے' کون دشمن ہے' کون دوست ۔ اگر ہم کسی وقت کسی کو نظرانداز کرتے ہیں تو کچھ سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔"

" جی جناب !" میں نے اس کی تائید کی۔

" سو ہم تمہارے بارے میں بھی خوب جانتے ہیں کہ تم کیا ہو اور تمہاری یہاں کیا حیثیت ہے' تم راج کمار دنیش چندر اور دوسرے لوگوں سے کتنے قریب ہو' کون تمہارا دوست ہے اور کون دشمن ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تم کہاں سے آئے اور کہاں گئے اور تم راجے پور سے کتنی دور جا سکتے ہو' تم کتنا وزن اٹھا سکتے ہو۔ ایک گھوڑا پھینک سکتے ' ایک موٹر پھینک سکتے ہو۔ کل ہم نے اپنی آنکھوں سے تمہاری طاقت دیکھی۔"

"جی حضور !" میں نے زمین پر جھنے کی کوشش کی۔

" ہم سے بھاگ کر دنیا میں کوئی کہیں نہیں جا سکتا ہم ہر جگہ موجود ہیں' جدھر جاؤ ہمارا آدمی موجود ہے۔ ہندوستان ہی میں نہیں' ساری دنیا میں۔ ہمارا مجرم ہر جگہ ہماری زد پر رہتا ہے۔"

" جی' آپ کا دماغ بڑا ہے جناب !"

" سمجھے' میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟" وہ خشونت سے بولا۔

" جی نہیں۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔" میں نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

" سمجھنے کی کوشش کرو موہن داس ! میں نے ساری باتیں کہہ دی ہیں۔" اس کا انداز سفاکانہ تھا۔

میں لرز کے رہ گیا۔ " آپ حکم دیجئے۔" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

" ہاں' تم جانتے ہو کہ میں کیا کرسکتا ہوں' میں تمہاری تمام پچھلی باتیں نظر انداز کرسکتا ہوں۔ ہر بات بھول سکتا ہوں' تم انگریز سرکار کے کام آسکتے ہو اور انگریز سرکار تمہارے کام آسکتی ہے سمجھے؟"

" جی' میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟" میں نے سادگی سے کہا۔

" جو خدمت تم اوروں کے لیے انجام دیتے ہو' وہ اب ہمارے لیے بھی کرسکتے ہو مگر غداری کی سزا سے بڑی سزا ہمارے پاس کوئی نہیں ہوتی۔ ہم ہر بات معاف کر دیتے ہیں' غداری معاف نہیں کرتے۔"

جیکسن نے بڑے واضح اشارے کیے تھے' سب سے پہلے تو اس نے پارو کے ہاں سے آنے پر طنز کیا تھا۔ اس سے پہلی ملاقات میں اس نے میجر رابرٹ کے بارے میں اچانک ایک سوال کیا تھا۔ رات ریتا نے بتایا تھا کہ برٹش انٹلی جینس کے اعلیٰ افسر یہاں موجود ہیں۔ مجھے حیرت تھی کہ اتنی احتیاط کے باوجود انہوں نے کیسے سراغ لگا لیا۔ میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ میں جیکسن سے لرزہ چھپانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ہم اندھیرے میں کھڑے تھے۔ جیکسن میرے چہرے کے تاثرات صاف طور پر نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس بات کا امکان اب بہت کم رہ گیا تھا کہ جیکسن محض تفنن کے طور پر اندھیرے میں تیر چلا رہا ہے۔ اس کی نظر مجھی پر کیوں آئی۔ اب اس کے ہاتھ میں پستول نہیں تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس نے اس سے زیادہ تیز ہتھیار استعمال کر دیا ہے۔ میرے پستول بھی ناپتے رہ گئے۔ میں نے نہایت لجاجت سے کہا۔

" حضور خادم پر اعتماد کرسکتے ہیں۔"

" مجھے معلوم تھا کہ تمہارا جواب یہی ہو گا' تم عقل مند آدمی ہو تمہیں کہیں منتقل نہیں کیا جا رہا ہے۔ تم بھون ہی میں رہ کے ہماری خدمت کرسکتے ہوں۔"

" سرکار خدمت کی نوعیت بتائیں۔" میں نے خوشامد کی۔

" تمہیں تمہارے احکام ملتے رہیں گے۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

اجازت دینے سے پہلے اس نے ایک بار پھر انگریزوں کے جاہ و جلال اور میری مشکوک حیثیت کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھا۔ میں نے سر کے ساتھ کاندھے بھی جھکا لیے۔ وہ زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا تھا پھر بھی میرے جسم کا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔ گلے میں کانٹے پڑ گئے تھے' پیروں کی جان نکلی جا رہی تھی۔ میں اسے سلام کرکے رخصت ہی ہوا چاہتا تھا کہ قریب ہی اچانک کسی کے لپکنے کی آواز آئی۔ پھر دوسرے ہی لمحے گولی چلی' جیکسن مجھ پر گر گیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے زمین پر آپڑے' پہلا نشانہ خطا گیا۔ جیکسن پھرتی نہ دکھاتا تو دوسرا نشانہ میرے سینے پر لگتا۔ گولی میری بائیں پنڈلی چیرتی ہوئی پار ہوگئی۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنی چیخ حلق میں روکی۔ پنڈلی سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھے ہوئے

aazzamm@yahoo.com

زمین پر رینگ گئے۔ پھر کسی کے بھاگنے کی آواز آئی' جیکسن مجھے ایک سمت دھکیل کے پستول ہاتھ میں لیکر بے تحاشا دوڑ پڑا۔ میں کراہتا ہوا زمین پر پاؤں پٹخنے لگا۔ خون بند کرنے کے لیے بے اختیار میں نے پنڈلی پر ہاتھ رکھ لیا تھا لیکن ہاتھ بھی خون سے تربتر ہو گیا۔ چند لمحوں تک جیکسن کے قدموں کی آواز آتی رہی' پھر آوازوں کا شور بڑھتا گیا۔ ''گولی چل گئی۔ دوڑو بھاگو۔ اِدھر' اس طرح کے بہت سے نعرے میرے کانوں میں پڑے پھر میری آنکھوں کے آگے دھند چھانے لگی اور سماعت مفلوج ہو گئی۔

میرے سینے میں اچانک درد اٹھا اور یہ احساس کرکے دماغ پھٹنے لگا کہ ابھی زندگی کے آثار باقی ہیں' میرے کان کچھ سننے کی کوشش کر رہے تھے اور درد کی لہریں شریانوں میں تیزی سے گزر رہی تھیں۔ میرے کسمسانے پر بھن بھناہٹ سی ہوئی اور کئی مانوس آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔ وہ میرا نام لے رہے تھے۔ ''موہن ! آنکھیں کھولو۔'' میں نے سوچا' چیخ کر کہوں کہ تم کسے پکار رہے ہو' میرا نام موہن نہیں ہے' میرا نام جمشید ہے مجھے اسی نام سے آواز دو۔ میں سخت اذیت میں مبتلا ہوں اور تم اس عالم میں بھی مجھ سے ہمدردی نہیں کر رہے ہو؟ مجھ سے جھوٹ بول رہے ہو؟ میری رگیں کھنچنے لگیں۔ کسی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''موہن ! موہن ! یہ میں ہوں دنیش۔''

میری آنکھیں کھل گئیں' وہ میرے سرھانے بیٹھا ہوا بے تاب نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی میری آنکھ کھلی' اس کے چہرے پر آگ سی جلنے بجھنے لگی۔ ''تم ٹھیک ہو۔ تم بالکل ٹھیک ہو۔'' وہ میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کے جوش میں بولا۔ ''تمہیں کوئی نہیں مار سکتا۔ میں بھون میں آگ لگا دوں گا۔ یہ گولی تمہاری پنڈلی میں نہیں میرے سینے میں لگی ہے۔'' دنیش کی آواز جھرجھرا رہی تھی۔ کسی نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا۔ اس نے گھوم کے دیکھا وہ شاردا تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔ میرے لبوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔ پھر میں نے آنکھیں گھما کے دیکھا۔ کمرے میں بہت سے لوگ موجود تھے' ڈاکٹر' نرسیں' ایک کونے میں کھڑی ہوئی پارو' ریتا' سریش چندر' جیکسن دو دوسرے انگریز افسر اور مہارانی مایا دیوی۔ ایک ملازم کے لیے اتنے بڑے بڑے لوگ ؟ مجھے بے ادبی کا شدید احساس ہوا میں نے اٹھنے کی کوشش کی۔ دنیش نے مجھے روک دیا۔ ''اس کا بدلہ لیا جائے گا۔'' وہ دوبارہ بپھر کے بولا۔ ''اب یہ بات چھپانے کی ضرورت نہیں ہے کہ موہن داس سے ہمارا رشتہ ملازم اور مالک کے سوا بھی بہت کچھ ہے۔ سب کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ موہن داس کو ہم کیا سمجھتے ہیں۔

موہن داس میرا دوست ہے۔'' اس نے چیخ کر کہا۔ ''موہن داس میرا دوست ہے۔''

''دنیش ! دھیرج رکھو۔'' مہارانی مایا دیوی کی نرم آواز ابھری۔

''بہت دھیرج ہو چکا رانی ماں ! بہت ہو چکا۔ مجھ سے زیادہ موہن داس نے برداشت کیا۔'' دنیش نے غصے سے کہا۔ ''بھون میں نقارہ بجوا دیجئے اور کہہ دیجئے کہ ایک گولی کا جواب ایک ہزار گولیوں سے دیا جائے گا۔ ہمارے پاس ہتھیاروں اور حوصلے کی کمی نہیں ہے۔''

''دھیرج دنیش ! بھگوان بھی یہ اتیا چار دیکھ رہا ہو گا۔''

''ہا' بھگوان' بھگوان تو سنتا ہی نہیں رانی ماں !'' دنیش کا گلا رندھ گیا۔

''ہمارے ہتھیاروں کو زنگ لگ جائے گا۔''

وہ سب میری مسہری کے قریب آ گئے تھے۔ یہ دنیش کی خواب گاہ سے ملا ہوا وہ کمرہ تھا جہاں آج میں دن بھر پڑا رہا تھا۔ دنیش چندر کے اس خاص کمرے میں میرے زخمی جسم' ڈاکٹروں' نرسوں اور بھون کے ممتاز لوگوں کی موجودگی سے ظاہر ہوتا تھا کہ دنیش نے میرے اور اپنے تعلق کی ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی ہے۔ ایک آقا کی عشرت گاہ' ملازم کے کمرۂ علالت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ میری طرح پھڑک رہا تھا۔ ڈاکٹروں نے اشاروں سے منع کیا کہ مجھے سکون کی ضرورت ہے۔ میری آنکھیں چہروں پر جمنے لگی تھیں اور اب میں آسانی سے نظریں گھما کے سب کے تاثرات کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ وہ سب مسہری پر جھکے ہوئے تھے۔ میں نے پارو کو دیکھا' اس کے ہونٹ کانپ جاتے تھے جیسے وہ کہہ رہی ہو کہ کاش تم میری طرف نہ آتے' جہاں اتنی دیر کر دی تھی' وہاں اور دیر ہو جاتی۔ ریتا نے سارا دن اس سہانے خواب میں گزارا ہو گا کہ ایک خوب صورت رات پھر آنے والی ہے۔ اسے کیا خبر تھی کہ بات تک کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ جہاں شاردا اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی' وہاں جیکسن بھی اپنے ساتھیوں سمیت موجود تھا اور سخت متوحش نظر آ رہا تھا۔ ڈاکٹر تنبیہی انداز میں سب سے باہر نکل جانے کی درخواست کر رہا تھا۔ اچانک کوئی چیختا اور بھاگتا ہوا اندر آیا۔ سب نے مڑ کے دیکھا۔ سندھیا تھی۔ سندھیا مجھے بستر پر دیکھ کے ٹھٹک گئی اور اوسان کھو سے بیٹھی۔ ''یہ کیا ہوا؟'' اس کے حلق سے لڑکھڑاتی ہوئی آواز نکلی۔

''کچھ نہیں سندھیا !'' مایادیوی نے اسے چمکارا۔ ''موہن زخمی ہو گیا ہے'

''کیسے ؟'' وہ سسک پڑی اور نرسوں کو ہٹاتی ہوئی آگے آ گئی۔

aazzamm@yahoo.com

"زینے سے گر گیا تھا۔" مایا دیوی نے اسے چمکارتے ہوئے کہا۔

"نہیں ۔نہیں۔" وہ بے قراری سے بولی۔ "زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟"

"کچھ خاص نہیں، ڈاکٹر کہتا ہے، معمولی زخم ہے، جلد ٹھیک ہو جائے گا۔" مایا دیوی نے اسے چمکارا۔

"اور ادھر ۔ ادھر۔" اس کی آواز ڈوبنے لگی۔ "آشا..... آنٹی خون میں لت پت پڑی ہیں۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟" مہارانی مایا دیوی گرج کے بولی۔ "میری بیٹی!"

"ہاں نانی رانی!" سندھیا ہذیانی انداز میں بولی۔ "میں ابھی دیکھ کے آرہی ہوں۔ انہیں بالکل ہوش نہیں ہے۔"

"ہائے میری بچی! سب کھڑے میرا منہ کیا تک رہے ہو۔ چلو چلو۔ ڈاکٹر! نرس! جلدی کرو، بھگوان کے لیے جلدی کرو۔" مایا دیوی نے فریاد کی۔

سب ایک ساتھ باہر کی طرف دوڑے ۔ چلتے وقت سب نے ایک نظر مجھے دیکھ لینے کا احسان ضرور کیا۔ ریتا کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا، اس نے جیکسن سے ان سب کے اچانک بھاگنے کی وجہ پوچھی، جیکسن نے اسے ہدایت کی کہ وہ اپنے کمرے میں جاکر آرام کرے۔ ریتا وہاں سے جانے پر آمادہ نہیں تھی۔ اس نے بے چارگی سے مجھے دیکھا اور جیکسن کا خیال کرکے چپ رہ گئی ۔ کمرے میں صرف ایک نرس میری دیکھ بھال کے لیے رہ گئی۔ نرس نے دروازہ بند کرنا چاہا مگر اسی وقت سندھیا لپکتی ہوئی اندر آئی۔ اس نے نرس سے اجازت لیے بغیر وحشت میں میرے جسم سے چادر نوچ لی۔ میری بائیں ٹانگ پٹیوں میں لپٹی ہوئی تھی۔ وہ سی کرکے رہ گئی۔ "موہن! سچ بتاؤ، تم پر گولی چلی تھی؟"

میں نے اقرار میں سر ہلایا۔ نرس نے اسے مجھ سے دور رہنے کا حکم دیا۔ مگر وہ مسہری پر میرے سینے کے قریب بیٹھ گئی اور میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کے بولی۔ "یہ انہی کا کام ہے۔ تم کل پنڈت جی کے پاس نہیں گئے ہو گے میں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں تمہارے بہت دشمن ہیں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

میں نے منہ پر انگلی رکھ کے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کا چہرہ لٹک گیا اور پلکیں بھیگنے لگیں۔ "نہیں۔" میں نے ایک کراہ کے ساتھ کہا۔ "نہیں۔" مگر وہ

چھلک پڑی۔ اس نے نرس کا بھی خیال نہیں کیا۔ پھر میں نے کھنکار کر اسے متنبہ کیا۔

"تم وہاں نہیں گئیں؟" مجھے خود اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

"اب وہاں کیا رکھا ہے۔" بے حسی سے بولی۔

"کیا ۔ کیا آشا دیوی بھی؟" میں نے نقاہت سے کہا۔

"ہاں۔" پھر وہ نرس کو دیکھتی ہوئی میرے کانوں کے قریب اپنا منہ لے آئی۔ "اچھا ہی ہوا۔"

"بری بات۔" میں نے اسے نظروں سے لتاڑا۔

اس نے منہ بنا لیا۔ "تمہاری ٹانگ تو ٹھیک ہے نا؟"

نرس نے اس کا کاندھا پکڑ کے اسے مسہری سے ہٹایا۔ "سندھیا جی! آپ انہیں تنہا چھوڑ دیجئے۔ یہ بالکل خیریت سے ہیں۔ ٹانگ میں معمولی زخم ہے۔ خون زیادہ نکل گیا ہے۔ قسمت اچھی تھی۔ گولی ہڈی تک نہیں پہنچی، بس ایک ذرا کسر رہ گئی۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے۔" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولی۔ "آپ انہیں سونے دیجئے۔"

سندھیا بڑی بے دلی سے اٹھی۔ بہ مشکل تمام نرس اسے دروازے تک لے جانے میں کامیاب ہوئی، جیسے ہی وہ گئی، نرس نے دروازہ بند کرلیا اور چادر سینے تک ڈھانپ دی۔ پھر مسہری کے قریب ایک کرسی ڈال کے بیٹھ گئی۔ وہ سمجھتی تھی کہ میں سو جاؤں گا مگر میں کراہتا رہا اور وہ بار بار مجھے دلاسے دیتی رہی۔

مجھے کچھ ہوش نہیں کہ کتنی دیر بے ہوشی طاری رہی لیکن یہ میری زندگی کا بہترین عرصہ تھا۔ ذہن کی ہر کھڑکی بھڑ چکی تھی، ہر روزن بند ہو چکا تھا۔ خواب و خیال کے اژدھے باہر کنڈلی مارے، ناک لگائے بیٹھے رہے اور جیسے ہی نشہ کمزور ہوا، درانہ اندر گھس آئے۔ پھر ایک طوفان اٹھنے لگا۔ گولی میری پنڈلی میں لگی تھی لیکن دماغ سن سا رہا تھا، اس مرتبہ تو کمال کر دیا گیا تھا۔ انگریز افسر جیکسن کی موجودگی میں نشانہ لینا ایک جرات مندانہ اقدام تھا۔ عجب بات ہے، گولی چلنے سے کچھ دیر پہلے جیکسن مجھے موت کا مژدہ سنا رہا تھا مگر گولی کی آواز پر مجھے بچانے کے لیے جان کی بازی لگا بیٹھا۔

اگر گولی میرے بجائے اسے لگ جاتی تو راجے پور میں قیامت برپا ہو جاتی۔ یہ میجر رابرٹ کی موت سے زیادہ سنسنی خیز واقعہ ہوتا۔ میجر رابرٹ کی موت کے بارے میں ہزاروں قیاس کیے جا سکتے تھے مگر یہ ایک صاف اور صریح قتل ہوتا۔ دوسرے

aazzamm@yahoo.com

افسر کی موت پر انگریزوں کے غضب کا پارہ انتہا کو پہنچ جاتا۔ اچانک ایک خیال میرے ذہن میں ابھرا۔ کہیں یہ گولی جیکسن پر تو نہیں پھینکی گئی تھی' جو غلطی سے میری پنڈلی میں آپڑی۔ جیکسن اور دوسرے انگریز ضرور اس نکتے پر غور کررہے ہوں گے اور پہلی فرصت میں یہاں سے چھاؤنی منتقل ہونا چاہتے ہوں گے۔ وہ اپنے ساتھ ریتا کو بھی لے جائیں گے اور راج کمار دنیش چندر نے انگریزوں سے ربط ضبط بڑھانے کے لیے جو سفارت کی تھی' وہ سب خاک میں مل جائے گی۔ انگریز ہندوستانیوں کے سائے تک سے دور بھاگنے لگیں گے' جس نے گولی چلائی تھی یا جس نے اس ماہر نشانے باز کو کرائے پر حاصل کیا تھا یہ بات اس کے لیے بھی نقصان دہ ہو گی ۔ ظاہر ہے' انگریزوں کے خلاق ذہن سے یہ رمز پوشیدہ نہیں رہے گا کہ دنیش چندر کے کسی دشمن نے اسے ان کی نظروں میں گرانے کے لیے یہ پوچ قدم اٹھایا ہے۔ جس نے اس سازش کا منصوبہ تیار کیا تھا' وہ کمزور ذہن کا مالک ہے۔ اسے پرکاش بھون سے ریتا اور اس کے نگہبانوں کی صحیح و سلامت واپسی کا انتظار کرلینا چاہئے تھا۔ انگریزوں کی سراغ رسی' ان کی غیر معمولی معلومات' ان کے اثر و رسوخ اور ان کی طاقت و حشمت سے اتنا بے خبر کون ہو گا۔ گولی یقیناً مجھ پر چلائی گئی تھی۔ نشانے باز نے اپنی بہتر کارکردگی کے شوق میں جیکسن کی موجودگی کی پروا نہیں کی یا اسے اندھیرے میں جیکسن نظر ہی نہ آیا ہو گا' یا اسے دور دور تک یہ گمان بھی نہ ہو گا کہ میرے ساتھ اس سنسان اور تاریک گوشے میں جیکسن موجود ہو سکتا ہے' پھر بھی اس نے احتیاط کی ۔ وہ کہیں قریب ہی موجود ہو گا اور اس نے میرا لباس دیکھ کے نشانہ باندھا ہو گا۔ وہ سوچتا ہو گا کہ دو میں سے کوئی ایک تو ضرور موت کے گھاٹ اتر جائے گا۔ یہ بات وہ اسی وقت سوچ سکتا تھا' جب اسے یہ یقین ہو کہ جیکسن کے بجائے کوئی ملازم میرے ہمراہ موجود ہے۔ جیکسن کی قیمتی جان کا اندازہ اسے ضرور ہو گا' ایک قاتل اتنا جاہل نہیں ہوتا۔ سفید چمڑی کے لوگوں پر ہتھیار اٹھاتے ہوئے ویسے بھی دکھ ہوتا ہے۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ ریاست راجے پور میں صرف ایک بار میجر رابرٹ کی موت پر ایسا ہوا تھا۔ دوسری بار یہ کون شخص نکل آیا؟

میں نے یہ خفیف امکان ہی ذہن سے خارج کر دیا کہ نشانے باز کو جیکسن کی موت کے لیے آمادہ کیا گیا تھا اس کا مطلوب صرف میں تھا میں بہت سے لوگوں کو

مطلوب تھا۔ کاش موت کو بھی ہو جاتا۔ ادھر جیکسن بھی مجھے نگاہ کی زد پر لئے ہوئے تھا ادھر وہ بھی۔ دونوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے' جیکسن میری سمت کا اندازہ کرکے میرے مقابلے میں تیزی سے آگے بڑھ کے زینے کے نیچے اندھیرے میں روپوش ہو گیا تھا۔ نشانے باز نے اسے دیکھا بھی ہو گا تو اطمینان کرلیا ہو گا کہ وہ کسی اور طرف نکل گیا ہے ممکن ہے' وہ پہلے سے میری تاک میں بیٹھا ہو اور اس نے باقاعدہ تعاقب کرنے کے بجائے مجھے اچانک دیکھا ہو اور مناسب موقع سمجھ کے گولی چلا دی ہو۔ بہرحال کچھ بھی ہو' میں اب مسہری پر نڈھال پڑا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میرے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے ہوں۔

مگر۔ مگر یہ آشا دیوی کو کس نے قتل کر دیا؟ کل ہی سندھیا نے بدحواسی میں آکے یہ خبر دی تھی کہ آشا دیوی 'پریت اور دوسری لڑکیوں کی موجودگی میں پنڈت ایشوری لال سے شکوہ کر رہی ہے کہ اس نے جوگی کے مقابلے کے لیے مجھی کو کیوں منتخب کیا تھا؟ آشا دیوی سے اتنا عناد آخر کیسے ہو گیا؟ مجھے گولی لگنے اور آشا دیوی کے قتل ہونے کا وقت تقریباً ایک تھا۔ اگر کچھ فاصلہ ہو گا تو بہت مختصر' میری بات تو سمجھ میں آتی تھی' آشا دیوی کا خون کس مقصد سے کیا گیا ہے؟ وہ کرتب بازوں کا مظاہرہ دیکھنے کے لیے کل ہی بھون میں آئی تھی اور راجے پور کے کسی رئیس کی بیوی تھی مگر سندھیا کی اطلاع سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ دور رہنے کے باوجود بھون کی سرگرمیوں سے پوری طرح متعلق رہی ہے۔ پتہ نہیں کیا ہوا؟ کون پاگل ہو گیا ؟ میں بستر پر نیم جاں پڑے پڑے بدترین خیالوں کی تخلیق کے سوا کیا کرسکتا تھا۔ جسم اپنے آپ سے نبرد آزما تھا۔ کھول رہا تھا' خفقانی دورے کی سی کیفیت تھی۔ اس ابتلا میں یہ خیال بھی نہ رہا کہ ایک ٹانگ زخم خوردہ ہے اور جسم سرکشی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ میں نے غیر ارادی طور پر بستر سے زقند لگانے کی کوشش کی اور ایک چیخ کے ساتھ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اونگھتی ہوئی نرس ہڑبڑا کے اٹھی اور سہمی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ کچھ دیر بعد پارو اور دنیش حواس باختہ سے اندر داخل ہوئے۔ دنیش نے اشارہ کرکے نرس کو باہر بھیج دیا اور میرے قریب بیٹھ کے افسردگی سے کہنے لگا۔ ''وہ بھی چلی گئی۔''

''کون ؟'' میں نے کمزور آواز میں پوچھا۔

''آشا۔'' اس نے ایک گہری سانس لی۔ ''وہ مرگئی۔''

aazzamm@yahoo.com

"دنیش !" پارو نے اسے جھنجوڑ کے کہا۔ "اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔" وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ تمہیں موہن کے سامنے اس وقت اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

دنیش میرے بال درست کرنے لگا۔ "تم اب کیسے ہو؟"

"شاید بچ گیا۔" مجھے اپنی آواز پر یقین نہیں آیا۔

"اور اگر تمہیں کچھ ہو جاتا ؟ ...." وہ شکایت کرنے لگا۔

"تو کیا ہوتا!" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔

"پتہ نہیں' کیا ہوتا ۔بہت کچھ ہو گیا ہوتا۔ راج پور کے لوگوں کو بار بار زحمت نہ کرنی پڑتی۔ ایک ساتھ کئی ارتھیاں اٹھتیں۔"

"شش۔ آپ ادھر جایئے' میں ٹھیک ہوں۔" میں نے اسے ڈانٹا۔

"دیکھا' وہ الٹا تمہیں دلاسے دے رہا ہے دنیش !" پارو نے کہا۔

"یہ سب کیسے ہوا تھا؟" دنیش نے برہمی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں' بس میں پارو رانی کے ہاں سے واپس آ رہا تھا' یہ مجھے ملی نہیں' راستے میں جیکسن صاحب سے ملاقات ہو گئی اور وہ کل کے جوگی والے واقعے پر حیرت ظاہر کرنے لگے' اچانک گولی چلی۔ پہلا نشانہ خطا گیا' دوسرے سے پہلے جیکسن صاحب مجھے دھکیل کر خود مجھ پر گر پڑے اور میں زخمی ہو کے یہاں آ گیا۔" میں نے سادگی سے کہا۔

"اور تم دن بھر کہاں غائب رہے تھے؟" دنیش نے ناراضی سے پوچھا۔

"میں اسی کمرے میں موجود تھا' روشنیاں جلنے کے بعد باہر نکلا تھا۔" میں نے مختصر جواب دیا۔ "آپ ہی نے ہدایت دی تھی کہ خود کو یہاں قید کر لوں۔"

"سوال و جواب بعد میں کرنا دنیش ! اب جلدی کرو ۔ وہاں تمہاری ضرورت ہے۔" پارو نے اسے ٹوکا۔ "پولیس آ گئی ہو گی۔"

"وہاں بہت سے لوگ موجود ہیں۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"لیکن وہاں تمہاری موجودی ضروری ہے' پولیس موہن داس کا بیان لینے بھی آئے گی۔ میں اس طوالت سے بچنے کے لیے نرس کو ہدایت کر دیتی ہوں کہ وہ موہن داس کو گہری نیند سلا دے۔"

"پولیس۔" دنیش نے نفرت سے کہا۔ "پولیس نے اب تک کیا کیا ہے۔ موہن ! تمہیں ہنسی نہیں آ رہی ہے؟"

پارو اسے میرے پاس سے اٹھانے کی جدوجہد میں کامیاب ہو گئی اور چلتے چلتے میرا ہاتھ دبا کے اسے یہ کہنے کا بھی موقع مل گیا۔ "موہن ! تمہیں زندہ رہنا ہے۔" نرس نے میرے انکار کے باوجود بازو میں انجکشن گھونپ دیا۔ میں کچھ دیر تک اپنے گرتے ہوئے اعصاب سے برسرِ پیکار رہا' پھر سب کچھ سو گیا۔

☆......☆......☆

Scanned
By
Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

aazzamm@yahoo.com

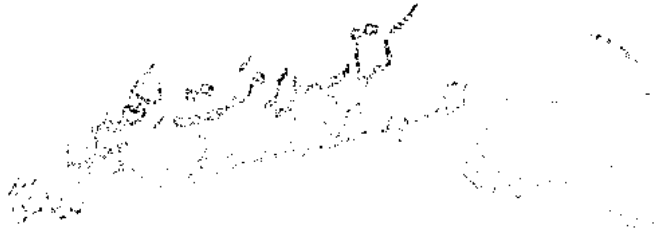

صبح جب میری آنکھ کھلی تو سب سے پہلے میری نظر ڈالی پر پڑی۔ اس کا چہرہ سوجا ہوا تھا اور وہ ایک کونے میں فرش پر اداس بیٹھی تھی۔ گڈا اس کی گود میں سو رہا تھا۔ میری آنکھیں کھلی دیکھ کر وہ گڈے کو فرش پر پٹختی ہوئی مسہری کی طرف دوڑی۔ نرسوں نے اسے روکا مگر وہ میرے سینے سے چمٹ گئی۔ "شیرو! شیرو!" وہ بچوں کی طرح سسکنے لگی۔

میں نے اپنا ہاتھ اس کی کمر پر رکھ دیا۔ "پگلی! یہ کیا تماشا کر رہی ہے۔"

"تماشا تو تو کر رہا ہے۔" اس کی آواز رو رہی تھی۔

"ذرا سی چوٹ آ گئی ہے۔ تو کب یہاں آئی؟"

"مجھے تو رات گئے پتہ چلا' جب سے میں یہیں ہوں۔"

"تو نے بہت فیل مچایا ہو گا۔"

"میں تو چپ بیٹھی رہی' گڈے کی قسم میں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا' مجھے پتہ ہے' یہاں تڑپنے اور رونے کی اجازت بھی نہیں ہے۔"

"گڈا کیسا ہے؟" میں نے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

"تجھے اس سے کیا غرض۔ تو تو اپنی بات کر۔"

"اس وقت بھی ایسی باتیں کر رہی ہے؟" میں نے ناراضی سے کہا۔

"میری زبان کاٹ لے شیرو! میں پھر کچھ نہیں بولوں گی۔"

"شیرو شیرو کی رٹ لگائے ہوئے ہے؟" میں نے جھنجلاہٹ سے کہا۔

"خیال ہی نہیں رہتا۔ مجھے معاف کر دے۔ یہ بتا اب تو کیسا ہے؟ تو میرے ساتھ گھر چل' یہاں تیری دیکھ بھال کون کرے گا چل شیرو! گھر چل۔"

"ڈالی!" میں نے کسمساتے ہوئے کہا۔ "یہ دن اور کاٹ لے۔"

"کیوں؟ کیا تو میرے ساتھ گھر نہیں جانا چاہتا؟"

"یہ بات نہیں ہے میں یہاں سے جا نہیں سکتا' سمجھتی کیوں نہیں۔"

"کسی دن مصلحت مصلحت میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔"

"تو سچ کہتی ہے۔" میں نے سرد آہ بھر کے کہا۔

"میں تو ہر بات سچ کہتی ہوں' پر تیری سمجھ میں نہیں آتی' تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے شیرو! تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔"

"پھر وہی باتیں شروع کر دیں' سن' اطمینان سے گھر واپس چلی جا۔ برداشت نہ ہو تو مجھے دیکھنے کے لیے آتی رہنا' یہاں تیرا بیٹھے رہنا مناسب نہیں ہے۔"

"تو مجھے واپس بھیج رہا ہے؟ میں تجھے ایسی حالت میں چھوڑ کے چلی جاؤں؟" وہ ہچکیاں لینے لگی۔ "بھلا گھر میں مجھے چین آ جائے گا؟"

"تشویش کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت معمولی بات ہے ڈالی! میں دو تین دن میں بھلا چنگا ہو جاؤں گا۔"

"چپ رہ' کچھ ہو' میں یہاں سے جاؤں گی نہیں۔" وہ ضد کرنے لگی۔

"نہیں جائے گی تو مجھے بے آرام کرے گی۔"

"تجھے میری ضرورت ہے شیرو! تیرا یہاں کون ہے۔"

"تو بات بڑھا کیوں رہی ہے ڈالی!" میں نے جھنجلا کے کہا۔

دونوں نرسوں نے اسے میرے پاس سے ہٹا دیا۔ دنیش چندر سوگوار چہرے کے ساتھ اندر داخل ہو رہا تھا۔ ڈالی نے اسے دیکھا تو آنسو پونچھتی ہوئی اور اسے سلام کرتی ہوئی ادب سے پیچھے ہٹ گئی دنیش ڈالی کے پاس رک گیا اور غور سے اسے دیکھنے لگا۔ "ہم موہن کا خیال رکھیں گے۔" وہ اداسی سے بولا۔ "تم چاہو تو یہاں ٹھہر سکتی ہو ڈالی! لیکن ڈاکٹروں کی رائے یہ ہے کہ موہن کے قریب بھیڑ کم کی جائے۔"

ایک راج کمار اپنی باندی سے اس لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔ ڈالی کانپنے لگی اس کے رخساروں پر آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ اس نے ممنونیت کی نگاہ سے دنیش کو دیکھا اور گڈے کو زمین سے اٹھا لیا' دنیش نے اس کی گود سے چپٹے ہوئے گڈے کے گال پر چٹکی بھر لی اور اسے پیار سے تھپکنے لگا۔ "کچھ باتیں کرتا ہے؟"

"جی۔ جی۔" ڈالی کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

"پیارا بچہ ہے' اسے خوب کھلایا پلایا کرو۔"

ڈالی پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ دنیش میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ڈالی

aazzamm@yahoo.com

اسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی دروازے کے پار ہو گئی۔ میں نے سکون کی سانس لی۔ وہ میرا حال پوچھنے لگا۔ میں اس وقت کچھ توانائی محسوس کر رہا تھا۔ ”آپ رات بھر جاگتے رہے ہیں؟“

”ہاں بھون کا تقریباً ہر شخص جاگ رہا ہے‘ آشا بہت پاپولر لڑکی تھی۔ رات سے تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔“

”کچھ پتہ چلا؟“ میں نے سرگوشی کی۔

اس نے انکار میں سر ہلایا اور ٹھنڈی آہیں بھرنے لگا۔ اس نے مجھے بتایا کہ پولیس نے بھون کے مختلف لوگوں کے بیانات قلم بند کر لیے ہیں۔ پولیس افسر ادھر بھی آئے تھے مگر مجھے بے ہوش دیکھ کے واپس چلے گئے۔ کرنل ہارڈنگ‘ مہاراجہ اور کنول کے تشویش ناک فون بھی آئے تھے۔ ”میرا خیال ہے‘ کل ریتا واپس چلی جائے گی۔“ اس نے مضمحل لہجے میں کہا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کہنے لگا۔ ”جگ دیپ کا بھی فون آیا تھا۔ اس کی حویلی کے بہت سے حرام زادے یہاں موجود ہیں۔“

”آپ اپنا خیال رکھیے‘ آپ نے آج شیو بھی نہیں کیا ہے۔ جایئے لباس بدلیے اور میری طرف آنے کے بجائے ادھر جایئے۔“

”دل بہت بے قرار ہے موہن!“ وہ کرب سے بولا۔

”کمال ہے‘ آپ ہی جب ایسی باتیں کریں گے تو میں تو واقعی بیمار ہو جاؤں گا۔ ذرا ہمت رکھیے۔“

”میں نے سختی سے ہدایت کر دی ہے کہ تمہاری طرف کوئی نہ آئے۔ میں تمہیں جلد سے جلد اچھا دیکھنا چاہتا ہوں۔“ وہ بہت عجلت میں وقت نکال کے آیا تھا‘ فوراً واپس چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی نرسوں نے مجھے حصار میں لے لیا۔ دنیش کی ممانعت کے باوجود شام تک کئی لوگ مجھے دیکھنے آئے لیکن نرسوں کی موجودگی کے سبب کوئی بھی کھل کر بات نہیں کر سکا۔ پارو‘ شاردا‘ ریتا اور سندھیا کے لیے یہ بات ناممکن تھی کہ وہ نرسوں کو باہر بھیج کے مجھ سے تخلیے میں دو باتیں کر لیں‘ جسے بھی موقع ملا‘ وہ آتا رہا اور آنکھوں سے باتیں کرتا رہا۔ منہ سے زیادہ بلاغت آنکھ کی زبان میں ہوتی ہے‘ شام تک بھون میں آشا دیوی کے کریا کرم کا ہنگامہ رہا ہو گا۔ بھون کے لوگ اموات کے عادی ہو چکے تھے‘ انہیں تمام کارروائی ازبر ہو گی چنانچہ سب کام خود کار طریقے پر انجام پاتے رہے ہوں گے۔ جب ملاقاتی کمرے سے چہل پہل کی آوازیں

آنے لگیں تو میں نے سمجھا کہ بھون کے لوگ خوب صورت آشا دیوی کو راکھ کر کے واپس آ گئے ہیں۔ میرا خیال درست نکلا‘ کچھ ہی دیر بعد دنیش بھاگا ہوا اندر آیا اور میرے کان میں سرگوشی کرنے لگا ”کرنل ہارڈنگ آیا ہے۔“

”اچھا۔“ میرا سکون متزلزل ہونے لگا۔ ”کیا کہتا ہے؟“

”بظاہر تو آشا دیوی کی تعزیت کا بہانہ ہے لیکن اصل میں وہ اپنی بیٹی ریتا کو لینے آیا ہے‘ وہی ہوا جس کا خدشہ تھا‘ اس غیر محفوظ جگہ کون مہمان ہونا پسند کرے گا۔ میرا خیال ہے یہ بے وقت گولیاں بھی اسی مقصد سے چلائی گئی تھیں۔ راجے پور کے بعض امرا کے لیے یہ خبر بڑی تشویش انگیز تھی کہ کرنل ہارڈنگ کی لڑکی ریتا پرکاش بھون میں مہمان ہے۔“

”تو ریتا کو جانے دیجیے۔“ میں نے بے نیازی سے کہا۔

”اب روکنے کی جرات بھی کون کر سکتا ہے لیکن ایک پیچیدہ مسئلہ اور ہے‘ کرنل ہارڈنگ تم سے ملنا چاہتا ہے۔“

”مجھ سے؟“ میں نے حیرت سے کہا۔ ”نہیں نہیں‘ وہ ایک زیرک اور متحمل آدمی ہے آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”میں سچ کہہ رہا ہوں‘ وہ کہتا ہے کہ کیا میں اس ملازم کو ایک نظر دیکھ سکتا ہوں جسے کل رات اس وقت گولی لگی تھی جب جیکسن اس کے ہمراہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں‘ اسے یقین ہو گیا ہے یا ریتا نے بتا دیا ہے کہ تمہی پروفیسر زاہدی ہو‘ وہ مجھ پر اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتا۔“

”تو اسے اندر بھیج دیجیے‘ مفر کی کوئی صورت نہیں‘ ویسے پروفیسر والا معاملہ تو اب ختم ہی سمجھیے‘ دیکھیے‘ میں اس سے کیسی باتیں کرتا ہوں‘ ہو سکے تو آپ درمیان میں کچھ دیر کے لیے باہر چلے جایئے گا اور نرسوں کو بھی باہر ٹھہرے رہنے کی ہدایت کر دیجیے۔“

دنیش تیزی سے باہر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد کرنل ہارڈنگ اپنی بیٹی ریتا کے ساتھ مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا‘ نرسیں باہر چلی گئی تھیں‘ میں نے گردن کی جنبش سے تعظیم دی اور اٹھنا چاہا۔ کرنل نے مجھے روک دیا۔ ”خوب“ وہ مجھے دلچسپ نظروں سے دیکھ کر معنی خیز انداز میں دنیش سے مخاطب ہوا۔ ”آپ کے بھون میں اتنا ظالم شخص کون ہے جو اس دل کش لڑکے کو ختم کرنے کے درپے ہے؟ مجھے واردات کے

aazzamm@yahoo.com

اسباب جاننے کی خواہش ہے۔"

دنیش نے محتاط اور دبی آواز میں مجھ سے اپنے خاص ربط کا ذکر کیا۔ ریتا نے اپنے باپ کے سامنے کل کے جوگی والے واقعے پر میری سرگزشت سنانی مناسب سمجھی؛ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور جوش میں زبان ہکلائی جا رہی تھی۔ کرنل ہارڈنگ ایک کرسی پر بیٹھ کے یہ روداد خاص توجہ سے سنتا اور سر ہلاتا رہا۔ کرنل ہارڈنگ کے کسی انداز سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی تھی کہ جیکسن کی طرح وہ مجھے میجر رابرٹ کے سلسلے میں ایک مشکوک شخص سمجھتا ہے' ایک باندی نے دروازے سے اندر آنے کی اجازت مانگی اور معذرت کے ساتھ دنیش سے کہا کہ مہارانی مایا دیوی چند لمحوں کے لیے اس سے ایک ضروری بات کرنے کی خواہش مند ہیں ۔ دنیش نے باندی کو لتاڑ دیا مگر کرنل نے اسے فراخ دلی سے باہر جانے کی اجازت دے دی۔ دنیش نے مجھے اور کرنل کو تنہا چھوڑنے کا عمدہ اسلوب اختیار کیا تھا کرنل شاید اسی بات کا منتظر تھا۔ اس کے جاتے ہی وہ براہ راست مجھ سے مخاطب ہو گیا۔" موہن داس ! تمہارا چہرہ خاصا جانا پہچانا لگتا ہے۔" اس کے لہجے سے خاصی شوخی ٹپک رہی تھی۔

" جناب! " میں نے شائستگی سے جواب دیا۔" نوازش ہے کہ جناب نے ایک ملازم کا چہرہ یاد رکھا۔"

" تمہاری شکل حیرت انگیز طور پر ہمارے ایک دوست سے ملتی ہے مگر اس کے چہرے پر ایک ڈاڑھی بھی موجود رہتی ہے' وہ باتیں بہت خوب کرتا ہے' تمہیں دیکھ کے یہ خیال آیا کہ اگر تمہارے چہرے پر اس کی ڈاڑھی لگا دی جائے تو شاید تم میں اور اس میں فرق ختم ہو جائے گا۔" کرنل نے کہا۔

" سرکار کی عنایت ہے جو ایک ملازم کو اپنے دوست کے ہم مرتبہ سمجھتے ہیں۔" میں نے کرنل سے دانستہ چھیڑ کی۔

" ریتا ہمارے دوست پروفیسر کی بھی بڑی مداح ہے اور تمہاری بھی بڑی تعریف کرتی ہے کیوں ریتا ؟" اس نے اپنی بیٹی سے انگریزی میں پوچھا۔" تم نے یہاں پروفیسر سے ملاقات کی؟"

" جی ڈیڈی !" وہ جھجک کے بولی پھر شرما گئی۔" مگر پروفیسر اچانک غائب ہو گیا' یہ موہن داس رہ گیا۔ ڈیڈی ! یہ ہے تو ملازم لیکن پروفیسر سے کچھ کم نہیں۔" ریتا نے اپنے باپ کی شوخی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ میں کرنل ہارڈنگ سے گزشتہ ملاقات

میں واضح طور پر اپنے مشتبہ روپ کی طرف اشارہ کر چکا تھا۔ اس لیے مجھے کرنل کی دلچسپ باتوں میں لطف آ رہا تھا اور اس کی بھاری بھرکم شخصیت سے کسی قسم کا خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا' وہ خوف جو جیکسن اور دوسرے انگریزوں کے قریب آتے ہی لاحق ہو جاتا تھا۔"

" تمہارا کیا خیال ہے موہن داس ! یہ گولی کس نے چلائی تھی ؟" کرنل نے اس طرح مجھ سے پوچھا جیسے اب وہ مزید تکلف اور حجاب کا قائل نہیں ہے۔

میں نے بھی جھجک مناسب نہیں سمجھی اور جواب دیا ۔" عزت مآب کرنل ! دنیا بھر میں فساد کا بڑا سبب یہ ہے کہ کچھ لوگ کچھ لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ مفادات کا ٹکراؤ' ناانصافی' ظلم' اس بے یقین زندگی میں زیادہ ضمانت کی خواہش' ہوس اقتدار' آپ تمام اسباب سے واقف ہیں' مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں ؟ مجھے یقین ہے کہ آپ کچھ دیر بعد اپنی بیٹی کو یہاں سے لے جائیں گے۔ ان کا مقصد بھی غالباً یہی تھا اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔ رہا میں' تو جناب میں ایک بے حد ناپسندیدہ شخص ہوں' ایک ملازم کی اوقات ہی کیا ؟ مجھے دیکھنے کے لیے آپ یہاں تشریف لائے' آپ نے میری عزت بڑھائی ہے ۔ بہت تحمل کا ثبوت دیا' کرنل صاحب ! راجے پور میں کوئی اور آفیسر ان کمانڈ ہوتا تو نہ جانے اس کا عالم کیا ہوتا۔"

کرنل جزبز ہو کے پہلو بدلنے لگا۔ وہ کچھ تبصرہ کرنا چاہتا تھا مگر اپنی روایتی احتیاط پسندی کے سبب خاموش رہا' پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔" یہ ایک غیر محفوظ جگہ ہے موہن داس ! میں تمہیں چھاؤنی آنے کی پیشکش کرتا ہوں۔ پروفیسر زاہدی کو تم نے دیکھا ہو گا' وہ دنیش چندر کا خاص دوست ہے' اگر اس سے ملاقات ہو تو کہہ دینا کہ کرنل تم سے ملاقات کا بے حد مشتاق ہے۔" کرنل پھر بذلہ سنجی پر اتر آیا۔

" پروفیسر زاہدی کے بارے میں تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا جناب لیکن میں اپنے آقا اور دوست دنیش چندر کو ان حالات میں چھوڑ کے کہاں جا سکتا ہوں۔ میں اسے بہت قریب سمجھتا ہوں کرنل ! میں کیسے آ سکتا ہوں؟ بہرحال آپ کا بے حد شکریہ' میری زندگی کسی کے کام آ جائے' یہی بہت ہے' میں ایک تنہا آدمی ہوں کرنل ! بہت تنہا ۔" میں نے کرب سے کہا۔" میری موت پر آنسو بہانے والے چند ہی لوگ ہوں گے۔"

کرنل کے چہرے پر تشویش کے آثار نمودار ہوئے اور وہ تاسف سے بولا۔

aazzamm@yahoo.com

''ہم راجے پو سے یہ انتشار ختم کرنے میں بہت سنجیدہ ہیں۔''

'' جناب کرنل !'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ '' آپ سے ایک درخواست کرنے کو جی چاہتا ہے اور اس کی جرات بھی اس وجہ سے ہو رہی ہے کہ آپ نے سنجیدگی کا اظہار کیا ہے۔ میں آپ کی توقع کے خلاف ایک بات کہہ رہا ہوں۔ میری گزارش ہے کہ مہاراجہ راجے پور پر آپ کی توجہ کچھ کم ہو گئی ہے۔ آپ شاید تکرار سے تھک گئے ہیں لیکن فی الحال ان سے اپنی پرانی رفاقت کا اعادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں زیادہ وضاحت نہیں کروں گا۔ میرا خیال ہے' آپ ان کے بارے میں نظرثانی کیجئے اور دوسروں کو بھی یہ یقین دلایئے کہ مہاراجہ سے آپ کی رفاقت اٹل اور مستحکم ہے' دنیا میں کسی چیز کو ثبات نہیں ہے اس لیے میں نے اپنی عاجزانہ رائے میں فی الحال کی شق رکھ دی ہے۔''

کرنل کی گردن ہلتے ہلتے ایک جگہ ٹھہر گئی۔ دنیش دروازے سے معذرت چاہتا ہوا اندر آ گیا۔ کرنل اپنی سوچوں میں مستغرق تھا۔ وہ اس کی آمد سے چونک پڑا۔ ریتا میری اور کرنل کی گفتگو اشتیاق سے سن رہی تھی اور گفتگو چونکہ ہندوستانی میں ہو رہی تھی اس لیے وہ آنکھیں پٹ پٹا کے کچھ سمجھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ کرنل نے اشتیاق سے اجازت چاہی اور ریتا کی مہمان نوازی کا رسمی شکریہ ادا کیا مگر ریتا نے اس کے ساتھ چھاؤنی جانے سے انکار کر دیا۔ وہ مچلنے لگی اور چند دن مزید قیام کے لیے اصرار کرنے لگی۔ کرنل اسے پیار سے سمجھاتا رہا' پھر ریتا کی ضد سے شکست قبول کر کے رخصت ہو گیا۔ ریتا اور دنیش اسے راہ داری تک چھوڑنے کے لیے گئے۔

دنیش کے بیان کے مطابق کرنل ہارڈنگ سے میری ملاقات انتہائی خفیہ رکھی گئی تھی مگر وہ باندی اس حقیقت سے واقف تھی جو مایا دیوی کی طلبی کا بہانہ کر کے دنیش کو وہاں سے اٹھا کے لے گئی تھی چنانچہ یہ خبر بھون سے اڑ کے سارے راجے پور میں پھیل سکتی تھی کہ کرنل ہارڈنگ' راج کمار دنیش چندر کے ایک ملازم کی عیادت کے لیے اس کے کمرے میں گیا تھا۔ نرسیں بھی اس حیرت انگیز واقعے کی شاہد تھیں۔ ایک تو پرکاش بھون میں کرنل ہارڈنگ کی آمد' دوسرے ریتا کا مزید قیام' تیسرے میری عیادت یہ ایسے اہم واقعات تھے جو ناراض لوگوں کی ناراضی میں اضافے کا موجب بن سکتے تھے اور انہیں کسی بڑے اشتعال انگیز اقدام پر اکسا سکتے تھے۔ ریتا کی حفاظت بہت ضروری ہو گئی تھی۔ خود جیکسن اور اس کے ساتھی اپنی اور ریتا کی نگرانی میں اور محتاط ہو گئے ہوں

گے پھر بھی تمام ذمے داریاں بھون کے سربراہ پر عائد ہوتی تھیں۔ دنیش' ریتا کے ٹھہرنے کے بعد اگر خوش تھا تو فکر مند بھی تھا اپنے قیام کے دوران میں میری علالت ریتا کے لیے سوہان روح ہو گی۔ اسے چلی جانا چاہئے تھا مگر وہ مجھے نزع و کرب میں گرفتار دیکھ کے جا کیسے سکتی تھی۔ پھر وہ چھاؤنی میں جا کے خود اس کشمکش میں مبتلا ہو جاتی۔ خود میری بھی یہی خواہش تھی کہ وہ اپنے قیام میں توسیع کر دے اور اس کے بہانے جیکسن بھی یہاں ٹھہرا رہے۔ جیکسن کی رات والی باتوں کی سردی ابھی تک میری رگوں میں موجود تھی' اس نے کچھ نہ کچھ ضرور سراغ لگا لیا تھا۔ کاش رات مجھے گولی نہ لگتی' ایک دو دن کی مہلت مل جاتی تو واقعات دوسری طرح پیش آتے مجھے اپنے جلد سے جلد صحت یاب ہونے کا انتظار تھا۔ ٹانگ کا زخم تیزی سے مندمل ہو رہا تھا۔ دوسرے دن صبح میں آسانی سے بیٹھ سکتا تھا لیکن نرسیں ابھی تک سروں پر مسلط تھیں' ڈالی بار بار آتی اور رو دھو کے چلی جاتی۔ یہی حال پارو اور شاردا کا تھا۔ دنیش نے مجھے بتایا کہ ترنم بھی اپنی پریشان زلفوں کے ساتھ مجھے دیکھنے آئی تھی' میں اس وقت خواب آور دواؤں کے نشے میں ڈوبا ہوا تھا' وہ کچھ بولی نہیں' بس مجھے تکتی رہی اور آنکھوں میں ساون لیے چپ چاپ چلی گئی۔ کہیں کے بادل کہیں برسے ہوں گے۔ سندھیا بھی بار بار منڈلاتی تھی۔ وہ شوریدہ سر لڑکی نرسوں کی موجودگی کا بھی خیال نہیں رکھتی تھی' وہ آ کے مجھے جھنجوڑتی اور میرا حال پوچھ کے کچھ برہم سی ہو جاتی۔

تیجے کے دن راج کماری کنول اور مہاراجہ بھی بھون میں تشریف لائے لیکن انہیں کرنل ہارڈنگ کی طرح میرے پاس آنے کی جرات نہیں ہو سکی۔ سنا کہ راج کماری کنول نے دنیش سے اشارۃً میرے بارے میں پوچھا تھا۔ مہاراجہ کو بھون میں کرنل ہارڈنگ کی آمد کی خبر پہنچ گئی ہو گی۔ دنیش نے مجھے اطلاع دی کہ اس بار وہ بہت دیر تک بھون میں ٹھہرے رہے اور خلاف معمول یہاں کے لوگوں میں دلچسپی لیتے رہے' وہ لائبریری بھی گئے اور شاردا سے مختلف موضوعات پہ گفتگو کرتے رہے۔ میں ادھر بستر پر پڑا آنے والوں کے چہرے دیکھتا رہا یا کمرے سے باہر لمحے لمحے کی خبریں سنتا رہا جب بھی کوئی ادھر کا رخ کرتا' مجھے محسوس ہوتا جیسے میرے زخم کی تکلیف میں کمی ہو گئی ہے لیکن جب جیکسن ادھر آتا تو یہ تکلیف بڑھ جاتی۔ اس میں بڑی جرات تھی۔ وہ ایک پھرتیلا اور چاق و چوبند نوجوان تھا۔ آتے ہی نرسوں کو دور رہنے کا اشارہ کرتا اور میرے سرہانے بیٹھ کے ان اذیت ناک سرگوشیوں کا اعادہ کرتا رہتا جن کی ابتدا اس نے

aazzamm@yahoo.com

واردات سے پہلے کی تھی' پولیس کو بیان دیتے وقت وہ میرے پاس موجود تھا اور میرے اس کے بیان میں سرمو فرق نہیں تھا حالانکہ اس نے اس سلسلے میں مجھے کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔ پولیس افسر نے انگریزی میں اس پر یہ راز منکشف کیا کہ بھون سے بعض گم نام لوگوں نے فون پر پولیس کو اس پہلو کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی ہے کہ آشا دیوی کو موہن داس نے قتل کیا ہے' ان کا اصرار ہے کہ وقت آنے پر تمام ثبوت مہیا کر دیئے جائیں گے۔ یہ خبر سن کے میرا تو جو حال ہوا' وہ ہوا' جیکسن بھڑک اٹھا۔ اس نے پرزور الفاظ میں میری وکالت کی اور کہا کہ جس وقت آشا دیوی کو گولی لگی' موہن داس میرے ہمراہ تھا۔ یہ ایک انگریز افسر کی گواہی تھی' ظاہر ہے' اس کے بعد تفتیش کا رخ بدل جانا چاہئے تھا مگر جیکسن مسلسل میری دل آزاری کر رہا تھا۔ وہ عجب مزاج کا شخص تھا' خود ہی زخمی کرتا تھا' خود ہی مرہم لگاتا تھا۔ پہلے اس نے مجھے موت کے منہ سے بچایا' اب پولیس سے میری جاں بخشی کے لیے وکالت کی' دوسری طرف وہ میجر رابرٹ کی ہلاکت کے بارے میں مجھ پر اپنے شکوک کا بالواسطہ اظہار کر کے میرے کانوں میں سیسہ انڈیل دیتا تھا۔ اس نے مجھے چین نہیں لینے دیا۔ اس نے کبھی مجھ پر قتل کا فتویٰ کھلم کھلا صادر نہیں کیا۔ وہ لرزہ خیز اشارے کرتا تھا اور مجھ سے اپنے عہد کی تجدید کراتا رہتا تھا کہ صحت یابی کے بعد میں کتے کی طرح بھون کے در و دیوار سونگھنے کے کام میں سرگرم ہو جاؤں گا۔ جیکسن کو یہ علم بھی ضرور ہو گیا ہو گا کہ کرنل ہارڈنگ نے دنیش سے اپنی گفتگو کے دوران میں مجھے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور اس کے زرخیز ذہن میں فوراً یہ جواز آیا ہو گا کہ کرنل ادھر ادھر کے بیانات کے بجائے موہن داس کی زبانی واردات کا حال سن کے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا ہو گا۔ چونکہ چھاؤنی کا ایک ذہین افسر اس میں ملوث تھا۔ آگے بڑھنے اور کوئی کارنامہ دکھانے کے شوق میں اندھا دھند بھاگنے والے اس افسر کو خواب میں بھی یہ شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ میرے اور کرنل کے درمیان کسی قسم کا تعلق ہے اور کرنل نے یہاں آ کے اس ناہنجار سے کن معاملات پر گفتگو کی ہے۔ جیکسن تو اپنی دھن میں مست تھا۔ اس ٹائپ کے لوگ اپنے طور پر چپکے چپکے کام کرتے رہتے ہیں اور بعد میں ایک دم دھماکہ کر دیتے ہیں' وہ خود کو میجر رابرٹ کا جانشین ثابت کرنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں آزما رہا تھا۔ مجھ کم بخت کو زخمی ہونا بھی انہی دنوں رہ گیا تھا۔

یہ دنیش چندر کا خاص کمرہ نہ ہوتا اور میرے زخموں کی نمائش کسی عام جگہ لگی

ہوتی' اپنے کوارٹر میں یا ہسپتال میں تو میرا تماشا دیکھنے کے لیے ایک ہجوم اکٹھا ہو جایا کرتا۔ دنیش کی سخت پابندیوں کے باوجود آنے والے آجاتے تھے۔ پریت' انیتا' کسم' ہیما اور بھون کی دوسری لڑکیوں کے دل میں بھی میری دید کی خواہش ابھری ہو گی۔ لیکن وہ دل مسوس کے رہ گئی ہوں گی' آنے کو جی بھی مچلتا ہو گا اور آنے سے خوف بھی آتا ہو گا' پنڈت ایشوری لال اپنا دھواں دیتا ہوا کرچھا میری مسہری کے گرد گھما گیا تھا۔ میری غضب ناک آنکھیں دیکھ کے خاموش رہا اور اپنے آپ ہی سے کچھ کہتا سنتا رہا۔ پھر سر جھٹکتا اور بدبداتا ہوا چلا گیا۔

تین دن بعد' جب آشا دیوی کی موت کی رسوم سے لوگ تھک گئے تو انہوں نے دنیش کے گرد اکٹھا ہونا شروع کر دیا۔ راجے پور میں یہ تشویش ناک افواہیں گشت کر رہی تھیں کہ مہاراجہ کا زوال قریب ہے' اب اقتدار دنیش چندر کو سونپ دیا جائے گا۔ کرنل ہارڈنگ خود دنیش چندر سے ملاقات کرنے اور معاملات طے کرنے آیا تھا۔ کرنل نے اپنی حسین بیٹی کو پرکاش بھون میں جان بوجھ کر بھیجا ہے۔ ان میں سب سے دلچسپ دنیش اور ریتا کے تعلق کی شرم ناک افواہ تھی کہ راج کمار دنیش نے کرنل کی بیٹی کو اپنے دام میں گرفتار کرلیا ہے' بس اب کچھ دنوں کی دیر ہے' ریاست میں ایک بہت بڑی تبدیلی آجائے گی۔ یوں تو ان افواہوں سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا تھا مگر جگ دیپ اور اس کے رفیقوں کے بوکھلا جانے کا اندیشہ تھا۔ ریتا کے اعزاز میں شکار کا پروگرام ملتوی کر دیا گیا تھا۔ پاررو ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتی تھی۔ غذائیں' حتیٰ کہ پانی تک اس کی خدمت میں پیش کرنے سے پہلے ٹیسٹ کرلیا جاتا تھا۔

تیسری رات' رات گئے ملاقاتی کمرے میں شور اچانک بجھ گیا۔ میں نے گھبرا کے نرس سے کہا۔ ''دیکھو باہر کیا ہو رہا ہے؟'' لیکن نرس کے جواب دینے سے پہلے مجھے ایک مانوس آواز سنائی دی۔ ''کہاں ہے وہ؟'' کسی نے گرج دار آواز میں پوچھا۔

''کون مہاراج؟'' دنیش نے حیرت سے کہا۔ ''آپ؟ اتنی رات گئے؟''

''کیا میرے لیے کوئی وقت مقرر ہے؟'' اس نے برہمی سے کہا۔ دوسرے ہی لمحے میرے کمرے میں سادھو دیوراج داخل ہو گیا۔ نرسیں ایک طرف سمٹ گئیں۔ اس کے پیچھے پیچھے پارو' شاردا' ریتا اور دنیش تذبذب کے عالم میں اندر چلے آئے۔ سادھو چند ثانیوں تک مجھے متوحش نظروں سے گھورتا رہا۔ میں نے بے نیازی سی برتی'

aazzamm@yahoo.com

رسمی طور پر پرنام کیا اور سامنے کی جانب نظر کیے رہا۔ میری یہ کیفیت غالباً لاشعوری تھی، کہیں دور نہاں خانے میں ایک شکوہ سا چھپا بیٹھا تھا کہ اس نے آنے میں دیر کیوں کر دی اور فوری طور پر اس شکوے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ''اب بھی جی نہیں بھرا؟'' وہ تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد بولا۔ ''ابھی حسرت باقی ہے؟''

میں نے زبان نہیں کھولی۔ اس نے آگے بڑھ کے میری چادر کھینچ لی اور نرس کو حکم دیا کہ وہ میری ٹانگ کی پٹیاں اتار دے۔ نرس کو اس کا حکم ماننے میں تامل ہوا۔ اس نے بے چارگی سے دنیش کی طرف دیکھا مگر دنیش کے اشارے پر اس نے جلدی جلدی پٹیاں کھولنی شروع کر دیں۔ پنڈلی پر جو مرہم وغیرہ لگا ہوا تھا، سادھو نے حکم دے کے اسے بھی صاف کروا دیا۔ پنڈلی میں ایک گہرا زخم تھا جو میں نے خود پہلی بار دیکھا۔ گولی گوشت کے حصے سے گزر گئی تھی۔ ہڈی سے ایک آدھ انچ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ سادھو نے مسہری پر بیٹھ کے اپنے کھردرے ہاتھوں سے زخم چھوا۔ میرے منہ سے ایک کراہ نکل گئی۔ وہ خاص زخم کی جگہ انگلی سے کچھ نشانات بنانے لگا۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹ تیزی سے رقصاں تھے، سب دم بخود تھے۔ زخم خوردہ علاقے پر انگلی کے قلم سے نہ ابھرنے والی کچھ تحریریں رقم کرنے کے بعد اس نے اپنی دھوتی سے لٹکی ہوئی ایک چھوٹی سی پوٹلی کھولی۔ اس میں ایک مرجھایا ہوا پتا تھا، تازہ تازہ خشک ہوا تھا۔ پتا اس نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان پیس کر میرے زخم میں بھر دیا، میں تڑپ اٹھا، اذیت سے میری چیخیں نکل گئیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سادھو نے زخم میں مرچیں بھر دی ہوں، میں نے برداشت کرنے کی بہت کوشش کی لیکن پنڈلی میں آگ سی لگ گئی تھی، میں بے قابو ہو کے بستر پر پچھاڑیں کھانے لگا۔ سادھو پر میری اذیت کا کوئی اثر نہیں ہوا، وہ زخم پر برابر پھونکیں مارتا رہا۔ سادھو کے کام میں مداخلت کی جرات کسی نے نہیں کی مگر کچھ ہی دیر بعد مجھے تکلیف میں کچھ کمی محسوس ہوئی اور سادھو کی پھونکوں سے ٹھنڈک پڑنے لگی جب کہ پہلے انہی پھونکوں سے زخم کی آگ بھڑک بھڑک جاتی تھی۔ مجھے حیرت انگیز طور پر لمحوں میں قرار آنے لگا اور میں نے گردن ایک طرف ڈال دی، سادھو پورے انہماک کے ساتھ اپنی انگلی سے زخم سہلاتا رہا اور پائنتی سے اٹھ کر میرے سرہانے بیٹھ گیا۔ نرس دوبارہ پٹی باندھنے کے لیے بڑھی۔ سادھو نے اسے جھڑک دیا۔ وہ اپنی جگہ ٹھٹک کے رہ گئی۔ سادھو کا علاج اس قدر تیز اور موثر تھا کہ مجھے اپنی ٹانگ میں بس ایک ہلکی سی چبھن محسوس ہوتی تھی جو بتدریج کم ہوتی جا رہی تھی۔

''سادھو مہاراج!'' مسرت اور ممنونیت کے جذبے سے میری آواز کانپنے لگی۔ ''میں اب اٹھ سکتا ہوں، اب تکلیف کا صرف احساس باقی رہ گیا ہے۔ تم نے اتنی جلدی یہ کیا کر دیا؟''

''مجھے آنے میں دیر ہوگئی، تیرے لیے یہ پتا لانے کے لیے مجھے بہت دور جانا پڑا۔ اب میں بار بار وہاں نہیں جاسکتا اور نا گلا کو بار بار تنگ نہیں کرسکتا۔'' وہ ناگواری سے بولا لیکن اس کی ناگواری میں شفقت کا رنگ صاف نمایاں تھا۔

''تم نے میرے لیے بہت کشٹ اٹھایا مہاراج!'' میں نے کہا۔

''اب تو کب تک یہاں رہے گا؟ شریر چھلنی ہو جائے گا بالک! چل اٹھ اور میرا کاندھا پکڑ لے۔'' میں نے جواب دینے سے پہلے اپنے اردگرد کھڑے ہوئے لوگوں کو سہم کر دیکھا، سادھو سمجھ گیا اور نظریں گھما کے ناراضی سے بولا۔ ''جاؤ، اپنا کام کرو، یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ جاؤ، جیون میں ڈوب جاؤ۔'' سادھو کے اس تحکمانہ انداز تخاطب پر کسی نے برا نہیں مانا۔ کمرے میں سادھو اور میں اکیلے رہ گئے۔ وہ میرے بستر کے گدے پر دو تین بار اچھل کے بولا۔ ''یہاں تو کانٹے لگے ہوئے ہیں، آ پھر تیرا انتظار کر رہے ہیں۔''

خوف کی ایک لہر میرے جسم میں تیر گئی۔ میں نے دل برداشتہ انداز میں جواب دیا۔ ''یہ کانٹے بھی چند دن کے ہیں، میں اب چند دنوں کے لیے کہاں جاؤں گا۔''

''کیا تیرا مطلب یہ ہے کہ تو یہاں سے نکلنا نہیں چاہتا؟''

''ہاں، یہی سمجھ لو، یہاں ابھی تک میری ضرورت ہے، کیا میں انہیں ادھورا چھوڑ کے تمہارے ساتھ چلا چلوں؟''

''تو کون ہوتا ہے، کیا تیرا استھان یہ ہے؟ یہ تو ایک سرائے ہے۔ تو یہاں کب تک ٹھہرا رہے گا۔ جب نکال دیا جائے گا جب تک؟'' وہ گرجا۔

پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''اسے تیرا انتظار کرتے کرتے دیر ہوگئی تو وہ کہیں اور چلی جائے گی پھر تو جیون بھر روتا رہے گا۔''

''سادھو مہاراج!'' میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ ''میں ایسی حالت میں باہر کیسے جاسکتا ہوں۔ ابھی تک تو سب کچھ یوں ہی پڑا ہے، میرا بال بال بندھا ہوا ہے۔ میں اطمینان کے بغیر کیسے جاسکتا ہوں۔''

aazzamm@yahoo.com

" تو ان کیکڑوں کی پروا کرتا ہے؟ تجھے خبر بھی ہے' تیری آس لگائے کون بیٹھا ہے؟ابھاگی! کیا تو اسے بھول گیا؟ کیا تو یہ بھول گیا کہ تجھے کہاں جانا ہے؟ پھر مجھ سے مت کہنا میں تجھے بار بار یاد دلانے آیا ہوں۔"

میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ مجھے کہاں لے جانا چاہتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہوتا کہ گپھاؤں میں' پہاڑوں پر' جہاں آدمی نہیں پھٹکتا۔ وہ اس بار بڑے اعتماد کے لہجے میں کسی کے انتظار کرنے کا ذکر کر رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کسی دیوی کا ذکر کر رہا ہے۔ سو میں نے اس سے اس کی تفصیل بھی نہیں پوچھی لیکن اس کی باتوں سے دل پر ضرب سی لگتی تھی۔ یک بارگی جی چاہتا تھا کہ اٹھ کر اس کے ساتھ چلا جاؤں اور دیکھوں کہ کون میرا منتظر ہے جس کے لیے پنڈت ایشوری لال دیوانہ بنا پھرتا ہے اور جس کے لیے سادھو دیوراج جیسا مہان سادھو مجھ پر مہربان ہے' یہ کیا رمز ہے؟ مگر پھر میرے نہاں خانے میں اندیشے جاگزیں ہو جاتے اور بہت سے چہرے میری نظروں میں گھوم جاتے۔ بہت سے چہرے' بہت سے رشتے' بہت سے قرضے میں تو سڑک کے درمیان کھڑا تھا اور ہر وقت یہ احساس ہوتا تھا کہ سڑک اب ختم ہو جائے گی۔ جب پنڈت اور سادھو ایسی معنی خیز باتیں کرتے تھے تو مجھے خود سے ایک اجنبیت محسوس ہوتی تھی' جیسے میں اپنا نہیں ہوں' میں تو ادھار کا آدمی ہوں' میرا ارادہ اپنا نہیں ہے' میں زنجیروں میں بندھا ہوا ہوں۔

سادھو دیوراج مجھے کش مکش میں مبتلا دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔" اب وہی تجھے سمجھے گی مورکھ! اپنے من کے حوصلے نکال لے۔ تو سمجھتا ہے' تیرا کام ایک دن میں ختم ہو جائے گا۔ تیرا کام کبھی ختم نہیں ہو گا۔ ہر دن اور بڑھ جائے گا اور پھر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔" وہ بپھرنے لگا تھا۔ پھر وہ مجھ پر یاس اور حسرت کی ایک نگاہ ڈالتا ہوا باہر کی طرف چلا۔ مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ میں اسے روکوں۔ وہ جیسے ہی باہر نکلا۔ کمرے میں ایک ساتھ بہت سے لوگ داخل ہو گئے۔

" کیا وہ ناراض ہو کے گیا ہے؟ دنیش نے تشویش سے پوچھا۔

" شاید۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔

" کیوں؟" وہ کیا چاہتا ہے؟ وہ تمہیں کہاں لے جانے کو کہہ رہا تھا؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔" یہ کیا راز ہے' وہ تم پر بطور خاص اتنا فریفتہ کیوں ہے؟"

وہ سب مجھ سے کرید کرید کے پوچھتے رہے کہ سادھو نے ان کی عدم

موجودگی میں مجھ سے کیا کیا باتیں کیں؟ سادھو کا اچانک آنا اور میرے زخم سے اتنی ہمدردی رکھنا۔ میرے سرھانے بیٹھ کے تخلیے کا حکم دینا' ان سب کے لیے یقیناً ایک ناقابل فہم اور پراسرار مظاہرہ تھا۔ خود میرے تجسس کی کیفیت ان سے مختلف نہیں تھی۔ میں نے انہیں یہ کہہ کے ٹال دیا۔" سادھو کو میرے جسم پر کچھ ایسی علامتیں نظر آ گئی ہیں جو دھرماتما لوگوں کے جسموں پر ہوتی ہیں۔ غالباً اس کی خواہش یہ ہے کہ میں سنسار کا کام چھوڑ کے دھرم کی طرف راغب ہو جاؤں۔"

" تم نے کیا جواب دیا؟" پارو نے اضطراب سے پوچھا۔

" میں نے اسے مایوس کر دیا۔"

وہ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ سادھو کا ایک کارنامہ خود ان کی نظروں کے سامنے تھا۔ میری پنڈلی پر زخم کی جگہ اب صرف ایک سیاہ دھبہ رہ گیا تھا۔ نرسیں بار بار اسے دیکھتی تھیں اور انگلی سے چھیڑ کے درد کی شدت کا اندازہ لگاتی تھیں۔ میں زخمی ٹانگ کے زور پر بیٹھا ہوا تھا۔ جلا ہوا حصہ دنیش نے بھی دیکھا تھا۔ سب حیرت زدہ تھے۔ سادھو نے آ کر مجھے ایک عذاب سے نجات دلا دی تھی۔ کون کسی کا اتنا خیال رکھتا ہے؟ جب دنیش چندر کو گولی لگ گئی تھی تو سادھو اسے دیکھنے کے لیے ایک بار پہلے بھی آیا تھا اور دروازے سے واپس ہو گیا تھا۔ وہ دنیش کے لیے کوئی ایسی کرشمہ کار دوا ساتھ نہیں لایا تھا۔ ایک موقع پر بھون کی طناز عورتیں میرا مذاق اڑا رہی تھیں۔ اس وقت سادھو ہی تھا جس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے اور مجھ سے شفقت کا اظہار کر کے سب کو دنگ کر دیا تھا۔ اب سادھو دیو راج ایک اور شوشہ چھوڑ کے چلا گیا تھا۔ نرسوں کی زبان نہیں کاٹی جا سکتی تھی۔ صبح تک بھون میں اس بات کا چرچا ہو جانا ضروری تھا میں اٹھ کر چلنا پھرنا چاہتا تھا لیکن دنیش نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی۔ نتیجتاً مجھے بستر پر ٹھہرے رہنا پڑا۔ احتیاطاً نرسوں کو بھی روک لیا گیا تھا۔ دنیش کو شبہ تھا کہ سادھو کی تیر بہدف دوا کے اثرات ذرا سی بے احتیاطی سے مختلف نہ ہو جائیں۔ لیٹے لیٹے میرا جسم اکڑ گیا تھا۔ ڈالی نے آ کے میری پنڈلی کی مالش کی۔ ملاقاتی کمرے کے بجائے اب سب اسی کمرے میں آ گئے تھے۔ نرسیں باہر بھیج دی گئی تھیں۔ 2 بجے رات تک وہ وہاں ٹھہرنے کے لیے بہانے کے طور پر مختلف موضوعات ڈھونڈتے رہے۔ ریتا کی وجہ سے بیشتر گفتگو انگریزی میں ہوتی رہی جسے بھی موقع ملتا۔ وہ چور نظروں سے ایک بار میری طرف دیکھ لیتا تھا اور مسکرا کے پھر بحث میں شامل ہو جاتا

aazzamm@yahoo.com

تھا۔

دنیش نے ٹھیک 2 بجے یہ محفل برخاست کرنے کا اعلان کیا اور میں کمرے میں تنہا رہ گیا۔ سب اپنے اپنے مسکنوں میں چلے گئے مجھے نیند نہیں آئی۔ میں صبح تک جاگتا رہا۔ جانے کہاں کہاں آوارہ پھرتا رہا صبح جب اجالا پھیلنے لگا۔ تو نرسوں نے ادھر کا رخ کیا میں نے انہیں واپس بھیج دیا۔ رات کو کئی بار میں نے کمرے میں چل پھر کے اپنے زخم کی صحت کا مکمل یقین کرلیا تھا۔ اب نرسوں کی ضرورت نہیں تھی ۔ میں خوب چل پھر سکتا تھا۔ صبح دم سب سے پہلے میں نے ملاقاتی کمرے میں جاکے فون اٹھایا احتیاط سے نمبر ملانے لگا۔ جیسا کہ مجھے یقین تھا' وہ اپنے بستر پر موجود تھی۔ میں نے شائستگی سے اسے مخاطب کیا۔ ''میں پروفیسر ہوں۔''

''پروفیسر!'' وہ چونک پڑی۔ ''اب کیسے ہیں آپ؟''

''سنا تھا کہ آپ تشریف لائی تھیں۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔

''ہاں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ایک سنگین حادثے کا شکار ہو گئے تھے ۔ آپ کو دیکھنے کو بہت جی چاہا لیکن کوئی ایسی صورت نظر نہیں آئی ۔ ہم بہت دیر ٹھہرے رہے۔'' اس کی آواز میں رعشہ سا تھا۔

''مجھے اپنی بدنصیبی کا افسوس ہے۔''

''پھر ہم نے کئی بار آپ کو فون کیا مگر کسی بار بھی آپ کا حال پوچھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ جب بھی فون کیا' یہی بتایا گیا کہ آپ کی طبیعت ناساز ہے۔ شاید آپ کے کمرے سے فون اٹھا لیا گیا تھا۔''

''جی لیکن اب میں تقریباً پھر زندہ ہو گیا ہوں اور آپ سے بات کرسکتا ہوں۔ یہ آنکھ مچولی تو عرصے سے جاری ہے' کہئے آپ کا مزاج کیسا ہے؟'' میں نے اشتیاق سے پوچھا۔ ''مہاراجہ کا کیا حال ہے؟''

اس نے ایک گہری سانس لی۔ ''مہاراجہ بہت ناآسودہ ہیں۔ بیشتر وقت لائبریری میں گزارتے ہیں اور ہمارا حال تو یکساں ہے۔ یہ بتایئے کہ آپ نے آج کیسے فون کرلیا؟'' اس کے لہجے میں کھنک پیدا ہوئی۔

''بس یوں ہی آپ کو زحمت دینے کو جی چاہا۔ سوچا' صبح صبح آپ کی آواز سنی جائے اور دوسری زندگی کا آغاز اس شان دار طریقے سے کیا جائے۔ اس جرات کی تخلیق آپ کے دیئے ہوئے اعتماد کے بغیر ممکن نہیں تھی۔''

''خوب' وہ ضرور مسکرائی ہوگی۔ میں تصور میں اس رشک سمن کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ یہ آئینہ ہر شخص کے پاس ہوتا ہے مگر اسے آنکھوں سے نہیں دیکھا جاتا۔ کبھی کبھی آئینے پر گرد پڑ جاتی ہے اور کچھ نظر نہیں آتا ۔ اسے بہت نزاکت سے رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔'' آپ کا فون غیر متوقع ہے۔'' وہ طمطراق سے بولی۔ ''ہماری صبح کا آغاز بھی آج نہایت دلچسپ انداز میں ہوا۔''

''میں دعا کروں گا کہ آپ کا دن اچھا گزرے۔'' میں نے برجستہ کہا۔

''اچھے دن تو نایاب ہو گئے ہیں پروفیسر!'' وہ مغموم لہجے میں بولی۔ کاش ایسا ہو اور آپ کی آواز مبارک ثابت ہو۔ پھر وہ خود ہی کہنے لگی۔ ''ہمیں امید ہے آج کا دن کچھ بدلا ہوا ضرور ہوگا۔''

''دیکھئے' دن بھر دھڑکا لگا رہے گا۔ ہو سکے تو رات کو بتا دیجئے گا۔'' میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔ ''ایک یہ زحمت اور کر لیجئے گا۔''

وہ ہنسنے لگی۔ ''یہ بتایئے آپ ادھر کب آ رہے ہیں؟''

''مجھے یاد ہے کہ آپ نے کہا تھا کہ راج محل کے دروازے مجھے ہر وقت کھلے ہوئے ملیں گے' حالانکہ راج محل کی بلند و بالا عمارت کا تصور کر کے قدم جھجکنے لگتے ہیں۔ آپ ہی بلانے کا کوئی اہتمام کیجئے۔ کبھی کبھی آنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ راج کمار دنیش کی حالت تو کچھ بے قراری سی ہے۔

''تو آنے میں کیا تامل ہے' نہ آپ آتے ہیں نہ دنیش ۔ یہ عمارت جو سرخ اور مضبوط پتھروں سے بنی ہوئی ہے' اس میں بھی انسان رہتے ہیں پروفیسر! اور آپ کو اہتمام کا کیا عذر ہے۔ بس ارادہ کیجئے اور آ جایئے ۔ واقعی آپ کو دروازے کھلے ہوئے ملیں گے ۔ شرط یہ ہے کہ آپ اپنا دروازہ کھول کے باہر تو آئیں۔''

''آپ تو سب کچھ جانتی ہیں۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔ چند لمحے ریسیور پر سکوت طاری رہا۔ وہ اپنے ذہن میں لفظوں کا خاکہ تیار کر رہی ہوگی۔ میں نے پھر پہل کی اور دھیمی آواز میں کہا۔ ''ایک بات کہوں۔''

''جی۔'' اس کا لہجہ مستعد ہوگیا۔ ''کہئے۔''

''کبھی کبھی' خراب موسم دیکھ کے اور وحشت انگیز خبریں سن کے جی کرتا ہے کہ راج محل کا رخ کیا جائے اور مہاراجہ اور آپ کی دل نشیں رفاقت سے ذہن کا تکدر دور کیا جائے۔ مہاراجہ کی ذات سے ایک خاص ربط محسوس ہوتا ہے۔ وہ ایک بہت نرم

aazzamm@yahoo.com

خو اور مدبر شخص ہیں۔"

"وہ بھی آپ سے بہت متاثر ہیں۔ صرف ایک ملاقات میں ان کے دل و دماغ پر آپ کا گہرا نقش قائم ہوا ہے وہ آپ سے دوبارہ ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ ہم آپ کے جذبات ان تک ضرور منتقل کریں گے۔ فرمائیے' آپ کچھ کہہ رہے تھے؟"

"ہاں ۔ آپ نے مہاراجہ کی ناسازی مزاج کا ذکر کیا تھا۔ کچھ نزاکتوں کا خیال مجھے بھی ہے۔ میں ......" میں نے جھجک کے کہا۔ "میں مہاراجہ کی اعلیٰ دماغی اور غیر معمولی سیاسی بصیرت کا معترف ہوں لیکن کبھی چیزیں دوسرے انداز سے دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے۔"

"ہمیں یقین ہے' آپ کوئی بہت قیمتی بات کہنے والے ہیں ۔ ہم بے حد مضطرب ہیں۔" اس نے تمکنت سے کہا۔

"کیوں نہ پرانے دوستوں کو ایک بار آزما لیا جائے۔ ان سے کہیے ایک ذرا دل سے آواز دیجیے' پھر سب بے خوار شیر و شکر ہو جائیں گے۔ گرمی کا احساس گرمی اور شدید کر دیتا ہے۔ کچھ لوگوں سے اگر کبیدگی کا شکوہ ہے تو سینہ کشادہ کرنے کا تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے' جہاں تک میری ناقص معلومات کا تعلق ہے' میں سمجھتا ہوں' بادل اب بھی چھٹ سکتے ہیں اور برکھا برس سکتی ہے۔"

"جی پروفیسر!" میں نے اس کا تاثر جاننے کے لئے وقفہ لیا۔ "ہم ہمہ تن گوش ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ اسی طرف آ جائیں۔"

"ابھی نہیں۔" میں نے بے چینی سے جواب دیا۔ "میں اس خبر کا آرزو مند ہوں کہ مہاراجا اپنے پرانے حسین رفیقوں کی ایک شان دار ضیافت کا اہتمام کر رہے ہیں اور دوسری طرف مہاراجا کے اعزاز میں چھاؤنی میں ایک عظیم الشان جشن منعقد ہو رہا ہے۔"

"پروفیسر!" وہ جذباتی انداز میں بولی۔ "ناگفتنی باتیں ہیں۔"

مجھے احساس ہے' میں نے تیزی سے کہا۔ "ادھر راج کمار دنیش بھی بہت حساس ہیں۔ میں سمجھتا ہوں' آپ یا مہاراجہ انہیں کسی خدمت کے لیے طلب کریں تو ان سے اہم کام لیے جاسکتے ہیں۔ خبریں تو عجب عجب اڑتی ہیں لیکن دنیش چندر ایک مختلف نوجوان ہیں۔ کچھ یہی سبب ان سے میری دوستی کا ہے۔"

"بلا شبہ دنیش ایک ممتاز اور علیحدہ نوجوان ہیں۔" اس نے تپاک سے کہا۔

"اور وہ ایک سعادت مند شخص بھی ہیں۔ ان کے سینے میں ایک غریب آدمی کا دل دھڑکتا ہے وہ نہ پرکاش چندر ہیں' نہ مہیش چندر اور نہ کوئی اور' ان کا سینہ بہت بڑا ہے اور نگاہ جھکتی ہے۔"

"اور آپ اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ رہے ہیں؟" اس نے تیکھے پن سے کہا۔

"میں تو ابھی کچھ سیکھنے کی منزل میں ہوں' کسی چیز کی تلاش ہے۔"

"آپ کے کتنے روپ ہیں پروفیسر؟" وہ شوخی سے بولی۔

"صرف ایک روپ۔"

"اور ہمیں اسے دیکھنے کی آرزو ہے۔"

"آگ لگ جائے گی۔" کاش یہ جملہ واپس ہو سکتا۔ بس میرے منہ سے نکل گیا۔ میں نے اپنے گال پر طمانچہ مارا۔ وہ بھی کچھ چپ ہو گئی' میں نے کریڈل پر ہاتھ رکھ دیا اور بیٹھے بیٹھے ہانپنے لگا۔

صبح اٹھ کے دنیش نے ملاقاتی کمرے میں مجھے صوفے پر ایک طرف سمٹتے ہوئے خاموش بیٹھے دیکھا تو اسے یقین نہیں آیا کہ میں اپنے پیروں سے چل کے یہاں تک آیا ہوں۔ اس نے مجھے دوبارہ کمرے میں ٹھونس دیا اور زبردستی بستر پہ لٹا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ مجھے اپنی صحت یابی کا انکشاف بتدریج کرنا چاہئے' اس طرح میں موجودہ اشتعال انگیز ماحول میں زیادہ سے زیادہ محفوظ رہوں گا۔ دوسری طرف سادھو کے متعلق ہونے والے چرچوں میں کمی آجائے گی۔ ورنہ سارا کا سارا بھون سادھو کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے گا اور توہمات کا بخار اتارے نہیں اترے گا۔ یہ اصل میں عذر لنگ تھا اور حقیقت یہ تھی کہ دنیش کو کہیں نہ کہیں سے مجھ پر پھر حملہ ہونے کا اندیشہ تھا۔ بھون کی فضا آشا دیوی کی موت کے بعد اور خراب ہو گئی تھی اور میرا حال یہ تھا کہ اب مجھ سے ایک لمحے بستر پر نہیں ٹھہرا جاتا تھا۔ کسی کل چین نہیں تھا۔ بستر پر لیٹنے کے بجائے میں اٹھ کے ٹہلنے لگا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ سب سے پہلے جیکسن کمرے میں آیا اور مجھے چلتا پھرتا دیکھ کے حیرت زدہ رہ گیا۔ دنیش نے اسے اس امید پر اندر آنے دیا ہو گا کہ میں بستر پر لیٹا ہوں گا۔ یہاں میں اس دیوار سے اس دیوار تک مٹرگشت کر رہا تھا۔ صحت یابی کی مسرت اور صبح صبح کنول سے بات کرنے کا جو ایک نشہ ذہن پر طاری تھا وہ جیکسن کو دیکھ کے رفع ہو گیا۔ پتہ نہیں' راج کماری کنول کا دن کیسا

aazzamm@yahoo.com

گزرے۔ میں نے سوچا' جیکسن کو دنیش کی خواب گاہ سے ملحق اندھے تہہ خانے میں ہمیشہ کے لیے بند کر دوں۔ میری بیماری میں بھی اس کی ریشہ دوانیاں جاری رہی تھیں۔ اب مجھے چاق و چوبند دیکھ کے وہ اور پرجوش ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ میں بھون کے زیر زمیں رازوں سے واقف ہوں۔ میں نے اس کا یہ یقین یکسر مسترد کرنے کی کوشش اس لیے نہیں کی کہ میرے کارآمد ہونے کی یہی رعایت اس کے ہول ناک الزامات التوا میں ڈال سکتی تھی۔ میں اسے اس قسم کا تاثر دیتا رہا کہ اس نے بھون میں میری خاص حیثیت کے بارے میں جو نتیجہ اخذ کیا ہے' وہ بالکل درست ہے۔ میں خود کو اس کا آلہ کار بنانے کی ضمانت دیتا رہا۔ اس کی جلدی کی وجہ یہ تھی کہ ابھی ریتا پرکاش بھون میں مہمان تھی اور وہ کسی بھی وقت واپسی کا اعلان کرسکتی تھی۔ یہی بات میرے لیے بھی طمانیت کا سبب تھی کہ ابھی اس ذہین شخص کا قیام یہاں ہے۔ بدقسمتی سے گولی چل گئی اور سارا معاملہ ادھورا رہ گیا۔ میں اس کی تطہیر کرنے سے پہلے اسے چھاؤنی کیسے رخصت کرسکتا تھا۔ دلوں کی صفائی ہو جانی چاہیے تھی ورنہ پیچیدگیاں بڑھ جانے کا احتمال تھا۔ مجھے احساس تھا کہ پرکاش بھون کے قیام کے دوران میں مختلف لوگوں سے جیکسن کا رابطہ رہا ہو گا۔ مجھ پر اس کی توجہ بے سبب تو نہیں تھی۔ اس مرتبہ بھی چند رسمی جملوں کے بعد اس نے اپنی باتیں چھیڑ دی تھیں۔ سادھو میری پنڈلی کا زخم تو ٹھیک کر گیا تھا لیکن اس نے یہ کچو کے ختم کرنے کی کوئی دوا نہیں دی تھی۔ اس وقت تو میں نے حسب معمول نہایت نیاز مندی سے عہد و پیمان کی تجدید کرتے ہوئے اسے مطمئن واپس کر دیا لیکن میرا اطمینان بھی وہ اپنے ساتھ لیتا گیا۔ پھر جیسے ہی پارو آئی۔ میں نے پہلی بار اسے اشارتاً جیکسن کے مشکوک رویے کے بارے میں بتانے کا ارادہ کیا مگر میں ارادہ ہی کرتا رہ گیا۔ پارو شاید اتنا بڑا الزام برداشت نہ کر پاتی۔ جو کچھ کرنا تھا۔ مجھی کو کرنا تھا اور اس معاملے کو تمام کاموں پر فوقیت دینی تھی۔ بھون میں کسی وقت بھی کوئی ہنگامہ کھڑا ہوسکتا تھا اور ریتا کی وداعی عمل میں آ سکتی تھی۔ ریتا اور کرنل ہارڈنگ کے طرز عمل سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی تھی کہ انہیں جیکسن کی فتنہ پردازیوں کا علم ہے۔ چنانچہ یہ بات طے تھی کہ جیکسن یہ تمام کارروائیاں اپنے طور پر کر رہا ہے۔ میں سارے دن یوں ہی الجھا رہا۔ کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہی تھا۔ مجھے تمام الجھنوں کا حل ایک ہی نظر آیا چنانچہ میں نے دنیش کے مشورے پر عمل کیا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ گزشتہ دن کی طرح آج بھی فکر مند لوگ مجھے دیکھنے آتے رہے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور مجھے

اس کے ضیاع کا شدت سے احساس تھا' ممکن ہے' رات کو کسی وقت راج کماری نے فون کیا ہو اور میرے پیغام پر مہاراجہ کا تاثر مجھے منتقل کرنے کی خبر دینا چاہتی ہو۔ میں لوگوں میں گھرا ہوا بیٹھا رہا۔ اس رات میں نے ڈالی کو ہدایت کی کہ وہ کپڑوں کی کسی گٹھری میں ایک مضبوط اور بڑی رسی کہیں سے فراہم کرکے لائے' دوسرے دن دوپہر کے وقت ڈالی گٹھری میں رسی چھپا کے لے آئی اور مسہری کے نیچے چھپا دی' تنہائی کا موقع ملتے ہی میں نے اسے پردوں کے پیچھے حفاظت سے رکھ دیا۔ ریتا' پارو اور شاردا کو معلوم تھا کہ میں بستر پر محض احتیاطاً دراز ہوں' اب میں ان کے سامنے بستر پر بیٹھ سکتا تھا اور ناتوانی سے کمرے میں چل سکتا تھا۔ یہ مصنوعی مظاہرہ بہت برا لگتا تھا لیکن اب مجھے خود اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔

سہ پہر کو دنیش نے مجھے خبر دی کہ مہاراجہ نے آج رات اسے ایک بے حد مخصوص اور نجی دعوت میں مدعو کیا ہے جس میں چھاؤنی سے صرف کرنل ہارڈنگ شریک ہے۔ وہ جوشیلے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہے' مہاراجہ نے دعوت کے شرکا میں صرف میرا' اپنا اور کرنل ہارڈنگ کے ناموں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے اور کنایتاً اسے خفیہ رکھنے کی ہدایت بھی کی ہے۔ موہن ایک اہم بات اور۔ مہاراجہ کو پوری طرح علم ہے کہ پروفیسر زاہدی کون ہے' انہوں نے کہا ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ان دنوں پروفیسر کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے ہمیں خوشی ہوتی' اگر وہ بھی شریک ہوتے۔ سمجھے؟ مہاراجہ اس خاص دعوت میں تمہاری شرکت پسند کرتے تھے۔ تم نے تو کمال کر دیا۔ ایک ہی ملاقات میں کیسا جادو کر دیا۔ میں سوچتا ہوں' آج تم موہن داس کی حیثیت سے میرے ساتھ چلو' لطف رہے گا۔ میں مہاراجہ اور کرنل سے معذرت چاہ لوں گا۔''

میں اس خبر کا منتظر تھا۔ میرے خط کا جواب آ گیا تھا۔ رات کنول نے ضرور فون کیا ہو گا۔ میں نے پورے انہماک سے دنیش کی داستان سنی اور مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ تو کوئی خاص بات معلوم ہوتی ہے۔ آج آپ تنہا جائیے دوسری ملاقاتوں میں میں ضرور آپ کے ساتھ چلوں گا۔''

''نہیں آج ہی چلو' میں تنہائی محسوس کروں گا۔'' وہ ضد کرنے لگا۔

''آج مناسب نہیں۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

''مگر تم اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو' تم نے تبصرہ نہیں کیا' اتنی اہم بات

aazzamm@yahoo.com

آسانی سے پی گئے؟"

"تبصرہ محفوظ ہے' بس آپ کو وہاں اپنی شخصیت کی طرح دل کش گفتگو کرنی ہے اور تو سب کچھ ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"تم بھی ساتھ چلونا۔" وہ پھر مچلنے لگا۔

"میں نے اس کی بات نظرانداز کر دی اور بھون میں رات کو اس کی منزل کی سمت خفیہ رکھنے کے انتظامات پر گفتگو کرنے لگا۔ طے یہ پایا کہ محل کا یہ حصہ بند کر دیا جائے گا اور میں اس میں مقید ہو جاؤں گا' شاردا سے کہہ دیا جائے گا کہ وہ پارو اور ریتا کو مصروف رکھے' ضروری ہو تو شاردا کو اصل بات بتا دی جائے گی۔ دنیش اپنی خاص گاڑی کے بجائے کسی اور گاڑی میں جائے گا اور پہرے داروں کو پہلے سے مطلع کر دیا جائے گا۔ وہ دروازہ کھلا رکھیں گے۔ احتیاطاً دنیش پروفیسر کی داڑھی اپنے چہرے پر استعمال کرے گا اور خود گاڑی ڈرائیو کرے گا۔ راج محل میں جاتے ہی دنیش داڑھی اتار لے گا' ادھر مہاراجہ نے بھی اپنے مہمانوں کی آمد خفیہ رکھنے کے انتظامات کیے ہوں گے۔

پروگرام کے مطابق رات آٹھ بجے کے قریب دنیش چندر روانہ ہو گیا اور میں پرکاش بھون کے سربراہ کے ان کمروں میں تنہا رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد رسی کی گٹھڑی لے کے باتھ روم کے راستے سے اندھیرے میں لپک گیا۔ میرے جسم پر ایک چادر لپٹی ہوئی تھی اور آدھا چہرہ اس میں چھپا ہوا تھا' کسی نے دیکھا بھی ہو گا تو یہ خیال نہیں کیا ہو گا کہ اس حلیے میں دنیش کا خاص ملازم موہن داس جا رہا ہے۔ باغ میں اندھیرا اور گہرا ہو گیا تھا۔ باڑھ کے درمیان کٹے ہوئے راستے سے اندر داخل ہو کے میں بھون کی فصیل کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک مناسب جگہ کی تلاش میں مجھے خاصی دیر لگ گئی۔ اتفاق سے کوئی ایسا درخت ہی نہیں ملتا تھا جو فصیل کے قریب ہو۔ چنانچہ باغ سے متصل ملازموں کے مکانوں کے عقبی حصے کی طرف مجبوراً مجھے اپنا رخ تبدیل کرنا پڑا۔ یہ جگہ تاریک تھی اور تلاش بسیار کے بعد میری نظریں ایک ایسے درخت کا سراغ پانے میں کامیاب ہو گئی تھیں جو فصیل سے ملحق بھی تھا اور اس کے ارد گرد خود رو بیلیں اگی ہوئی تھیں۔ یہاں درختوں کا ایک جھنڈ تھا جہاں نچلے ملازموں کے بچے دن کے وقت جھولا ڈال کے شرارتیں کیا کرتے تھے۔ ملازموں کا کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بھی یہاں جمع ہوتا تھا' فضا میں ایک غلیظ بو پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے درخت پر چڑھ کے رسی کا ایک

سرا موٹی شاخ سے باندھ دیا اور اس کی مضبوطی کی خوب اچھی طرح تصدیق کر لی۔ دوسرا سرا میں نے فصیل کے باہر پھینک دیا اور درخت سے نیچے اتر آیا اور تیز قدموں سے ملاقاتی کمرے میں واپس آ گیا۔

دوسرے لمحے میری انگلیاں فون پر لرز رہی تھیں۔ میں نے پہلے ہی آٹھ بجے کے بعد جیکسن کو اپنے کمرے میں موجود رہنے کی تاکید کر دی تھی۔ وہ منتظر بیٹھا تھا۔ اس نے پہلی گھنٹی پر فون اٹھا لیا اور چونک کر بولا۔ "تم تو ادھر آ رہے تھے۔"

"اب آپ ہی آ جائیے سرکار! جب آپ ملاقاتی کمرے کے عقب میں آئیں گے تو ایک دروازہ کھلا ہوا ملے گا' آپ اندر آ جائیے گا۔ دیر نہ کیجئے گا حضور! کچھ انعام ساتھ لے آئیے گا۔" میں نے جھجک کر کہا۔

فون کا سلسلہ منقطع ہونے کے سات آٹھ منٹ بعد وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔ "تم اکیلے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اور اسی لیے میں نے آپ کو زحمت دی۔ سرکار! وقت کم ہے' میں آپ سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو یاد ہے آپ نے کہا تھا کہ میری خدمات کے عوض سرکار میری آئندہ زندگی کی ضمانت دے دے گی۔"

"مجھے یاد ہے' میں تمہاری پر زور سفارش کروں گا۔"

"میں اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں جناب! اور یہاں سے بہت دور بھاگ جانا چاہتا ہوں' مجھے یقین دلائیے کہ آپ اپنے خادم سے اپنا وعدہ وفا کریں گے۔"

"یہ انگریز کا وعدہ ہے۔" اس نے مضبوطی سے کہا۔

انگریز کا وعدہ' محبوب کا وعدہ لیکن اس کافر کے وعدے پر مجھے ہر حال میں یقین کرنا تھا۔ "جو بات میں راز میں آپ کو بتانے والا ہوں۔" میں نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔ "اس کے بعد ریاست راجے پور میں میرے رہنے کی گنجائش نہیں رہے گی کیونکہ صرف مجھے اور راج کمار دنیش کو اس کا علم ہے۔ اپنا انعام وصول کر کے میں اسی وقت یہ ریاست چھوڑ دوں گا۔ پھر یہاں واپس آنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بتائیے کہ آپ کس شہر میں میری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

"سب سے پہلے تو میں تمہیں چھاؤنی میں محفوظ کر دوں گا۔ اس کے بعد تمہیں تمہاری پسندیدہ جگہ یا کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے گا۔" مجھے اس کی بات کا

aazzamm@yahoo.com

یقین کرنے میں تامل ہوا اور میں کچھ کہتے کہتے چپ ہوگیا' جیکسن میرے تامل کی تہہ تک پہنچ گیا۔ '' انگریز اپنے وفاداروں سے دغا کرنے لگیں تو یہاں ایک دن بھی حکومت نہیں کرسکتے ۔تمہیں مجھ پر اعتبار کرنا ہو گا۔''

'' آپ یسوع مسیح کو گواہ بنایئے۔''

'' میں یسوع مسیح کو گواہ کرکے تم سے وعدہ کرتا ہوں۔''

میری ہچکچاہٹ اور گریز سے اس کا اضطراب بڑھتا گیا اور وہ طرح طرح سے مجھے یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس چالاک آدمی نے اس وقت میجر رابرٹ کی ہلاکت کے جرم کی کوئی دھمکی مجھے نہیں دی۔ میں نے اس گریز کو طول نہیں دیا۔ بصورت دیگر مجھے راہ راست پر لانے کے لیے اس کے پاس دھمکی کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہ جاتا۔ '' جناب !'' میں نے رازدانہ انداز میں کہنا شروع کر دیا۔'' آپ نے یہاں سے کچھ دور راجے پور کی پرانی عمارتوں کے کھنڈر دیکھے ہیں' یہ نیا شہر آباد ہونے سے پہلے وہاں بھی ایک خوب صورت بستی تھی مگر پنڈتوں نے اسے منحوس قرار دے دیا اور موجودہ مہاراجہ کے کسی پردادا نے وہ محلات چھوڑ دیئے۔ اب وہ کھنڈر میں بدل گئے ہیں۔''

'' ہاں ۔'' وہ تیزی سے بولا۔ '' مجھے یہ داستان معلوم ہے اور میں نے وہ کھنڈر بھی دیکھے ہیں۔ وہاں کیا ہے؟''

'' وہاں اب بھی بہت کچھ ہے جناب !'' میں نے ادھر ادھر دیکھ کر سرگوشی میں کہا۔'' وہاں ریاست راجے پور کی نہ جانے کونسی اہم دستاویزات محفوظ ہیں' جن کا علم صرف مجھے اور راج کمار دنیش چندر کو ہے۔''

'' اچ چھا؟'' وہ حیرانی سے بولا۔

'' وہاں ایک خفیہ تہہ خانہ ہے' جس کا راستہ مجھے معلوم ہے' ایک پیچیدہ سرنگ سے ہوکے اس تہہ خانے میں جانا پڑتا ہے۔ میں وہ جگہ جانتا ہوں' کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ پتھروں کے نیچے دبی ہوئی ایک تجوری میں ایسے کاغذات محفوظ ہو سکتے ہیں۔''

'' کیا تم وہاں آسانی سے پہنچ سکتے ہو؟''

'' جی ۔لیکن صرف میں' کوئی اور نہیں ۔ میرا دعویٰ ہے کہ کوئی دوسرا ہزار

سال کی کوشش کرکے بھی ان پتھروں تک نہیں پہنچ سکتا۔ دو ایک روز میں مناسب وقت دیکھ کے آپ کو لے چلوں گا' اس عرصے میں آپ میرے فرار کے انتظامات کر دیجئے۔''

'' کیا تم وہاں ابھی نہیں چل سکتے ؟'' اس نے بے چینی سے کہا۔

'' ابھی ؟ یعنی اس وقت ؟ رات کا وقت ہے جناب !''

'' ہاں ابھی' رات کا وقت تو زیادہ مناسب ہے۔''

'' نہیں ۔نہیں ۔'' میں نے گھبرا کے کہا۔'' ابھی نہیں۔''

'' ابھی کیوں نہیں ؟ کیا تم پھر خوف زدہ ہوکہ میں اپنے وعدے سے پھر جاؤں گا اور اس لیے انتظامات کا وقت لینا چاہتے ہو؟''

'' نہیں جناب یہ بات نہیں ہے'اس وقت صدر دروازے سے باہر نکلنا ٹھیک نہیں ہے۔ راج کمار محل گئے ہوئے ہیں اور اس کا پتہ بھی صرف مجھے ہے' بھون میں کسی اور کو نہیں معلوم۔''

'' تو پھر وہ جلد واپس نہیں آئیں گے' تم ایسا کرو کہ میری گاڑی میں چھپ جاؤ' صدر دروازے پر تمہیں کوئی نہیں دیکھے گا' کھنڈروں سے دستاویزیں حاصل کرنے کے بعد تم اگر چاہو تو یہاں واپس آجانا یا میرے ساتھ چھاؤنی چلنا۔ راج کمار کو ان کاغذات کی گم شدگی کا علم اس وقت ہو گا جب وہ انہیں تلاش کرنے جائیں گے اور وہ تنہا نہیں جائیں گے' تمہیں ضرور ساتھ لے کے جائیں گے۔تم کسی بھی لمحے چھاؤنی میں پناہ لے سکتے ہوں۔''

ہر بات توقع کے مطابق ہو رہی تھی۔ میں نے رسمی انکار کیا اور آخر اس کے اصرار پر شکست قبول کرلی۔ ریتا کی گاڑی مہمان خانے کے گیراج میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے پچھلی نشست پر دبکنے کی ہدایت کی' میں اس کا اچھا خاصا تجربہ رکھتا تھا۔ وہ مجھ سے پہلے کمرے سے نکل گیا تاکہ دروازہ کھلا رکھے اور اسٹیرنگ پر بیٹھ کے میرا انتظار کرتا رہے۔ میں اسے ایک لمحے کے لیے بھی خود سے جدا کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن ہم دونوں کا ایک ساتھ گاڑی تک پہنچنا نہ صرف مشکوک بلکہ مخدوش اقدام تھا۔ یہ مہلت مجھے جبراً دینی ہی تھی۔ اس کے جانے کے ٹھیک چار منٹ بعد میں چپکے سے باہر نکلا اور اندھیرے میں تیرتا ہوا گیراج تک پہنچ گیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر وہ

aazzamm@yahoo.com

اسٹیرنگ پر بیٹھا ہوا نہیں ملا تو میں وہیں سے لوٹ جاؤں گا۔ وہ گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔ گویا اسے اس مختصر عرصے میں کسی سے رابطہ قائم کرنے کی مہلت نہیں ملی ہو گی۔وہ اتنے جوش میں تھا کہ اس سے اس ذہانت کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ میں نے ہر پہلو کا خیال رکھا تھا اور اس وقت کھنڈروں میں جانے سے انکار کر دیا تھا' یہ پروگرام ای کا بتایا ہوا تھا۔ میں تو بادل نخواستہ آمادہ ہوا تھا۔

میں پچھلا دروازہ کھول کے پچھلی اور اگلی نشستوں کے درمیان گاڑی کی زمین پر چھپ گیا تو اس نے چوڑے تکیے مجھ پر ڈال دیئے۔ گاڑی پر سرکار برطانیہ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ صدر دروازے پر سیٹیاں بجنے لگیں اور سیلوٹ مارنے کی آواز آئی۔ فوراً دروازہ کھول دیا گیا۔ کسی نے اندر جھانکنے کی ہمت بھی نہیں کی ہو گی۔ کھنڈر آنے سے پہلے میں نے سر نہیں ابھارا' جیکسن نے گاڑی کسی درخت کے سائے میں کھڑی کی تھی۔ دبیز اندھیرا ہر طرف مسلط تھا' اس نے پچھلا دروازہ کھول دیا اور گاڑی سے باہر آنے کے لیے مجھے آہستہ سے آواز دی۔ "جلدی کرو۔" میں نے حکم پر فوراً عمل کیا اور برق رفتاری سے باہر نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹارچ تھی۔ جس کی روشنی میرے چہرے پر پڑی اور پھر ہاتھوں پر "یہ کیا؟" اچانک خوف و دہشت میں لپٹی ہوئی آواز ابھری۔

"جیکسن صاحب! حرکت کرنے کی کوشش مت کیجئے' ہاتھ اٹھا لیجئے اور اپنے تمام ہتھیار میرے حوالے کر دیجئے۔" میں نے سرد آواز میں کہا۔

"مگر۔تم' تم' تم نے۔" وہ ہذیان بکنے لگا۔

"مجھے بھون جلدی واپس پہنچنا ہے' لائیے اپنا پستول مجھے دے دیجئے۔" میں نے جھپٹ کر اس کی ٹارچ چھین لی اور جیب میں ہاتھ ڈال کے پستول برآمد کر لیا' ایک چھوٹا پستول اس کی پتلون کی پچھلی جیب سے چپکا ہوا تھا' وہ بھی میں نے کھینچ لیا۔

"جیکسن صاحب! مجھے افسوس ہے' راجے پور کی چھاؤنی اپنے ایک اور لائق افسر سے محروم ہو رہی ہے' آپ نے گزشتہ دنوں بہت پھرتی دکھائی' مجھے خاصا پریشان کیا' یوں آپ تمام ہندوستان کو ایک زمانے سے پریشان کیے ہوئے ہیں۔ آپ نے مجھے غلط سمجھا' راج کمار دنیش چندر سے میرے بہت سے رشتے ہیں۔" میں نے سکون سے کہا۔

"آپ ہر ہندوستانی کو اتنا ذلیل سمجھتے ہیں۔ اس دن آپ نے اپنے اقتدار و اختیار'

طاقت و عظمت اور جاہ و حشمت کا تذکرہ بہت افتخار سے کیا تھا۔ ایک اجنبی زمین پر یہ باتیں آپ کی زبان سے زیب نہیں دیتیں۔ یہاں تک پہنچنے کے لیے مجھے بہت سوچنا پڑا' پھر اس فیصلے کے سوا کوئی چارہ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"تم۔تم مجھے کیوں مارنا چاہتے ہو؟ اس نے ہکلا کر کہا۔

"کاش اس کی ضرورت نہ پڑتی لیکن آپ نے اطمینان سے زندہ رہنے کا ہر گوشہ بند کر دیا۔ آپ نے مجھ پر بڑے خطرناک الزامات عائد کیے۔ آپ نے دھمکیاں دیں' آپ نے مجھے پست اور گھٹیا آدمی سمجھا۔ حالانکہ آپ خود بہت بڑے کمینے ہیں۔" میں نے نفرت سے کہا۔

"مجھے بھون کے لوگوں نے بتایا تھا۔" وہ عاجزی سے بولا۔ "مجھے پریت اور دوسری لڑکیوں نے بتایا تھا کہ میجر رابرٹ کی موت میں ضرور تمہارا ہاتھ ہے یقین جانو میں نے اس پر کبھی یقین نہیں کیا۔ میں نے اپنے فرائض ادا کرنے کی کوشش کی' مجھے تمہاری بے گناہی کا یقین ہے۔ میجر رابرٹ کا سانحہ حادثے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"آپ نے اچھا کیا جو پریت کا نام لے دیا۔ وہ حادثہ نہیں تھا' میجر رابرٹ کو میں نے پہاڑی سے دھکا دیا تھا اور آپ سچ کہتے تھے کہ گاڑی سمیت' سمجھے اب' میں اعتراف کرتا ہوں۔" میں نے شعلہ بار آواز میں کہا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو' تم نے یہ نہیں کیا۔" وہ معصومیت سے بولا۔

"آپ کو بعد از وقت اس کا احساس ہوا۔ میں آپ کو شوٹ کرتا ہوں۔" میں نے پستول اس کے سینے کی جانب تانتے ہوئے کہا۔

"تم غلطی کرو گے۔ میں نے احتیاط چھاؤنی اطلاع دے دی تھی کہ میں کھنڈر کی طرف روانہ ہو رہا ہوں۔ مسلح محافظوں کا دستہ اب آتا ہی ہو گا۔ اس سے پہلے کہ وہ آئیں اور یہ منظر دیکھیں' ہم دونوں بھاگ لیں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ آج سے میری نظر میں تمہارا درجہ مختلف ہو گا۔" وہ گھگیا کر بولا۔

"ہونہہ۔" مجھے ہنسی آ گئی۔ "جیکسن تم پھر اندازے کی غلطی کر رہے ہو' اگر تم نے چھاؤنی اطلاع دے دی ہے تو اور برا کیا ہے۔ پھر مجھے ان سب کا بھی انتظار کرنا پڑے گا۔ میرے ہاتھ میں بے آواز پستول ہے' ایک اور پستول بھرا ہوا موجود ہے'

aazzamm@yahoo.com

دو تمہارے بھی ہیں اور میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔ میں صدر دروازے سے بھون د
نہیں جاؤں گا۔"

"میری بات سنو' میری بات سنو۔"

"آپ کی زبان لڑکھڑا رہی ہے جیکسن صاحب ایک پستول کے سا
ہندوستان والے یہ راز نہیں جانتے کہ جس دن انہوں نے آپ سے پہلے ہتھیار اٹھا
' اس دن یہاں قیامت برپا ہو جائے گی اور سنیئے' میں ذاتی طور پر آپ سے نفرت ک
ہوں' یہ نفرت آپ ہی نے پیدا کی ہے' میں آپ کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتا۔"

"تم اپنا فیصلہ بدل دو' مجھ پر احسان کرو۔" وہ آہ و بکا کرنے لگا۔ میں
ٹریگر دبا دیا۔ ایک ہلکی سی آواز ہوئی اور وہ وہیں ڈھے گیا۔

بھاگنے سے پہلے میں نے گاڑی کے اندرونی اور بیرونی حصوں پر کپڑے
ہاتھ پھیرنا فراموش نہیں کیا پھر میں اس کی لاش کھینچتا ہوا گاڑی سے کچھ دور لے آیا ا
ایک شکستہ چبوترے پر اسے ڈال دیا۔ ان کھنڈروں کا فاصلہ پرکاش بھون سے زیادہ دو
نہیں تھا۔ میں نے بھاگنا شروع کیا' کھنڈر سے چند ہی قدم دور گیا ہوں گا کہ
روشنیوں کی ایک گاڑی مجھے اپنی سمت آتی دکھائی دی' میں تیزی سے کھنڈروں کی طرف
واپس بھاگنے لگا۔ گاڑی کا رخ بھی اسی طرف تھا' میرا دل ڈوبنے لگا۔ جیکسن نے
نہیں کہا تھا' اس نے نہ جانے کس طرح ملاقاتی کمرے سے گاڑی تک میرے سفر کی
مختصر مدت میں یہ رابطہ قائم کرلیا تھا۔ میں نے ایک ستون کی آڑ لے کر دیکھا' وہ کھلی
جیپ تھی اور اس میں چھ سے کم آدمی کیا ہوں گے۔ جیکسن کی گاڑی اور اس کی لاش
ایک لمحے میں انہیں جیپ کی تیز روشنیوں میں نظر آجاتی' مفر کی اب کوئی صورت نہیں
تھی۔ وہ لاش دیکھ کر کھنڈر کھنگال ڈالیں گے۔ میں نہ یہاں چھپ سکتا تھا' نہ بھاگ
سکتا تھا۔ اگر جیکسن نے انہیں احتیاطاً وہاں پہنچنے کی ہدایت کی ہو گی تو وہ میرا نام بھی بتا
سکتا ہے' یہ درست ہے کہ اس نے کام کی نوعیت نہیں بتائی ہو گی' ممکن ہے' میرا نام
بھی نہ بتایا ہو' ایک طویل پیغام کی مہلت اسے نہیں ملی تھی۔ وہ چند ہی لفظ کہہ سکا ہو
گا۔ اسے پوری طرح یہ اطمینان تھا کہ اس اندھیری رات میں کھنڈروں میں جانے کا
میرا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ اس نے عجلت کرکے خود یہ پروگرام بنایا تھا' ذرا سی چوک ہو
گئی' مجھے ملاقاتی کمرے سے اسے اپنے ساتھ لے کے نکلنا چاہئے تھا۔ وہ لمحوں می

ہوشیاری دکھا گیا اور میجر رابرٹ سے زیادہ ذہین ثابت ہوا یا یوں کہئے کہ میجر نے شہید ہو کے اپنے ساتھیوں کے کان کر دیئے۔ بہرحال اب صورت یہ تھی کہ وہ تقریباً چھ آدمی تھے اور میرے پستولوں میں 24 گولیاں تھیں۔ انہوں نے آہستہ سے گاڑی کھڑی کر دی۔ ایک شخص گاڑی سے اترا اور دبے قدموں جیکسن کی گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں دھری ہوئی ٹارچ کی روشنی سے گاڑی کا معائنہ کیا۔ گاڑی خالی تھی۔ وہ کچھ پریشان ہوا ہو گا اور ادھورا پیغام موصول ہونے پر جزبز ہو رہا ہو گا۔ کچھ دیر تک وہ گاڑی کے ساتھ چپکا کھڑا رہا جیسے سوچ رہا ہو کہ اب کیا قدم اٹھانا چاہئے؟ میں اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی ادھر ادھر چھینکی تاکہ جیکسن قریب ہی کہیں ہو تو سمجھ جائے کہ اس کے ساتھی پہنچ گئے ہیں اور حکم کے منتظر ہیں۔ وہ اچانک کھڑے کھڑے لڑکھڑا گیا۔ اسے گاڑی کے قریب زمین پر خون نظر آگیا تھا۔ اس نے جھک کر دیکھا اور پھر جہاں جہاں میں نے جیکسن کی لاش کھینچی تھی ٹارچ کی روشنی وہاں وہاں سے کودتی پھدکتی ہوئی آخر جیکسن کی لاش کے گرد پہنچ گئی۔ اس کے منہ سے ایک دل دوز کراہ نکلی اور اس نے بے تحاشا اپنے ساتھیوں کو آوازیں دیں۔ وہ سب گاڑی سے اتر کے پستول تھامے ٹارچ روشن کیے تیزی سے چبوترے پر پڑی ہوئی لاش کی طرف بھاگ پڑے' مجھے اندازہ تھا کہ اس تحیر خیز نظارے کے بعد ان کا اگلا قدم کیا ہو گا' وہ دیوانوں کی طرح کھنڈر میں منتشر ہو جائیں گے اور مجھے جلد یا بدیر کھنڈر کا ایک حصہ بنا دیں گے۔ زندہ تو میں ان کے ہاتھ آنے لا نہیں تھا۔ میں نے سادھو کی بات مان لی ہوتی اور اس کے ساتھ چلا گیا ہوتا تو یہ برا ت ٹل جاتا خیر' پچھلی باتوں کا رونا کیا۔ ایک سادھو کیا' میں پرکاش بھون میں نہ آیا تا' میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ میں پوری طرح مستعد کھڑا تھا۔ وہ سب جیسے ہی لاش گرد اکٹھے ہوئے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں پستول مضبوطی سے پکڑے لیے' ل یہی ایک لمحہ تھا۔ اس سے بہتر نشانہ ممکن نہیں تھا۔ میں نے پستول کے کھٹکے پھرتی سے دبانے شروع کر دیئے' کھنڈروں میں گولیوں اور چیخوں کی بازگشت دور دور تک گئی ہو گی۔ ان میں سے چار تو وہیں جیکسن کے ساتھ ڈھیر ہو گئے' تین نے بدحواسی سے بے تحاشا دوڑنا شروع کیا' جیپ کے سوا ان کا کوئی دوسرا رخ نہیں ہو سکتا تھا' میں پہلے ہی اس کا تعین کر چکا تھا۔ وہ تعداد میں سات نکلے میں ان سے چوگنی تعداد سے بھگت

aazzamm@yahoo.com

چکا تھا' ایسے وقت میں کوئی اندیشہ' کوئی خوف ذہن آلودہ نہیں کرتا ۔ ایسے میں صرف ایک دھن سوار رہتی ہے' اپنے بچنے کی فکر ۔ ایسے میں آدمی کی صلاحیتیں بے حساب ہو جاتی ہیں' حواس ہزار گنا حساس ہو جاتے ہیں' ان کے مقابلے میں میں نسبتاً زیادہ بہتر پوزیشن میں تھا۔ انہیں میری سمت کا علم نہیں تھا' اور وہ تمام میری نظروں کے احاطے میں تھے اور اس احاطے سے میں انہیں بھاگ نکلنے کا کوئی موقع دینا نہیں چاہتا تھا' وہ اس اچانک افتاد سے مکمل طور پر حواس کھو بیٹھے تھے جب کہ مجھے اپنے حواس قائم رکھنے کا معقول وقت مل چکا تھا۔ میں اپنی جگہ بدل کے چبوترے سے اتر آیا۔ ایک نے جرات کی ۔ وہ میرے قدموں کی آہٹ پر پیچھے مڑا اور پستول داغ دیا میں پہلے ہی اپنی جگہ سے ہٹ چکا تھا۔ اسے دوسری گولی چلانے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ جہاں کھڑا تھا' وہیں لہرا گیا۔ اب دو باقی رہ گئے تھے اور سرپٹ بھاگ رہے تھے۔ "ٹھہرو!" میں نے چیخ کر کہا۔" ایک نے رک کر پیچھے مڑنے کی غلطی کی اور دوبارہ اپنا منہ سیدھا نہ کر سکا' اس مدت میں آخری آدمی جیپ تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے ایک ثانیے میں جیپ اسٹارٹ کی۔ اگر یہ آدمی بچ کر نکل جاتا تو میری تمام محنت ضائع چلی جاتی۔ اس ایک آدمی کی جان میں میری جان بند تھی۔ میں نے گھوڑے کی رفتار سے جیپ پکڑنے کی کوشش کی اور ناکام ہو گیا۔ ناچار مجھے ٹائروں پر اندھا دھند فائرنگ کرنی پڑی۔ جیپ آگے جا کے ٹھس ہوئی اور وہیں سے میرے شانے سے گزرتی ہوئی ایک گولی چلی۔ میں زمین پر لیٹ گیا' دوسری گولی چلی' تیسری چلی' وہ ایک محفوظ جگہ بیٹھا تھا اور مجھے آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا' اس میں بھی وہ خفیہ صلاحیتیں بیدار ہو گئی تھیں جو مرتے ہوئے آدمی کا آخری بار ضرور ساتھ دیتی ہیں۔ میں نے اس کا نشانہ بہکانے کے لیے مختلف ترکیبیں کیں اور آخر میں نے اپنی ٹارچ روشن کر کے ایک سمت پھینک دی' اس نے ایک ساتھ دو گولیاں چلائیں۔ میں دائیں سمت سے زمین پر لوٹتا ہوا جیپ تک پہنچ گیا ۔ جیپ کے نیچے سے میں نے اپنا ایک پستول مخالف سمت پھینک دیا۔ اس نے وہیں نشانہ لگانے کا ارادہ کیا لیکن میں اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس کا پستول ہاتھ میں ٹھٹھر کے رہ گیا وہ ایک مقامی آدمی تھا' ہندوستانی ۔ مجھے اسے مارتے ہوئے دکھ ہوا اور میں نے پوچھا ۔ "تمہیں کیا پیغام ملا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ دہشت زدہ لہجے میں بولا۔ " راستے میں گوروں کی

گفتگو سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ کھنڈر کی طرف جا رہے ہیں۔"

"تمہیں معلوم ہے' انہیں یہ پیغام کس نے دیا تھا؟"

"جیکسن صاحب نے۔"

"جیکسن صاحب کے ساتھ کون تھا؟" میں نے سختی سے پوچھا۔ وہ لرز رہا تھا۔ "مجھے نہیں معلوم۔"

"کیا انہوں نے موہن داس کا نام نہیں لیا تھا؟ سچ بولو۔"

"جی میں نے نہیں سنا......" اس کی آواز کانپنے لگی۔

"وہ یہاں کیوں آئے تھے؟"

"جناب! میں تو ایک ڈرائیور ہوں۔" وہ گھگیا کے بولا۔

"راستے میں وہ کچھ گفتگو تو ضرور کر رہے ہوں گے؟"

"وہ کچھ نہیں جانتے تھے اور خود اس فکر میں تھے کہ یہ پیغام جیکسن صاحب ہی نے دیا ہے یا کسی اور نے انہیں دھوکا دینے کی کوشش کی ہے' اس لیے وہ بہت محتاط تھے ۔ بس جناب! میں نے یہی سنا تھا۔"

جی چاہتا تھا کہ اسے چھوڑ دیا جائے میں نے دل پر جبر کیا' مجھے اپنے آپ سے شدید نفرت ہوئی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا رہ گیا۔ وہ اندھیرے میں مر گیا ہوتا تو اچھا تھا ۔ میں نے چہرے دیکھ کے کہاں نشانے لگائے تھے' اس کے ہاتھ سے ٹارچ لے کے میں نے ایک ایک لاش کا جائزہ لیا' وہ سب ختم ہو چکے تھے ۔ ہر طرف لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ میری سانس پھولنے لگی تھی۔ زمین پر پڑا ہوا پستول اٹھا کے میں اپنی پوری توانائی کے ساتھ بھاگتا رہا۔ رسی فصیل سے لٹکی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا' راج محل سے آنے والے راستے کی سمت بیٹھ جاؤں ۔ دنیش ابھی واپس نہیں آیا ہو گا' اس کی گاڑی کسی نہ کسی وقت ضرور گزرے گی' اس میں چھپ جاؤں گا۔ رسی پر چڑھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا تھا۔ بھون کے قریب آ کے تو توانائی جاتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ دنیش کا یقین نہیں تھا۔ ممکن ہے' وہ واپس آ گیا ہو' میں نے رسی سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ فصیل کے ابھرے ہوئے پتھروں کی رگڑ سے جسم کئی جگہ سے چھل گیا۔

aazzamm@yahoo.com

Uploaded By:

-A Z A M-

Scanned By Ali and Azam

Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

ملاقاتی کمرے میں آ کے میں نے رسی کی گٹھری ایک طرف پھینکی اور دھڑ سے صوفے پر گر گیا۔ دنیش چندر ابھی نہیں آیا تھا اور نہ مجھے اس کا انتظار تھا۔ دیر ہو گئی ۔ جسم پر بچھو ڈنک مارتے رہے۔ دھڑ دھڑ دروازے پر کوئی دستک دے رہا تھا۔ ساتھ ہی جل ترنگ گھنٹی کی آوازیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ مجھے ا آپ کو سمیٹنے میں بہت دشواری ہوئی' میں صوفے سے اٹھا تو چکرا گیا۔ کسی نہ کسی ط دروازے تک پہنچا اور چٹخنی کھولی۔ شاردا ہانپتی کانپتی ہوئی تیر کی طرح اندر داخل ہ اور میرے سینے میں پیوست ہو گئی۔ '' موہن! فوراً یہاں سے بھاگ چلو' ابھی' اسی وقت۔'' وہ آنسوؤں اور ہچکیوں کے ساتھ بولی۔ '' پتہ نہیں پھر کیا ہو' اس وقت دنیش بھی موجود نہیں ہے۔ ہم رات ہی رات میں ریاست سے بہت دور نکل جائیں گے۔' اس کی آواز غم اور خوف سے لرزاں تھی۔ '' تم خاموش کیوں ہو؟'' اس کا گلا رندھنے لگا۔ '' کچھ ہوش ہے۔ ابھی راج کماری کنول نے فون پر مجھے مبارک باد دی ہے کہ مہارانی نے دنیش سے مجھے مانگ لیا ہے۔''

☆......☆......☆

Uploaded By:

-A Z A M-

ہوس کی داستان آپ بیتی جاری ہے!
مزید واقعات کے لئے جلد سوم کا مطالعہ کریں۔

Uploaded By:

-A Z A M-

Uploaded By:

-A Z A M-

aazzamm@yahoo.com